ابتدائیہ

امہات المومنین

ذکر اس پری وش کا

رخ سخن

آغوش مادر

ملاقات

سروے

سلسلہ وار ناول

مکمل ناول

ناولٹ

افسانے

پبلشر: مشتاق احمد قریشی پرنٹر: جمیل حسن، ابن حسن پرنٹنگ پریس
ہاکی اسٹیڈیم کراچی دفتر کا پتا: 7 فرید چیمبرز، عبداللہ ہارون روڈ کراچی۔ 74400

مستقل سلسلے

خط و کتابت کا پتہ: "آنچل" پوسٹ بکس نمبر 75 کراچی 74200 فون: 021-35620771/2

السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہٗ

جنوری ۲۰۱۶ء کا حجاب حاضر مطالعہ ہے۔

حجاب کو پسند اپنانے کے لیے ادارہ تمام قاری بہنوں کا تہہ دل سے شکریہ ادا کرتا ہے آپ کی آرا ہماری رہنمائی کرتی ہیں۔ عیسوی سال نو مبارک ہو۔ اللہ تعالیٰ اس سال کو بھی سال گزشتہ کی طرح امن و امان کا سال بنا دے، آمین۔ گزشتہ سال 2015ء افواج پاکستان کی کوشش وکاوش سے بتدریج امن واماں کا سال بنا کراچی جو منی پاکستان بھی ہے۔ یہاں گزشتہ سالوں میں خون کی ندیاں بہہ رہی تھیں ہر روز نکلنے والا سورج اپنے ساتھ آہ وبکا کی نئی چیخیں سنا رہا تھا۔ اب الحمدللہ اللہ تعالیٰ نے بڑا کرم وفضل فرمایا کہ دہشت گردی پھیلانے والے عناصر کا افواج پاکستان کے رینجرز کے ذریعے تقریباً خاتمہ کردیا اور حالات کو پر امن بنا دیا ہے لیکن اب سندھ کے سیاست دانوں میں بے چینی اور بے کلی پیدا ہو رہی ہے تمام سیاسی جماعتوں کے عسکری شعبے رینجرز کی کارروائیوں سے متاثر ہو رہے ہیں۔ امید ہے کہ مرکز اپنی حکمت عملی سے سندھ میں سیاسی بے چینی کو دور کرنے کا مناسب حل ضرور کرے گی۔

حجاب کا تیسرا شمارہ آپ کی خدمت میں پیش کررہے ہیں امید ہے کہ یہ بھی آپ کی پسند ومعیار پر پورا اترے گا۔ ان شاء اللہ تعالیٰ ہماری کوشش تو یہی ہے کہ اچھے سے اچھا میٹر آپ کی خدمت میں پیش کریں اس میں کسی حد تک کامیاب ہو رہے ہیں یہ آپ کے خطوط محبت نامے ہی ہمیں بتاتے ہیں امید ہے بہنیں اپنی آرا سے بھرپور طریقے سے آگاہ کرتی رہیں گی۔

اس ماہ کے ستارے

☆ ہیں کئی ہجر درمیاں جاناں — ہجر وفراق کے رنگوں کو دلکشی سے سموئے صائمہ قریشی کی خوب صورت کاوش۔

☆ وہ ایک سجدہ — سجدہ شکر بجا نہ لانے والے اکثر شکوہ کناں رہتے ہیں، طلعت نظامی کا موثر افسانہ۔

☆ محبت دسترس میں ہے — محبت کے نئے رنگوں کے سنگ نزہت جبین ضیاء منفرد انداز میں جلوہ گر ہیں۔

☆ میرے خوب میری خواہش — راہ راست سے بگڑے نوجوان کی کہانی آپ بھی جانیے عابدہ سبین کی زبانی۔

☆ موسم کی پہلی بارش — پیار کی برکھا رت نے غلط فہمی کے بادل کیسے دور کیے، جانیے اریشہ غزل کے خوب صورت انداز بیاں میں۔

☆ گلاب سارے — فصیحہ آصف طویل عرصے بعد اپنی تحریر کے سنگ جلوہ گر ہیں۔

☆ بنت حوا — بنت حوا کی آزمائشوں کی داستان پیش کرتی افشاں علی کی منفرد تحریر۔

☆ نیت — عمال کا دارومدار نیت پر ہے اس موضوع پر قلم بند کرتی اقصیٰ افضال محفل میں ہیں۔

☆ مدھم دیئے — زندگی کے اندھیروں کو اجالوں میں بدلتی حمیرا شعیب پہلی بار شریک محفل ہیں۔

☆ کہانی — ایک کہانی بڑی پرانی آپ بھی جانیے سائرہ کی زبانی۔

اگلے ماہ تک کے لیے اللہ حافظ۔

دعا گو

قیصر آرا

حمد

کس کا نظام راہ نما ہے افق افق
کس کا دوام گونج رہا ہے افق افق

شان جلال کس کی عیاں ہے جبل جبل
رنگِ جمال کس کا جما ہے افق افق

کس کے لیے نجوم بکف ہے روش روش
باب شہود کس کا کھلا ہے افق افق

کس کے لیے سرود صبا ہے چمن چمن
کس کے لیے نمود ضیا ہے افق افق

مکتوم کس کی موجِ کرم ہے صدف صدف
مرقوم کس کا حرف وفا ہے افق افق

کس کی طلب میں اہلِ محبت ہیں داغ داغ
کس کی ادا سے حشر بپا ہے افق افق

سوزاں ہے کس کی یاد میں تائبؔ نفس نفس
فرقت میں کس کی شعلہ نوا ہے افق افق

حفیظ تائبؔ......لاہور

اک نگاہ کرم ہوجائے تو کیا بات ہو
زندگی بابِ ارم ہوجائے تو کیا بات ہو

ہر طرف جامِ محبت چھلکنے لگے
رخ شمع حرم ہوجائے تو کیا بات ہو

بے کسوں کے ولی، بے بسوں کے غنی
پھر سے ابرِ کرم ہوجائے تو کیا بات ہو

میرے در پر محبت کا پرچار ہو
دل میرا زی حشم ہوجائے تو کیا بات ہو

بخش جائیں گے سب کے گناہ اے طلعتؔ
ان کی چشم کرم ہوجائے تو کیا بات ہو

طلعت نظامی......کراچی

حضرت حفصہؓ بنت عمرؓ

آپ کا نام حفصہؓ تھا' والد حضرت عمر فاروقؓ تھے والدہ حضرت زینب بنت مظعونؓ تھیں جو بڑی جلیل القدر صحابیہ تھیں۔ فقیہ اسلام حضرت عبداللہ بن عمرؓ آپ کے حقیقی بھائی تھے۔

بعثت نبوی سے پانچ سال قبل جب خانہ کعبہ کی تعمیر ہورہی تھی حضرت حفصہؓ پیدا ہوئیں جس گھریلو ماحول میں سیدہ حفصہؓ نے آنکھ کھولی تھی اس نے ان کی طبیعت و مزاج کی تشکیل میں بڑا اہم کردار ادا کیا لہٰذا بے لوثی و بے خوفی ان کی طبیعت کا جزو تھی۔ جرأت و بے باکی ایک ایک انداز سے نمایاں تھی' سخن فہمی و نکتہ سنجی وراثت میں ملی تھی۔ صاف گوئی و یک رنگی طبیعت کا خاصا تھی اور مداہنت و چاپلوسی سے دور کا بھی واسطہ نہ تھا' علاوہ ازیں مزاج میں قدرے تیزی تھی۔

سیدہ حفصہؓ کے والد چھٹے سال نبوت میں نور اسلام سے بہرہ ور ہوئے اور اسی دن ان کے تمام اہل خانہ اس دولت سے سرفراز ہوئے اس وقت سیدہ حفصہؓ بنت عمرؓ کی عمر دس برس تھی۔

حضرت حنیس بن خذافہؓ بنوسہم میں سے تھے' اسلام کی طرف سبقت کرنے والوں میں سے تھے۔ دوسرے مسلمانوں کی طرح یہ بھی کفار و مشرکین کی اذیتوں اور تکالیف سے محفوظ نہیں رہے اور تمام مصائب کو خوش دلی و خندہ پیشانی سے برداشت کیا۔ راہ حق کے متوالوں کی یہی شان ہے کہ وہ ہر مقام پر پورے اترتے ہیں جب دوسری مرتبہ آنحضرتؐ نے ملک حبش کی طرف ہجرت کر جانے کی اجازت مرحمت فرمائی یہ بھی ان مہاجرین میں شامل تھے۔ اس دفعہ کفار و مشرکین نے مسلمانوں کے ہجرت کر جانے کے راستے میں طرح طرح کے روڑے اٹکائے مگر کسی نہ کسی طرح مسلمان حبشہ چلے گئے جہاں اپنے مذہب پر کاربند رہنے کی مکمل آزادی تھی اور زندگی کے دن بڑے امن و چین کے ساتھ گزر رہے تھے اور پھر کچھ عرصہ وہاں قیام پذیر رہنے کے بعد واپس مکہ مکرمہ آگئے۔

ان دنوں حضرت سیدہ حفصہ بنت عمر ابن الخطابؓ اس منزل میں قدم رکھ چکی تھیں چنانچہ بیٹی کے رشتے کے لیے ان کی نظر انتخاب حضرت حنیس بن خذافہؓ پر پڑی جو بنوسہم سے تھے چنانچہ دونوں کی شادی کر دی گئی' وہ ہنسی خوشی زندگی کے دن گزارنے لگے۔

سیدہ حفصہؓ کے والد گرامی نے سب سے پہلے کعبۃ اللہ کا سات بار طواف کیا پھر مقام ابراہیم پر دو رکعت نماز ادا کی بعد ازاں حلقہ مجلس میں کھڑے ہوکر کفار و مشرکین کو مخاطب کرکے فرمایا۔

''تمہارے چہرے مسخ ہوں' تمہاری ناک خاک آلود ہو' جو شخص چاہتا ہے کہ اپنی ماں کو اپنے پیچھے روتا ہوا چھوڑے۔ اپنی بیوی کو بیوہ بنائے اور اپنے بچوں کو یتیم ہونے دے وہ حرم کے باہر مجھ سے جنگ کرلے۔ میں ہجرت کرکے مدینہ جارہا ہوں اگر کسی میں دم خم ہو تو روک کر دکھائے۔''

اور پھر آپؓ نے اپنے گرد و پیش میں نگاہ دوڑائی جہاں مختلف ٹولیوں میں لوگ بیٹھے تھے مگر اہل قریش میں سے کسی کو ہمت نہیں ہوئی کہ وہ زبان سے کوئی جملہ نکالے یا آگے بڑھ کر انہیں روکنے کی جرأت کرے ایسا لگتا تھا جیسے انہیں سانپ سونگھ گیا ہو۔

اس کے بعد وہ حرم سے باہر نکلے اسی اثناء میں لوگوں کو پتا چل گیا تھا کہ آج حضرت عمر بن الخطابؓ مدینہ کی طرف ہجرت کررہے ہیں چنانچہ جو لوگ کمزور تھے اور سمجھتے تھے کہ وہ تنہا کفار و مشرکین کا مقابلہ نہیں کر سکتے وہ بھی ہجرت کی غرض سے ساتھ ہولیے۔ ان کی کل تعداد بیس ہوگئی ان لوگوں میں حضرت سیدہ حفصہؓ ان کے شوہر حضرت حنیس بن خذافہؓ' ان کے تایا حضرت زید بن الخطاب اور پھوپھا حضرت سعید بن زیدؓ بھی شامل تھے اور پھر یہ چھوٹا سا قافلہ سوئے مدینہ چل پڑا۔ کفار و مشرکین انہیں جاتا ہوا دیکھ رہے تھے لیکن حضرت عمر فاروقؓ کا خوف و دبدبہ اتنا تھا کہ سب خون کے گھونٹ پی کر رہ گئے۔

قافلہ سفر کی صعوبتوں کو برداشت کرتے ہوئے مختلف مقامات پر قیام کرنے کے بعد شب و روز رواں دواں تھا۔ چند دنوں کے بعد یہ لوگ مدینہ کی قریبی بستی قبا میں پہنچے تو وہیں رہائش اختیار کرلی۔

حضرت حفصہؓ کے شوہر حضرت حنیسؓ ہجرت کے بعد جنگ بدر میں شریک ہوئے اور پامردی سے لڑے لڑائی میں شدید زخمی ہوئے چنانچہ انہیں اٹھا کر مدینہ لے گئے۔ علاج کے باوجود جاں بر نہ ہوسکے اور حضرت حفصہؓ بیوہ ہوگئیں۔

اپنی لخت جگر کو بیوہ دیکھ کر حضرت عمر فاروقؓ کو ان کے نکاح ثانی کی فکر ہوئی۔ ایک دن رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے تخلیہ میں حضرت ابوبکر صدیقؓ سے حضرت حفصہ کا ذکر کیا۔ حضرت عمرؓ کو اس کا علم نہ تھا چنانچہ انہوں نے حضرت ابوبکرؓ کو حضرت حفصہؓ سے نکاح کرلینے کے لیے کہا' وہ خاموش رہے۔ حضرت عمرؓ کو ناگوار گزرا پھر وہ حضرت عثمانؓ کے پاس گئے ان ہی دنوں حضرت رقیہؓ بنت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا انتقال ہوا تھا۔

حضرت عمرؓ نے انہیں اپنی لخت جگر سے نکاح کرلینے کے

لیے کہا' حضرت عثمانؓ نے فرمایا ''میں ابھی نکاح نہیں کرنا چاہتا۔'' اب حضرت عمر فاروقؓ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوئے اور تمام حالات بیان کیے' رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔

''حفصہؓ کا نکاح ایسے شخص سے کیوں نہ ہوجائے جو ابوبکرؓ اور عثمانؓ دونوں سے بہتر ہے۔''

یہ گویا اپنی ذات گرامی کی طرف اشارہ تھا' حضرت عمر فاروقؓ کی اس سے بڑھ کر کیا خوش قسمتی ہوسکتی تھی' فوراً قبول کرلیا اور ۳ھ میں حضرت حفصہؓ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے نکاح میں آگئیں۔

ام المومنین سیدہ حفصہؓ کے مزاج میں قدرے تیزی تھی لہٰذا بعض اوقات گھریلو ماحول میں معمولی سی تلخی پیدا ہوجاتی تھی لیکن اس مبارک گھر میں جلد ہی یہ صورت حال محبت و شفقت اور ملائمت ونرمی کی شیرینی میں تبدیل ہوجاتی تھی سیدنا حضرت عمر فاروقؓ فرماتے ہیں۔

''اللہ کی قسم ہم عہد جاہلیت میں عورتوں کو خاطر میں نہ لاتے تھے اور دبا کر رکھتے تھے جب ہم مدینہ آئے تو ہمیں یہاں ایسے لوگ بھی ملے جن پر ان کی بیویاں حاوی تھیں اور یہی سبق ہماری عورتیں ان سے سیکھنے لگیں۔'' ایک دفعہ کسی کام سے متعلق کسی سے مشورہ کررہا تھا میری بیوی کہنے لگی۔

''ایسا اور ایسا کرلو۔''

میں نے کہا ''تمہیں اس بات سے کیا واسطہ؟''

بیوی نے جواب دیا ''تعجب ہے کہ آپ اپنے کام میں کسی کی مداخلت گوارا نہیں کرتے حالانکہ آپ کی بیٹی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے تکرار کرتی ہے جو آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی رنجیدگی کا باعث بنتی ہے۔''

یہ سن کر میں نے اپنی چادر سنبھالی اور سیدھا بیٹی حفصہؓ کے گھر گیا' وہ مجھے دیکھ کر خوش ہوئی میں نے پوچھا۔

''بیٹی! کیا تم آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے تکرار کرتی اور جواب دیتی ہو جو انہیں گراں گزرتی ہے؟''

''ہاں۔'' بیٹی نے جواب دیا۔

''کیا تم اللہ اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کے غضب سے نہیں ڈرتی ہو جو ایسا کرتی ہو؟''

اور پھر میں نے اس سے کہا۔

''اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم سے کبھی کوئی ایسی بات نہ کرنا جو ان کی طبیعت پر گراں گزرے اور نہ ان سے کسی چیز کا مطالبہ کرنا اور نہ ہی تم حضرت عائشہ صدیقہؓ کی ریس کرنا جو رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی محبت پر نازاں ہیں۔''

ام المومنین سیدہ حضرت حفصہ بنت عمر فاروقؓ پیکر اخلاص ایمان وایقان میں پختہ' زہد وریاضت میں ہمہ تن سرگرم حب رسول صلی اللہ علیہ وسلم میں غریق' وفا شعار اطاعت گزار متورع' شب بیدار' کثرت سے روزے رکھنے والی اور احکام دین کی بجا آوری میں پوری اہتمام کرنے والی خاتون تھیں علاوہ ازیں آپ پڑھی لکھی بھی تھیں۔

ایک مرتبہ حضرت یوسفؑ کے قصوں پر مشتمل کوئی کتاب کہیں سے مل گئی تو سیدہ حفصہؓ اس کو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے سامنے پڑھنے لگیں اس پر ارشاد فرمایا۔

''قسم ہے اس ذات کی جس کے قبضے میں میری جان ہے اگر میرے موجود ہوتے ہوئے بھی تم میں حضرت یوسف آجائیں تو تم مجھے چھوڑ کر ان کے پیچھے لگ جاؤ گے اور گمراہی کا راستہ اختیار کرلو گے حالانکہ تمام نبیوں میں سے تمہارا نبی میں ہوں اور تمام امتوں میں سے تم میری امت ہو۔''

جب دیکھا کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے اس بات کو ناپسند فرمایا ہے تو کتاب فوراً چھوڑ دی اور عرض کیا۔

''یارسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم! میں آپ کو ناراض نہیں دیکھ سکتی۔''

رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت حفصہ کی تعلیم کا خاص اہتمام فرمایا۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے ارشاد کے مطابق حضرت شفاءؓ بنت عبداللہ بن عبدشمس بن خلف نے آپؓ کو لکھنا پڑھنا سکھایا۔ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے قرآن حکیم کے تمام کتابت شدہ اجزا کو یکجا کرکے حضرت حفصہؓ کے پاس رکھوا دیا جو رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات کے بعد تازندگی ان کے پاس رہا۔ یہ بڑا عظیم الشان شرف تھا جو حضرت حفصہؓ کو حاصل ہوا حضرت حفصہؓ سے ساٹھ حدیثیں منقول ہیں۔

دجال کے شر سے بہت ڈرتی تھیں' مدینہ میں ایک شخص ابن صیاد تھا اس میں دجال کی بعض علامات پائی جاتی تھیں ایک دن حضرت عبداللہ بن عمرؓ کو راستے میں مل گیا انہوں نے اس کی بعض حرکتوں پر اظہار نفرت کیا۔ ابن صیاد حضرت عبداللہ بن عمرؓ کا راستہ روک کر کھڑا ہوگیا انہوں نے اسے پیٹنا شروع کردیا۔ حضرت حفصہؓ کو خبر ہوئی بھائی سے کہنے لگیں۔ ''تم اس سے کیوں الجھتے ہو' تمہیں معلوم نہیں حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ دجال کے خروج کا محرک اس کا غصہ ہوگا۔''

حضرت حفصہؓ نے ۴۵ ہجری میں مدینہ منورہ میں وفات پائی۔ حضرت ابوہریرہؓ جنازہ کو قبر تک لے گئے ان کے بھائی عبداللہ بن عمرؓ اور بھتیجوں نے قبر میں اتارا۔

وفات سے پیشتر حضرت عبداللہؓ کو وصیت کی کہ ان کی غابہ کی جائیداد کو صدقہ کرکے وقف کردیں' اولاد آپؓ نے کوئی نہیں چھوڑی۔

ذکر اس پری وش کا

زینب احمد

میرا نام طیبہ ہے 28 مارچ کو دنیا میں تشریف آوری ہوئی' میرا تعلق اٹک سے ہے۔ اسٹار ایریز ہے جو کہ مجھے بہت پسند ہے جسے ڈسکس کرنے میں مجھے بے حد مزا آتا ہے خاص طور پر نازیہ باجی کے ساتھ۔ خزاں اور شاعری سے عشق ہے لیکن کوشش کے باوجود میں آج تک ایک مصرعہ نہیں لکھ پائی۔ شاعروں میں محسن نقوی پسند ہیں اور اس کے بعد ایک نئے ابھرنے والے شاعر جن سے ایک فیسٹیول میں ملاقات ہوئی تھی' موسٹ فیورٹ ہیں اور ان کی پوئٹری مجھے بہت اپیل کرتی ہے۔ سوچنا' غور و فکر کرنا اہم ترین مشغلہ ہے' فطرتاً تنہائی پسند ہوں اور کسی حد تک خود غرض اور بے مروت بھی لیکن بھائی کی وفات کے بعد تو کافی چینج ہوگئی ہوں۔ اب سب کے ساتھ گھل مل جاتی ہوں' سوال رہا نیچر کا تو اردگرد موجود لوگوں کے اس جملے سے اندازہ کرلیں ''طیبہ یار تمہیں سمجھنا بہت مشکل ہے کوئی رائے قائم کرنا مشکل ہے پل میں تولہ پل میں ماشہ۔ تم سے بندہ کسی بھی وقت کچھ بھی ایکسپکٹ کرسکتا ہے۔'' بات کرتے ڈر لگتا ہے کہ نجانے کیا کہہ دو' ساتھ ہی ایک عادت جو پتا نہیں خوبی کے زمرے میں آتی ہے یا خامی کہ کسی کو انکار نہیں کرسکتی' چاہے میرے بس کا کام نہ ہو۔ امی سے اس بات پر ڈانٹ بھی پڑتی ہے' ہر بات منہ پر کہہ دیتی ہوں کیونکہ مجھے منافقت پسند نہیں لیکن اس عادت پر اکثر منہ پھٹ کا خطاب ملتا ہے۔ سی' مونا' سندس' روبی باجو اور حرا فرینڈز ہیں جن سے کبھی تعلقات بحال نہیں رہے (ہاہاہا)۔ اب تو سارے ہی خزاں رسیدہ پتوں کی طرح ادھر اُدھر بکھر چکے ہیں لیکن محبت قائم رہتی ہے نا۔ سائیکالوجی میں آگے جانا میرا خواب ہے' دلی جذبات شو نہیں کرتی جس کی وجہ سے بقول فرینڈز جتنی محبت اور کیئر وہ مجھے دیتی ہیں میں انہیں نہیں دیتی۔ ہر کسی پر اعتبار نہیں کرسکتی اور اب تو کسی پر نہیں کہ بعض اوقات انسان بہت غلط جگہ اعتبار کرکے پھر اسے کھو دیتا ہے تو بہتر ہے کہ انسان کسی پر بھروسہ کرے ہی نہیں بس ضرورت کی حد تک ویسے بھی آج کے زمانے میں تو لوگ زندگی جینے کے بجائے گزار رہے ہیں کہ رشتوں کی احساس ہی اعتماد ہے اور اعتماد ہی کی عدم موجودگی ہو تو...... لگتا ہے کچھ زیادہ ہی بونگیاں ماردیں' اینڈ میں دل دکھانے اور بھرم توڑنے والوں سے پوچھنا چاہوں گی کہ ایسا کرکے آخر ملتا کیا ہے اگر خوشی تو کیا دائمی...... اگر نہیں تو پھر کیوں کرتا ہے ہر دوسرا انسان ایسا؟ ایک انسان دوسرے کے ہونٹوں پر مسکان کیوں زیادہ دیر ٹھہرنے نہیں دے پاتا؟ دعاؤں میں یاد رکھیے گا' اللہ حافظ۔

ہم وہ ہیں جن کے آنے سے محفلیں سج جاتی ہیں
ہم یہاں پر آئے ہیں حجاب کو سجانے کے لیے

تاریخ پیدائش 11 اگست 1994ء' اسٹار لیو' آ ہم ...... ہم آنچل کو سجانے آئے ہیں خیر تعارف آگے بڑھاتے ہوئے بتاتے چلیں کہ ہم آنچل کو عملی طور پر سجانے میں اپنا کردار اور کسی حد کامیاب ادا کررہے ہیں یہ آپ بھی اچھی طرح جانتے ہوں گے' تھوڑی بہت شاعری ہی فرمالیتے ہیں۔ رائٹر بننا میرا شوق ہے اور آنچل نے میرے اس خواب کو شرمندہ تعبیر کرتے ہوئے دوسروں کے سامنے شرمندہ ہونے سے بچالیا ہے تھینک یو آنچل۔ کچھ اپنی فیملی کے بارے میں آپ کو آگاہ کروں کیونکہ یہ

بھی تو ضروری ہے ناں فیملی ہے تو میں ہوں' ہے ناں۔ میری فیملی کے سربراہوں میں موڈی سے ابو اور شوخ وخوش مزاج امی جو وقتاً فوقتاً سخت مزاجی کا مظاہرہ بھی کر لیتی ہیں شامل ہیں۔ ماشاء اللہ پانچ بھائی اور دو بہنیں ہیں' دو بھائی بڑے ہیں وقاص بھائی اور زیبی جسے کبھی بھائی کہنے کی توفیق نہیں ہوئی۔ مجھے ان دونوں سے خاص طور پر محبت ہے البتہ وقاص بھایا سے کلوز والی دوستی ہے' باقی چھوٹوں کا کیا ذکر کرنا کہ فی الحال ان کے شور سے لکھنا بھی محال ہو رہا ہے۔ بہنوں میں مترنم اور عائشہ ہے' مترنم سے کافی دوستی ہے اور عائشہ تو فی الحال چار سال کی ہے اور امی جان مجھے واقعی آپ سے بہت پیار ہے' پتا نہیں آپ کو یقین کیوں نہیں آتا۔ دوستوں کے معاملے میں بہت لکی ہوں' بہت مخلص دوستیں ملیں۔ سب سے پہلے فقیہ کا نام لوں گی' مجھے فخر ہے تمہاری دوستی پر۔ پھر سمیہ اعظم' سمیہ تم اور تمہاری دوستی میرے لیے بہت قیمتی ہے' مجھے تم سے محبت ہے' تمہاری شرارتیں بہت یاد آتی ہیں' آئی لو یو سو مچ۔ اس کے بعد مہوش' آصفہ' اصغر' صائقہ' عدیسہ' نائلہ' فرح' نیلم' فریحہ' ارم' زینب' ماریہ' اقراء وغیرہ وغیرہ کزنز میں کنزہ مریم اور انعم اظہر' دوستی اور محبت کا حسین امتزاج ہیں مجھے سب دوستوں سے بہت محبت ہے۔ میری پسند ناپسند کچھ خاص نہیں' خوامخواہ ہر کسی کے ساتھ فری ہونے والے لوگ پسند نہیں' باوقار اور مخلص لوگ پسند ہیں۔ باشعور اور محبت کرنے والے لوگ پسند ہیں' محبت پسند ہے آنچل سے وابستہ سب پریوں سے محبت ہے۔

ارے ہاں میں بی اے کی اسٹوڈنٹ ہوں اور یقیناً تعارف کی اشاعت تک مکمل ہو چکا ہوگا آخر میں کہوں گی کہ خوشیوں کے مواقع ضائع مت جانے دو' زندگی بار بار نہیں ملتی جہاں سے خوشی ملے لے لو۔ سب کو محبت دو یقیناً آپ کو بھی بہت محبت ملے گی' دنیا کو محبت کی ضرورت ہے اپنے اردگرد رہنے والوں کا ڈھیر سارا خیال رکھا کریں' ہمیشہ خوش رہیں' اللہ حافظ۔

''اوشٹ اسے بھی ابھی خراب ہونا تھا' ہاتھ کے اشارے سے گاڑی روکی'

''کیا مسئلہ ہے' مجھے یوں سڑک کے بیچ کھڑا کروادیا۔''

''وہ میری گاڑی خراب ہے۔''

''تو میں کیا کروں۔''

''آپ مجھے آگے تک چھوڑ دیں پلیز بڑی مہربانی ہوگی۔''

''بیٹھیے' میں ذرا جلدی میں ہوں۔''

''آپ کیا نام ہے؟''

''شمع مسکان۔''

''کیا کرتی ہیں آپ؟''

''زیادہ فری ہونے کی کوشش نہ کرو یہ بتاؤ جانا کہاں ہے؟''

''آنچل ولا۔''

''اوکے' کس سلسلے میں؟''

''اپنا انٹرویو دینے۔''

''او تو میں اب بھی انٹرویو جاب کے لیے دینا ہے۔''

''نہیں۔''

''اور کیا رشتے کے لیے دینا ہے؟''

''نہیں جی۔''

''اچھا تو شرما کیوں رہی ہو؟''

''آپ نے بات ہی ایسی کہی (ہاہاہا) سوری۔''

''لو آ گیا آنچل ولا۔''

ٹھک ٹھک ''کون ہے جی؟''
''زینب احمد سے ملنا ہے۔''
''بی بی تو سو رہی ہیں؟''
''انہیں کہو سمیرا شریف طور آئی ہیں۔''
''اچھا...... بی بی جی' بی بی جی۔''
''کیا ہوا شگو؟''
''وہ باہر ایک لڑکی آئی ہیں اپنا نام سمیرا شریف طور بتا رہی ہے۔''
''انہیں بٹھاؤ میں آتی ہوں۔''
''السلام علیکم۔''
''وعلیکم السلام۔ آپ رائٹر سمیرا شریف طور ہیں۔''
''نہیں وہ تو آپ کا انتظار کر کے جا چکی ہیں' میں کرن ملک ہوں' اپنا انٹرویو دینے آئی ہوں۔''
''بی بی کچھ ٹھنڈا گرم لاؤں؟''
''بی بی سے کیا پوچھ رہی ہو لے آؤ اور مہمان میں ہوں آپ کو مجھ سے پوچھنا چاہیے تھا۔''
''اچھا جی لاتی ہوں۔''
''اور ہاں سنو ہو سکے تو ٹھنڈا گرم دونوں لے آنا۔''
''جی زینب! میرا نام کرن ہے اور میں پاکستان کے چھوٹے سے شہر جتوئی کے چھوٹے سے محلے چھوٹی سی گلی میں رہتی ہوں جو آپ لوگوں سے بہت دور ہے لیکن دلوں سے دور نہیں' کیوں زینب جی میں نے ٹھیک کہا نا' کیا آپ سن رہی ہیں۔''
''ہاں میں سن رہی ہوں لیکن آپ کی آنکھیں تو بند ہیں۔''
''میری آنکھیں بند ہیں کان تو بند نہیں۔''
''اچھا اچھا' ویسے آپ پر یہ کلر بہت اچھا لگ رہا ہے' مجھے تو میرون اور پنک کلر اچھے لگتے ہیں۔ ہماری کرکٹ ٹیم بھی ہے مطلب یہ کہ ہم گیارہ بہن بھائی ہیں' چھ بھائی پانچ بہنیں...... بہنوں میں سب سے بڑی ہوں اور تین بھائیوں سے چھوٹی تین سے بڑی ہوں۔ کرکٹ سے یاد آیا مجھے کرکٹ دیکھنے کا بہت شوق ہے۔ جب ہم سب بہن بھائی اکٹھے ہو جائیں تو بہت ہلا گلہ کرتے ہیں' بہنوں میں سب سے بڑی ہونے کی وجہ سے چھوٹے بہن بھائیوں پر اچھا خاصہ رعب...... نہیں ہے۔ آج کا تو زمانہ ہی الٹ ہے چھوٹے بہن بھائی بڑوں پر رعب جماتے ہیں۔ سردیوں کی شامیں بہت پسند ہیں' یکم جنوری کی ٹھٹھرتی رات کو اپنے آنگن میں روشنی کی کرن بن کر اتری۔ موڈی بہت ہوں' اپنے موڈ کے مطابق کام کرتی ہوں ویسے مجھے ہر کام کرنا آتا ہے' تھوڑی شرارتی اور ضدی بھی ہوں اور حساس بہت زیادہ ہوں۔ چھوٹی سی بات پر رونا آ جاتا ہے سب سے بڑی خامی یہ ہے لوگوں پر جلد اعتبار کر لیتی ہوں' کافی لوگوں نے دل توڑا اب تو ڈاکٹر بھی جوڑ جوڑ کر تھک گیا ہے اور لاعلاج ہو گئی ہوں' ہاہاہا۔ کھانے میں ہر طرح کے چاول' آلو میتھی' گول گپے (آ گیا نہ منہ میں پانی) اور سموسے پسند ہیں۔ ڈرنک میں اسٹرابری اور سپرائٹ پسند ہیں پھل تقریباً سب ہی کھا لیتی ہوں' کپڑوں میں لانگ شرٹ ٹراؤزر اور ساڑھی پسند ہے۔ جیولری میں سب سے اچھی چوڑیاں لگتی ہیں' دوستوں میں سرفہرست نام یہ ہیں حفصہ' ثانیہ' نادیہ' سعدیہ' شاہ رخ اور سونیا ہیں۔ یاد آیا ایک اور بھی ہے نیلی پیلی سوری یار نیلم نام ہے اس کا کھاتی اتنا ہے یار کیا بتاؤں لیکن کھایا پیا لگتا نہیں وہی کمزور کی کمزور اور کام ایک نہ کرواؤ' کام کی نہ کاج کی دشمن اناج کی۔ رائٹر میں نازیہ کنول نازی' سمیرا شریف طور' عشنا کوثر اور سباس گل پسند ہیں۔ موڈ کے مطابق میوزک سنتی ہوں' پانچوں وقت کی نماز ادا کرنے کی کوشش کرتی ہوں اور کامیابی بھی حاصل ہے زینب جی! اتنا کافی ہے یا اور بتاؤں۔''
''کیا مطلب ہے پورے ڈائجسٹ میں ہم نے صرف تیرا انٹرویو چھاپنا ہے۔''
''نہیں۔''
''اوکے جاتی ہوں' اپنا خیال رکھنا' دعاؤں میں یاد رکھنا۔''

سحرش خان

سب سے پہلے پیارے پیارے آنچل کی سویٹ سویٹ بہنوں کو میٹھا میٹھا سلام۔ ارے وعلیکم السلام تو کہہ دیں یہ ہوئی نہ بات اپنے بارے میں کچھ کہنا چاہوں گی اجازت ہے نا؟ جی تو میرا اور آنچل کا ساتھ تقریباً چھ سال پرانا ہے اور آنچل تو مجھے جی جان سے پیارا ہے بہت شوق سے پڑھتی ہوں اور وہ بھی امی سے چوری ویسے چوری چھپے پڑھنے کا اپنا ہی مزا ہے (ہے نا)۔ چلئے جی اب اپنی سویٹ بہنوں کو مزید انتظار کروائے بغیر بتاتی چلوں کہ ماہدولت کو سحرش خان کہتے ہیں پیار سے سحر سحری اینڈ پارو۔ پارو نام پسند نہیں پھر بھی سب کہتے ہیں خیر کوئی بات نہیں۔ 26 ستمبر کی ایک سہانی شام کو ہوا کے دوش پر اڑتی اڑتی امی کی گود میں آ گری۔ میں تھرڈ ایئر کی اسٹوڈنٹ ہوں ہم سات بہن بھائی ہیں چھ بہنیں اور ایک بھائی۔ بڑی بہن انیلہ خان یونیورسٹی آف ہری پور سے بی ایڈ کر رہی ہیں باقی سمیرا نایاب بشریٰ ارج مصباح ارتج اینڈ مبین صداقت خان صاقی۔ مبین سب سے چھوٹی ہے جسے ہم سب پیار سے مانو کہتے ہیں مانو بہت شرارتی اور پاپا کی بے حد لاڈلی ہے۔ پاپا پاک آرمی این سی او ریٹائرڈ آفیسر اور امی پی ٹی سی ایل کی چیئر پرسن دوست کوئی خاص نہیں۔ پاپا ہی ہم سب کے بہترین اور انمول دوست ہیں ہر بات پاپا جانی سے شیئر کرتی ہوں۔ پسندیدہ شخصیت حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم اور قائداعظم۔ کھانے میں بھنڈی کڑھی پکوڑے تکے چاول اور امی کے ہاتھ کے کریلے گوشت نہایت پسند ہیں رنگ سبھی اچھے لگتے ہیں مہندی اور چوڑیاں بے حد پسند ہیں مہندی خود بھی لگالیتی ہوں۔ انسانی خوب صورتی میں لمبے بال بہت اٹریکٹ کرتے ہیں خیر میرے اپنے بال بھی خوب صورت اور لمبے ہیں (اپنے منہ میاں مٹھو) طبیعت کے خلاف کوئی بات ہو تو بہت ہی غصہ آتا ہے پھر تو جو منہ میں آئے بول دیتی ہوں بُری عادت دوسروں پر اعتبار بہت جلدی کرلیتی ہوں بہت بار اس کا نقصان بھی اٹھایا پھر بھی عقل نہیں آئی۔ پسندیدہ مشغلہ موویز دیکھنا اور آنچل پڑھنا۔ پسندیدہ رشتہ ماں باپ کا سب سے زیادہ بھروسہ اللہ تعالیٰ کی پاک ذات کے بعد اپنے والدین پر کیونکہ والدین ایک ایسی ہستی ہیں جو کبھی بھی اپنی اولاد کا برا نہیں چاہتی اس لیے جتنا ہوسکے اپنے والدین کی عزت کریں۔ مجھے اپنی امی جان اور پاپا جانی سے بہت پیار ہے ان کے لیے کچھ بھی کرسکتی ہوں۔ ہمارے پاپا ہمارے لیے بہت محنت کرتے ہیں۔ گاؤں میں رہنے کے باوجود ہمیں تعلیم جیسے انمول زیور سے آراستہ کیا اللہ پاک میرے پاپا کو صحت و تندرستی والی لمبی زندگی عطا کرے آمین۔ ہم سب اپنے پاپا کے ساتھ بالکل دوستوں جیسے ہیں دوسرے دیکھ کر بہت حیران ہوتے ہیں۔ گھر کو سجانے اور گھر میں پھل پھول اور سبزیاں لگانے کا بے حد شوق ہے کسی حد تک یہ شوق پورا بھی کرلیتی ہوں۔ میں ایک سلجھی ہوئی پیاری سی لڑکی ہوں (ہاہاہا جھوٹ نا)۔ خوابوں کی دنیا سے بہت دور حقیقت میں رہنے والی دوسروں سے خوشی کی توقع رکھنے کے بجائے اپنے اردگرد خوشیاں تلاش کرتی ہوں۔ میرے لیے چھوٹی سی خوشی بھی بہت معنی رکھتی ہے جیسے دو گھنٹے بعد لائٹ آنے کی خوشی ہاہا۔ ویسے میں کھاتی بھی بہت ہوں راز کی بات بتاؤں میری امی مجھے کہتی ہیں تم دنیا میں صرف دو کام کے لیے آئی ہو ایک کھانے دوسرا سونے۔ نوڈلز تو بے حد پسند ہیں کھانے کو ملے نہ ملے بس نوڈلز ہی مل جائے تو میری تو سمجھو عید ہے۔ اپنے ساتھ سب بہنوں کو بھی نوڈلز کا شوقین بنادیا۔ چٹ پٹی چیزیں بھی بہت کھاتی ہوں تعارف کچھ زیادہ ہی لمبا نہیں ہوگیا پڑھ کر بتایئے گا ضرور میں آپ کو کیسی لگی اسی کے ساتھ اللہ نگہبان۔

☺

نادیہ احمد (لکھاری)

1: آپ کا نام؟ شہر پیدائش؟ تعلیم؟
میرا نام نادیہ احمد ہے۔ زندہ دلوں کا شہر لاہور میری جائے پیدائش

ہے اور 9 ستمبر میری تاریخ پیدائش اس حساب سے سنبلہ ہوں۔ میں نے انگریزی لٹریچر میں ماسٹرز کیا ہے اس کے علاوہ آج کل ایم بی اے کر رہی ہوں۔

2: لکھنے کا آغاز کب کیا؟ پہلا ناول اور افسانہ کون سا لکھا آپ نے؟
لکھنے کا شوق تو اسکول کے زمانے سے تھا اور ہمیشہ مضامین اور کہانیوں میں میرا طرز تحریر منفرد اور اساتذہ کی توجہ کا باعث ہوتا تھا لیکن لکھنے کا باقاعدہ آغاز حال ہی میں کیا یعنی دو سال پہلے۔ شروعات ناول سے کی اور پہلا مکمل ناول تیرے قول و قرار سے پہلے لکھا تھا۔

3: یہ احساس کیسے ہوا کہ آپ واقعی لکھ سکتی ہیں؟
ہر انسان کو اپنی صلاحیتوں کا اندازہ کسی نہ کسی حد تک ہوتا ہے۔ میں بھی اپنے اس فن سے باخبر تھی۔ کالج کے زمانے میں مختلف موضوعات پہ چند آرٹیکل بھی لکھے لیکن وہ فقط میری ذاتی ڈائری تک محدود رہے تو اس حساب سے میں یہ بات بہت طویل عرصہ سے جانتی تھی کہ میں اگر چاہوں تو طبع آزمائی کرسکتی ہوں۔ اس دوران اکثر رائٹرز کی کہانیاں پڑھ کر بھی محسوس ہوتا تھا کہ ایسا تو میں بھی لکھ ہی لوں گی۔

4: پہلا ناول کس ڈائجسٹ میں شائع ہوا؟
شعاع ڈائجسٹ میں۔

5: پہلی کہانی شائع ہونے پر آپ کے کیا احساسات تھے اور گھر والوں کے کیا تاثرات تھے؟
ناول کی اشاعت کی خبر اچانک ملی تھی، ناول بھیج کر میں نے ایک بار بھی یہ معلوم نہیں کیا کہ وہ قابل اشاعت ہے یا نہیں اور جب چند ماہ تک اس کی اشاعت نہیں ہوئی تو میں اسے بھول ہی گئی تھی۔ ظاہر ہے جب یہ خبر مجھ تک پہنچی تو خوشی اور تشکر کے ساتھ کچھ حاصل کر لینے کا احساس بھی تھا۔ فیملی میں جس کو پتا چلا اس کی طرف سے بہت سراہا گیا ساتھ ہی ساتھ حیرت بھرے تاثرات بھی مجھ تک پہنچے۔

6: کسی نے تنقید بھی کی؟
نہیں۔ کم سے کم میرے سامنے تو کسی نے نہیں کی بلکہ دوستوں اور تمام رشتے داروں نے بہت حوصلہ افزائی کی۔ اب بھی کرتے ہیں۔

7: کہتے ہیں کہ لکھنے کے لیے پڑھنا ضروری ہے کیا یہ بات درست ہے؟
سو فیصد درست ہے۔ پڑھنے سے نا صرف آپ کی معلومات اور ذخیرہ الفاظ وسیع ہوتا ہے بلکہ آپ کی تحریر میں نکھار بھی آتا ہے۔ بہت سے رائٹرز کو پڑھنے کے بعد میں نے خواہش کی کاش میں ان جیسا ایک اقتباس ہی لکھ پاؤں اور کچھ کو پڑھ کر فیصلہ کیا میں یہ غلطیاں ہرگز نہیں دہراؤں گی۔

8: کس رائٹرز کا انداز تحریر و تقریر آپ کو پسند ہے؟
بہت سے ہیں۔ بانو قدسیہ، قراۃ العین حیدر، عبداللہ حسین، عمیرہ احمد اور بھی بہت سے ہیں۔ یوں سمجھیں ہر اچھا لکھنے والے کا انداز تحریر و تقریر پسند ہے۔

9: آج کل کیا لکھ رہی ہیں؟
کچھ ادھورا کام مکمل کر رہی ہوں۔

10: کبھی تنقید ہوتی ہے تو کیسا محسوس کرتی ہیں؟
تنقید برائے اصلاح ہو تو اپنی خامی کو سنوارنے کی کوشش کرتی ہوں، تنقید برائے تذلیل پہ ظاہر ہے دل برا ہوتا ہے مگر اسے نظر انداز کر دیتی ہوں۔

11: آپ کے ناولز کے ہیروز ہیروئن ہمیشہ اتنے منفرد، ڈیشنگ، اسمارٹ اور حسین و جمیل کیوں ہوتے ہیں؟
ناول کہیں نہ کہیں حقیقت پہ مبنی ہوتے ہیں اور ہمارے اردگرد بکھرے حالات و واقعات کی عکاسی کرتے ہیں تو ان کے کردار بھی

انھی سے مماثلت رکھتے ہیں۔ حقیقت میں ہر انسان اپنی جگہ منفرد ہے۔ اس میں کچھ خامیاں ہیں تو کچھ خوبیاں بھی ہیں جو اسے دوسرے سے ممتاز بناتی ہیں۔ پھر جب اس ایک کردار کو موضوع بنا کر لکھا جاتا ہے تو قاری کو بہت پرکشش لگتا ہے اس کی شخصیت کا سحر، اس کی خوب صورتی پڑھنے والوں کو مافوق الفطرت لگتی ہے اس کی خامیوں پہ توجہ

جاتی ہی نہیں ورنہ وہ بہت عام سے لوگ ہوتے ہیں انہیں خاص اور منفرد رائٹر نہیں قاری کی سوچ بناتی ہے۔

12: ناول کی ہیروئن کا خاکہ تراشتے ہوئے آپ کیا کرتی ہیں؟

میری تحاریر کے حوالے سے یہ ایک نہایت دلچسپ بات ہے میں کسی بھی کہانی کا آغاز ہیروئن سے کرتی ہوں۔ کہانی کی تشکیل میں ہیروئن کی شخصیت، اس کا کردار میرے ذہن میں سب سے پہلے آتا ہے اور اس کے لیے ضروری نہیں ہیروئن فقط حسن کی دیوی ہو یا مجموعہ اچھائی ہو بلکہ میں اسے اس کی کمی بیشی کے ساتھ بھی اس کردار میں فٹ کردیتی ہوں۔

13: کیا آپ کو ٹی وی کے لیے ڈرامہ لکھنے کی آفر آتی ہیں؟ کچھ لکھنے کا ارادہ ہے؟

جی اس سلسلے میں بات چیت چل رہی ہے۔ آغاز ہوچکا ہے ان شاءاللہ جلد ہی کام منظر عام پر آئے گا۔

14: آپ کی نظر میں نثر نگاری کیا ہے؟ خداداد صلاحیت ہے، عطا ہے، ہنر ہے یا شوق ہے؟

میرے خیال میں یہ ایک خداداد صلاحیت ہے جو آپ کے شوق کے باعث پروان چڑھتا ہے اور پھر اس میں نکھار آپ کا ہنر لاتا ہے۔

15: ناول کی کہانیوں کا حقیقی زندگی سے کتنا تعلق ہوتا ہے؟

بہت گہرا تعلق ہے، یہ سب کہانیاں ہمارے اردگرد بکھری ہیں۔ ہمارے ہی معاشرے کی عکاس ہیں۔

16: آپ کو ذاتی طور پر کیا پسند ہے، افسانہ نویسی یا ناول نگاری؟ کیوں؟

میں ناول لکھنے کو ترجیح دیتی ہوں۔ افسانہ نویسی ایک مشکل صنف ہے۔ مختصر الفاظ میں کسی ایک واقعہ کو اس پیرائے میں پیش کرنا کہ وہ قاری کے ذہن میں وحدت تاثر چھوڑ جائے آسان کام نہیں۔ یہ دریا کو کوزے میں بند کرنے کے مترادف ہوتا ہے جبکہ ناول کی طوالت آپ کو مارجن دیتی ہے کہ آپ اپنے موقف کی وضاحت کر پائیں۔ میں افسانہ نویسی میں منٹو، عصمت، بیدی اور پریم چند کو استاد مانتی ہوں، قاری کے ذہن پہ وہ نقش چھوڑنا ممکن نہیں معذرت کے ساتھ جو آج کل لکھا جارہا ہے وہ ایک مختصر کہانی تو ہے پر افسانہ نہیں۔

17: محبت پر یقین ہے؟

جی بالکل ہے۔

18: محبت کا سوچ کر پہلا خیال دل میں کس کا آتا ہے؟

ماں کا۔

19: اچھا یہ بتائیے موسم کون سا پسند ہے؟

معتدل۔ نہ بہت زیادہ سردی پسند ہے اور نہ ہی بہت زیادہ گرمی لیکن طویل عرصہ سے دبئی میں رہنے کے سبب طویل اور شدید گرمی کا سامنا زیادہ رہتا ہے ایسے میں سردی بہت فیسینیٹ کرنے لگی ہے۔ باقی موڈ اچھا ہو تو ہر موسم اچھا ہے۔

20: زندگی کیا ہے؟

زندگی کی حقیقت کوہکن کے دل سے پوچھ
جوئے شیر و تیشہ و سنگ گراں ہے زندگی

21: آپ کی تحاریر میں معاشرے کی اصلاح کا پہلو کس حد تک موجود ہوتا ہے؟

میں نے اب تک جو بھی لکھا ہے اس میں کسی نہ کسی حد تک اصلاح کو پیش نظر رکھ کر ہی لکھا ہے، ہر رائیٹر کا اپنا الگ انداز تحریر ہوتا ہے میرے ناول معاشرے کی عکاسی کرتے ہیں ان میں بھلے رومانویت کا عنصر زیادہ ہوتا ہے لیکن اس کے ساتھ ایک اصلاح کا پیغام ضرور ہوتا ہے۔ بہت زیادہ بھاری بھرکم اصلاحی تحاریر سب کے لیے لکھنا ممکن نہیں اور یوں بھی وہ قاری کو تھکا دیتی ہیں جبکہ ہلکے پھلکے پیرائے میں کی گئی بات کا تاثر میرے نزدیک دیرپا ہوتا ہے۔

22: بحیثیت رائٹر پذیرائی و داد و تحسین کتنی ضروری ہے؟

بہت ضروری ہے۔ یوں سمجھ لیں قارئین کی طرف سے ملنی والی محبت اور پذیرائی کسی صورت گلوکوز سے کم نہیں جسے پی کر آپ چاق و چوبند ہوجاتے ہیں۔

23: آپ کو شاعری پسند ہے؟ کون سے شعراء کا کلام بار بار پڑھنے کو دل چاہتا ہے؟

شاعری سے بہت لگاؤ ہے بلکہ یوں کہیں میں شاعری کی دیوانی ہوں۔ میر سے لے کر غالب، اقبال اور فیض سے لے کر نوشی گیلانی، وصی شاہ تک سب کو ہی پڑھ چکی ہوں جن شعراء کا کلام بار بار پڑھ کر بھی دل نہیں بھرتا ان میں سرفہرست غالب، ناصر کاظمی، پروین شاکر اور احمد فراز ہیں۔

24: کیا آپ موجودہ ملکی حالات کو اپنی تحریر کا حصہ بنانا چاہیں گی؟

ان حالات کے پیچھے جو عوامل کارفرما ہیں ان میں سے چند ایک محرکات پہ تو میں نے بھی ایک ناول میں طبع آزمائی کی وہ ابھی اشاعت کے مرحلے میں ہے لیکن بالخصوص اس کے متعلق اب تک نہیں لکھا شاید مستقبل میں ایسا کچھ لکھوں یہ ابھی کہہ نہیں سکتی۔

25: صاحب کتاب ہوئے بنا آپ کو شاعر یا ناول نگار نہیں مانا جاتا، اس بات میں کتنی صداقت ہے اور کیا ایسا رویہ یا انداز فکر صحیح ہے؟

آپ کی قابلیت پہ مہر صاحب کتاب ہونا تو بہرحال نہیں ہے لیکن ہاں، بحیثیت رائٹر یہ میری شدید خواہش ہے کہ میری تحاریر فقط جرائد تک ہی محدود نہ رہیں بلکہ ان کی کتابی شکل میں اشاعت بھی ہو۔

26: تو پھر کب اس خواہش کو عملی جامہ پہنا رہی ہیں۔

ان شاءاللہ بہت جلد۔

27: قسط وار ناول لکھنے کا نہیں سوچا اب تک؟

جی آج کل سنجیدگی سے اسی متعلق سوچ رہی ہوں۔ قارئین کی فرمائش بھی ہے اور میں سمجھتی ہوں مجھے خود کو یہاں بھی آزمانا چاہیے پتا تو چلے کتنے پانی میں ہوں۔

28: آپ کی تحاریر میں سنجیدگی کا عنصر غالب ہے کبھی مزاح لکھنے کے بارے میں سوچا؟

مزاح لکھنا سب کے بس کی بات نہیں۔ یہ ایک خداداد صلاحیت ہے۔ میں ہلکے پھلکے پیرائے میں بات تو کرسکتی ہوں لیکن گل خیز اختر سا مزاح نہیں لکھ سکتی۔

29: اپنی پسند کا کوئی شعر سنائیں؟
جو رکے تو کوہ گراں تھے ہم، جو چلے تو جاں سے گزر گئے

راہ یار ہم نے قدم قدم، تجھے یادگار بنا دیا
30: کوئی خوشبو جیسی بات جو آپ قارئین سے کہنا چاہیں؟
زندگی کبھی ایک جیسی نہیں رہتی یہاں آسانیوں کے ساتھ دشواریاں بھی ہیں اور خوشی کے ساتھ غم بھی۔ سب کو حسب آرزو نہیں ملتا۔ زندگی میں بھلے جیسے بھی حالات ہو جائیں اپنے اندر کے اچھے انسان کو زندہ رکھئے گا۔ پریشانیاں حل ہو جایا کرتی ہیں، دشوار رستے آسان ہو جاتے ہیں لیکن آپ کے اندر کی اچھائی مر جائے تو سب بیکار ہو جاتا ہے۔
31: پاکستان کے لیے سوچتی ہیں؟
یہ میرا ملک ہے میری پہچان ہے اور مجھے اس سے عشق ہے عقیدت ہے کیونکہ میں دنیا میں کہیں بھی ہوں میری پہچان اس سے ہے لیکن وہ لگاؤ میرے بچوں کو پاکستان سے نہیں ہے۔ اس بات پہ دل اداس بھی ہوتا ہے کہ جو جذبہ حب الوطنی میرے اندر ہے وہ میرے بچوں میں منتقل نہیں ہو رہا اس کی سب سے بڑی وجہ ان کا پاکستان میں نہ رہنا ہے لیکن آج کل اس سے بھی بڑی ایک وجہ پاکستان کے موجودہ حالات ہیں۔ کہیں کچھ بھی تو صحیح نہیں ہو رہا ایسے میں جب کوئی بری خبر مجھے تکلیف پہنچاتی ہے تو وہ بچوں کی نفسیات پہ کس طرح اثر انداز ہوگی اس کا اندازہ آپ بخوبی لگا سکتے ہیں۔ پھر بھی ہر لمحہ دل سے یہی دعا نکلتی ہے اللہ میرے وطن کو شاد و آباد رکھے آمین۔
32: آپ کی پسند ناپسند کھانے پینے میں پہننے اوڑھنے میں کیسی ہے؟
کھانے پینے میں مجھے بہت سلیکٹیو چیزیں پسند ہیں۔ تھوڑی ڈائٹ کونشیس بھی ہوں۔ پاکستانی، چائنیز، اٹالین کھانے بے حد پسند ہیں ویسے میں خود بھی بہت اچھا کھانا بناتی ہوں الحمدللہ ایسا سب کہتے ہیں۔ پہننے اوڑھنے میں بھی سلیکٹیو ہوں۔ جدت پسند ہوں اور اسی مطابق لباس کا انتخاب کرتی ہوں لیکن فیشن کی بیجا تقلید نہیں کرتی کیونکہ سب کچھ سب پہ نہیں جچتا یہ میرا ماننا ہے۔
33: شہرت کیسی لگتی ہے؟
بہت اچھی۔
34: کیا موسم کا آپ کے مزاج پر اثر ہوتا ہے؟
بالکل ہوتا ہے۔ ہر حساس طبیعت انسان پہ موسم اثر انداز ہوتا ہے ویسے موسم کے ساتھ آپ کے دل کا موسم بھی اہم ہے۔ موڈ اچھا ہو تو ہر موسم اچھا لگتا ہے۔
35: کوئی پیغام دینا چاہیں گی قارئین، حجاب کو؟
قارئین کے لیے دعا ہے وہ ہنستے مسکراتے خوش رہیں۔ اپنی سوچ کو تعمیری رکھیں اپنے دلوں میں محبت کو جگہ دیں اور نفرت و منافقت سے پاک رکھیں۔ میں آپ کی اور ماہنامہ حجاب کی بے حد شکر گزار ہوں جن کی بدولت قارئین سے یہ رابطہ جڑا۔ آخر میں ادارے کو میری طرف سے ایک بار پھر اپنے نئے جریدے ماہنامہ حجاب کی اشاعت پہ ڈھیر ساری مبارکباد میری دعا ہے آنچل کی طرح یہ بھی دن دگنی رات چوگنی ترقی کرے۔ آمین، شکریہ۔

فریدہ جاوید فری (شاعرہ)

السلام علیکم قارئین!
رخ سخن کے ساتھ ایک سادہ مزاج عام فہم لہجے میں خوب صورت اشعار کہنے والی شاعرہ محترمہ فریدہ جاوید فری کے ساتھ ہم حاضر ہیں۔ فریدہ جاوید فری شاعرہ تو بہت اچھی ہیں لیکن اس کے ساتھ ساتھ وہ بہت پرخلوص پیار کرنے والی اور قابل اعتبار انسان بھی ہیں۔ فریدہ آپی! آج کل علیل ہیں، ہماری دعا ہے کہ اللہ پاک فریدہ آپی کو مکمل شفا عطا فرمائے آمین۔
آیئے آپ کی ملاقات اس پرخلوص انسان اور خوب صورت شاعرہ سے کراتے ہیں۔

☆ السلام علیکم!
ج: علیکم السلام! اسماء کیسی ہیں؟"
☆ الحمدللہ! ہم بالکل ٹھیک ہیں آپ بتایئے آپ کی طبیعت اب کیسی ہے؟
☆ ماہنامہ "حجاب" کے اجرا پر آپ کچھ کہنا چاہیں گی؟

ج: جی بالکل! محترم مشتاق احمد قریشی، قیصر آرا صاحبہ، طاہر احمد قریشی، عمران قریشی صاحب آپ سب کو حجاب ڈائجسٹ شائع کرنے پر بے حد مبارک باد قبول ہو۔ ہم تو پہلے بھی آنچل جیسے معیاری ڈائجسٹ کے بے حد معترف ہیں عرصہ دس سال سے میں اس کی پرانی قاری اور اس میں ریگولر لکھ بھی رہی ہوں، آنچل میرا پسندیدہ ڈائجسٹ ہے اور میری دعا ہے کہ حجاب بھی آنچل جیسا معیاری اور مقبول ڈائجسٹ ثابت ہو۔

☆ آپ کس شہر میں پیدا ہوئیں؟

ج: سرگودھا میں۔

☆ آپ کا پورا نام اور تخلص؟

ج: نام فریدہ جاوید اور تخلص فری ہے۔

☆ شاعری کب شروع کی؟

ج: بارہ سال پہلے، شاعری کا اتنا شوق تو نہیں تھا مگر میرے دماغ میں شاعری کا کیڑا کلبلاتا رہتا تھا جو بھی آمد ہوا کرتی تھی لکھ کر رکھ لیتی تھی۔ شائع کروانے کا کبھی سوچا نہیں تھا پھر یونہی "خبریں میگزین" کے لیے ایک نظم بھیجی تو تیسرے ہفتے وہ نظم شائع ہوگئی مجھے تو اپنی آنکھوں پر یقین ہی نہیں آرہا تھا کہ میری لکھی ہوئی نظم شائع ہوگئی ہے۔

☆ کیا شاعری ہر کوئی کرسکتا ہے؟

ج: آج کل تو ہر کوئی کررہا ہے (ہاہاہا)۔ ویسے شاعری خداداد صلاحیت ہے اللہ جسے چاہے نواز دے۔

☆ اب تک کن رسائل میں لکھ چکی ہیں؟

ج: جی ماشاء اللہ نئے پرانے سبھی ڈائجسٹوں میں لکھا ہے آج کل پاکیزہ، حنا، آنچل، ریشم، دوشیزہ، سچی کہانیاں میں میری شاعری شائع ہوتی رہتی ہے اور مزے کی بات یہ ہے کہ سب تعریف ہی کرتے ہیں۔

☆ تعریف کیسی لگتی ہے؟

ج: تعریف ہر ایک کو اچھی لگتی ہے اور مجھے بھی بے حد خوشی ہوتی ہے جب کوئی میری شاعری کو سراہتا ہے۔

☆ کیا آپ کے گھر کا ماحول شعر و ادب میں آپ کی دلچسپی کا باعث رہا؟

ج: گھر کا ادبی ماحول والد صاحب کی طرف سے تھا میں تو شروع ہی سے ادبی ماحول اور ادب کی دیوانی ہوں مطالعہ کی بے حد شوقین ہوں۔

☆ آپ کو نظم پسند ہے یا غزل؟

ج: مجھے غزل اور نظم دونوں ہی پسند ہیں زیادہ تر میں نظموں کی دیوانی ہوں نظموں میں انسان اپنے دل کی ترجمانی بہتر طریقے سے کرسکتا ہے مگر غزل ذرا مشکل مرحلہ ہے اس میں قافیے ردیف کا خیال رکھنا پڑتا ہے میری شاعری کی اصلاح سرگودھا کے خالد یوسفی صاحب اور راشد ترین صاحب کرتے ہیں۔

☆ شاعروں میں کون پسند ہے؟

ج: غالب، فیض احمد فیض، آفتاب خان، راشد ترین، افضال عاجز پسند ہیں اور وصی شاہ، اعتبار ساجد، ارشد محمود۔

☆ آپ کی کسی کتاب کی تقریب رونمائی بھی ہوئی؟

ج: جی الحمدللہ! میرے مجموعہ کلام "محبت یاد رکھوں گی" کی الحمرا لاہور میں تقریب رونمائی ہوئی تھی جس کی صدارت اعتبار ساجد صاحب نے کی اور ایم اے راحت صاحب مہمان خصوصی تھے۔

☆ آپ کے کتنے شعری مجموعے شائع ہوچکے ہیں؟

ج: اب تک میرے دو شعری مجموعے شائع ہوچکے ہیں۔ "پانچواں موسم" "محبت یاد رکھوں گی" پانچواں موسم کو بے حد پذیرائی ملی اور اب تک میں آٹھ ایوارڈ حاصل کرچکی ہوں جس میں ایک عبدالحلیم شرر ایوارڈ ہے یہ سب اللہ تعالیٰ کے فضل و کرم مہربانی سے ہوا ورنہ میں اس لائق کہاں کہ اتنا مقام پاؤں۔ الحمدللہ میں تیسری شعری مجموعے پر کام کررہی ہوں۔

☆ پہلا شعری مجموعہ کب شائع ہوا؟

ج: 2012ء میں پہلا شعری مجموعہ "پانچواں موسم" غزالہ جلیل نے اکادرہ سے شائع کیا۔ 2014ء میں "محبت یاد رکھوں گی" طفیل زادہ نے شائع کیا۔

☆ آپ کی زندگی کا خوشگوار لمحہ؟

ج: آل پاکستان شاعری کا مقابلہ تھا راحت فتح علی آڈیٹوریم میں آزاد نقیبی صاحب سے پہلا بیسٹ ایوارڈ ملا تھا۔ جب اسٹیج پر میرا نام پکارا گیا تو خوشی سے میری آنکھوں میں آنسو آگئے۔

☆ ماشاء اللہ! ایوارڈز کی مزید تفصیل بتائیں گی؟

ج: جی مجھے تین ایوارڈ فیصل آباد، تین اسلام آباد سے ایک کراچی اور کھاریاں سے عبدالحلیم شرر ایوارڈ ملا یہ سب ادبی تنظیمیں اور ڈائجسٹ ہیں جنہوں نے مجھے اس قابل سمجھا۔ اللہ کی مہربانی کے بعد یہ میرے دوست احباب کی محبتوں اور دعاؤں سے ممکن ہوا۔

☆ چلیے اب کچھ روایتی سے سوال بھی ہوجائیں، آپ کو کھانے میں کیا پسند ہے؟

ج: نرگسی کوفتے اور پلاؤ پسند ہیں اور آئس کریم بھی۔

☆ موسم؟

ج: موسم میں سردیاں پسند ہیں اور اسی موسم میں مجھ پر شاعری کی آمد زیادہ ہوتی ہے۔

☆ موسم کا مزاج آپ کے مزاج پر کس حد تک اثر انداز ہوتا ہے؟

ج: میری زندگی تو چلتی ہی موسموں پر ہے سرد موسم میں مجھے شعر

کہنے کا مزا آتا ہے۔

☆ پسندیدہ پرفیوم؟

ج: بروٹ یوگ اور لومانی پسند ہیں۔

☆ پسندیدہ رنگ؟

ج: پنک اور پرپل۔

☆ ڈپریشن میں کیا کرتی ہیں؟

ج: ڈپریشن میں ڈھیروں شاپنگ کرتی ہوں اور اللہ تعالیٰ کا ذکر کرتی ہوں اس سے روحانی سکون ملتا ہے۔

☆ پاکستان کے بارے میں کیا سوچتی ہیں؟

ج: مجھے پاکستان سے بہت پیار ہے اس کا سبزہ، ہریالی، پہاڑ، آبشاریں، قدرتی حسن سے مالا مال ہے میرا ملک مگر افسوس کے ہم اس ملک کی قدر نہیں کر رہے ملکی حالات اور دہشت گردی سے اداس رہتی ہوں، اللہ تعالیٰ پاکستان کو اپنے حفظ وامان میں رکھے آمین۔

☆ دوستی پر یقین رکھتی ہیں؟

ج: جی ہاں، اگر خلوص دل سے بنایا جائے تو ہر رشتہ ہی بے مثال ہوتا ہے الحمدللہ! میری بہت سی دوستیں ہیں۔

☆ آپ کی بہترین دوست؟

ج: میری بہترین دوست فصیحہ آصف، سباس گل، نزہت جبیں ضیاء اینڈ نگہت غفار، شگفتہ شفیق، غزالہ جلیل راؤ، کاجل شاہ، پروین افضل شاہین، نسیم نیازی، رضوانہ کوثر، زمر نعیم۔

☆ پانچواں موسم سے غزل اور اشعار؟

ج: چاند تاروں سے زیادہ حسین رات میرے نام کرو
اپنی زلفوں کی سیاہ رات میرے نام کرو
تم سے ممکن ہو اگر جانِ وفا جیون میں
اک دسمبر کی کوئی رات میرے نام کرو
اپنی آنکھوں میں مچلتے ہوئے دریا سارے
اپنی آنکھوں کی یہ برسات میرے نام کرو
تتلیاں پھول محبت کے گلابی لمحے
اپنی یادوں کی سجی بارات میرے نام کرو
میری غزلیں میری نظمیں تو ترے نام ہوئیں
اپنے ہونٹوں کے نغمات میرے نام کرو
تم محبت میں کوئی کھیل اگر کھیلو تو
میرے حصے کی سبھی مات میرے نام کرو
اپنے جیون کے سبھی درد مجھے دیدو فری
اپنے جذبات کی ہر بات میرے نام کرو

☆......☆

نہ کبھی ہماری محبت کی آزمائش کرسکو گے
جاں سے زیادہ کیا فرمائش کرسکو گے
چاہتے ہیں تم کو اتنا جتنا سمندر میں پانی
کیا سمندر کے پانی کی پیمائش کرسکو گے

ایک نظم اور غزل "محبت یاد رکھوں گی" سے۔

بہت تھک چکی ہوں سفر کرتے کرتے
خفا زندگی کو بسر کرتے کرتے
ابھی بچ رہی ہے میری زندگانی
بہت کرچکی مختصر کرتے کرتے
حوالے محبت کے تم کو ملیں گے
کسی دل میں شام سحر کرتے کرتے
محبت میں مجھ کو بھلا کیا ملا ہے
تمہاری طرف یہ نظر کرتے کرتے
میری قسمتوں میں تو تاریکیاں ہیں
اسے کیا ملا دربدر کرتے کرتے

☆......☆

تحفہ

یاد رکھو گے ایسا تحفہ بھیجوں گی
اپنی آنکھ کا بہتا دریا بھیجوں گی
میری آنکھ عشق سمندر بہتا ہے
پاس رہو گے پھر بھی پیاسا بھیجوں گی
دامن میں خیرات سنبھالے رکھنا تم
میں تم کو اس بار بھی کاسہ بھیجوں گی
تم پردیس سے واپس بھی آسکتے ہو
تم کو پیار بھرا سندیسہ بھیجوں گی
کاش تمہاری آنکھ سے جل تھل ہوجائے
دھوپ کا جنگل درد کا صحرا بھیجوں گی
خط میں آنسو کچھ تصویریں میری ہیں
بھیگی آنکھیں بھیگا چہرہ بھیجوں گی
فری کیسے پیار ہوا اک لڑکے سے
چاہت سے بھرپور خلاصہ بھیجوں گی

☆ آخر میں حجاب کے قارئین سے کچھ کہنا چاہیں گی؟

ج: کہنا یہی ہے کہ آپس میں پیار محبت سے رہیں کسی کا بھروسہ اور اعتماد کبھی نہ توڑیں زندگی ایک بار ملتی ہے اسے دھوکے یا فریب میں ضائع نہ کریں ایک دوسرے کا اپنے پرائے کا احترام کرنا سیکھیں۔ اپنے رشتوں سے پیار کریں زندگی سے ہزار الجھنیں اپنے آپ ہی ختم ہوجائیں گی۔

☆ بہت بہت شکریہ فریدہ آپی! آپ نے ناسازی طبع کے باوجود ہمارے لیے وقت نکالا؟

ج: ارے شکریہ تو آپ کا سباس! کہ آپ نے مجھے حجاب کے قارئین سے شرف ملاقات بخشا اور میں تو خوشگوار حیرت میں مبتلا ہوگئی تھی قارئین! جب سباس گل نے مجھے کہا کہ آپی میں حجاب کے لیے آپ کا انٹرویو کرنا چاہتی ہوں؟ سباس تو میری بیٹی، بہن، دوست بھی ہیں اور پسندیدہ رائٹر بھی جو میرے دل میں بستی ہیں اور دعاؤں میں شامل رہتی ہیں۔ مجھے سباس گل کو انٹرویو دے کر بہت مزا آیا شکریہ سباس! شکریہ حجاب۔

آغوشِ مادر

نادیہ احمد

کہنے کو تو ایک لفظ ہے "ماں" لیکن یہ ایک جہان ہے، ہماری کل کائنات ہے اور کیوں نہ ہو کہ پیدائش کے وقت سے جس ہستی کا لمس جس کی قربت ہی بچے کو پرسکون کردیتی ہے وہ اس کی کل کائنات اس کی زندگی کا مرکز کیوں نہ ہو۔ کہتے ہیں باپ کے دل میں اولاد کی محبت کا آغاز اس دن ہوتا ہے جب وہ پہلی بار اس کی انگلی پکڑتا ہے لیکن ماں ...... ماں کے دل میں اپنی اولاد سے محبت کا آغاز اس دن ہوتا ہے جب وہ اس کی پہلی کروٹ کو محسوس کرتی ہے۔ اس ایک پل کے بعد آنے والے ہر دن، ہر گھنٹے، ہر سال یہ محبت بڑھتی جاتی ہے بس اس کا انداز بدلتا رہتا ہے اور یہ محبت یک طرفہ ہرگز نہیں ہوتی اسی لیے جب ایک بچہ پہلی بار بولنا شروع کرتا ہے تو اس کی زبان سے ماں ہی نکلتا ہے۔ یہ وہ واحد رشتہ ہے جو اللہ کا انعام ہے اپنے بندوں پہ۔ دعا کے لیے اٹھے وہ دو ہاتھ ایک طرف اور پوری دنیا کی نیک خواہشات کا انبار ایک طرف۔

پہلی اولاد ہونے کی حیثیت سے میرے حصے میں فقط میرے والدین کی ہی نہیں بلکہ پورے خاندان کی محبتیں آئیں۔ چونکہ میرے والدین اپنے بھائی بہنوں میں سب سے بڑے تھے لہٰذا میں ننھیال اور ددھیال میں بھی سالوں بعد آنے والا پہلا بچہ تھی اس لیے خاصی اہم تھی۔ یہ اور بات ہے کہ میں مما کی گود سے نکل کر مشکل ہی سے کسی کے پاس جاتی تھی۔ ایسا مجھے بعد میں پتا چلا۔ جیسے جیسے شعور کی منزلیں طے کیں میں مما کے اور بھی قریب ہوتی چلی گئی۔ میری والدہ میری ماں سے زیادہ میری بہترین دوست ہیں اور ان کی موجودگی میں مجھے کبھی دوست کی کمی محسوس نہیں ہوئی۔ ویسے تو ہم چاروں بہن بھائی ہی اپنی والدہ سے بہت اٹیچ ہیں لیکن ان سے میری محبت الگ نوعیت کی ہے۔ ہم میں دو بہنوں کی طرح تکرار بھی ہوتی ہے، دو دوستوں کی طرح راز و نیاز بھی رہتے ہیں اور وقت پڑنے پر میں ایک بیوقوف بچہ بن جاتی ہوں کیونکہ میری پریشانی یا الجھن کو ان سے بہتر کوئی نہیں سمجھ سکتا ہے۔ میرے ہر مسئلے کا حل ان کے پاس ہوتا ہے۔

میرے والد خاصے کم گو انسان ہیں اور ان کا محبت جتانے کا الگ انداز ہے۔ جب ہم چھوٹے تھے تو ان کی اس خاموشی کی وجہ سے ہم ان سے بہت ڈرتے تھے حالانکہ مجھے کوئی ایک واقعہ بھی یاد نہیں جب انہوں نے ہم بھائی بہنوں پر غصہ کیا ہو لیکن ان کا خاموشی سے دیکھنا ہی خاصہ جان لیوا ہوتا تھا۔ مما کے ساتھ البتہ دوستی تھی اسی لیے ان کو اپنی غلطیاں بھی بتادیا کرتے تھے۔ ان سے کبھی جھوٹ بولنے کی نوبت نہیں آئی اور یہ بھی ان کی تربیت کا ایک انداز تھا کہ انہوں نے ہمیں اپنے ساتھ اتنا کمفرٹیبل رکھا کہ ہم نے کبھی سوچا ہی نہیں کہ مما کو یہ بات نہ پتا چلے حالانکہ ایسا نہیں تھا کہ وہ غلطیاں نظر انداز کردیتی تھیں لیکن ہم ان کے سامنے اپنی غلطی کبھی چھپا نہیں پائے اور وہ غلطیوں کی نوعیت کے مطابق نصیحت یا پھر سزا دیتی تھیں۔ میں نے بچپن میں اپنی والدہ کو بے حد مصروف دیکھا۔ وہ اپنے میکے اور سسرال میں بڑی تھیں اس حساب سے ان پر ذمہ داریاں بھی بہت تھیں۔ اس سب کے باوجود وہ ہمیں بہت وقت دیتی تھیں ہماری کوئی بات ان

سے پوشیدہ نہیں تھی۔ ہمارے سب کام اپنے ہاتھ سے کرتی تھیں اس کے علاوہ ہمیں پڑھاتی بھی خود ہی تھیں۔ ان کے تعلقات میکے اور سسرال میں ہمیشہ مثالی رہے یہی وجہ ہے آج بھی ہمارے ددھیال والے ان کی تعریف کرتے نہیں تھکتے۔ جس انداز میں انہوں نے ہماری پرورش کی اس کی مثال آج بھی سب دیتے ہیں۔ مما اور میری انڈراسٹینڈنگ کا یہ عالم ہے کہ دور بیٹھے بھی ہماری پسند ناپسند اور سوچ میں حیران کن حد تک مطابقت ہے۔اس کا یہ مطلب ہرگز نہیں کہ میرے اور مما کے مابین کبھی اختلاف رائے نہیں ہوا۔ سب بہن بھائیوں میں سب سے زیادہ ڈانٹ مما سے مجھے پڑی ہے اور مار بھی۔لیکن وہ سب سے زیادہ محبت بھی مجھ سے ہی کرتی ہیں اور میری چھوٹی سی پریشانی پہ کھانا پینا چھوڑ کر بیٹھ جاتی ہیں۔ یہ ان کی بہترین تربیت ہے کہ ہم سب بہن بھائی نہ صرف تعلیمی میدان میں بلکہ اپنی اپنی فیلڈ میں بھی کامیاب ہیں۔ میں آج اگر ایک کامیاب بہو، کامیاب بیوی اور کامیاب ماں ہوں تو اس کے پیچھے صرف اور صرف میری والدہ کی بہترین تربیت ہے۔آج اپنے بچوں کو پڑھاتے ہوئے انہیں اچھے برے کی تمیز سکھاتے ہوئے، ان کی تربیت کرتے ہوئے مجھے ہر قدم پر یہ احساس ہوتا ہے کہ میری مما نے ہم پر کتنی محنت کی ہے۔ میں کبھی کبھی خوفزدہ ہو جاتی ہوں کہ شائد اپنی اولاد کو زندگی گزارنے کا ڈھنگ سکھا پاؤں گی یا نہیں جو میرے والدین نے مجھے سکھایا خاص طور پر میری والدہ نے جس طرح ہماری رہنمائی کی۔ اور پھر میں حیران رہ جاتی ہوں یہ سوچ کر کہ نہ تو اس وقت انٹرنیٹ کی مدد حاصل تھی، نہ ہی وہ بہت اعلیٰ تعلیم یافتہ تھیں تو پھر کیسے انہوں نے ہماری تربیت اس طور کی کہ ہم زمانے کے ساتھ قدم سے قدم ملا کر چل رہے ہیں اور اس کے ساتھ ساتھ اپنی اقدار کی حفاظت بھی کر رہے ہیں۔

شادی کے بعد سے میں دبئی میں مقیم ہوں اور مما سے ملنا بہت جلد تو ممکن نہیں ہوتا حالانکہ ایک وقت تھا جب میں سوچتی تھی میں مما کے بغیر چند گھنٹے نہیں رہ سکتی اور اب ایک سال گزر جاتا ہے انہیں ملے ہوئے لیکن اس میں بھی زیادہ کمال مما کا ہی ہے جنہوں نے ہر طرح کے حالات میں صبر کرنے کی تلقین کی ہے اور اپنا دھیان اپنے گھر بار کی طرف لگانے کو کہا۔ میں اپنی پریشانی میں اگر اللہ کے بعد کسی اور کو شریک کرتی ہوں تو وہ میری مما ہیں۔ سنا ہے آپ اگر پریشان ہوں ایسے میں ماں کی آواز آپ کو پرسکون کرتی ہے۔ یہ بات کم سے کم میرے معاملے میں تو سو فیصد درست ہے۔ میں اگر کبھی ڈسٹرب ہوں تو مما سے بات کر لیتی ہوں۔ وہ میری پریشانی حل نہ بھی کر پائیں پھر بھی ان سے اپنا حال دل کہہ کر میں بہت ریلیکس ہو جاتی ہوں۔

ویسے تو بچپن کی ہر بات ہر لمحہ ناقابل فراموش ہوتا ہے اور ان سنہری یادوں کو آپ تمام عمر سینے سے لگائے رکھتے ہیں۔ لیکن بچپن کی بات ہی کچھ اور ہوتی ہے۔ وہاں غلطیاں گناہ نہیں بنتی۔ معصومیت میں کی گئی شرارتیں فراخ دلی سے معاف کر دی جاتی ہیں اس حساب سے بچپن کی شرارتوں اور شوخیوں کی تو ایک طویل فہرست ہے حالانکہ میں بہت زیادہ شرارتی نہیں تھی لیکن چھوٹے بہن بھائیوں کے ساتھ مل کر شرارتیں ہو بھی جاتی تھیں لیکن یہاں میں آپ سے کوئی شرارت نہیں بلکہ اپنی بیوقوفی اور پھر مما کی اس پہ پڑنے والی ٹھیک ٹھاک ڈانٹ کا ذکر کر رہی ہوں جو سالہا سال گزرنے کے بعد بھی

تازہ ہے اور ایک طرح سے میرے لیے سبق بھی ہے۔ مما کبھی کسی کے سامنے ہمیں ڈانٹتی نہیں تھیں بس زیادہ سے زیادہ گھور کہ دیکھا اور ہم وہیں چپ کر کے بیٹھ گئے۔ ایک بار کچھ فیملی والے جمع تھے اور سب بڑے کچھ بحث و مباحثہ کر رہے تھے اس دوران ایک نیا لفظ میرے کانوں میں پڑا جو یوں تو اتنا برا نہیں تھا لیکن چار پانچ سال کے بچے کی زبان سے ادا ہونا خاصہ مضحکہ خیز تھا۔ اس دن پہلی بار مما نے مجھے سب کے سامنے ڈانٹا اور وہ دن میں آج تک بھول نہیں سکی یہاں تک کہ اب بھی کبھی وہ لفظ بولنے لگوں تو دس بار سوچتی ہوں۔

میں فطرتاً حساس ہوں اور مما یہ بات بہت اچھی طرح جانتی ہیں۔ کبھی اگر چھوٹے بہن بھائیوں سے کسی بات پہ اختلاف ہوتا تھا تو میں جھگڑا کرنے کے بجائے خاموش ہو جاتی تھی اس پر مما انہیں سمجھاتیں کہ دیکھو وہ تم لوگوں کی باتوں کو سراہتی ہے اور تم اسے تنگ کرتے ہو پھر وہ سب مجھے مناتے۔ ماشاء اللہ ہم چاروں بھائی بہن ایک دوسرے کے بہت قریب ہیں اور یہ کمال بھی ہماری والدہ کا ہے۔ ان کی کوشش رہی کہ ہم میں غلط فہمیاں کم سے کم ہوں، جھگڑے تو نہ ہونے کے برابر ہاں البتہ بحث مباحثے تو چلتے ہی رہتے ہیں۔

بچوں کے رسائل ہمارے گھر باقاعدگی سے آتے تھے اور کہانیاں پڑھنے کی میری ابتدائی دلچسپی انہی کی بدولت ہوئی۔ میری اور میرے بھائی کی ایک باقاعدہ لائبریری تھی جس میں سینکڑوں کتابیں جمع تھیں پھر اس کا شوق تو بدل گیا لیکن میں اس سے پیچھا نہ چھڑا سکی۔ میری والدہ کو ڈائجسٹ پڑھنا بالکل پسند نہیں تھا اور اسی لیے انہوں نے مجھے بھی ڈائجسٹ پڑھنے نہیں دیا اور میں نے بھی کبھی ان سے چھپ کر نہیں پڑھا۔ جو پڑھا کتابی صورت میں پڑھا۔ یہاں ایک مزے کی بات بتاتی چلوں کہ مما نے صرف اور صرف میری خاطر زندگی میں پہلی بار ڈائجسٹ اس وقت پڑھا جب اس میں میرا پہلا ناول شائع ہوا اور اس سے بھی دلچسپ بات یہ ہے کہ وہ میرا بھی پہلا ڈائجسٹ تھا جو میں نے خریدا۔ اسوقت میری کہانی پڑھنے کے بعد انہوں نے خاص طور پہ مجھے کال کر کے بتایا کہ تم نے تو مجھے حیران کر دیا اس بات سے قطع نظر کہ یہ تحریر میری بیٹی کی ہے اس تحریر نے مجھے بے حد متاثر کیا ہے۔ آج مجھے سینکڑوں لوگوں کی طرف سے تعریفی میسج ملتے ہیں ان میں چند ایک کی لفاظی انتہائی متاثر کن ہوتی ہے لیکن وہ تمام تعریفیں اس ایک جملے کا مقابلہ نہیں کر سکتی ہیں جو مما نے مجھ سے کہا۔ اور تو اور ابو نے بھی وہ ناول مکمل پڑھا اور اس پر تبصرہ بھی کیا۔ اللہ پاک میرے والدین کو لمبی عمر اور صحت تندرستی عطا فرمائے ان کا سایہ تا قیامت ہمارے سروں پہ سلامت رکھے جن کے دم سے آج ہم اس قابل ہیں۔ آمین۔ وہ میری ہمت کل بھی تھے اور آج بھی ہیں۔

شکریہ

صدف آصف سے ملاقات

نازیہ عباسی/حنا مہر/سحرش فاطمہ

آج ہم جن مصنفہ کا انٹرویو کررہے ہیں ان کا نام اور کام کسی بھی تعارف کا محتاج نہیں۔

انہیں مصنفہ کہیں یا کالمسٹ دونوں شعبوں میں ہی شہرت پائی ہے۔

انہوں نے جیونیٹ ورک، پی ٹی وی کے ساتھ بھی کام کیا ہے.....آرٹیکلز، کالمز، افسانے، ناولز کے بعد ماہ نامہ حجاب سے ان کا سلسلہ وار ناول شروع ہوچکا ہے.....انہیں دوشیزہ اور سچی کہانیاں کی جانب سے بیسٹ ناول کے ایوارڈ بھی ملے ہیں.....شاعری سے بھی دلچسپی رکھتی ہیں.....

جی ہم بات کررہے ہیں "صدف آصف" کی.....چاہے وہ ایکسپریس میگ ہو، ڈالڈہ کا دسترخوان ہو یا ہمدرد صحت صدف آصف نے ہر جگہ اپنا آپ منوایا ہے اور یہی نہیں ملک کے تقریباً ہر جریدے کے لیے لکھا ہے۔

ڈائجسٹ سرگزشت

نومبر 2013 ''ماں جیسی''

دسمبر 2013 ''کباب''

جون 2014 ''اندھی سوچ''

فروری 2014 ''چاند کا داغ''

اکتوبر 2014 ''خطاکار''

ڈائجسٹ آنچل

اگست 2014 افسانہ ''دل بے نقاب''

اکتوبر 2014 مکمل ناول ''زمین پر چاند اترا''

آنچل جنوری افسانہ ''دوسرا عہد''

ڈائجسٹ سچی کہانیاں

مئی 2012 ''نسخہ کیمیا''

جون 2013 ''نور ہدایت''

اکتوبر 2013 ''عشق جنوں''

مارچ 2014 ''کالا انڈا'' ایوارڈ یافتہ

ڈائجسٹ دوشیزہ

ستمبر 2012 ناول ''روشنی میں دیا''

اکتوبر 2013 ''کچھ بھی نہیں''

دسمبر 2013 ''رزق حلال'' سپرہٹ

فروری 2014 ''تعبیر''

جولائی 2014 ''ماضی، حال''

اپریل 2014 ''دھندلائی ہوئی شام''

نومبر 2014 ''اب اعتبار آیا''

ڈائجسٹ خواتین

اگست 2013 ''عیدی'' افسانہ

نومبر 2013 ''دل کے آس پاس'' ناولٹ

مئی 2014 ''زندگی ہو تم'' افسانہ

اکتوبر 2014 ''احساس'' افسانہ

ڈائجسٹ شعاع

جون 2013 ''من کے سچے''

مارچ 2013 ''ارادوں کی شکست''

اپریل 2012 ''دو کی کہانی''

فروری 2014 روپ کی روئے، ناولٹ

اکتوبر 2013، پیا من بھائے'' ہٹ

جولائی 2014 ''ڈھل گیا ہجر کا دن''

مارچ 2014 ''بھابھی کٹوتی''

سحرش فاطمہ: السلام علیکم صدف کیسی ہیں آپ؟ سب سے پہلے تو ہم آپ کو خوش آمدید کہتے ہیں کہ ہمارے لیے وقت نکالا۔ ماشاء اللہ آپ کا کام اس بات کا ثبوت ہے کہ آپ کو لوگ پڑھنا چاہتے ہیں اور جیسا کہ آپ کی تحریریں ہلکی پھلکی اور سبق آموز ہوتی ہیں تو کیسا لگتا ہے اور کچھ اپنے بارے میں بتائیں، کہاں سے ہیں اور تعلیمی قابلیت کیا ہے؟

صدف آصف: وعلیکم اسلام سحرش، میں ٹھیک ٹھاک الحمدللہ اور بہت شکریہ پسندیدگی کا، اچھا لگتا ہے اور جو بھی ہے آپ سب کے سامنے ہی ہے۔ کراچی کی رہائش ہے، ماسٹرز کیا ہے ان بین الاقوامی تعلقات میں، بہت سارے مختلف کورسز کر رکھے ہیں ہیئر اینڈ، بیوٹی کے علاوہ کمپیوٹر اور حال ہی میں الٹرا ساؤنڈ وغیرہ۔

سحرش فاطمہ: یہ بتائیں کہ کیسا لگ رہا ہے قسط وار ناول لکھنا؟ پہلی قسط کے بعد کیسے تاثرات ملے؟

کوئی ایسا کردار جسے لکھتے وقت محسوس کیا ہو؟ یا بے اختیار اس کردار کا درد محسوس ہوا ہو؟

صدف آصف: حجاب کے پہلے شمارے میں پہلی بار سلسلے

وار ناول لکھنا، ایک اچھا تجربہ رہا، امید نہیں تھی کہ پہلی قسط سے ہی اچھا رسپانس ملے گا، بہت سارے کردار ہیں، جیسے نومبر میں خواتین میں چھپنے والے افسانے آرزوئے محبت کی ہیروئن ،جسے اس کا شوہر اس حد تک اگنور کرتا ہے کہ وہ بچوں کی طرح دوسروں کی توجہ کی امید رکھتی ہے۔

سحرش فاطمہ: ریجیکشن کا سامنا کرنا پڑا؟

صدف آصف: جی ہاں، ہماری کہانیاں بھی ریجکٹ کی گئیں اور شاید ہر لکھنے والے کو اس عمل سے گزرنا پڑتا ہے مگر ہم نے اسے مثبت انداز میں ہی لیا اور اپنا مسودہ اٹھا کر ایک قاری کی نگاہ سے دیکھا، ہمیں جہاں جہاں جھول نظر آیا اسے ٹھیک کیا اور پھر وہ ہی کہانی سلیکٹ ہوگئی۔ کبھی بھی ہمت نہ ہاریں، چیزوں کو پوزیٹو انداز میں دیکھیں آپ کی تحریر میں نکھار پیدا ہوگا۔

سحرش فاطمہ: آج کے دور کے ادب اور خواتین کے ادب کو کس نظر سے دیکھتی ہیں...... خواتین ادیبوں میں کس سے متاثر ہیں؟

صدف آصف: اظہار کے بہت سارے پہلو ہمیشہ سے رہے ہیں، اس کی ایک بڑی مثال ادب کی صورت میں موجود ہے جو سماجی رویوں اور انسانی سوچوں پر اثر انداز ہو کر معاشرے کی صورت گری کرتا ہے۔ اس میں خواتین ادیبوں کا ایک خاص حصہ ہے۔ ساری رائٹرز ہی اچھا لکھ رہی ہیں۔ عمیرہ احمد، صائمہ اکرام چوہدری، تنزیلہ ریاض وغیرہ۔

فوزیہ احسان رانا: آپ کو میل مصنف میں کون پسند ہے؟

صدف آصف: ہاشم ندیم

فوزیہ احسان رانا: آج کا لکھاری اتنی سہولت ہونے کے باوجود آزاد نہیں ہے، آپ کا کیا خیال ہے؟

صدف آصف: جی ماشاء اللہ جدید ٹیکنولوجی اور سہولیات موجود ہیں جن کا فائدہ اب ہر لکھاری اٹھا رہا ہے اور یہ حقیقت ہے کہ آج کا قاری بھی بہت زیادہ باشعور ہوگیا ہے اس لحاظ سے اب کے لکھاری کے لیے یہ طریقہ آسان کردیا گیا ہے۔

لیکن اب جیسا کہ ریڈرز ہر بات نوٹ کرتے ہیں تو وہ لکھاری کی بات کو اس کے لفظوں کے جال کو فوراً پکڑ لیتا ہے جس وجہ سے نئے لکھاریوں کو مشکلات درپیش آتی ہیں۔

حنین ملک: آپ کی پسندیدہ تحریر کونسی ہے اور کیوں؟ آپ کے خیال میں ہمارے معاشرتی بگاڑ کی وجہ کیا ہے؟

صدف آصف: پیر کامل، جنت کے پتے اور دیگر تصانیف۔

ہمارا معاشرہ مختلف مسائل کی آماجگاہ بنا ہوا ہے کوئی ایک مسئلہ بڑا نہیں، غربت، مہنگائی، بے راہ روی، بے روزگاری، کرپشن مسائل کی بہتات ہے۔ جس کی وجہ سے یہاں بگاڑ پیدا ہوا ہے۔

حنین ملک: آپ کی مصنفاؤں میں سب سے اچھی دوستیں کون ہیں؟

صدف آصف: حنا یاسمین، صائمہ اکرم چوہدری، نادیہ احمد، سحرش فاطمہ، ندا حسنین، سباس گل، تنزیلہ ریاض، سویرا فلک، تمثیلہ زاہد، قرۃ العین خرم ہاشمی، فاخرہ گل وغیرہ بہت ساری ہیں۔

حنین ملک: آپ نے کالمز بھی لکھے ہیں، آرٹیکلز بھی افسانے اور ناولز بھی تو کیا لکھنے میں زیادہ مزہ آیا؟

صدف آصف: کسی متعین موضوع پر اپنے خیالات اور جذبات کا تحریری اظہار مضمون نگاری ہے۔

مضمون کے لیے موضوع کی کوئی قید نہیں۔ مگر اس کو لکھتے وقت مکمل تحقیق ضروری ہے

مختصر پیرائے میں اپنی جامع بات سامنے والے تک پہنچانا کچھ مشکل امر ہوتا ہے۔

میرب عباسی: کبھی تنقید ہوئی ہے ہاں تو کیسا لگتا ہے؟

صدف آصف: ویسے بہت کم تنقید کا سامنا کرنا پڑا مگر تنقید برائے تنقید پر افسوس اور مثبت انداز میں کسی نے کوئی غلطی بتائی تو اس سے سبق لیا اور لکھنے میں نکھار لانے کی کوشش کی۔

میرب عباسی: آپ کی کوئی لکھی ہوئی کتاب؟

صدف آصف: ابھی تو نہیں ہے پر دعا کریں۔

حمیرا نوشین: ڈراموں میں عورت کو بہت مظلوم دکھایا جاتا ہے تو اگر آپ ڈرامہ لکھیں گی تو کس پر لکھیں گی؟

صدف آصف: مظلوم عورت پر، ہاہاہا......

پاکستانی پروڈکشن ہاؤسز آج کل ناولوں پر ڈرامے بنا رہے ہیں جو کہ بہت کامیاب بھی ثابت ہو رہا ہے، اس کی ایک وجہ تو یہ ہے ایک ناول جو پہلے ہی عوام میں مقبول ہو تو اس کی مقبولیت کو اپنے لیے استعمال کرنا بہت آسان ہوتا ہے، جیسے میری ذات ذرہ بے نشاں، ہمسفر اور دیگر، درحقیقت متعدد ناولوں پر بہت اچھے ڈرامے بھی بنے ہیں مگر بہت سے ایسے بھی ہیں جس

کی ڈرامائی تشکیل نے اس کے پڑھنے والوں کو بری طرح مایوس کیا ہے اگر ہمیں موقع ملا تو کیسے لکھیں گے، یہ بات کہنا ابھی قبل از وقت ہوگا۔

بشریٰ ماہا: آپ کو اپنی بہترین تحریر کون سی لگتی ہے؟ محبت آپ کی نظر میں کیا ہے؟

صدف آصف: ہم نے پڑھا ہے کہ محبت بھاگ دوڑ نہیں ہوتی سکون ہوتی ہے، دریا نہیں ہوتی جھیل ہوتی ہے دوپہر نہیں ہوتی بھور سے ہوتی ہے، آگ نہیں ہوتی اجالا ہوتی ہے، سچ بتاؤں کہ کیا ہوتی ہے سچ تو یہ ہے کہ یہ بتانے کی چیز ہوتی ہی نہیں بیتنے کی چیز ہوتی ہے، سمجھنے کی چیز نہیں ہوتی جاننے کی چیز ہوتی ہے۔"

ستارہ امین کومل: آپ سے پسندیدہ ادیب؟

موجودہ دور کے ادب سے آپ مطمئن ہیں؟

زندگی آپ کے نزدیک؟

قارئین کرام کا کیسا رویہ ہوتا ہے؟

صدف آصف: بشریٰ رحمٰن، اشفاق احمد، بانو قدسیہ، منشی پریم چند، عمیرہ احمد، نمرہ، اور بہت سے ہیں ایک طویل لسٹ ہے۔

ایک مسئلہ یہ ہے کہ نئی نسل کا کتابوں سے رشتہ تقریباً ختم ہوتا جارہا ہے، مدمقابل فاسٹ میڈیا آگیا ہے شاید اسی وجہ سے اس دور کا ادب بھی کچھ کمرشل ہوتا جارہا ہے، ان مشکل حالات کے باوجود آج کل کے ادیب لکھ رہے ہیں اور خوب لکھ رہے ہیں۔

زندگی کیا ہے؟

اسے بھلا کوئی کب سمجھا ہے۔

زندگی کے بارے میں اگر سوچیں تو یہ کائنات کی سب سے بڑی نعمت ہے۔

سب بہت اچھے ہیں، محبت سے بات کرتے ہیں، اتنے سارے اچھے لوگوں کے درمیان بستے ہوئے دل خوش ہوجاتا ہے۔

ستارہ امین کومل: کس ادارے کے ساتھ کام کرنا بہت اچھا لگتا ہے؟

آپ کی کوئی ایسی تحریر جسے لکھ کر آپ کو بہت دلی سکون ملا؟

ناول افسانہ کالم کیا لکھنا آسان ہے؟

صدف آصف: سارے ہی ادارے بہت اچھے ہیں، تاہم ہمیں آنچل، خواتین اور کرن کے ایڈیٹرز سے ہمیشہ بہت اچھا رسپانس ملا اس کے لیے شکر گزار ہیں۔

نومبر کے خواتین میں چھپنے والا افسانہ آرزوئے محبت اور حجاب کے لیے ''دل کے دریچے'' لکھ کر بہت اچھا لگ رہا ہے۔

افسانہ نگاری، مضمون نگاری اور ناول نگاری تینوں کی اپنی اپنی جگہ اہمیت ہے، بس سمجھنے کی بات یہ ہے کہ جب بھی قلم اٹھانے لگیں تو یہ ضرور سوچ لیں کہ آپ کی لکھی گئی تحریر دوسروں پر بہت گہرا اثر ڈالے گی۔ ہمیں تو ناول نگاری میں مزہ آتا ہے، ہمارے حساب سے افسانہ لکھنا زیادہ مشکل ہے اور مضمون نگاری قدرے آسان، جس موضوع پر لکھنے کا ارادہ بنائیں اس سے متعلقہ مواد کا ضرور ایک بار مطالعہ کریں تاکہ تحریر کو چار چاند لگ جائیں اور ہمیشہ تصویر کے دونوں رخ دیکھتے ہوئے لکھیں۔

ستارہ امین کومل: سوشل میڈیا نے جہاں لکھاری اور قاری کو قریب کیا وہیں کچھ لوگ لکھاریوں کو بے جا تنگ کرنا تنقید کرنا اپنا فرض سمجھتے ہیں اس کے بارے میں آپ کی رائے؟

صدف آصف: اگر آپ نے بہترین ڈرامے دیکھنے ہوں تو ٹی وی بند کر کے فیس بک کھول لیں۔

ماشاء اللہ ایسا ایسا ڈرامہ ملے گا کہ دل عش عش کر اٹھے گا۔ فیس بک کی رنگ بازیاں......از گل نوخیز اختر......

ہاہاہا یہ تو خیر ایک مذاق کی بات ہے مگر یہ ایک حقیقت ہے کہ یہ ایک ایسی سورس ہے جو اتنی ملامتوں کے باوجود اچھا کردار ادا کر رہی ہے

ہم فیس بک سے بہت خوف زدہ تھے مگر سب کے کہنے پر اپنا اکاؤنٹ بنایا، اس کے بعد سے بس چند برے تجربات کے علاوہ اچھے لوگوں سے ہی واسطہ پڑا۔ یہ پیجز، گروپ، ادب کے حوالے سے اپنا کردار ادا کر رہے ہیں۔ ویسے بھی کوئی چیز بری نہیں ہوتی اس کا استعمال اسے اچھا یا برا بناتا ہے، تعریف بے جا نہ ہو اور تنقید میں تعصب نہ ہو تو، کوئی برائی نہیں بلکہ اس سے سیکھنے کا موقع ہی ملتا ہے۔

ستارہ امین کومل: آج کل کے خود ساختہ تنقید نگار جو تحریر کے ساتھ لکھاری کی مٹی پلید کرنا ثواب سمجھتے ہیں ان کے متعلق آپ کا فرمان؟

صدف آصف: قاری کی حیثیت سے کسی بھی لکھاری کے

کام پر مثبت پیرائے میں تنقید کرنا حق ہے مگر جہاں سے کسی کی ذاتی زندگی کو تماشہ بنایا جائے وہ دل آزاری ہوتی ہے۔
ستارہ امین کومل: آپ کے شوہر آپ کی تحریر پڑھتے ہیں؟
وہ تو ہنستے ہیں کہ اتنا سارا کیسے لکھ لیتی ہو وہ پڑھتے نہیں مگر بہر حال ان کا تعاون ہی ہے، جو ہم لکھ پاتے ہیں۔
راؤ رفاقت علی: صدف آصف جی آپ کو سب سے زیادہ کامیابی کس افسانے سے ملی؟
زندگی میں آپ کے لیے سب اہم کون ہے؟
آپ کا سب سے پہلا افسانہ کون سا تھا؟
صدف آصف: ہماری امی اور بیٹی ثانیہ آصف ہمیں دنیا میں سب سے زیادہ عزیز ہیں۔
پہلی تحریر پاکیزہ میں ایک افسانہ چھپا تھا "دل کے قریب" پہلا آرٹیکل ایکسپریس میں چھپا "باادب، بانصیب۔
عائشہ پرویز صدیقی: کیا آپ کا کوئی ایسا کردار ہے جسے لکھتے وقت آپ کی خواہش ہوئی ہو کہ کاش یہ حقیقت میں میرے ساتھ ہوتا؟
ڈرامہ لکھنے کا کیا ارادہ ہے؟
زندگی کو صرف ایک لفظ میں بیان کرنا چاہیں تو آپ کی نظر میں وہ لفظ کیا ہوگا؟
صدف آصف: "محبت" ایک لفظ تو یہ ہی ہو سکتا ہے۔
ہمارے افسانوں کے زیادہ کردار ہمارے معاشرے کی عکاسی کرتے ہیں، اگر آپ اپنے آس پاس بھی نگاہ دوڑائیں گی تو کوئی نہ کوئی مل جائے گا۔
ہوسکتا ہے ڈرامہ بھی لکھیں۔
جیا ملک: اپنا لکھا ہوا ایسا ناول جو آپ کو لگتا ہے کہ اگر میں نہ لکھتی تو اتنی نامور نہ ہوتی؟
صدف آصف: ابھی تو ایسی تحریر کا انتظار ہے، جو لکھنے کے بعد لگے کہ یہ نہیں لکھا تو کچھ نہیں لکھا۔
جیا ملک: آپ کے نزدیک آئیڈیل بننے کے لیے کس بات کا ہونا جسم میں روح کی طرح اہم ہے؟
میرے لیے کوئی خاص بات جو میں اپنی ڈائری میں نوٹ کرلوں اور ہمیشہ عمل کروں اس پہ؟
صدف آصف:

ذہانت
قوت برداشت
ذہنی پختگی
صبر و شکر
علمی سطح
ٹیم اسپرٹ
خود انحصاری یا دوسروں پر انحصار
طرز فکر اور مکتب فکر
خود غرضی
فطری رجحان
قائدانہ صلاحیتیں
تخلیقی صلاحیتیں

یہ سوچ کر کسی کا برا نہ کریں کہ یہ دوسروں پر نہیں خود پر ظلم ہے، کیوں کہ ہم جو دوسروں کو دیں گے، وہ ہی لوٹ کر ہمارے پاس آئے گا۔
سنبل بٹ: لکھنے کا شوق کیسے پیدا ہوا؟
صدف آصف: لکھنے کا شوق پڑھنے کے بعد ہوا۔
سنبل بٹ: آپ کی کوئی کمزوری؟
صدف آصف: کسی کی آنکھ سے بہتا ہوا آنسو۔
میاں صداقت حسین ساجد: اس شعبے میں اگر پیسہ کمانا ہو تو ایک ادیب کو کیا کرنا چاہیے؟
صدف آصف: ڈرامہ نگاری میں اگر کافی پیسہ ہے اس کے لیے کوشش کرنا چاہیے۔
میاں صداقت حسین ساجد: آپ اپنے لکھے ہوئے سے مطمئن ہیں؟
صدف آصف: ابھی صحیح سے لکھا ہی کہاں ہے' ابھی تو کوشش جاری ہے۔
بیہ صدیقی: اس فیلڈ میں کیسے آئی اتفاقیہ یا شوق تھا شروع سے؟
محبت کیا ہے آپ کی نظر میں..... آپ نے عشق حقیقی کے بارے میں کچھ لکھا ہے؟
اب تک جو لکھا ہے اس پہ مطمئن ہیں یا کچھ خاص لکھنے کی خواہش ہے؟
صدف آصف: لکھنے کا شوق تو تھا، مگر اس بات کا یقین نہیں تھا کہ کبھی اس تواتر سے تحریر چھپنے لگیں گی۔
محبت باغ میں اک حسیں پھول ہے
محبت نرم شبنم کا قطرہ بھی ہے

محبت درد کے سمندر میں خوشی کا ساحل ہے
محبت آسماں کا چمکتا ستارہ بھی ہے
محبت روح کا سکون ہے
محبت بے لوث ہو تو عبادت بھی ہے
محبت خوبصورت زندگی ہے
محبت تاریکی میں امید کا چراغ بھی ہے
محبت زینت ہے دنیائے عشق کی
محبت چاہتوں کا میلہ بھی ہے
محبت راگنی ہے سُروں کی
محبت دلوں کا ساز بھی ہے
محبت اک پاکیزہ سی چیز ہے
محبت خواہشِ زندگی بھی ہے
محبت نہ ہو تو زندگی خاموش سی ہے
یعنی محبت ہر طلب سے ماورا ہے۔

ابھی صحیح سے لکھا ہی کہاں ہے ابھی تو کوشش جاری ہے۔ عشق حقیقی پر لکھنا ہے ابھی قلم کو اتنی جرات نہیں ہوئی کہ......

عمران قریشی: صدف آپ کو کہانی لکھنے کا خیال کیسے آیا؟ سب سے پہلی کہانی کیسے لکھی؟

صدف آصف: ایک عجیب سی بات یہ ہے کہ اکثر کہانی پڑھتے ہوئے خیال آتا کہ اسے یوں بھی لکھا جاسکتا تھا، بس اسی طرح کہانی لکھنے کا کام کیا۔

سید عبادت کاظمی: آپ نے جیت کہانی لکھی مجھے وہ بہت پسند آئی کیا وہ حقیقی تھی اور اپنا لکھا کون سا ناول پسند ہے؟

جیت جو کرن میں چھپنے والا ناولٹ ہے، وہ حقیقی کہانی تو نہیں مگر اس کے کردار ہمارے آس پاس ہی بستے ہیں۔

چاہت دھوپ چھاؤں سی آنچل میں چھپ چکا ہے اور ڈھل گیا ہجر کا دن شعاع میں چھپا ہے۔

یاسین محمد: آپ کا سندیدہ ناول نگار اور پسندیدہ ناول کون سا ہے وجہ بھی بتائیں کہ کیوں پسند ہے؟

صدف آصف: ناول کا عنوان "پیر کامل ﷺ" ہے۔ عمیرا احمد نے حضور پاک صلی اللہ علیہ وسلم کو پیر کامل قرار دیا ہے جو بالکل درست ہے۔ کہانی کا موضوع حضور پاک صلی اللہ علیہ وسلم کی محبت ہے۔

عمیرہ کی تحاریر اور کہانیاں عموماً حقیقی سماجی مسائل کے گرد گھومتی ہیں اور موجودہ زمانے کی تہذیب وثقافت کی عکاس ہیں۔ مقامی مسائل اور حالات کا بیان کرنے کے ساتھ ساتھ روحانیت کا موضوع بھی اُن کے ناولوں کا خاص عنصر ہے۔

امیر نذیر بلوچ: آپ کو اپنے کس تخلیق کردہ کردار سے عشق ہے؟ آپ کو لکھنا کیوں پسند ہے؟

صدف آصف: ہمیں لکھنا ایسے ہی پسند ہے جیسے بادل خوشبو، نرمی ہوا، یہ ہماری زندگی کا جز ہے۔

"مجھے رنگ دے" آنچل میں چھپنے والے ایک ناولٹ کی ہیروئن "رمان بیگ" کے کردار میں بہت انرجی تھی اور شعاع میں چھپنے والے ناولٹ شہر تمنا کی ہیروئن، جو بہت معصوم اور مشرقی تھی۔

اریشہ فاروق: وہی ایک سوال، آپ کی عمر کیا ہے؟

صدف آصف: وہ بات نہیں سنی کہ عورت سے اس کی عمر اور مرد سے اس کی کمائی نہیں پوچھتے۔

ریحانہ آفتاب: اگر کوئی آپ کے قلم کو روکنا چاہے تو آپ کا ردِعمل کیا ہوگا؟

صدف آصف: ویسے تو ایسا ہونا مشکل ہے مگر یہ ضرور ہے کہ ہم اسے اپنی بات سمجھانا چاہیں گے، لکھنے کی اتنی عادت پڑ گئی ہے کہ کافی دن تک کچھ نہ لکھا جائے تو ادھورا پن محسوس ہوتا ہے۔

عائشہ صدیقی: کیا کبھی کاپی کرنے کی کوشش کی یا اپنا ہی منفرد طرزِ تحریر ہے؟

صدف آصف: آپ کو کیا لگتا ہے؟ ویسے کاپی تو کبھی نہیں کیا۔

عائشہ صدیقی: آپ کو لکھنے میں کسی کی جانب سے حوصلہ افزائی ملی؟

صدف آصف: بہت سارے مشہور رائٹرز نے، جیسے جب ہم نے ڈپٹی نذیر احمد کا ناول پڑھا تو بہت اچھا لگا، انہوں نے کتنے مزے سے لڑکیوں کو اچھے اچھے سبق دیئے، بس اس وقت ہی سوچا کہ افسانہ ہو یا کہانی، پڑھنے والے تک ایک بھی اچھی بات پہنچانا ضروری ہے۔

صائمہ قریشی: اگر آپ ایک قاری کی نظر سے اپنی کہانیوں کو دیکھیں تو کیا آپ کو صدف آصف کی تحریریں پسند آتی ہیں؟ صدف آصف کون ہے؟ (آپ کی نظر میں)

صدف آصف: ایک قاری کی حیثیت سے تو نہیں کہہ سکتے مگر ایک تنقید نگار کے روپ میں دیکھیں تو ابھی بہتری کی بہت

گنجائش نکلتی ہے
میں کیا ہوں معلوم نہیں
میں قاسم مقسوم نہیں
میں تسلیم کا پیکر ہوں
میں حاکم محکوم نہیں
میں مستی کا ساغر ہوں
ہوش سے محروم نہیں
میں نے کیا کیا دیکھا ہے
میں یونہی مغموم نہیں
میں صحرا کی جان ہوا
میں بادِ سموم نہیں
میں مایوس نہیں لیکن
امید موہوم نہیں
(واصف علی واصف)

سدرہ گل مہک: آپ کے بے شمار فین ہوں گے...... کوئی ایسا فین جو آپ کے دل کے بہت قریب ہو جس پہ آپ کو اعتماد ہو آپ اس کے دکھ سکھ بناء کہے جان جاتی ہوں
کہانی کار خواتین بھی کبھار الٹا سیدھا رومینس لکھ دیتی ہیں جو میرے خیال سے مناسب حد تک ہو تو بہتر ورنہ نہیں آپ کیا کہتی ہیں؟
آزادی اظہار کی آڑ میں دل آزاری مذہبی و قومی وقار کو ٹھیس کیوں پہنچائی جا رہی ہے؟
کہانی لکھنے کا بہترین وقت؟
اپنے قارئین کے لیے کیا پیغام دیں گی؟
آج کے آزاد دور میں ہم لڑکیوں کو کیسا ہونا چاہیے؟
آپ کہانی کار نہ ہوتیں تو کیا ہوتیں؟
فیس بک فیک بک کہلاتی ہے آپ کیا سوچ رکھتی ہیں؟
سوشل میڈیا کا نوجوان نسل میں بڑھتا ہوا زہر اور اس کا تریاق؟
صدف آصف:
دل کے قریب تو سارے ہی ہیں سب بہت اچھے ہیں۔
اگر نفرت پھیلانا، دوسروں کی دل آزاری اور جذبات کو ٹھیس پہنچانے کا نام ہی آزادی اظہار رائے رہ گیا ہے تو اس سے باز رہنا ہی بہتر ہے، ہاں سچائی کا برملا اظہار ہو تو کوئی مضائقہ نہیں۔
کہانی لکھنے کا بہترین وقت ہمارے لحاظ سے رات کی خاموشی، چائے کا ایک کپ اس پر خوشگوار موڈ کا تڑکہ بھی ہو تو کیا بات ہے۔
عدم برداشت کا رویہ پروان چڑھ رہا ہے اس پر قابو پانا بہت ضروری ہے۔
اللہ ہم سب کو ایمان اور مثبت سوچ دے تاکہ ہم معاشرے کو اچھائی دیں اور بدلے میں خیر حاصل کریں۔
آج کی لڑکیوں کو کسی کی اندھی تقلید میں اپنے معیار کو کھونے کی جگہ اپنی ذات کی سچائی کو پہچاننے کی ضرورت ہے۔
گھر میں رہنے والی خواتین چاہیں تو اپنے ہی جیسی دوسری عورتوں کی طرف دار بن سکتی ہیں، شروع سے اپنے بیٹوں اور بھائیوں کے دماغ میں عورت کی عزت کے حوالے سے مثبت باتیں سکھا کر معاشرے میں بہتری لائی جاسکتی ہے تاکہ "عورت ہی عورت کی دشمن" والے فلسفے کا خاتمہ کیا جائے۔
صبا ایشل: میں نے دیکھا ہے کہ آپ کا ہر فین آپ کے اچھے اخلاق کی تعریف کرتا ہے اور ظاہر ہے لوگوں کے میسیجز بھی بہت آتے ہوں گے تو آپ اتنے فینز کو کیسے ڈیل کرتی ہیں؟
فیس بک سے ملے کتنے دوست ایسے ہیں جن پر آپ آنکھ بند کر کے یقین کرسکتی ہوں؟ آپ کیا سمجھتی ہیں فیس بک پر فیئر لوگ ہیں؟
کبھی ایسا ہوا کہ آپ نے کسی پر اندھا اعتماد کیا اور اس شخص نے آپ کو اندھا ہی سمجھ لیا ہو؟
اپنے ہسبنڈ کے بارے میں ہمیں بتائیں؟ کیسے ہیں کیا کرتے ہیں اور آپ کو کتنا سپورٹ کرتے ہیں؟
کیریر کا آغاز کیسے کیا اور کیا فیملی نے سپورٹ کیا تھا؟ اور اب فیملی کیسا ریسپونس دیتی ہے؟
آپ کی فیملی میں کون کون آپ کی تحریروں کو پڑھتا ہے؟
اور آخر میں تمہارے لیے دعا کہ اللہ کرے زور قلم اور زیادہ۔
صدف آصف: ہماری کوشش ہوتی ہے کہ ہر ایک کو پوری توجہ اور نرمی سے جواب دیں۔
فیس بک کی مدد سے ہم دنیا کے کونے کونے میں موجود اپنے قریبی عزیز و اقارب اور دوستوں سے رابطے میں رہتے ہیں مگر کچھ دوستانہ مراسم ایسے بھی ہیں، جو اسی پلیٹ فارم کی وجہ سے ملے، ان میں سب سے اچھی بات یہ ہوئی کہ پاکستان کے ہر علاقے میں رہنے والے لوگوں سے دوستانہ روابط قائم ہوئے۔ جی کچھ آپ جیسے دوست ہیں جن پر مکمل اعتماد کیا

جاسکتا ہے۔
فیئر لوگ بھی ہیں اور فیک آئی ڈیز بھی ہیں، مگران کے بارے میں جلد ہی پتا چل جاتا ہے۔
زندگی میں کئی بار ایسا ہوا ہے، اصل میں ایک بری یا اچھی عادت کہہ لیں، لوگوں پر فوراً اعتبار کرلیتا، مگر یہ اللہ جی کی ذات ہے جو ہمیشہ مشکلوں کو آسانیوں میں بدل دیتا ہے
ہمارے ہسبنڈ بہت کوآپریٹو انسان ہیں، نرم مزاج اور خیال رکھنے والے ہیں۔
سب ہی پڑھتے ہیں اور بہت اچھا رسپانس دیتے ہیں
آصف ایک فرم ٹریڈلنک، میں منیجر کی پوسٹ پر فائز ہیں
قراۃ العین:
آپ کے ناول کا کوئی ایسا کردار جو آپ کے دل کے بہت قریب ہو؟
کون سے کردار سے آپ ریئل میں ملی ہیں؟
کون سی اسٹوری پڑھ کر آپ روئی ہیں؟
ہماری کہانیوں کے تو بہت سارے کردار ارد گرد گھومتے پھرتے دکھائی دیتے ہیں کیوں کہ وہ عام سے لوگ ہیں ہمارے معاشرے کی عکاسی کرتے ہیں۔
''مجھے رنگ دے'' آنچل کی ''رمان بیگ'' کرن، جیت کی ''پشمہ'' خواتین کے آرزوئے محبت کی ''زنیرا''
عمیرہ کے کردار عمر جہانگیر اور علیزے سکندر، امربیل پڑھ کر آنکھیں نم ہوئیں
عوزی الیف جان:
السلام علیکم
سب سے پہلے آپ کی اچھی صحت وتندرستی کے لیے اللہ پاک سے دعا گو ہوں۔
ماشاءاللہ سوال وجواب کی محفل بہت خوب رہی۔
سوال: اگر آپ کے سامنے دو راستے ہوں ایک راستہ عورت ہونے کے ناطے آپ کے ذمہ فرائض کے لیے پکارے اور عین وقت اسی شدت سے دوسرا راستہ قلم اور لفظوں کے فوری ''سنجوگ'' کا خواہاں ہوں اور صورتِ حال یہ ہو کہ دونوں راستوں کی بیک وقت پکار آپ کو کشمکش میں ڈال دے کہ پہلے قدم کس طرف اُٹھیں؟ کیا آپ کی زندگی میں یہ موقعہ آیا اگر نہیں آیا تو اس صورت میں کیا فیصلہ ہوتا؟
صدف آصف: وعلیکم سلام، بہت شکریہ۔
لکھنا چھوڑ کر اپنے فرض کی ادائیگی کی جانب قدم بڑھ جائیں گے۔
شبینہ گل: جناب لکھتی تو آپ بہت اچھا ہیں، بہت ہی ہلکا پھلکا انداز ہے آپ کا، بڑا خوب صورت بادلوں جیسا انداز جو چھو جائے مگر پتا نہ چلے۔
مختلف میگزینز میں آپ کے افسانے اور مضامین نظر سے گزرے اب تک جو بھی رسالہ ہاتھ میں آیا اس میں آپ کا نام ضرور نظر آیا تو کیسے کرلیتی ہیں اتنا سب کچھ جب کہ آپ کی بیٹی بھی ہے ماشاءاللہ ورنہ اتنی جگہ آپ کو دیکھ کر مجھے لگا تھا شاید آپ ان میرڈ ہیں۔
آپ اعلیٰ تعلیم یافتہ ہیں تو کہیں جاب کرنے کی بجائے آپ نے لکھنے کو ترجیح دی تو اس کی کوئی خاص وجہ؟
صدف آصف: ہم اتنی تیزی میں شاید اس لیے لکھ پاتے ہیں کہ ہماری پہلی اکیڈمی جیوٹی وی کا ریسرچ سیل تھا، جہاں بے انتہا پریشر میں بہت فاسٹ کام ہوتا تھا، اس لیے اب بہت تیزی سے لکھنے کی عادت پڑ گئی۔ الحمدللہ ہم شادی شدہ ہیں اسی وجہ سے اب جاب چھوڑ دی ہے۔ بس لکھنے کا کام جاری ہے، پہلے جاب میں خبریں بنائی جاتی تھیں، اب گھر میں افسانے لکھتے ہیں۔
نادیہ احمد: میرا آپ سے یہ سوال ہے کہ کوئی ایسا ناول یا افسانہ لکھا جس میں اپنی ذات یا اس سے ملتا جلتا کردار ہو؟
انسان ہر لمحہ ایک سے موڈ میں نہیں رہتا حالات اور واقعات کا اثر اس کی شخصیت اور موڈ پہ ہوتا ہے ایسے میں اپنے خراب موڈ کو کس طرح قابو میں کرتی ہیں اور اگر غصہ اتارنا ہو تو کس کی سب سے زیادہ شامت آتی ہے؟
کبھی ڈپریشن یا فرسٹریشن کا شکار ہوئی ہیں؟ اگر ہاں تو اس فیز سے کیسے باہر نکلتی ہیں؟
صدف آصف: بہت شکریہ نادیہ جی، جیت کی تاب دار کچھ کچھ ہمارے جیسے ہی ہے۔
ایک چیز ہمارے اندر اچھی ہے، وہ ہے حد سے زیادہ ایڈجسٹمنٹ اور چیزوں کو برداشت کرجانا، مگر کبھی جب حد سے زیادہ غصہ آتا ہے تو خاموش ہوکر کسی جگہ بیٹھ کر اپنے آپ کو ٹھنڈا کرنے کی کوشش کی جاتی ہے، البتہ کوئی اگر منہ پر جھوٹ بولے تو بات برداشت سے باہر ہوجاتی ہے، پھر بحث مباحثہ بھی ہوجاتا ہے
جی اکثر ایسا بھی ہوتا ہے، لکھنے سے دل اچاٹ ہوجاتا ہے

کچھ کرنے کا دل نہیں کرتا مگر یہ وقتی کیفیت ہوتی ہے پھر وہ ہی شب و روز۔

کہکشاں صابر: اسلام وعلیکم آپی میں آپ سے پوچھنا چاہتی ہوں کہ جب آپ کی پہلی تحریر شائع ہوئی تھی تو آپ کے کیا احساسات تھے اور آپ کو اس کے شائع ہونے کا کس بے چینی سے انتظار تھا اور کون سی آپ کی ایک ایسی تحریر ہے، جس نے آپ کے دل کو چھولیا ہے شکریہ!

صدف آصف: پتا ہی نہیں تھا کہ تحریر چھپ چکی ہے، اس وقت یہ عیاشی نہیں ہوتی تھی کہ گھر بیٹھے سارے ڈائجسٹ ملتے ہوں جب بھائی بچوں کا میگزین لایا اور اس میں ہمارا نام دیکھا تو رسالہ لے کر پورے گھر میں گھوما اور ہم پیچھے بھاگے کہ بھائی دکھا تو دو، بہت انوکھے سے تاثرات تھے، اس وقت۔

یہ تو قارئین ہی بتا سکتے ہیں کہ کس تحریر نے دل کو چھوا ویسے عزم وہمت سے معمور سبق آموز کہانیاں، زندگی کے کٹھن مرحلوں میں، ہمیشہ نیا حوصلہ بخشتی ہیں۔

سباس گل: لکھنے کا مقصد اور اب تک زندگی سے آپ نے کیا سیکھا؟ کوئی ایسی بات جو آپ کے لیے مشعلِ راہ بنی ہو؟

صدف آصف: پہلے تو بس شوق میں لکھنا شروع کیا، مگر اب جب کسی کہانی پر قارئین کا ریسپونس آتا ہے کہ بہت اچھا سبق دیا، اس تحریر کے زریعے تو، بس کوشش ہوتی ہے، کچھ ایسے موضوعات پر لکھا جائے، جس میں معاشرے کی بھلائی کے لیے کچھ ہو اور میں نے زندگی سے یہ سیکھا کہ مظلوم نے ایک نا ایک دن جیتنا ہے بھلے دیر لگ جائے۔

قرۃ العین خرم ہاشمی: آپ خواب لکھنا پسند کرتی ہیں یا حقیقت کو اپنے لفظوں کا ہنر دینا اچھا لگتا ہے؟

صدف آصف: خواب تھا جو کچھ کہ دیکھا، جو سنا افسانہ تھا۔

خواب در خواب سفر ہوتا رہا، الفاظ کو برتنے کا سلیقہ سیکھتے سیکھتے کہانی لکھی گئی، کچھ حقیقت، کچھ فسانہ پھر بنا ایک افسانہ۔

جویریہ ثنا: لکھنے کے لیے اپنی مصروفیت سے وقت کیسے نکال لیتی ہیں؟

صدف آصف: جی ہم رات کو لکھتے ہیں، وہ وقت بہت سکون کا ہوتا ہے جب چائے کا ایک کپ ہو اور خیالات کی یلغار، انگلیاں خود بخود کی بورڈ پر دوڑتی ہیں۔

حمیرا نوشین: آپ کی اسٹوریز پڑھتے ہوئے مجھے کچھ عرصہ ہی ہوا ہے ماشاء اللہ آپ کے لکھنے میں روانی پائی جاتی ہے شروع سے لے کر اختتام تک قاری دلچسپی سے کہانی پڑھتا ہے۔ میرا آپ سے سوال ہے کہ کس موضوع پہ لکھنا اچھا لگتا ہے؟

بہت شکریہ ڈیئر! بہت سارے ٹاپک ہیں، ابھی ہم اس نہج تک پہنچے ہی نہیں کہ خود کو رائٹر کا رتبہ دے سکیں ویسے ہماری خواہش ہے کہ معاشرتی مسائل کو اپنی تخلیقات میں زیادہ سے زیادہ جگہ دیں۔ خاص طور پر عورتیں اور بچے اپنی تھوڑی بہت سوجھ بوجھ اور فکروشعور سے سماج سدھار کا کام لیں۔

اس کے ساتھ ہی صدف سے ہم نے اجازت لی اور آخر میں قارئین کے لیے پیغام؟

ہماری کہانیوں پر تبصرہ کرنے والے خطوط کے زریعے رہنمائی بھیجنے والے قارئین ہمارے لیے آپ سب بہت پیارے اور خوب صورت ہو، اس کی وجہ یہ ہے کہ ہم کسی کی شکل تو نہیں دیکھتے مگر، ایک دوسرے کا اخلاق ہی ہوتا ہے جو ہمیں متاثر کرتا ہے، فیس بک پر موجود وہ سارے دوست جو اچھے کمنٹس اور لائیک دیتے ہیں ہمارے اندر بہترین احساس جگاتے ہیں تو پھر صرف ظاہری خوب صورتی کو تو بہت سارے لوگ خراج تحسین پیش کرتے ہیں۔ ہم آپ کے اخلاق اور سیرت کی خوب صورتی کو سراہتے ہیں۔

ایک رائٹر کے لیے کسی کا کہا ہوا ایک اچھا لفظ بھی باعث حوصلہ افزائی ہوتا ہے۔ ہم ان تمام ساتھیوں کی شکر گزار ہیں، جو بغیر کسی غرض اور مطلب کے یہاں ہماری پوسٹ پر، افسانوں، ناول اور مضامین پر تبصرہ کرتی ہیں۔ ہمیں مبارک باد پیش کرتی ہیں یا ان باکس میں آ کر اچھی تجاویز دیتی ہیں۔ آپ کی حوصلہ افزائی ہمارے اندر لکھنے کی حس بیدار کرتی ہیں۔

شکریہ

آپ کی صدف آصف!

ادارہ

(۱) 2015ء میں آپ کی ذات میں رونما ہونے والی تبدیلی جس نے آپ کی زندگی کو بدل کر رکھ دیا؟
(۲) اس سال پیش آنے والا ایسا خوشگوار واقعہ جسے یاد کرکے اکثر مسکراتی ہیں؟
(۳) 2015ء میں منائے جانے والے تہواروں میں کسی شخص کی کمی کو شدت سے محسوس کیا؟
(۴) آنچل کی رائٹرز نے 2015ء میں اپنی تحریروں سے آپ کو کس حد تک مطمئن کیا اور آپ نے ان تحریروں سے کیا سبق حاصل کیا؟
(۵) 2015ء میں کسی رائٹرز کی تحریر میں آپ کو اپنی جھلک نظر آئی۔
(۶) گزشتہ سال کون سی کتابیں آپ کے زیر مطالعہ رہیں؟
(۷) گھر والوں کی جانب سے کن باتوں پر عموماً تنقید کا سامنا کرنا ہوتا ہے اور کن باتوں پر تعریفی کلمات سننے کو ملتے ہیں؟
(۸) نئے سال کے آغاز اور گزشتہ سال کے اختتام پر کیا خود احتسابی کے عمل سے خود کو گزارتی ہیں اور اپنی ذات کو کہاں دیکھتی ہیں؟
(۹) گزشتہ سال پیش آنے والا کوئی ایسا لمحہ جس نے آپ کو اپنے رب سے قریب کردیا ہو۔

آمنہ حبیب اختر...... جہلم

2015ء میں بھی اک ایسی تبدیلی ہے جس نے میری ذات کو بدل کر رکھ دیا لیکن 2013ء میں میرے بابا جان کی وفات نے میری ذات کو آسمان سے زمین پر پٹخا...... لیکن خیر اللہ تبارک وتعالیٰ جو کرتا ہے انسان کے اچھے کے لیے کرتا ہے۔

☆ اس سال تو کچھ خاص نہیں اور نہ ہی ٹوٹ کیا ایسا کوئی واقعہ ہاں جب بابا تھے تب کی تو پوچھو ہی نہ جن واقعات کو آج بھی یاد کرکے مسکراتی ہوں بہت اچھا بچپن گزارا پاپا کے ساتھ اللہ تبارک وتعالیٰ میرے بابا جان کو جنت الفردوس میں جگہ دے آمین۔

☆ جی...... اپنے بابا جان کی کمی کو شدت سے محسوس کیا جواب ہر تہواروں پر محسوس ہوگی۔

☆ آنچل کی رائٹرز نے ماشاءاللہ بہت مطمئن کیا کیونکہ ہر تحریر میں کوئی نہ کوئی سبق ضرور تھا اور میں نے ان تحریروں سے کافی سبق بھی حاصل کیا جس طرح فرحین اظفر کی ہر تحریر میں کوئی نہ کوئی سبق ضرور ہوتا ہے۔

☆ ہاہاہا...... اپنی جھلک...... جی ہاں، بہت!

☆ گزشتہ سال تو سب سے پہلے سکول کی کتابیں ہاہاہا...... پھر اور بہت بہت ساری کتابیں، اسلام کی میٹھی میٹھی پیاری پیاری کتابیں جنہیں پڑھ کر دل کو بہت سکون ملا ساتھ ہی آج کے مسلمانوں انسانوں کے لیے دعا کی کہ اللہ تبارک وتعالیٰ سب کو صراط مستقیم پر چلائے آمین۔ ان کے بعد بہت سے رائٹرز کے بہت سے ناولز پڑھے عمیرہ احمد، نمرہ احمد، سارہ، فرحت اشتیاق کے تو حد سے زیادہ۔

☆ کیا سوال پوچھا...... واہ! جب تھوڑی فضول خرچی کریں تو، ویسے جہاں تک میرا خیال ہے اتنی فضول خرچی تو ہونی چاہیے لیکن سمجھ نہیں آتی کہ میری ان ضروریات میں گھر والوں کو فضول خرچی کیوں لگتی ہے ہاہاہا۔

☆ جی...... اپنی ذات کو کہاں دیکھنا ہے بھلا؟ بس دیکھتی ہوں تو یہی کہ دوسروں کے کام آنا ہے سب کا خیال رکھنا ہے اور بھی بہت کچھ...... بس اپنے لیے میرے پاس کچھ خاص بات نہیں۔

☆ بہت گہرا سوال پوچھ لیا...... لمحہ کوئی کیا بتاؤں میرے رب نے بچپن سے لے کر آج تک جو میں نے مانگا مجھے دیا جس سے پناہ چاہی دی، تو کیا میرا فرض نہیں کہ جو رب میری ہر دعا قبول کرتا ہے اس کی ہر بات مانوں؟ بس اپنے رب سے محبت اور اپنے رب سے قریب ہونا سب اس کی محبت کا نتیجہ اور اسی کی وجہ سے ہے۔

سمیہ کنول...... بھیر کنڈ، مانسہرہ

☆ 2015ء میں اپنی ذات میں رونما ہونے والی تبدیلی جو میں نے اور دوسروں نے بھی بہت محسوس کی کہ میں بہت سنجیدہ ہوگئی ہوں۔ چھوٹی چھوٹی باتیں سوچنے بیٹھ جاتی ہوں، بہت زیادہ حساس ہوں۔ مذاق میں کی گئی باتوں کا بھی برا مان جاتی ہوں اگر مجھے کوئی برا کہے تو اپنے آپ سے روٹھ جاتی ہوں۔

حساس دلوں کو توڑنے کے لیے ضرورت نہیں پتھروں کی
یہ دل تو بکھر جاتے ہیں لفظوں کی چوٹ سے

☆ بہت سے ایسے واقعے ہیں جنہیں یاد کرکے مسکراتی ہوں لیکن جو سب سے زیادہ بیسٹ ہے وہ میرا کان پکڑ کر کالج کے گیٹ تک آنے کا ہے۔ ہوا کچھ یوں کہ بریک ٹائم میں اپنی کالج فرینڈ ایمن عروسہ کے ساتھ باہر گراؤنڈ میں آگئی ہم لوگوں نے گپ شپ کی بریک کے بعد میں جیسے ہی کلاس میں انٹر ہوئی، خدیجہ نے مجھے اتنا برا بھلا کہا کہ مجھے چھوڑ کر کیوں گئی تھیں؟" ناراض ہوگئی، بہت منایا پر نہ جی چھٹی کے ٹائم کلاس سے لے کر کالج کے گیٹ تک کان پکڑے تب جا کر وہ مانی سارے کالج نے تماشہ دیکھا اور ہم پاگلوں کی طرح ایک دوسرے سے مل رہے تھے۔

☆ تہوار چاہے جو بھی ہو دور جانے والے شدت سے یاد آتے ہیں۔ مجھے ہر تہوار ہر وقت جو سب سے زیادہ یاد آتے ہیں وہ میرے بابا

جی (دادا) ہیں۔ عید پر سب سے پہلے ان سے عیدی لیتے ان سے ملتے اب وہ اس دنیا میں نہیں ہیں ان کی کمی بہت زیادہ محسوس ہوتی ہے۔
آئی مس یو آل ٹائم۔

☆ آنچل کی رائٹرز نے کافی حد تک مطمئن کیا ہر کہانی زبردست تھی۔ آنچل کی ہر تحریر ہی سبق آموز ہوتی ہے اگر اس سے کوئی سبق حاصل کرنا چاہے تو میں نے تو یہ سبق حاصل کیا کہ چاہے لڑکیوں پر ہزاروں مصیبتیں آئیں انہیں ثابت قدم رہنا ہے۔ ہر حال میں اپنی عزت و وقار کا خیال رکھنا ہے ہر کسی پر اعتبار کرنا اور سب سے بڑی بات کہ تعلیم ضرور حاصل کرنی ہے تاکہ اگر کوئی مشکل آئے تو وہ اسے اپنی تعلیمی قابلیت کی بناء پر حل کریں۔

☆ پرانے ڈائجسٹ دوسروں کو دے دیتی ہوں پڑھنے کے لیے جمع نہیں کرتی اور مجھے کہانیاں بھی یاد نہیں رہتیں سوائے چند ایک کے۔ اپنی جھلک ان کہانیوں میں نظر آتی ہے جن کی ہیروئن اچھلتی کودتی، شرارتیں کرتی، دوسروں کا منہ چڑاتی اور کھلکھلاتی رہتی ہیں۔ میں بھی ویسی ہی تھی اب کچھ سنجیدہ ہوگئی ہوں۔

☆ میرے پاس بہت سی کتابیں تو نہیں ہوتیں لیکن پڑھتی میں سب کچھ ہوں، چاہے اخبار کا ٹکڑا ہو یا سلیبس کی کتاب یا کہانیوں کی کتاب، چھوڑتی کچھ نہیں۔ اخبار جہاں، آنچل، کرن، شعاع، خواتین ڈائجسٹ، نونہال، تعلیم و تربیت، بچوں کا اسلام، خواتین کا اسلام، حنا یہ ساری کتابیں میں پڑھتی رہی ہوں اور سب سے اچھی اور سچی کتاب قرآن مجید۔

☆ میری امی مجھے زیادہ سستی کی وجہ سے ڈانٹتی ہیں اور زیادہ اچھل کود کی وجہ سے۔ تعریفی کلمات بھی سننے کو ملتے ہیں، کوکنگ اچھی کرتی ہوں اور اگر کوئی اچھا کام نہ کروں تو پھر زیادہ تنقید ہی ہوتی ہے۔
مجھے اتنی پروا نہیں ہوتی کہ کب نیا سال شروع ہوگا نہ تو مجھے سال کے آغاز کا پتا ہوتا ہے نہ اختتام کا۔ دوستوں کے میسجز سے پتا چلتا ہے کہ نیا سال شروع ہوا اور ختم ہوا۔

☆ ہر اس لمحے میں اپنے رب کے قریب ہوتی ہوں جب میں دکھی ہوتی ہوں اداس ہوتی ہوں اور جب میں دعا کرتی ہوں مجھے ایسا محسوس ہوتا ہے میرا رب مجھے دیکھ رہا ہے سن رہا ہے وہ میری التجائیں، میری دعائیں۔

شازیہ اختر شازی...... نور پور

☆ ویسے تو ہر انسان میں وقت کے ساتھ ساتھ بہت سی تبدیلیاں آتی رہتی ہیں لیکن کچھ تبدیلیاں ایسی بھی ہوتی ہیں کہ انسان خود بھی حیران رہ جاتا ہے۔ میرے ساتھ بھی کچھ ایسا ہی ہوا میں ہر وقت جو وقت ہنسی مذاق اور کھیل کود میں گزارتی تھی لیکن امی کی بیماری اور آپی کی شادی کے بعد کچھ اس طرح ذمہ داریوں میں گھری کہ اپنا آپ بھول گئی بس یاد رہا اتنا کہ ابو اور بھائیوں کو کوئی کمی محسوس نہ ہو اور کچھ لوگوں کے رویوں نے اور حالات نے وقت سے پہلے ہی سمجھ دار بنا دیا تھا۔ کبھی کبھی میں خود حیران رہ جاتی ہوں کہ میں واقعی اتنی بہادر ہوں کہ حالات کا مقابلہ خوش دلی سے کررہی ہوں۔ میں اللہ کا جتنا شکر ادا کروں اتنا ہی کم ہے کہ اب تک جو حالات سے لڑ رہی ہوں تو یہ اللہ کی طرف سے دیا ہوا حوصلہ اور ہمت ہے جو میرے کام آیا۔

☆ کچھ خاص تو نہیں لیکن کچھ ایسے واقعات ہوتے ہیں جو تنہائی میں یاد آئیں تو لب اپنے آپ ہی مسکرا اٹھتے ہیں کچھ ایسا ہی میرے ساتھ ایک واقعہ پیش آیا جب یاد کرتی ہوں تو اکثر مسکرا دیتی ہوں۔ ہوا کچھ یوں کہ ایک رات کو میں اپنے کمرے میں سوئی ہوئی تھی کہ ایک چوہیا میرے بستر میں گھس آئی میں گہری نیند میں تھی جب وہ میرے ہاتھ پر چڑھی تو میں ڈر کر جاگ گئی اور جلدی سے بستر سے اتر گئی اب سوچ رہی تھی کہ اس کو کیسے ماروں ساتھ میں ڈر بھی لگ رہا تھا جب اور کچھ سمجھ نہیں آیا تو جھاڑو اٹھائی چوہیا بھی ایسی تیز کہ کبھی بستر میں گھس جاتی اور کبھی کسی اور چیز پر چڑھ جاتی اور میں پورے کمرے میں جھاڑو اٹھا کر گھوم رہی تھی اور چوہیا بی چہرہ دکھا کر پھر غائب...... چوہیا آگے آگے اور میں پیچھے پیچھے...... آخر کار ایک ترکیب ذہن میں آئی کیوں نا تھوڑی سی روٹی ڈال دوں کیا پتا وہ اٹھانے آئے تو میں اسے ماروں جب میں نے روٹی رکھی تو وہ روٹی اٹھانے آگئی اور میں نے اوپر سے زور سے جھاڑو ماری اور چوہیا بی وہیں پر دم توڑ گئیں اور ہم نے ایسے ہاتھ جھاڑے جیسے بہت بڑا معرکہ سر انجام دیا ہو اور اپنا یہ کارنامہ سب کو بڑے فخر سے بتایا۔

☆ کچھ انسان ایسے بھی ہوتے ہیں جو ہماری زندگی میں بہت اونچا مقام رکھتے ہیں لیکن سب سے زیادہ میں نے اپنی امی کی کمی کو بہت محسوس کیا جب باقی لڑکیوں کو اپنی ماؤں کے ساتھ دیکھتی ہوں تو دل میں ایک خواہش ضرور جاگتی کہ کاش میری امی بھی میرے ساتھ بیٹھتیں، کھانا ہمارے ساتھ کھاتیں لیکن ایسا تب ہوتا جب میری امی کو اس بیماری سے نجات ملے۔ میری امی کو اور بیماری کوئی نہیں بس وہ سارا دن صحن میں گھومتی رہتی ہیں اور کسی سے بات نہیں کرتیں، میرے ساتھ بھی کبھی کبھی بات کرتی ہیں۔ نجانے ان کے اندر کون سی ٹینشن ہے جو اُن کو ہمارا بات کرنا یا ان سے بولنا انہیں اچھا نہیں لگتا۔ ان کا ذہنی توازن بالکل ٹھیک ٹھاک ہے بس وہ اپنے خول میں بند ہیں۔ وہ چاہتی ہیں کہ ان سے کوئی ہم کلام نہ ہو اور ان سے کوئی بات نہ کرے لیکن میں جان بوجھ کر ان کو بولنے پر اکساتی ہوں تاکہ وہ ہمارے ساتھ گھل مل جائیں، جیسے دو سال پہلے تھیں۔ بس سب بہنوں سے التجا ہے کہ وہ میری امی کے لیے دعا کریں کہ وہ جلد صحت یاب ہوجائیں اور انہیں اس انجانی بیماری سے نجات مل جائے۔ بس اللہ سے دعا ہے کہ اللہ ہمارے والدین کا سایہ تاقیامت ہمارے سروں پر قائم رکھے آمین۔

☆ کسی ایک رائٹرز کی تعریف کرنا سراسر ناانصافی ہے کیونکہ ہر رائٹرز کی کہانی میں ہمارے لیے کوئی نہ کوئی سبق چھپا ہوتا ہے اور یہ قاری منحصر ہے کہ وہ کہانی کو کس انداز میں لیتا ہے۔ مجھ سے پوچھیں تو میں یہ کہوں گی کہ میں نے جو کچھ بھی سیکھا ان کہانیوں سے ہی سیکھا۔ اللہ کے بعد ان رائٹرز کی وجہ سے میں نے ہر مشکل کام کا مقابلہ ہمت سے کیا اور میری شخصیت کو بنانے میں آنچل کا بہت ہاتھ ہے کیونکہ آج جو کچھ بھی ہوں اللہ کے بعد آنچل کی وجہ سے ہوں، میں آپ کو کیا بتاؤں کہ میں نے آنچل سے وہ سیکھا جو مائیں اپنی بیٹیوں کو سکھاتی ہیں میں سب

رائٹرز کی شکر گزار ہوں کہ وہ اتنا اچھا لکھتی ہیں۔

☆ بہت سی رائٹرز ایسی ہیں جن کی تحریر میں مجھے محسوس ہوا جیسا کہ یہ کہانی انہوں نے میرے حالات پر لکھی ہے۔ اور بہت سے ایسے جیتے جاگتے کردار میں نے اپنی آنکھوں سے دیکھے ہیں اپنے اردگرد جیسے انہی پر یہ کہانی لکھی گئی ہے۔

☆ ویسے تو میں ٹارزن اور عمرو عیار سے لے کر عمران سیریز تک پڑھتی ہوں بلکہ ہر قسم کا رسالہ چاہتا بچوں کا ہو چاہے ناول چاہے ڈائجسٹ جب تک مکمل چاٹ نہ لوں سکون نہیں ملتا لیکن اس سال بہت سے ناول پڑھنے کو ملے کیونکہ بھائی نے اپنی مارکیٹ بنائی ہے اس سال تو پھر مزے ہی مزے۔ ناول تو بہت سے پڑھے ہیں لیکن کچھ کے نام لکھوں ہی ہوں۔ "پیر کامل، شیشے کا گھر اور پتھر کے لوگ، پیاسے آنسو، ساڈا چڑیا دا چنبا، سنگ احاصل نہ چاہتیں یہ شدتیں، محبت یقین اعتماد، جو چلے تو جاں سے گزر گئے، زرد پتوں کا شجر، بچپن کا دسمبر...... بس بہت ہیں باقی پھر کبھی بتاؤں گی کیونکہ ساتھ ساتھ پیپر کی تیاری چل رہی تھی ایسا نہ ہو کہ فیل ہو جاؤں اور مار پڑے ہاہاہا۔

☆ (ناں جی ناں) گھر والے کیونکہ بہت پیار کرتے ہیں تو تنقید کا تو سوال ہی پیدا نہیں ہوتا اگر کوئی بھائی جان بوجھ کر کچھ کہہ بھی دے تو (میرے ابو زندہ باد)۔ تعریف تو ہر کام پر ہوتی ہے کیونکہ ماشاءاللہ کافی سگھڑ واقع ہوئی ہیں کیونکہ کافی چھوٹی عمر میں تمام کام سنبھال لیے تھے تو ہر کام میں ماہر ہیں۔ کھانا پکانے سے لے کر کھانا کھانے تک اور جھاڑو پونچھا بھی کافی اچھی طرح کر لیتی ہوں۔ اپنے ابو کی شہزادی اور بھائیوں کی لاڈلی ہوں تو پھر کہاں کی تنقید لیکن ایک جملہ جو مجھے آج تک نہیں بھول سکا جو کسی نے کہا تھا کہ تم مستقبل میں ہمیشہ کامیاب رہو گی کیونکہ غلطی نہ ہوتے ہوئے بھی تم معافی مانگ لیتی ہو)۔

☆ ہم تو یہ سوچتے ہیں کہ ہم نے اس سال میں کیا کھویا اور کیا پایا اور گزرے ہوئے سال میں کتنی نیکیاں کیں اور یہ سوچتے ہیں کہ ہماری وجہ سے کسی کا دل تو نہیں دکھا کیونکہ کسی کی بددعا سے بہت ڈر لگتا ہے اپنی ذات کے بارے میں کہیں تو کافی تبدیلیاں رونما ہو چکی ہوتی ہیں، ہم سوچتے ہیں کہ ہماری زندگی کا ایک سال اور ختم ہو گیا اور اس سال میں نے اپنے رب کو کتنا راضی رکھا کبھی کبھی تو یہ محسوس ہوتا ہے کہ جہاں سے چلے تھے وہیں پر کھڑے ہیں اللہ ہم سب کو نیک کام کرنے کی توفیق عطا کرے آمین۔

☆ (کوئی ایک لمحہ) بلکہ کئی ایسے لمحے آئے کہ میں بہت بہادر ہوتے ہوئے بھی ہمت ہار جاتی تھی بلکہ دل کھول کر روتی بھی تھی، خصوصاً جب امی بیمار ہوئیں تو کچھ اپنوں کے رویوں نے بہت دکھی کر دیا تھا۔ سمجھ میں کچھ نہیں آتا تھا کہ کیا کروں ایک طرف امی بیمار ہو گئی تھیں اور آپی کی شادی ہو گئی تھی پھر ایک دن نماز پڑھتے پڑھتے میں اتنا روئی کہ سجدے کی جگہ آنسوؤں سے تر ہو گئی۔ اس دن اور آج کا دن میں نے ہمت نہیں ہاری اللہ نے مجھے اتنا سکون اور برداشت سے نوازا کہ میں اللہ کا شکر ادا کرتے نہیں تھکتی۔ آج وہی لوگ میرا دم بھرتے ہیں جنہوں نے اپنے رویوں سے مجھے بہت دکھی کیا تھا آخر میں آپ سب کو نیا سال بہت بہت مبارک ہو اللہ آپ کو نئے سال کی وہ خوشیاں نصیب کرے جس کی تمنا آپ کے دل نے کی ہوئی امان اللہ اللہ حافظ۔

صوبیہ شاہین

☆ میری ایک بہت پیاری سہیلی نازیہ جس کا میرے ساتھ ہر وقت کا ساتھ تھا، وہ اپنے والد کی جاب کی وجہ سے دبئی چلی گئی، مجھے اس کے جانے کا اتنا صدمہ ہوا کہ بھوک پیاس ہی اڑ گئی۔ میری ہنسی مذاق لگتا ہے کہ نازیہ اپنے ساتھ لے گئی۔

☆ میری منگنی ہوئی ہے اس سال...... بس اس دن بہت بارش بھی ہوئی، منگیتر علی رانا ایسے بھیگتے ہوئے آئے کہ ساری سہیلیوں نے خوب ریکارڈ لگایا۔

☆ میری نانی جن کا انتقال 2015 فروری میں ہوا ان کو بقر عید پر بہت یاد کیا۔

☆ جی، مجھے لگتا ہے آنچل دن بہ دن نکھر کر سامنے آ رہا ہے، یہاں لکھنے والی بہت ساری رائٹرز ایسی ہیں جن کی کہانیوں میں سبق ہوتا ہے سچائی کا، ایمانداری کا، فرض شناسی کا۔ میں سباس گل، سمیرا، فاخرہ گل اور صدف آصف کی تعریف کرنا چاہوں گی۔

☆ مجھے کسی ایک کہانی میں نہیں بہت ساری کہانیوں میں اپنی جھلک دکھائی دی، کبھی میں نازیہ کی کہانی کی ہیروئن بن جاتی ہوں، کبھی خود کو سباس کے کرداروں میں دیکھتی ہوں، ایک بار تو صدف آصف کے افسانے زبان دراز کی ہیروئن بھی بن گئی تھی۔

☆ عمیرہ احمد کی "پیر کامل" اور نمرہ کی "جنت کے پتے" دوبارہ پڑھی۔

☆ میں بہت منہ پھٹ ہوں تو اکثر زبان دراز کا خطاب مل جاتا ہے۔ کھانا بہت اچھا پکاتی ہوں اس پر تعریف ہوتی ہے۔

☆ میں اللہ کی شکر گزار بندی بننا چاہتی ہوں، اس سے معافی کی طلب گار ہوں۔

☆ مجھے تو اپنی زندگی کا گزرتا ہوا ہر لمحہ اس کے نزدیک کرتا ہے۔

کوثر ناز...... حیدر آباد

☆ میں بہت زیادہ نہیں بدلی ہوں مگر پھر بھی اس سال بہت سی کامیابیاں ملی اور تھوڑی تھوڑی اللہ کے قریب ہو گئی ہوں اب صرف نماز کا فرض ادا نہیں کرتی بلکہ ہر چیز کو بہت محسوس بھی کرنے لگی ہوں۔ غلطیاں کرنے سے ڈرنے لگی ہوں دل آزاری کبھی نہیں کر سکتی غلطی کسی کی بھی ہو معاف کرنا آ گیا ہے کوئی بہت بڑی تبدیلی میرے اندر نہیں آئی ہے۔

☆ اس سال ایسا بہت کچھ ہوا کہ میں بہت خوش ہوئی، می بابا عمرے سے آئے تو مجھے وہ گفٹ کیا جس کی شدت سے خواہش تھی پھر مارچ میں میرا افسانہ آنچل میں لگا تو خوشی لفظوں میں بیان ہونے والی نہیں اس کے بعد دوسرا افسانہ منتخب ہوا پھر کچھ مہینے گزرے اور نئی کامیابیاں ملی فیس بک پر آنچل اور آنچل سے ریلیٹڈ پیجز پر مقابلوں کی ذرا ہی شاید دو مقابلے تھے جن میں نہ جیت سکی باقی بہت سے مقابلے اپنے نام کیے (الحمدللہ) اور وہ سلسلہ بدستور جاری ہے اس کے علاوہ اکتوبر میں میری ننھی سی پری (بھائی کی بیٹی) نے ہمارے گھر میں آ کر رونق بخشی وہ خوشی بھی بیان سے باہر ہے۔ جس کا نام میں نے مانیہ رکھا سو یہ سال خوشیوں سے بھرا رہا (الحمدللہ)۔

☆ اس بار آپی نہیں آئی تھی عیدالفطر پر ورنہ شادی کے بعد وہ ہر عید پر ہمارے گھر ہوتی ہیں جبکہ بڑی آپی بھی آئی تھیں بس انہیں مس کیا۔

☆ بہت حد تک مطمئن ہوں' آنچل میں چھپنے والی تحریروں سے لیکن بیچ میں کچھ بور بور کہانیاں تھیں مگر اب پھر سے دلچسپ کہانیاں آنے لگی ہیں ویسے ٹھیک ہی تھا کہ کچھ حقیقت بھی لکھنی چاہئے ناں اور سبق تو مل جائے ہم وہی لے لیتے ہیں ویسے ایک کریڈٹ یہ تو ضرور دوں گی کہ آنچل والوں نے صبر کرنا سیکھا دیا ہے (ہاہاہا) وہ کس سینس میں یہ آپ لوگ اخذ کرلیں۔

☆ اچھا ایسا میرے ساتھ کبھی نہیں ہوا کہ مجھے کسی میں اپنی جھلک نظر آئی ہو شاید ایسا اس لیے ہے کہ میں واقعی میں مختلف ہوں (خوش فہمی ہی رہنے دیں)۔

☆ قرآن پاک کے علاوہ کتابیں بدلتی رہتی ہیں سو وہی زیر مطالعہ رہی۔

☆ دکھتی رگ پر ہاتھ رکھ دیا یقین کریں میں جب بھی امی کو کہتی ہوں کہ امی سر میں درد ہے یا نہیں اور بھی تو امی کہتی ہیں ہاں یہ سب کتابوں میں گھسے رہنے کا نتیجہ ہے۔ لو جی مورد الزام میری کتابیں (افسردہ ہوں شرارت والی) خیر میں کہتی ہوں میں فارغ نہیں بیٹھ سکتی اور اماں کہتی ہیں آنکھیں گنواؤں گی بیٹا! آپ اپنی اور میں کہتی ہوں اچھا امی اب سے کم کروں گی مگر لت چھوٹتی کب ہے (ہاہاہا) اور تعریف اسی بات پر کہ بہت خوش اخلاق ہے کتنی معصوم ہے (یہ ساری باتیں باہر والے کہتے ہیں ہاہاہا۔ گھر والے میری نماز اور ٹیلنٹ کی تعریف کرتے ہیں اس کے علاوہ بھی ہے یار! یاد نہیں آرہی ہیں اور بھی بہت کچھ ابھی بس کرتی ہوں مجھے شرم آرہی ہے (ہاہاہا)۔

☆ بالکل سوچتی ہوں کہ کیا...... کیا رہ گیا' کیا کرنا ہے آگے اگر زندگی نے مہلت دی تو اور اپنی ذات کو الحمدللہ گذشتہ سال سے ایک اور اس بار غالباً دو قدم آگے دیکھتی ہوں (الحمدللہ)۔

☆ ایسا کوئی خاص لمحہ نہیں آیا ہاں بس خود کو خدا کے مزید نزدیک پاتی ہوں اور عمل دخل پوشیدہ نظر نہیں آتا ہے باقی خدا کی حکمت عملی کو اس سے بہتر ہم نہیں جان سکتے۔

نئے سال کی بہت بہت مبارک باد خدا تعالیٰ ہم سب کی جائز دعائیں قبول فرمائے اور وطن عزیز کو ہر ناگہانی آفت سے محروم رکھے آمین ثم آمین۔

ماهم علی...... اٹک

سب سے پہلے آپ سب کو نئے سال کی مبارک ہو۔ دعا ہے آپ کو اس سال بھی بے پناہ خوشیاں ملیں' آمین۔

☆ پہلے میں کافی منہ پھٹ تھی اور کافی بے صبری بھی۔ پچھلے سال الحمدللہ یہ بہت بڑی تبدیلی مجھ میں آئی ہے کہ میں ضبط کرنا سیکھ گئی ہوں اور بلاوجہ ہر کسی سے الجھنا چھوڑ دیا۔

☆ دوستو کے ساتھ ہر وہ پل جو گزرا وہ یاد کر کے چہرے پر مسکراہٹ آجاتی ہے۔ پچھلے سال کزن کی شادی بھی جنوری میں تو بارش بھی زور شور سے برس رہی تھی۔ میں نے وہاں خوب مزے کیے۔ سردی کے باوجود بارش میں بھیگی پھر اس سے اگلے دن پنڈی خالہ کے گھر جانا ہوا وہاں بھی بے حد اچھا وقت گزرا۔

☆ جو بھی تہوار ہو چاہے شادی ہو یا عید مجھے فرینڈز بہت یاد آتی ہیں جن سے کافی عرصے سے ملاقات نہیں ہوئی۔

☆ ماشاءاللہ آنچل کی سب لکھاری ہی اچھا لکھ رہی ہیں۔ رہی بات مطمئن ہونے کی تو وہ میں ان سب سے ہوں۔ میں نے ان سب کی لکھی تحریروں سے کافی حد تک سیکھا۔ رشتوں کو سمجھنا اور ان کا احترام یہیں سے میں نے سیکھا۔

☆ ہاہاہا مجھے تو ساری ہیروئن ہی اپنی طرح لگتی ہیں سچ کہہ رہی ہوں۔ ویسے سمیرا آپی کی انا مجھ جیسی ہے یا میں اس کی طرح ہوں۔

☆ ویسے میں زیادہ تر ڈائجسٹ ہی پڑھتی ہوں۔ باقی جو کتاب مل جائے اسے بھی رٹ لیتی ہوں۔ کرشن چندر کے افسانوں پر مبنی ایک کتاب پڑھی۔ پرانے رائٹرز کو پڑھ کے عجیب سی خوشی ملتی ہے۔

☆ ہاہاہا...... اف کیا پوچھ لیا۔ تنقید تو ہر وقت ہوتی ہے مجھ غریب پر۔ زیادہ سیل فون کے استعمال پر ہوتی ہے بلکہ سارا دن وقفے وقفے سے جاری رہتی ہے اور تعریفی کلمات بہت کم سننے کو ملتے ہیں کیوں کہ یہ موبائل میری تعریف کھا جاتا ہے۔ میری رازداری کی پکی عادت ہے اس وجہ سے گھر میں سب سراہتے ہیں کہ میں کبھی کسی کی بات دوسرے کو نہیں بتاتی۔

☆ ہر سال کے آخر اور نئے سال کے شروع میں دل بہت اداس ہوتا ہے کہ یہ سال بھی یوں ہی گزر گیا بنا کچھ بہتر کیے۔ پورے سال کا سوچتی ہوں کیا اچھا کیا' کیا نہیں۔ اللہ سے اچھے کی امید رکھنی چاہیے ان شاءاللہ میں خود کو بہت بلندی کی جانب گامزن دیکھتی ہوں۔

☆ بندہ ناچیز کی ہر وقت کوشش ہوتی ہے اپنے خدا کے قریب ہونے کی۔ اپنوں کی دوری کے خوف سے میں اللہ سے بہت قریب آجاتی ہوں۔ مجھے رشتوں کے کھونے سے بہت خوف آتا ہے۔

زینب ملک ندیم...... گوجرانوالہ

☆ تبدیلیاں 2015 میرے لیے بہت سے نئے سبق سیکھنے والا سال رہا ایک اور دو بھی نہیں بہت سے ایسے واقعات ہوئے جنہوں نے مجھے تبدیل کر دیا سب سے بڑا واقعہ تو میرے کالم نگار بننے کا رہا جس میں تبدیلی میری ذات میں یہ رونما ہوئی کہ میں نے چیزوں کو زیادہ باریک بینی سے دیکھنا شروع کر دیا۔

☆ خوشگوار واقعہ ہاں اسلام آباد ٹرپ کے دوران بے حد مزا آیا تھوڑی مستی شرارتوں نے دن کو ہمیشہ یاد رہ جانے والا بنا دیا اور اس سال نے مجھے بہت اچھی رفعت، انعم، زینب، فرزانہ، شہزادہ، کشف، عالیہ، ہادیہ، عنادل، رخسانہ، مصباح، زرتاشہ، علینہ، فائزہ اور ہمارے پی کے گروپ کے بے حد اچھے دوست دیئے جن سے مل کے لگا کے ہاں احساس کے رشتے زیادہ خوب صورت ہیں اور بہت سی عزیز رائٹرز کا ساتھ جن میں نادیہ احمد کنول خان سحرش ان سب کا ساتھ ایک بے حد خوشگوار واقعہ ہی تو ہے۔

☆ ماموں جان کی کمی بے حد شدت سے محسوس ہوئی کوئی ایسا شخص جو چلتا پھرتا دور چلا جائے کبھی واپس نہ آئے بہت یاد آتا ہے۔

☆ آنچل کی ہر رائٹر اللہ پاک کے کرم سے بہت اچھا لکھتی ہیں ہر

تحریر سبق آموز ہوتی ہے دلوں کو چھو لینے والی اللہ تمام رائٹر کو بہت سی کامیابیاں دے آمین۔

☆ مجھے تو ہر رائٹر کے کردار میں اپنی جھلک نظر آتی ہے چاہے نادان لڑکی ہو چاہے مضبوط چاہے سنجیدہ چاہے شوخ ہر کردار میں اپنی جھلک نظر آتی ہے۔

☆ گزشتہ سال نصاب کی کتابیں ہی زیر مطالعہ رہی ہیں (ہاہاہا)

☆ مجھے زیادہ تر غصہ کرنے ہمیشہ خود کی مرضی کرنے اور زیادہ چوٹیں کھانے پر ڈانٹ کا سامنا کرنا پڑتا تھا اس سال جتنی چوٹیں ہم نے کھائیں عالمی ریکارڈ تو قائم ہو گیا ہوگا۔ تعریفی کلمات اچھی غزل، نظم، کالم، آرٹیکل اور اچھی طالب علم ہونے پر ملے اللہ پاک کے کرم سے۔

☆ میں کبھی مستقبل کا نہیں سوچتی بس ہر فیصلہ اللہ کی پاک ذات پر چھوڑ دیتی ہوں بے شک اللہ جو کرتا ہے بے حد بہتر کرتا ہے۔

☆ ہاں بہت سے رشتوں نے بتایا کوئی اپنا نہیں ہوتا اور جب کوئی اپنا نہیں ہوتا تو اللہ ہوتا ہے اس سال رونما ہونے والے بڑے فیصلوں نے مجھ چھوٹی کو اللہ کے بے حد قریب کر دیا جو میری حیات کے لیے بے حد حسین زندگی ہے کیونکہ اللہ کی دی گئی زندگی بہت خوب صورت ہوتی ہے ماشا اللہ سے۔

نا معلوم.....ای میل

☆2015 میں رونما ہونے والی تبدیلی میں ماں کی بیٹی سے، بیٹی کی ماں بن گئی یہ تبدیلی، بہت خوشگوار رہی اور میری زندگی کو بدل کے رکھ دیا۔

☆ بہت سے واقعات ایسے ہیں جنہیں یاد کر کے لبوں پہ مسکراہٹ آجاتی ہے۔

☆ پچھلے اٹھارہ سال سے ہر تہوار، ہر خوشی و غم میں میرے بابا کی کمی شدت سے محسوس ہوتی ہے۔ اللہ پاک انہیں جنت میں اعلیٰ مقام عطا کرے آمین۔

☆ بہت حد تک میں مطمئن ہوں، آنچل کی ہر کہانی ہی سبق آموز ہوتی ہے۔

☆ بہت سارے کرداروں میں کسی ایک میں نہیں۔

☆ ”پیر کامل“ اور بھی بہت ساری۔

☆ اپنی صحت کا خیال نہ رکھنے پر امی تنقید کا نشانہ بناتی ہیں، تعریفی کلمات تو بہت سی باتوں پہ سننے کو ملتے ہیں۔ اگر لکھوں گی تو اپنے منہ میاں مٹھو خود بن جاؤں گی۔

☆ نئے سال کے آغاز و اختتام پر کیا میں ہر رات اپنا احتساب کرتی ہوں۔

☆ ہاں جی صبیرا کی ولادت کا تھا وہ لمحہ، دور پہلے بھی اتنا نہیں تھی رب سے اس لمحے کے بعد اور قریب ہوگئی۔

صبا خان ..... ڈی جی خان

☆ ایسا کوئی خاص واقعہ تو نہیں مگر ملک کے حالات اور دہشت گردی نے دل کو بہت اداس کیا۔

☆ بہت سے ہیں۔

☆ اپنی امی کو حسن سے اس بار بقر عید پر ملنے نہیں جا سکی۔

☆ آنچل میں لکھنے والی تقریباً تمام لکھاریوں کے افسانوں میں کچھ اچھا ہی ہوتا ہے۔ میں اقبال بانو، نگہت عبداللہ، سباس گل، فاخرہ گل اور صدف آصف کے لکھنے کے انداز کی تعریف کرنا چاہوں گی، ان کو پڑھ کر کچھ نہ کچھ اچھا احساس ملتا ہے۔

☆ مجھے صدف آصف کے ناول ”چاہت دھوپ چھاؤں سی“ کی رخشی میں اپنی جھلک دکھائی دیتی ہے، بہت اچھا ناول تھا اور سباس کا ”محبت دل کا سجدہ“ میں رانیل کا کردار۔

☆ شہاب نامہ اور ہاشم ندیم کو پڑھا۔

☆ برائی تو دوسرے بتا سکتے ہیں۔ ہاں تعریف میں خود کر لوں میری شاعری کے ذوق پر دوستوں کی جانب سے بہت پذیرائی ملتی ہے۔

☆ میں اپنے پورے سال پر نگاہ ڈالوں گی اور غلطیوں کو سدھاروں گی۔

☆ میں ایک بار کافی بیمار پڑی، اس کے بعد احساس ہوا صحت کتنی بڑی نعمت ہے۔

سحرش فاطمہ

سال در سال گزر جاتے ہیں اور ہم انسان پرانی یادوں میں اکثر کھو کر کبھی بے جا مسکرا جاتے ہیں تو کبھی آنسو چھلک پڑتے ہیں۔

☆ یہ سال کچھ کٹھن گزرا زندگی کو بدلا تو نہیں پر ہاں کچھ فیصلے کرتے وقت اتنا ذہنی تناؤ کا شکار رہی لیکن نجات اس پروردگار نے دی جس کی بدولت میں اس کی شکر گزار ہوں البتہ ذات پر کوئی خاص بدلاؤ نہیں آیا۔

☆ بہت سے مواقع آئے اصل میں ہمیں خود پتا نہیں ہوتا اور پھر یاد کی وادی میں جب جاتے ہیں تو یاد آنے پر مسکرا اٹھتے ہیں ورنہ کہاں؟

☆ جب میری پہلی بھتیجی ہوئی جس کا نام امی پر رکھا گیا تو شدت سے ان کی یاد آئی اور یہی جب دوسری بھتیجی ہوئی تو مزید...... میں اپنے گھر میں چھوٹی ہوں اور اب میرے بعد یہ دو لاڈلیاں آئی ہیں۔

☆ آنچل کی ہر رائٹرز مجھے عزیز ہے کیونکہ یہ سب حقیقت کے قریب تر لکھتی ہیں۔ سبق ہوتا ہے معاشرے کی اچھائی برائی کا پتا لگتا ہے۔

☆ فاخرہ گل کا لال جوڑا جو 2014 میں آیا تھا لیکن اس کا ذکر میں اب بھی کروں گی کہ ہو بہو مجھ پر ہے بس۔

☆ عفت سحر آپی نے اپنی کتاب بھیجی تھی وہ پڑھی پورا دکھ آدھا چاند اور صائمہ اکرم کا گمشدہ جنت ویسے میں نیٹ پر ہی پڑھتی ہوں۔

☆ تنقید ہوتی ہے لیکن وہ اصلاحی طرز کی ہوتی ہیں اور اگر تعریفی کلمات کی بات کی جائے تو جیسا کہ میں نے لکھنا شروع کیا ہے تو سب سے زیادہ ابو کو خوشی ہوئی اکثر وہ میری پوسٹ پڑھتے ہیں تو ذکر کرتے ہیں باقی گھر والے بھی۔ تنقید بے جا نہیں ہوتی گھر والے اصلاح ہی کرتے ہیں۔

☆ میں ہمیشہ خود کو ویسا ہی پاتی ہوں جیسی ہوں البتہ کبھی کبھار بدلاؤ آجاتا ہے جو میرے خیال سے سب میں آتا ہے اس کی اہم وجہ خود ہماری سوچ ہوتی ہے۔ اتار چڑھاؤ زندگی کے نشیب و فراز یہ سب ساتھ ساتھ رہتے ہیں زیادہ تو نہیں کہوں گی لیکن کافی لوگ مجھ سے غلط رویہ اختیار کر جاتے ہیں جن پر کچھ عرصہ میں خاموش رہتی ہوں لیکن جب وہ پلٹ کر واپس آتے ہیں تو معاف کر دیتی ہوں اور یہی میں دوسروں سے امید رکھتی ہوں کہ اپنے آپ کو غلط کہوں تو ایسے کہوں کہ واقعی غلطی تھی ورنہ نہیں۔

☆ رب کے قریب تو ہمیشہ ہم ہوتے ہیں، ہاں جیسا کہ میں نے

اوپر ذکر کیا کہ میں کچھ فیصلوں میں ایسا گرفتار تھی جب کہ میرے اور اللہ کے درمیان بات چیت ہوچکی تھی لیکن شاید وہ میری آزمائش تھی میں نے صبر سے کام لیا اور ایسے اللہ نے مجھے نجات دی اس معاملے سے اللہ اپنے بندوں کو دے کر بھی آزماتا ہے اور لے کر بھی۔

صباء عیشل...... بھاگووال فیصل آباد

☆ ایسا کوئی ایک واقعہ تو نہیں لیکن جو سب سے تکلیف دہ بات میرے لئے اس سال تھی وہ میرے جواں سال کزن وسیم کی ریڑھ کی ہڈی ٹوٹ جانا تھی۔ جوان شخص کا ایک طویل عرصے کے لئے چل نا سکنا مجھ سمیت پوری فیملی کے لیے بہت زیادہ تکلیف دہ ہے اس بات نے مجھے اور بھی احساس دلایا کہ ہمارے پاس رب کائنات کی کتنی نعمتیں ہیں جن کا ہم شکر ادا کرنا بھول جاتے ہیں۔ اس واقعہ کے بعد میں نے خود میں شکر کے وصف کو پہلے سے زیادہ پایا۔

☆ اہم واقعہ تو کوئی نہیں لیکن میری جب بھی اپنی بہت اچھی دوست آمنہ نسیم سے بات ہوتی ہے اس سے بات کرنے کے بعد ہمیشہ اچھا لگتا ہے اکثر جب میں کسی وجہ سے اداس ہوتی ہوں تو وہ باتوں باتوں میں کوئی نہ کوئی ایسی بات لے آتی ہے جس سے میں ہنسنے پر مجبور ہوجاتی ہوں اور آمنہ کے ساتھ وابستہ بہت سے لمحات یادداشت کے خانے میں محفوظ ہیں جن کو سوچ کر بے اختیار چہرے پر مسکراہٹ آجاتی ہے۔

☆ وقت چلتا رہتا ہے اور لوگ بچھڑتے جاتے ہیں۔ زندگی کی شاہراہ بہت بے رحم ہے، بہت سے ایسے لوگ جن کو ہم اپنا سب کچھ تو نہیں لیکن بہت کچھ سمجھتے ہیں۔ ہم سے بچھڑ جاتے ہیں یا اتنا دور ہو جاتے ہیں کہ پھر فاصلوں کو پاٹنا ناممکن ہوجاتا ہے۔ ایسے بہت سے دوست ہیں جو دور ہو چکے ہیں لیکن سب سے زیادہ جس دوست کو میں نے ہر خوشی اور غم پر یاد کیا وہ ثانیہ عزیز ہے جس نے ثانیہ بشیر بن کر خود کو اتنا مصروف کرلیا کہ اسٹوڈنٹ لائف اور اس کے بعد کے کچھ سال (بارہ سال) پرانی دوستی کہیں دور اب یادوں میں بستی ہے۔

☆ ایک وقت تھا جب خواتین لکھاریوں پر بہت تنقید کی جاتی تھی لیکن اب ہماری خواتین رائٹرز ڈائجسٹ کے ساتھ ساتھ ڈرامہ انڈسٹری میں بھی اپنا لوہا منوا چکی ہیں۔ آنچل کی تمام ہی رائٹرز بہت اچھا لکھتی ہیں باقاعدہ رائٹرز میں مجھے فاخرہ گل کا "لال جوڑا" نازیہ کنول نازی جو میری فیورٹ رائٹر ہیں ان کی تحریر "مائے نی میں کنوں آکھاں" اور صدف آصف کی تحریر "مجھے رنگ دے" نے متاثر کیا ان تحاریر کے موضوعات ایسے تھے کہ رائٹرز کے نام کے ساتھ یاد رہ گئے۔ ہر تحریر خواہ اچھا اختتام ہو یا اداسی بھرا ہمیشہ کوئی نا کوئی سبق دے کر جاتی ہے اب یہ قاری کا کام ہے کہ کشید کیا کرتا ہے اچھائی یا برائی۔ میری پوری کوشش ہوتی ہے کہ ہر کہانی سے اچھا سبق ضرور سیکھوں اور اسے یاد بھی رکھوں۔

☆ صنف نازک میں سے ہونے کی وجہ سے شاید میں بھی اکثریت کی طرح خوابوں میں جینے کی عادی ہوں۔ اس لیے ہر کہانی میں ہیروئن کا کردار اپنا کردار لگتا ہے لیکن "مجھے رنگ دے" کی ہیروئن کا لیا دیا سا انداز بہت اچھا لگا۔ اس کردار کو پڑھ کر لگا جیسے کہیں کہیں حقیقت میں مجھ میں اس کی جھلک ہے۔

☆ بہت سی ایسی کتابیں ہیں جو اس سال زیر مطالعہ رہیں ان میں زیادہ تر شاعری کی کتابیں تھی فاخرہ بتول، سعد اللہ شاہ، پروین شاکر، ناصر کاظمی اور علامہ اقبال کی بانگ درا اور ضرب کلیم شامل فہرست رہیں۔ معارف القرآن اور کشف الباری اس برس روزانہ کے مطالعے میں شامل رہے۔ اس کے علاوہ اس برس سید ابوالاعلیٰ مودودی کا اسلامک لٹریچر گاہے بگاہے علمی میں اضافے کا سبب بنتا رہا۔

☆ اف...... مشکل ترین سوال ویسے تو مجھے لگتا ہے میرے گھر والے کسی بات پر اعتراض نہیں کرتے یا شاید میں موقع ہی نہیں دیتی۔ ہماری فیملی چھوٹی سی ہے میں میرے شوہر، سسر اور میری کیوٹ سی پرنسز عیشل افضل۔ شوہر نے کبھی کسی بات پر بے جا تنقید نہیں کی نہ ہی کبھی کسی بات پر برا کہا۔ ہاں بیٹی کو بہت شکایت ہوتی ہے جب کوئی فون کال آجائے یا میں کسی اور سے بات چیت میں مصروف ہوں تو یہ بات اسے بہت کھلتی ہے اور وہ برملا کہتی ہے۔ "آپ سب کی بات غور سے سنتی ہیں اور مجھ سے بات ہی نہیں کرتی ہیں" اور گھر میں سب ایک دوسرے سے اکثر خوش ہی رہتے ہیں ہاں کسی کے لئے تعریفی کلمات کہنا یقیناً بہت مشکل کام ہے مجھے بھی ایسے کلمات شاذ و نادر ہی سننے کو ملتے ہیں لیکن اکثر مہمانوں کو اچھی طرح سرو کرنے یا کسی غصہ کرنے والی بات پر خاموش ہوجانے سے گھر والوں کے رویے سے ظاہر ہوجاتا ہے کہ ان کو اچھا لگا ہے۔

☆ خود احتسابی کے عمل سے گزرنے کے لیے کبھی سال کے آغاز یا اختتام کا انتظار نہیں کیا ہاں سال کے اختتامی لمحات میں ذہن ایک بار گزرے برس کا مجموعی جائزہ لینے پر ضرور مجبور ہوجاتا ہے کہ اس برس کیا کھویا کیا پایا اور آغاز پر ہر برس کی طرح خود سے عہد کرتی ہوں کہ گزشتہ سال جو غلطیاں ہوئی ان کو دوبارہ نہ دہراؤں۔ "خود کو کہاں دیکھتی ہوں" اس سال چونکہ میں نے لکھنے کا آغاز کیا تو یہ میرے لئے بہت خوش کن ہے اور اگر بات ہو عادت و اطوار کے لحاظ سے ظاہر ہے ہر بشر کی طرح مجھ میں بھی کچھ خامیاں ہیں جن میں سب سے بڑی خامی غصہ آنا اور اپنوں کے لیے حد سے زیادہ پوزیسو ہونا ہے تو کوشش ہوگی کہ خامیوں پر قابو پا کر خود کو ویسا بنا سکوں جیسا میں چاہتی ہوں۔

☆ ایسے ایک دو تو نہیں بہت سے لمحات ہیں جو مجھے رب کے قریب لے جاتے ہیں۔ کچھ عرصہ قبل ایک انتہائی خوب صورت لڑکی کو ننگے پاؤں بھیک مانگتے دیکھا تو بے اختیار اللہ کو پکارا جس نے عزت والی زندگی دی۔ ایک دوست نے اپنا بہت قریبی رشتہ کھویا جس پر میں کئی دنوں تک تکلیف میں رہی اور سوچتی رہی کہ خدا کا مجھ پر کتنا بڑا احسان ہے کہ اس نے ایسے دکھ سے بچایا۔ جب جب کسی دوست، فیملی یا کسی انجان شخص کو کسی دکھ میں گرفتار پاتی ہوں یا کسی جسمانی خامی کا شکار دیکھتی ہوں تو بے اختیار سر بسجود ہوجاتی ہوں اور اس ذات باری تعالیٰ کو شہ رگ سے بھی قریب پاتی ہوں۔ جس نے مجھے کسی ایسے دکھ میں گرفتار نہیں کیا جو دائمی ہو۔ بے شک وہ ذات بہت بلند اور رحیم و کریم ہے۔

نزہت جبیں ضیاء...... کراچی

☆ یوں تو ہر مقام پر کہیں نہ کہیں ہمیں اپنے آس پاس کے ہونے والے چھوٹے چھوٹے اور بظاہر عام سے واقعات بھی بہت بڑا سبق

دے جاتے ہیں جو ہماری زندگی کو بدل لیے اور ہمیں سوچنے پر ضرور مجبور کردیتے ہیں ابھی پچھلے دنوں آنے والے مسلسل زلزلے کے جھٹکوں نے مجھے بھی تھوڑا سوچنے پر مجبور کردیا اگر خدانخواستہ ایسا ہوجائے اور ہمیں اللہ نہ کرے مرتے دم کلمہ طیبہ بھی نصیب نہ ہو (خدانخواستہ) بس جھرجھری لے کر اللہ پاک کے اور زیادہ قریب ہونے کی کوشش کی ہے۔

☆یوں تو بہت سی چھوٹی چھوٹی باتیں ہیں جن پر بے ساختہ ہنسی آجاتی ہے مگر پچھلے سال کا واقعہ ہے میں اور ضیاء اپنے بیٹے کے ولیمے کا کارڈ دینے کر ضیاء کے ایک دوست کے گھر گئے وہاں ہماری دعوت بھی تھی جب دسترخوان لگایا گیا تو ماشاء اللہ کافی اہتمام تھا ہر چیز اچھی اور مزے دار بنی تھی باتوں باتوں میں ضیاء کے دوست نے مجھے مخاطب کیا کہ بھابی آپ تو حیدرآباد بریانی پکاتی ہوں گی‘ میں نے کہا ”جی الحمدللہ کافی اچھی بناتی ہوں۔“ تب انہوں نے کہا کل سنڈے میگزین (جنگ) میں میں نے حیدرآبادی بریانی کی ترکیب پڑھی ہے بھئی مجھے تو بہت اچھی لگی اور میں نے بیگم سے کہا کہ کسی دن یہ ٹرائی کرنا بڑی اچھی ریسپیز بھیجتی ہیں وہ خاتون میگزین کے لیے تب مجھے ہنسی آگئی میں نے کہا ”بھائی وہ خاتون میں ہی ہوں۔“ ”جی آپ لکھتی ہیں؟“ میں نے ہنستے ہوئے کہا۔ ”جی ہاں“ تب میرے ساتھ سب لوگوں کے چہرے پر بھی ہنسی آگئی یہ بات یاد آتی ہے تو بے ساختہ ہنسی آجاتی ہے اور خوشی بھی ہوتی ہے۔

☆جانے والے چلے جاتے ہیں اور اپنے پیچھے بس اچھی یادیں چھوڑ جاتے ہیں 2015ء مارچ میں میرے بیٹے کی شادی ہوئی ہے (الحمدللہ) تو یہ تقریب میری تائی امی (ساس) کے انتقال کے بعد پہلی تقریب تھی اس میں میں نے بہت شدت سے تائی امی کو یاد کیا اور اس لیے میں نے منہاج (بیٹے) کی سہرابندی کی تقریب بھی ان کے کمرے میں ہی کروائی تھی گو کہ لوگ کافی تھے کمرہ اتنا بڑا نہیں مگر پھر بھی میں نے وہیں ارینج کیا اور شادی سے دو دن پہلے جب منہاج کا نکاح ہوا اس لمحے بھی سب لوگ تھے اور تائی امی نہیں تھیں اللہ پاک ان کے درجات بلند کرے آمین۔

☆ماشاء اللہ اب تو نئی نئی رائٹرز آرہی ہیں‘ سب ہی اچھا لکھ رہی ہیں ان کے قلم میں روانی ہے اپنی بات کو پڑھنے والوں تک پہنچانا جانتی ہیں اس کے علاوہ سینئر رائٹرز کی تو بات الگ ہے وہ بھی منجھی ہوئی اور قابل رائٹرز ہیں اس لیے تمام تحریریں اپنی اپنی جگہ اچھی رہیں۔ مختصر ہو یا طویل پڑھ کر اچھا لگا سبق تو ہر تحریر سے نہیں ملتا لیکن بعض تحریریں دل پر نقش چھوڑ جاتی ہیں اس سال بھی بہت سی ایسی تحریریں تھیں۔

☆ہاں‘ کافی تحریریں ایسی ہوتی ہیں جس میں اپنے آپ کو دیکھتی ہوں ویسے مجھے اپنی تحاریر میں اپنی جھلک زیادہ نظر آتی ہے بعض اوقات جب میں پورا افسانہ مکمل کرکے پڑھتی ہوں تب مجھے احساس ہوتا ہے کہ یہاں...... یہاں...... یہ تو بالکل میری والی چویشن ہے جو بے دھیانی اور روانی میں لکھ چکی ہوں۔

☆کتاب تو کوئی نہیں پڑھی البتہ ڈائجسٹس‘ آنچل‘ پاکیزہ‘ کرن‘ خواتین‘ دوشیزہ‘ سچی کہانیاں‘ ریشم‘ حجاب یہ برابر پڑھتی رہی اس کے علاوہ میگزین ردا‘ بچوں کا گلستان‘ بزم برابر پڑھا ہے۔ ڈائجسٹوں کو پڑھنے اور اس میں لکھنے میں ہی سارا وقت گزر گیا اس لیے کوئی ایک کتاب پڑھنے کا وقت نہ ملا الحمدللہ گزشتہ سال میری اٹھارہ تحریریں جن میں افسانے‘ ناولٹ اور ناول ہیں شائع ہوئی ہیں۔

☆تنقید تو خیر نہیں ہوتی کیوں کہ میں تنقید کرنے کا موقع ہی نہیں دیتی‘ میں نے اپنے لکھنے کا عمل اور گھریلو امور کو الگ الگ خانوں میں سیٹ کرکے رکھا ہوا ہے۔ کبھی بھی میرے لکھنے سے گھر والوں پر کوئی منفی اثر نہیں پڑا ہے۔ میں نے لکھنے کے لیے وہ ٹائم رکھا ہے جب ضیاء گھر پر نہ ہوں کیوں کہ مجھے لگتا ہے کہ اگر میں نے ضیاء کی موجودگی میں ان کو ٹائم دینے کی بجائے اپنے شوق کو ترجیح دی تو یہ بات ان کو فیل ہوگی (اور ان کو ہوتی بھی ہے) اس لیے میں خود محتاط رہتی ہوں ہاں الحمدللہ! تعریف بہت ہوتی ہے میری بیٹیاں‘ میری امی‘ بہو‘ ضیاء اور خاص طور پر میری نواسی بہت خوش ہوتی ہے خصوصاً جب میرا کہیں انٹرویو لگتا ہے وہ خوشی خوشی سب کو بتاتی ہے کہ یہ میری نانا ہیں‘ میری پوئٹریز کو خاص طور پر سب بہت پسند کرتے ہیں۔

گزشتہ سال کا بند ایک اور باب کریں
چلو پھر آج گئے وقت کا حساب کریں
جو سال بیت گیا اس کو کیا دیا ہم نے
ہم آؤ مل کے خود اپنا احتساب کریں
(شاعرہ: نزہت جبین ضیاء)

☆ہمارے اندر بے شمار کمیاں اور خامیاں ہیں ہم لوگوں میں ایک بہت بری عادت ہے کہ اپنے قول وفعل کو پس پشت ڈال کر دوسروں کی خامیوں پر نظر رکھتے ہیں‘ ہمارے اپنے قول وافعال میں بڑے تضاد ہوتے ہیں۔ یہ بہت بڑی اور بہت بری بیماری ہے اور ہم اہل قلم کی یہ ذمہ داری ہے کہ ہم اپنی تحریروں سے اپنے لفظوں سے معاشرے میں تھوڑا بہت بدلاؤ لاسکتے ہیں۔ معاشرے کو سدھارنے میں ہمارا کردار بہت اہم ہے اور الحمدللہ میری ہمیشہ سے یہی کوشش ہوتی ہے کہ سادہ سے عام سے لفظوں میں اپنی تحریروں سے کوئی نہ کوئی مثبت سبق دے سکوں آپ لوگ خود یہ محسوس کرتے ہوں گے کہ میری تحریروں میں مشکل الفاظ اور کم پڑھی لکھی عورتوں کو نہ سمجھ میں آنے والی باتیں نہیں ہوتیں‘ میں کوشش کرتی ہوں کہ میری تحریر لوگوں کو کوئی نہ کوئی سبق دے سکے۔

☆گزشتہ سال آنے والے مسلسل زلزلوں کے جھٹکوں نے مجھے بھی خاصا پریشان کیا تھا جب رات کو بستر پر لیٹتی تب دن کے کاموں پر نظر ڈالتی ساری مصروفیات تو ہوتیں مگر اپنے رب کے لیے پانچ ٹائم ذرا سا وقت نکال کر ہم اپنا فرض پورا کردیتے ہیں تب مجھے احساس ہوا کہ ایسا نہ ہو کہ ہم رات کو سوئیں اور خدانخواستہ ایسا ہی بدترین اور جان لیوا حادثہ ہمارے ساتھ پیش آجائے تو میں کیا منہ لے کر اپنے رب کے حضور جاؤں گی۔ میرے پاس تو اپنی مصروفیات کی اپنے شوق کی بھرمار ہے اس میں اپنے رب کے لیے کتنا وقت نکال پائی؟ اسی ایک سوال نے مجھے ہولا کر رکھ دیا‘ میں اللہ پاک کے قریب ہونے کی کوشش کرنے لگی اللہ پاک ہم سب کو نیکی اور ہدایت کی راہ پر چلائے اللہ پاک ہم سب کا حامی وناصر ہو آمین۔

صبا حسن...... ساہیوال

☆2015ء میں میرے اندر جو تبدیلی آئی وہ یہ کہ میں رب کے بہت قریب ہوگئی ہوں جس سے میری زندگی میں بہت بدلاؤ آیا ہے میری تمام پریشانیاں ختم ہوگئی ہیں اور اللہ نے مجھے ایک اچھی اچھی پوسٹ عطا کی ہے بے شک اللہ کے قرب نے میری ذات کو پرسکون کردیا ہے۔

☆اس سال اللہ تعالیٰ نے مجھے بہت نوازا لیکن ایک خوشگوار اور عجیب سا واقعہ ہے۔ ایک دفعہ ہم سب فرینڈز عابدہ ارم اور میں اکٹھی تھیں ارم سے کہا چائے بناؤ میں لیٹی ہوئی تھی اس نے ٹرے میرے پاؤں کی طرف رکھ دی جب میں اٹھی مجھے پتا نہیں تھا اور عابدہ کے چائے والے کپ میں میری ایڑھی چلی گئی میں جلن کی وجہ سے رونے لگ گئی اور عابدہ نے جب دیکھا چائے اس کی ہے تو اس نے مجھے مارنا شروع کردیا۔ مارنے کے بعد دیکھا تو میں رو رہی تھی تو وہ بڑا ہنسی کہ ایک تمہارے پاؤں میں جلن تھی اور میں نے تمہیں مارا یہ واقعہ یاد کرکے ہم اکثر ہنستے ہیں۔

☆2015ء میں مجھے اپنے بہت اچھے دوست حسن رضا کی بہت یاد آئی جو میرا بہت اچھا دوست اور میری زندگی کا ایک اہم حصہ تھا' ہر تہوار پر اس کی یاد نے آنکھیں نم کردیں۔

وہ جانتا بھی تھا مجھے روشنیوں سے پیار ہے جاناں
نہ جانے پھر کیوں ہر طرف روشنی کرکے مجھے تنہا کرگیا

☆2015ء میں آنچل کی تحریریں ہر لحاظ سے مکمل تھیں اور آنچل کی ہر تحریر نے مجھے ایک نیا راستہ دکھایا اور مجھے ہر مشکل میں حل نظر آ گیا۔

☆ مجھے راحت وفا کے ناول "موسم کی محبت" میں شرمین میں اپنی جھلک نظر آتی ہے کافی چیزیں اس کی مجھ سے ملتی ہیں لیکن محبت کے معاملے میں شدت پسندی ایک جیسی ہے اور بدنصیب بھی کہ اپنا پیار پایا نہیں بلکہ اللہ نے پاس بلالیا۔

☆گزشتہ سال میں نے تقریباً آنچل کے علاوہ صرف مکڈ جلد کی بکس پڑھی ہیں جو ٹریننگ سے متعلق تھیں اور آج میں ایک ٹریننگ منیجر کے طور پر کام کررہی ہوں۔

☆گھر میں اماں صرف کھانے پینے میں بے پروائی پر ہمیشہ ڈانٹتی ہے ورنہ ہر معاملے میں مجھے ہمیشہ سراہا جاتا ہے۔

☆میں اپنے آپ کو خود احتسابی کے عمل سے گزارتی ہوں اور اپنی غلطیوں کو درست کرتی ہوں اور میں اس سال خود کو بہت پرسکون محسوس کرتی ہوں کیونکہ میں نے اس سال اپنی کافی غلطیاں ٹھیک کی ہے۔

☆گزشتہ سال حسن کی ڈیتھ نے مجھے اپنے رب کے قریب کردیا کیونکہ اس سے پہلے جسٹ فارملیٹی تھی میری عبادتیں لیکن حسن کی ڈیتھ نے مجھے میرے رب کے قریب کردیا کیونکہ اب عبادت سے جو سکون ملتا ہے وہ پہلے نہیں ملتا ہے۔

مسرت جبین...... راجپوت

☆میں نے چھوٹی چھوٹی خوشیوں کو محسوس کرنا شروع کردیا ہے اللہ کا شکر ہے اب زندگی پرسکون ہوئی ہے۔

☆میری تیاری نہیں تھی پیپرز کی ایک سال ضائع کرنے کا ارادہ تھا مگر ایک ٹیوٹر نے محض 20 دن میں اچھی تیاری کرادی۔ یقین نہیں آتا میں نے پیپرز دیئے بھی ہیں۔

☆میں نے ہر فنکشن میں اپنے ننھیال والوں کی کمی محسوس کی۔

☆ساری رائٹرز بہت اچھا لکھتی ہیں ایک دو کے علاوہ خاص طور پر سمیرا شریف طور' نازیہ جی اور اقراء صغیر کی کہانیاں بہت زبردست ہوتی ہیں۔ ہر بات کا مثبت اثر لکھتی ہیں اور محسوس کراتی ہیں۔

☆اقراء صغیر کا ناول "بھیگی پلکوں پر" میں "پری" کے کردار میں اپنے آپ کو دیکھتی ہوں۔

☆امربیل' اے محبت تیری خاطر' اسلامی کتب اینڈ آنچل لازم و ملزوم رہا۔

☆بہت فضول خرچ ہوں' کھانے پینے کی ہر چیز ہمیشہ فالتو خریدتی ہوں' تب تنقید ہی تنقید اور جب گھر کا کوئی کام کرلوں پھر تعریف۔

☆2007ء کے بعد میں یہ سمجھتی ہوں اب 2015ء میں میں خود کو سمجھ پائی ہوں' مجھے لگتا ہے میرا رب مجھ سے راضی ہوگیا ہے۔

☆موت کے قریب ہوگئی تھی مگر میرے رب نے مجھے زندگی کے قریب کردیا اور مجھے صراط مستقیم پر چلادیا اللہ کا شکر ہے۔

عائشہ پرویز...... کراچی

☆واقعی انسانی زندگی بہت سی کیفیات کا مجموعہ ہوتی ہے مگر رسالہ چاہے کوئی بھی ہو آنچل ہو یا کوئی اور میں نے تو واقعی ان سے بہت کچھ سیکھا ہے اور آپ اسے تبدیلی بھی کہہ سکتے ہیں کہ پہلے میں بہت موڈی ہوتی تھی' کچھ کچھ بے وقوف بھی کہہ لیں اور عجیب سے احساسات میرے دل ودماغ پر حاوی رہا کرتے تھے مگر جیسے جیسے میرا مطالعہ وسیع ہوتا گیا ویسے ویسے یوں لگا جیسے میرے دماغ کو جو گرہیں بند ہیں وہ آہستہ آہستہ کھلتی چلی گئیں۔ آہستہ آہستہ مجھے اپنی بہت سی جہاں خوبیوں کا ادراک ہوا وہیں میں نے اپنی خامیوں کو بھی سنوارنا شروع کردیا۔ ہوسکتا ہے کہ یہ سب پڑھ کر کچھ اپنے کچھ بیگانے مجھ پر ہنسیں یا میرا مذاق اڑائیں مگر یہ میری زندگی کا کھرا سچ ہے' اپنی ذات کی تمام حقیقتوں سے سب سے پہلے انسان خود آگاہ ہوتا ہے۔

☆اس سال پیش آنے والا خوشگوار واقعہ میرے لیے تو بہت ہیں جنہیں یاد کرکے اکثر مسکراتی ہوں زندگی واقعی درد وغم اور خوشی کی راہ گزر ہے۔

☆2015ء میں منائے جانے والے تہواروں میں سب اپنوں کی کمی کو شدت سے محسوس کیا خاص کر "نانا اور بڑے ابو" اللہ ان سب کو کروٹ کروٹ جنت نصیب فرمائے آمین ثم آمین۔

☆آنچل کی رائٹرز نے 2015ء میں اپنی تحریروں سے کافی حد تک مطمئن کیا آنچل کی تحریریں سبق آموز اخلاقی لحاظ سے بھی مددگار ہیں۔

☆2015ء میں سمیرا آپی کی تحریر "ٹوٹا ہوا تارا" میں شہوار جو اکثر سر ڈھانپے رکھتی ہے تو مجھے بھی ہر وقت سر پر دوپٹہ اوڑھنے کی عادت پختہ ہوگئی ہے کہ میں شہوار میں خود کی جھلک محسوس کرتی ہوں۔

☆ گزشتہ سال میری موسٹ فیورٹ کتاب ابویحییٰ کی "قسم اس وقت کی (جب زندگی شروع ہوگی)" زیر مطالعہ رہی۔

☆ گھر والوں کی جانب سے عموماً تنقید کا نشانہ ہمیشہ میرا موبائل ہی ہوتا ہے جبکہ میرے گھر والوں کو اچھے سے پتا ہے کہ میرے موبائل میں آنچل سے وابستہ تمام لوگ ہیں' رہی تعریفی کلمات تو مجھے یاد ہی نہیں رہتے ہی ہی ہی۔

☆ میں جہاں ہوتی ہوں وہاں کتابیں اردگرد بکھری رہتی ہیں اور مجھے اسی فضا میں سانس لینا اچھا لگتا ہے تو اپنی ذات کو ایک اچھی رائٹر کے روپ میں دیکھتی ہوں ان شاءاللہ۔

☆ گزشتہ سال بہت سے ایسے لمحے تھے جس نے مجھے اپنے رب کے قریب کردیا' بس یہی دعا ہے کہ پروردگار کل مومنین کو اپنی پناہ میں رکھے آمین۔

صدف مختار...... بوسال مصور

☆ 2015ء میں جب سے یارم پڑھا ہے' مذاق مذاق میں بھی دوسروں کے ہاتھ' پاؤں' منہ' ناک وغیرہ میں تنقص نکالنے چھوڑ دیے ہیں پہلے بھی دوسروں کو ٹربل نہیں کرتی تھی لیکن اب احترام کرنا سیکھا ہے۔ ایک بڑی تبدیلی یہ آئی ہے کہ میرا ٹائم ٹیبل تبدیل ہوگیا ہے اور اب میں زیادہ باتیں کرنے' گھومنے پھرنے اور تصویریں بنانے سے قاصر ہوں۔ ایک ایکسیڈنٹ تھا اور آدمی بھی مرا گیا بس اس کے بعد زندگی پر سے اعتبار اٹھ گیا۔

☆ واقعہ نہیں بلکہ واقعات بولیں تو زیادہ بہتر ہوگا۔ اس دفعہ گرمیاں میں میں نے اپنی پیاری خالاؤں اقراء خانم اور زاہدہ خانم کے ساتھ گزاری ہیں تو افطاری کے بعد میں اقو آپی کو گھسیٹ کے چھت پر لے جاتی تھی۔ میں چھت پہ ان کے ساتھ ساتھ چل رہی تھی اور انہیں بتا رہی تھی "اقو آپی نے کہا آپ کو پتا ہے' میرا سب سے بڑا شوق بائیک چلانا ہے' مجھے کک' گیئر' بریک اور کلچ وغیرہ سب پتا ہے بس عنقریب چلاؤں گی۔ اقو آپی! شرم کرو' کوئی انسانوں والا شوق بھی ہے تمہارا؟ لڑکیاں بھی بھلا بائیک چلاتی ہیں۔ ہاں ہاں چلاتی ہیں' چلاتی کیوں نہیں۔ دیکھیے گا ان شاءاللہ (ہاتھ ہلا کے) عنقریب آپ کے ہوسٹل موٹر سائیکل پر بیٹھ کے آؤں گی۔ موٹر سائیکل پہ بیٹھ کے......" اقو آپی (رک کے غصے سے) پھر......

☆ صدف (مسکین سامنہ بنا کے فوراً) سمجھا کریں ناں۔

☆ اقو آپی اور میں ہم دونوں ہنسنے لگ گئے' سچ میں آج بھی ہنس رہی ہوں۔

☆ ذہن کو ریفریش کیا ہے لیکن میں ناکام ٹھہری' غالباً میں چاہتی تھی کہ کسی کا نام ضرور لوں لیکن جو بات سچ ہے وہ یہ ہے کہ نہ تو کوئی مجھے اتنا پیارا ہے کہ میں اس کی کمی محسوس کروں اور نہ کسی کو میں۔ چاچو' ماموں' بھائی' پھوپو' نانی کوئی بھی نہیں۔ مجھے اپنی امی سے پیار ہے اور چند اور لوگوں سے جو میرے پاس ہیں البتہ عنیزہ سکندر کی کمی ضرور محسوس کی تھی عید پر۔

☆ کافی حد تک لیکن سچ بتاؤں تو میں پوری مطمئن نہیں خصوصاً قسط وار ناولوں سے۔ جہاں تک بات ہے سیکھنے کی تو بہت کچھ تقریباً ہر تحریر میں کچھ نہ کچھ سبق ضرور ہوتا ہے اور شکر الحمدللہ ہمیشہ مثبت پہلو پر ہی عمل کیا ہے۔ مجھے ہر چیز چاہے میتھ ہو یا انگلش یا پھر میرے نصاب سے باہر' سیکھنے کو دل کرتا ہے۔ مجھے کوئی سکھانے والا ملے تو بس میری تو عید ہوجاتی ہے پھر یہ کیسے ممکن ہے کہ میں ان تحریروں سے کچھ نہ سیکھوں ویسے مجھے ضوبار یہ ساحر سے ملنے کی بہت خواہش ہے ان سے ان کی تحریروں کے متعلق بہت کچھ پوچھنا ہے۔

☆ آپ نے صرف یہ پوچھا ہے کہ کسی رائٹر کی یہ نہیں پوچھا کہ آنچل کی تو یہ سوال بہت اچھا ہے۔ سچ بتاؤں تو آج تک صرف مقید خاک کے اختر میں اپنی کافی زیادہ جھلک نظر آئی اور اس کے علاوہ ہر وہ کردار جو زندہ دل' شرارتی زیادہ باتیں کرنے والا' پڑھاکو ہو اپنی طرح ہی لگتا ہے۔

☆ نصاب کی باتیں اپریل تک 9th کی اور اس کے بعد سے اب مارچ 2016 تک 10th کی رہیں گی۔ البتہ ایک کتاب You Can Become Person U Want To be پڑھی ہے۔

☆ تیز تیز چلنے پر' بچوں کے ساتھ بھاگنے دوڑنے پر اور گندے رہنے پر امی کہہ رہی ہیں "یہ بھی بتاؤ میں نے آج تک یونیفارم کے سوا کچھ بھی ڈھنگ سے نہیں پہنا" (بتادیا امی شازی' ہاہاہا)۔ پہلے بہت بولتی تھی لیکن جب سے رزلٹ آیا بس چپ لگ گئی ہے (غم سے' ہاہاہا) کیونکہ اب زیادہ وقت پڑھتی رہتی ہوں' ارادہ ہے کہ چونکہ 9th (آرٹس) میں 518 مارکس لیے ہیں تو اب 1050 تو ضرور لوں' تعریف بھی صرف پڑھائی کے معاملے میں ہی ہوتی ہے۔ تنقید سے یاد آیا جو بندہ میرے ساتھ جیسا کرتا ہے میں بھی ویسا ہی کرتی ہوں جو لڑے گا' لڑوں گی۔ اچھے سے بولے گا' اچھے سے بولوں گی۔ امی کہتی ہیں بلکہ ڈانٹتی ہیں تم ہی چپ ہوجایا کرو۔" پر یہ ناممکن ہے کیونکہ مس انعم زاہرہ صاحبہ کی اسٹوڈنٹ ان کی طرح لفظوں میں تو ناراضی رکھ سکتی ہے دل میں بھی نہیں۔ دل تو انعم زاہرہ کی طرح ہونا چاہیے شفاف اور وسیع۔

☆ پہلے میں آپ کو اپنی روٹین بتاتی ہوں' مجھے بہت دکھ ہوتا ہے جب بھی کوئی سال گزرتا ہے آخری دن میں کوئی سینکڑوں دفعہ دہراتی ہوں "آج سال کا آخری دن ہے" پھر مجبوراً کسی کو بے عزتی کرکے چپ کروانا پڑتا ہے۔ 2013ء میں جب میں 8th میں تھی تو پہلی دفعہ نئے سال کے آغاز پر دو نوافل ادا کیے تھے اور ان نوافل کی وجہ میرا بھائی (علی حمزہ) اور کزن (فہمیدہ عمر) تھے یہ دونوں بیمار تھے اور میں نے ان کے لیے خالص دل سے دعائیں کی تھیں۔ ساتھ ساتھ نئے سال کے لیے اور اپنے پیاروں کے لیے بھی' اب ہر سال یوں ہی کرتی ہوں۔ خود احتسابی بڑا مشکل مرحلہ ہے جناب! بہرحال اپنا احتساب بھی ضروری ہوتا ہے لیکن جب بھی اپنی ذات کو خود احتسابی کے عمل سے گزارا ہے سکون ہی سکون ملا ہے وجہ شاید اللہ کا ڈر' اپنی ذات کو میں...... پھر بھی سہی کیونکہ ابھی ذہن میں کچھ بھی نہیں آرہا۔

☆ مریم نواز ساقی کہہ رہی ہے اب بے چاروں کی جان چھوڑو لہٰذا مختصر سا جواب دوں گی وہ لمحہ جب میری امیدیں ٹوٹیں اور میں نے

جان لیا کہ وہ خدا ہی ہے جو ہمیں کبھی نہیں چھوڑتا اور ہمیشہ ہماری مدد کرتا ہے۔اب میں اپریل کے بعد شرکت کروں گی اور میری طرف سے شہلا عامر سمیت سب کو نیا سال مبارک ہو۔

طیبہ حنا...... تونسہ شریف

☆2015ء میں رونما ہونے والی تبدیلی میرے اندر یہ آئی کہ میں بالکل خاموش ہوگئی ہوں نہ بولنے کو جی چاہتا ہے نہ سننے کو۔

☆ویسے تو میں ہر دم مسکراتی رہتی تھی مگر حادثات زندگی نے ہنسی چھین لی ہے لیکن اس بات کی بدولت مسکراہٹ خود بخود آجاتی ہے بات یہ ہے کہ ہم جہاں رہتے ہیں وہاں پر ہمیں آنچل نہیں ملتا جس کے لیے تونسہ جانا پڑتا ہے ہر ایک کی منت کرنی پڑتی ہے تب جاکے پرچہ ملتا ہے۔ مئی کے آنچل کے لیے کافی محنت کی پھر ابو جان 22 اپریل کو لے آئے اس سے پہلے انکل اور آنٹی سے کہا جب جائیں تو آنچل لے کے آنا' انکل بھی اسی دن تونسہ گئے ہوئے تھے آنچل لے کے آگئے آنٹی کو بات بھول گئی پھر وہ لے کے آگئیں' تین آنچل ہوگئے۔ بھائی 22 مئی کو تونسہ گئے ہم نے کہا تازہ رسالہ لے کے آنا' بھائی کو چونکہ پتا نہیں تھا پھر وہ مئی کا لے کے آگئے' بہت ہنسی آئی۔اب سب کہتے ہیں طیبہ آمنی کا آنچل لے آئیں' تمہارے لیے' خوب ہنسی آتی ہے۔

☆2015ء میں منائے جانے والے تہواروں میں خاص کر عید الفطر کے تہوار پر اپنے پیارے بھانجے کی کمی کو شدت سے محسوس کیا جو 28 جولائی 2014ء کو ہمیں روتا چھوڑ کر اپنے خالق حقیقی سے جاملا۔

☆آنچل رائٹرز مطمئن کرتی ہیں تو ہم ہر ماہ خریدنے کے لیے بے چین ہوتے ہیں' ہمارے لیے' بہت سبق ہوتا ہے اس میں۔

☆ہم جس ایریا میں رہتے ہیں وہاں کتابوں کا کوئی تصور نہیں' بہت مشکل سے کتابیں ملتی ہیں اس سال تو کوئی کتاب بھی ہاتھ نہیں لگی۔

☆یہ کیا سوال ہے یار! ہمیں تو ہر وقت تنقید کا سامنا کرنا پڑتا ہے اگر تعریف بھی ہو تو لہجہ طنزیہ تنقیدی ہوتا ہے اس لیے تعریف کے لیے ترس گئے ہیں مگر یہ نا ممکن ہے اس سلسلے میں کسی شاعر نے خوب کہا ہے

لفظ کہنے والوں کا کچھ نہیں جاتا
لفظ سہنے والے کمال کرتے ہیں

☆اپنا احتساب تو کرتی ہوں مگر ہر وقت کی تنقید نے کافی چڑچڑا اور منہ پھٹ بنادیا ہے' جس کے لیے بہت پریشان ہوں۔

☆یوں تو ہر لمحہ اپنے رب سے قریب کرتا ہے لیکن اپنے گناہ ہمیں رب سے دور کردیتے ہیں۔

☆سوری ایک سوال بھول گیا تھا' اب یاد آیا وہ یہ ہے کہ کسی رائٹر کی تحریر میں اپنی جھلک نظر نہیں آئی بلکہ تازیہ کی طرح اداسیوں کی فاختہ ہوں۔

پروین افضل شاہین...... بہاولنگر

☆بہاولنگر میں آنے والے زلزلے کو دیکھ کر سوچا کہ اپنے آپ کو ایسا بنایا جائے کہ سب کو سکھ دیں دکھ نہ دیں۔

☆ایک مرتبہ میرے میاں جانی پرنس افضل شاہین نے مجھے کہا کہ کہہ دو سمندر سے کہ مجھے ضرورت نہیں سونامی کی بس ایک بیوی ہی کافی ہے زندگی میں طوفان لانے کے لیے یہ بات یاد کر کے اب بھی ہنسی آتی ہے۔

☆عید قرباں والے دن اپنے سسر کی بہت یاد آئی کہ وہ عید قرباں سے ایک دن پہلے اللہ کو پیارے ہوگئے تھے' وہ میرا بہت ہی خیال رکھا کرتے تھے۔

☆میں نے ان تحریروں سے یہ سبق حاصل کیا کہ اپنے لیے تو سب ہی جیتے ہیں اسی لیے دوسروں کے لیے جیا جانا چاہیے۔

☆ہم سے پوچھئے میں میری طرح دلچسپ سوالات کر کے مجھے ارم کمال میں اپنی جھلک نظر آئی۔

☆ارم زہرہ' فریدہ جاوید فری اور حیدری علی ساحر کی کتابیں میرے زیر مطالعہ ہیں۔

☆کھانا پکانے پر ہاتھ میں کوئی بھی ڈائجسٹ ہوتا ہے تو میاں کہتے ہیں کتابی کیڑی کھانا پکاتے وقت تو ڈائجسٹ سائیڈ پر رکھ دیا کرو مگر میں جب اس ڈائجسٹ میں اپنی شائع شدہ تحریریں دکھاتی ہوں تو ان کے منہ سے اپنے لیے تعریفی کلمات سننے کو ملتے ہیں۔

☆جی ہاں خود احتسابی کے عمل سے اپنے آپ کو گزارتی ہوں' میں نے سوچا پہلے تو دو تین بال سر کے سفید تھے مگر اب ان کی تعداد آٹھ دس ہوگئی ہے ان کا علاج کرنا چاہیے۔

☆جب اپنے میاں کی ہیپاٹائٹس بی کی رپورٹ دیکھی تو اسی لمحے سے اپنے رب کے اور قریب ہوگئی اور اپنے میاں جانی کی صحت یابی کی دعائیں کرنے لگی۔

نوشین جوئبہ...... لودھراں

☆حق ہاہ' کیا بات پوچھ لی آپ نے۔ یہ دنیا مطلب کی ہے جب مطلب نکلا تو سب ختم' میری ذات سے کچھ لوگوں کی حد درجہ بے وفائی جھوٹے چہروں کو بے نقاب ہونے کی وجہ جب سامنے آئی تو معلوم ہوا جن کو ہم اپنی ذات سے قریب تر قریب سمجھتے تھے ہم ان کے لیے خاک کے برابر بھی نہیں۔

☆بہت سے واقعات ایسے ہیں جو دوستوں کے درمیان ہوئے مگر یہاں ایک واقعہ بیان کروں گی' میری دوست ثناء جب مجھ سے ملی تو باتوں ہی باتوں میں' میں نے اس کو اپنے فیانسی کے بارے میں بتایا تو وہ مسکرا کر کہنے لگی "اچھا یاد آیا وہ تمہارے ماموں ننھے کا بیٹا ننھی" اس بات کو یاد کر کے اکثر مسکرا جاتی ہوں۔

☆2015ء میں منائے جانے والے تہواروں میں اپنے فیانسی کی کمی کو شدت سے محسوس کیا۔

☆نومبر کے شمارے کی ایک کہانی جو اقبال بانو کی آزمائش ہے اس سے یہ سبق حاصل کیا کہ مرد کبھی سچی محبت نہیں کرتا اس کو ہر بچے کی طرح ایک نئی چیز کی تمنا ہوتی ہے۔ جہاں تک مطمئن ہونے کی بات ہے تو ویسے ہر کہانی اچھی تھی مگر میں اقبال بانو کی آزمائش کہانی سے مطمئن ہوئی' طاہرہ کی طرح۔

☆"موم کی محبت" راحت وفا کی تحریر میں' میں نے شرمین میں خود

کی جھلک دیکھی۔ شرمین کی طرح ہر بار ایک نئی محبت پر بھروسہ کرلینا سوائے جھوٹ کے کچھ حاصل نہیں ہر بار اس کا بھروسہ کے ساتھ دل بھی ٹوٹا صد افسوس۔

☆ایسی کوئی خاص کتاب نہیں۔

☆اس سوال کا کیا جواب دینے گئے ہاہاہا۔ ہر بار گھر والوں کی طرف سے ایک بات پر عموماً تنقید کا سامنا کرنا پڑا کہ ہمیشہ الٹے کام کرتا بھی تو عقل سے کام لو اب میں خود تعریفی کلمات کیا بتاؤں یہ تو میاں مٹھوں والی بات ہوگئی۔ خیر آپ پوچھتے ہیں تو بتا دیتی ہوں آج کھانا اچھا بنا ہے اکثر کھانا بنانے پر تعریفی کلمات سننے کو ملے۔

☆جی ہاں بہت آگے تک۔

☆ کچھ لوگوں کی بے وفائی نے ہمیں رب سے قریب کردیا اللہ تعالیٰ ان کو ہدایت دے آمین۔ لوگ یہ کیوں بھول جاتے ہیں کہ جن کا دل ہم توڑ رہے ہیں اس دل میں تو خدا بستا ہے اور وہی دل ہمارے پاس بھی ہے کوئی ہمارے ساتھ بھی برا کرسکتا ہے۔

ارم کمال...... فیصل آباد

☆پہلے میں صرف اپنی بات کو امپورٹنس دیتی تھی دوسرے کی فیلنگز کا خیال نہیں رکھتی تھی لیکن اس سال میری ذات میں یہ تبدیلی آئی ہے کہ میں دوسروں کا خیال بھی رکھتی ہوں۔ چیزوں اور رویوں کو بہت گہرائی سے دیکھتی ہوں اپنے سب رشتوں کے لیے حساس اور فکر مند ہوگئی ہوں۔

☆اس سال 11 اکتوبر کو میری بیٹی کرن کمال کی شادی ہوئی جو کہ بہت اچانک ہوئی لیکن اب میں اسے یاد کرکے مسکراتی رہتی ہوں۔

☆میں ہر سال 2010ء کے بعد ہر تہوار پر اپنے مرحوم بیٹے حمزہ کمال (جو کہ محض پانچ برس کا تھا) کو بہت شدت سے یاد کرتی ہوں اور ہر تہوار اور ہر فنکشن میں اس کی کمی محسوس کرتی ہوں۔ کسی بچے کی شکل میں اس کی شبیہ، کسی بچے کی ذہانت مجھے اس کی یاد دلاتی ہے تو کسی بچے کی آنکھوں کا کلر...... اپنے رب کی رضا میں راضی ہوں۔

☆2015ء میں آنچل کی رائٹرز نے بہت حد تک مطمئن اور مسرور رکھا ہاں کہیں کہیں اختلاف محسوس ہوا لیکن 80 فیصد تک رائٹرز کے خیالات اور ہمارے خیالات میں مطابقت رہی اور تمام رائٹرز سے مشترکہ اسباق حاصل کیے جو توڑے اسے جوڑو صبر سے اچھے وقت کا انتظار کرو۔ صرف اپنے حقوق حاصل کرنے کا نہ سوچو بلکہ اپنے فرائض بھی ادا کرو اور سب سے بڑھ کر خدا پر توکل اور بھروسہ رکھو۔

☆اس سال تمام تحریروں میں جہاں ہیروئن بے انتہا مروت کی ماری تھی وہاں اپنی جھلک نظر آئی جہاں ہیروئن پر کاموں کا انبار پڑا اور وہ سر پکڑ کر بیٹھی ہو وہاں بھی اپنی جھلک نظر آئی۔

☆ہر سال میرے زیر مطالعہ قرآن مجید کی عظیم کتاب رہتی ہے اس کے علاوہ اس سال جاوید چوہدری کی زیرو پوائنٹ اور مستنصر حسین تارڑ کی کتابیں میرے زیر مطالعہ ہیں۔

☆گھر والوں کا کچھ پتا نہیں چلتا جس بات پر تعریف کی امید ہو وہاں کھری کھری سننے کو مل جاتی ہیں جہاں کام خراب ہو وہاں تو سننا ہی پڑتی ہیں۔ اگر بچوں کی بات کروں تو جس دن سارا گھر سیٹ ہو بریانی بنی ہو اس دن بچے اسکول سے گھر آکر بڑی تعریف کرتے ہیں اور جس دن ان کے منشاء کھانا نہ پکا ہو اس دن ناک منہ بنا کر کہتے ہیں کچھ اور نہیں پکا سکتی تھیں اگر میاں جی کی بات کروں تو سیدھی بات ہے ان کی باتیں مان لو تو بہت خوش ہوتے ہیں اور اگر نہ مانوں تو منہ پھلا لیتے ہیں۔

☆ہر سال کے اختتام پر اپنا جائزہ لیتی ہوں کہ اس سال جو اپنی ذات سے وعدے کیے تھے وہ پورے نہیں کرسکی اپنے آپ کو لعن طعن کرتی ہوں پھر اللہ تعالیٰ سے توبہ استغفار کرتی ہوں اور نئے برس صدق دل سے عہد کرتی ہوں کہ جو وعدے اپنی ذات سے کیے اللہ توفیق دے کہ وہ پورے کرسکوں۔ خود احتسابی کا عمل بڑا کڑا ہوتا ہے لیکن بندہ بہت ہی گناہ گار اور ناشکرا ہے اللہ تعالیٰ ہم سب کو اپنے اپنے عیبوں کو ختم کرنے کی توفیق عطا فرمائے آمین۔

☆رب کا اور میرا تعلق بہت قربت کا ہے اس میں اور زیادہ مضبوطی تب آئی جب میری بیٹی کرن کی شادی کا مرحلہ آیا چونکہ رشتہ اچانک آیا تھا اور انہیں شادی فوری کرنی تھی رشتہ بہت اچھا تھا لوٹانے کا بھی دل نہیں تھا لیکن تیاری کوئی نہیں تھی تب میں نے اللہ تعالیٰ سے گڑگڑا کر دعا مانگی کہ اے میرے اللہ تو ہی یہ مشکل آسان کرسکتا ہے ورنہ مجھ میں تو اتنی طاقت اور سکت نہیں میرے اللہ کا اتنا خاص فضل وکرم ہوا کہ محض ڈیڑھ مہینے کے اندر اللہ تعالیٰ نے شادی کے جملہ اسباب کے وسائل پیدا کردیئے یوں میرا اور میرے رب کا تعلق مزید مضبوط سے مضبوط تر ہوگیا۔

فاطمہ انصاری...... لاہور

☆2015ء میں کوئی خاص تبدیلی تو نہیں ہوئی البتہ ایک اسلامی بہن کی اثر انگیز باتیں سن کر اور اس کے طرز زندگی نے بہت متاثر کیا تھا جسے اب بھی میں فالو کرنے کی کوشش کرتی ہوں۔

☆خوشگوار واقعہ یہ کہ ہمارے گھر میں مہمان آئے ہوئے تھوڑی دیر ہوئی تھی اور ہماری نانی بی کو پتا نہیں تھا وہ باہر سے گھر میں داخل ہوئیں تو مجھے کہنے لگیں "فاطمہ جانوروں کو پانی پلا دیا ہے کہ نہیں۔" تو یہ سننا تھا کہ میں اور میری کزن ہنس ہنس کے لوٹ پوٹ ہوگئیں بعد میں پتا چلا ان کا اشارہ بھینس بکریوں کی طرف تھا اور ہم نے سمجھا مہمانوں کو کہا ہے یہ واقعہ جب بھی یاد آتا ہے ہنسی آجاتی ہے۔

☆ہاں جی اس سال عید کے تہواروں میں اپنی آپی شاہین کی بہت کمی محسوس کی جن کی شادی ہوگئی تھی۔

☆جی آنچل تو اس دفعہ فرسٹ ٹائم لیا ہے اور پہلی دفعہ ہی اس نے اپنا گرویدہ کرلیا ہے اس کی تمام رائٹرز بہت اچھا لکھتی ہیں اور سبق یہ کہ جس طرح رائٹرز نوک قلم سے نکھار پیدا کرتے ہیں اسی طرح ہم اپنی زندگی جو لمحہ بہ لمحہ گزر رہی ہے اس پر نظر ثانی کرکے اس کو سنواریں اور نکھار پیدا کریں۔

☆کوئی خاص جھلک تو نظر نہیں آئی البتہ سمیرا شریف طور، نازیہ کنول اور نگہت عبداللہ نے بہت متاثر کیا۔

☆سسپنس، جاسوسی، سرگزشت، روحانی ڈائجسٹ، بچپن کا دسمبر (ناول) اور بچوں کے مختلف میگزین اسلامی کتب اور اب ان شاء اللہ

آنچل ساتھ رہے گا۔
☆ہر وقت میگزین رسالوں میں مگن رہتی ہو تنقید اور کوکنگ اچھی کرتی ہوں جس پر تعریف سننے کو ملتی ہے۔
☆اللہ کا شکر ادا کرتی ہوں اچھی زندگی کے لیے اور آئندہ کے لیے بھی نیک تمنائیں۔
☆جب بھی اللہ کے حضور نماز کے لیے کھڑی ہوتی ہوں تو بے انتہا رب کریم کے قریب ہونے کا احساس ہوتا ہے۔

کوثر خالد ...... جڑانوالہ

☆قیصر آراء کی لفاظی نے حیران کردیا۔
☆خطوط کے جوابات مسکراہٹ بکھیر دیتے ہیں۔
☆ہم ہر حال میں خوش رہتے ہیں۔
☆میں ہر رائٹر سے متاثر ہوں' ہر حال میں خوش رہنا کہانیوں سے سیکھا۔
☆اکثر ہی آجاتی ہے ہیروز کی مثبت سوچ میں۔
☆آنچل کے علاوہ چار ماہنامے پانچواں حجاب۔
☆تقریب خدمتوں اور اچھے کھانے پر تنقید اونچی آواز میں بولنے پر مسلسل بولنے پر۔
☆خود احتسابی ہر پل کرتی ہوں نہ کہ سال بعد ماشاءاللہ پرسکون اور کامیاب ہوں مگر عبادت کی کمی محسوس کرتی ہوں۔
☆محفل میلاد اور میت کے سرہانے اور بیماروں کے پاس اللہ جی بہت قریب ہوتے ہیں۔

ثناء عرب سنی ...... صوابی

☆2015ء کا سال ہر لحاظ سے میرے لیے اچھا تھا کیونکہ اگر غم ملے تھے تو پے در پے کئی خوشیاں مجھے ملیں' اس سال میری ذات میں سب سے بڑی تبدیلی جس نے میری زندگی بدل دی وہ یہ تھی کہ مجھ میں برداشت' صبر آگیا تھا' پہلے چھوٹی چھوٹی بات پر' کسی کے دیئے گئے دکھ پر جلتی کڑھتی اور غصے میں آپے سے باہر ہوجاتی جبکہ اس سال بہت سے واقعات نے میرے اندر ایک ٹھہراؤ سا پیدا کیا جس سے میں کافی حد تک بدل گئی۔
☆11 اکتوبر بروز اتوار بہت ہی خوشگوار دن تھا اس دن کا واقعہ میری فرینڈ کا میرے گھر آنا بہت اچھا ٹائم ساتھ گزارا اور پتا نہیں کس بات کے بنا پر اس نے مجھے کہا کہ تم نے خود کو دلہن کیوں بنا رکھا ہے حالانکہ میں بالکل سمپل تھی اور اس وقت کالج کا کام کررہی تھی اس کا کہنا تجھے بھی دیکھو لو دلہن صرف کاپی کو مت دیکھو اور یہی بات آج بھی بے ساختہ مجھے مسکرانے پر مجبور کردیتی ہے کہ آخر کس وجہ سے اس نے مجھے یہ کہا۔
☆2015ء میں منائے جانے والے تہواروں میں اپنے فرینڈ کی کمی ہر جگہ بہت شدت سے محسوس کی۔
☆آنچل کی رائٹرز نے بہت اچھی طرح سے ہمیں مطمئن کیا اور ہر تحریر سے میں نے کوئی نہ کوئی سبق ضرور حاصل کیا اگر یہ کہوں کہ آنچل نے ہر راہ میں میری رہنمائی کی ہے تو غلط نہ ہوگا۔ کسی اچھی دوست کی طرح ہمیشہ میرا ساتھ دیا اور اپنی قیمتی اور سبق آموز تحریروں سے میری زندگی بہت حسین بنادی آنچل تاریکی میں روشن ستارے کی طرح ہے جس کی تقلید غلط راہوں سے بچالیتی ہے اور اپنے آنچل تلے سایہ دے کر نیک راستے کی طرف مائل کردیتی ہے۔
☆میں ہر رائٹر کی تحریر میں خود کو تلاش کرتی ہوں مگر پایا خود کو سمیرا شریف طور کے سلسلہ وار ناول "ٹوٹا ہوا تارا" کے ایک کردار اناوقار میں اس کی محبت کی شدت' حساسیت غرض یہ کہ کبھی لگتا ہے میں خود کو پڑھ رہی ہوں جیسا کہ مجھ پر ہی سمیرا آپی نے لکھا ہو۔
☆گزشتہ سال کئی کتابیں زیر مطالعہ رہیں جس میں ناولز بھی شامل تھے اور دینی کتابیں بھی اور اگست میں پھر کورس بک شامل ہوگئیں ہاہاہا۔
☆گھر والوں کی جانب سے جن باتوں پر عموماً مجھے تنقید کا سامنا کرنا ہوتا ہے وہ ہے کھانا' یہ نہیں کہ پکانے کی وجہ سے بلکہ کھانا نہ کھانے کی وجہ سے۔ میں اکثر کھانا نہیں کھاتی کبھی کبھار دو دن تک نہیں کھاتی تو نا صرف مما بلکہ سارے گھر والے دادا سمیت سب وقتاً فوقتاً غصہ کرتے ہیں' مجھ پر اور بعد میں جب بھی کوئی بات ہوتو مجھ پر اور میرے کھانے پر تنقید شروع ہوجاتی ہے کہ یہ ایسی ہے یہ ویسی ہے۔ اب تو حالات کافی حد ٹھیک ہوچکے ہیں مگر پہلے حالات بہت خراب تھے باقی کسی بات پر تنقید نہیں ہوتی۔ تعریفی کلمات اکثر پڑھائی کے معاملے میں سننے کو ملتے ہیں یا کھانا پکانے کے بارے میں کہ ثناء کھانا اچھا پکاتی ہے۔ گھر کے کام میں مما کا ہاتھ بٹالیتی ہوں تو مما تعریف کرلیتی ہیں (ویسے آپس کی بات ہے مجھے اپنی تعریف بالکل اچھی نہیں لگتی)۔
☆نیا سال جب بھی شروع ہوتا ہے اور موجودہ سال جانے کی تیاری کرچکا ہوتا ہے تو ایسے میں ماضی کے لمحوں میں کھو کر میں سوچتی ہوں کہ اس سال میں نے کیا پایا' کیا کھویا۔ کہاں مجھ سے غلطیاں ہوئیں اور کہاں ان کو سنوارا اور کہاں نہیں' ایک ایک لمحہ نظروں کے سامنے آجاتا ہے۔ غلطیوں کو دیکھ کر ارادہ کرتی ہوں کہ آئندہ احتیاط کیا کروں گی جبکہ جہاں کہیں اچھے کام کیے ہوں انہیں جاری رکھنے کا تہیہ کرلیتی ہوں اور ایسے میں میں خود کو ایک ایسے مقام پر دیکھتی ہوں کہ آج تک مجھے خود بھی اس کی سمجھ نہیں آئی۔ پچھلے کئی سالوں سے ایسا ہونے لگا ہے کہ سال کے آخر میں خوشیاں سمیٹتے سمیٹتے اور خوشیاں بانٹتے بانٹتے میں خود تہی دامن رہ جاتی ہوں' سب کو خوشیاں دے کر جانے کیوں میری جھولی میں صرف دکھ باقی رہ جاتے ہیں اور انہی دکھوں کے ساتھ میں نئے سال کو خوش آمدید کہتی ہوں۔
☆چھوٹی عید کا پہلا دن اور اس دن کا پہلا لمحہ جس میں مجھے لگا کہ میں نے اپنے ہم سفر کو کھودیا اور اس ایک لمحے کا وہ قیامت خیز تصور مجھے میرے رب کے قریب کرنے کے لیے کافی تھا۔ نماز روزے کی پابند نوافل کی پابند میں پہلے سے تھی مگر اس کے بعد میرا اور میرے رب کا تعلق بہت گہرا ہوگیا اور آج تک ویسے ہی قائم اور مضبوط ہے۔ سب کو میری طرف سے آنے والے سال کی خوشیاں مبارک ہو۔

کالے رنگ کی مرسیڈیز فراٹے بھرتی ایم ون موٹر وے پر رواں دواں تھی۔ مہنگی ترین بلیوٹینڈ گلاسز کی اوٹ سے اس کی نظریں چاروں طرف گھوم رہی تھیں۔ بالوں کی بے ترتیبی کو ہیئر اسپرے سے فریز کیا گیا تھا۔ ڈارک بلیو جینز کے ساتھ بلیک شرٹ اور براؤن شوز، چہرے پر کھلتی مدہم دلکش مسکراہٹ اس کی گریس فل پرسنلٹی کو مزید نکھار رہی تھی۔ اس نے سن گلاسز کو اتار کر شرٹ کا اوپری بٹن کھول کر گریبان میں لٹکایا۔

بی بی سی ایشیا ریڈیو پر اس کی من پسند اور موسٹ پاپولر ہوسٹ نورین خان کا ڈرائیو ٹائم شو آن ایئر تھا۔ پرانے گانوں کا ایک گھنٹہ اس کو ہمیشہ سے پسند تھا۔ والیم کا بٹن گھماتے ہوئے اس نے دائیں بائیں دیکھا۔ وہ اس وقت کسی کنٹری سائیڈ سے گزر رہے تھے۔ یوکے کا موسم بہت بے اعتبار موسم ہے پل میں تولا، پل میں ماشہ جیسا چوبیس گھنٹوں میں چاروں موسم کا مزہ چکھ کر اچھا بھلا انسان پانچویں موسم کی زد میں آجاتا ہے۔ یک دم سارے بادل کہیں غائب ہوگئے اور سورج کی کرنیں جو بادلوں کی اوٹ سے تانک جھانک کر رہی تھیں سارے پردے ہٹا کر ایک دم بالکل سامنے آگئیں۔

گلاسز کو دوبارہ پہنتے ہوئے اس نے ونڈو کھولی تو ٹھنڈی ہوا نے پل بھر میں اس کو ٹھٹھرا دیا دوسرے پل اس نے آٹومیٹک بٹن کو پش کرکے ونڈو بند کردی۔ ایک بار پھر ٹائم دیکھا وہ جلد از جلد اپنے مطلوبہ مقام پر پہنچنا چاہتا تھا لیکن فاصلے تھے کہ سمٹنے کا نام نہیں لے رہے تھے اسی لمحے گاڑی کی اسپیڈ کم ہوئی تو اس نے ایک بار پھر باہر دیکھا۔ اب وہ قدرے رش والی جگہ پر تھے روڈ کے سائیڈ پر لگے سائن بورڈ پر اس کی نظر پڑی۔

”بریڈ فورڈ“ پینتیس میل لکھا دیکھ کر اس نے گہرا سانس لیا۔

”بابا اگلی سروس پر گاڑی روکیے گا میں نے ذرا فریش ہونا ہے۔“ وہ بولا تو ڈرائیو کرتے اس کے ڈرائیور نے اسے دیکھا دوسرے پل وہ سیٹ پر سر ٹکا کر آنکھیں موند کر ریلیکس ہوگیا۔

❁.........❁.........❁

داغ دل ہم کو یاد آنے لگے
لوگ اپنے دیے جلانے لگے

اقبال بانو کی گمبھیر آواز کمرے میں گونج رہی تھی ملگجے اندھیرے میں گلاس ونڈو سے جھانکتی روشنی کی کرنیں عجیب فسوں خیز منظر پیش کر رہی تھیں۔ سامنے کی دیوار پر روکنگ چیئر کا سایہ لہرا رہا تھا جو اس بات کا واضح ثبوت تھا کہ روکنگ چیئر پر کوئی بیٹھا جھول رہا ہے۔ اس کے نقوش واضح نہ تھے لیکن اتنے مدہم بھی نہ تھے کہ اندر کی جوڑ توڑ کے باعث چہرے پر ابھرتی متاسف سوچوں کی لکیروں کو پوشیدہ رکھ سکتے دونوں ہاتھوں سے چیئر کے ہینڈلز کو پکڑے وہ چھت کو گھورنے میں مصروف عمل تھی۔ گرفت کی مضبوطی کے باعث ہاتھوں کی پشت کی ابھرتی رگیں اس کی بے چینی کو واضح کررہی تھیں۔ سوچوں کے دھاگے کسی ریشم کی مانند مزید الجھتے جارہے تھے۔ انتظار کی گھڑیاں طویل ہوتی جارہی تھیں۔

شاید یہ محبت کی دین تھی یہ وہ لمحے تھے جو نارسائی کا عذاب سہنے کو تھے محبت کی شدت دنوں، مہینوں یا سالوں کی مرہون منت نہیں ہوتی ہے۔ جب محبت کا آکٹوپس جکڑتا ہے تو محض چند لمحوں میں ہی سوچوں کا محور بدل جاتا ہے ساری صلاحیتیں سلب ہوجاتی ہیں اور دھڑکن ایک ہی ذات کی تسبیح میں مصروف ہوجاتی ہے۔ اس نے پہلو بدلا تھا۔ ابھی سوچیں کسی دوسری سمت کا رخ کرنے لگی تھیں کہ

یکلخت ہی اسے اپنی آنکھیں جلتی ہوئی محسوس ہوئیں اور دوسرے پل اندھیروں میں روشنی بھر گئی، وہ کمرہ جونجانے کب سے اندھیرے میں ڈوبا ہوا تھا تیز روشنی میں نہا گیا اور وہ جونجانے کن اذیتوں سے دوچار تھی کتنے ہی پہروں سے اپنے آپ کو ان اندھیروں کی نذر کیے بے جان پڑی تھی اس کی آنکھیں چندھیانے لگیں چند قدموں اور پھر دروازہ بند ہونے کی آواز پر اس نے پلٹ کر دیکھا تھا یکلخت آنکھوں کو رگڑا اور اٹھ کھڑی ہوئی اور اپنی طرف بڑھتے اس شخص کو یک ٹک دیکھتی چلی گئی۔

❀......❀......❀
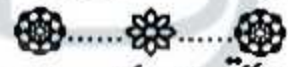
آج بھی وہ نہ آئی تھی، آج بھی وہ ناامیدی کی لپیٹ میں مقید رہا تھا آج بھی اس کی دھڑکن تھم تھم کر چلی تھی آج بھی وہ مایوس واپس پلٹا تھا آج پھر ایک دن انتظار کی شمع جلائے اختتام پذیر ہوا تھا۔ پچھلے تین دن سے وہ مسلسل ایک انجانی الجھن، ایک نہ سمجھ میں آنے والی پریشانی کے حصار میں تھا ایک بے نام سے انتظار کی سولی پر لٹکا ہوا تھا جذبوں سے ناآشنائی عروج پر بھی واپس پلٹ چکا تھا لیکن پھر بھی نظریں بار بار اس کالے گیٹ سے ٹکرا کر واپس آرہی تھیں۔ ان قدموں کی مدھم چاپ سے سلجھے انداز، بڑی بڑی غلافی آنکھوں سے اپنے آپ کو بڑی سی چادر میں مقید وجود سے ارمان صدیقی کو ایک عجیب سی انسیت ہوگئی تھی۔ وہ کون تھی، کہاں سے آتی، کہاں تھی اور پچھلے تین دن سے کیوں نہیں آرہی تھی ارمان صدیقی ان سب باتوں سے قطعی انجان تھا نہ ہی وہ اس کی کھوج میں اس سے متعارف ہونے کی چاہ میں اپنی حدود پھلانگ کر آگے بڑھا تھا۔

''اللہ کرے سب خیر ہی ہو۔'' اپنی زیر لب دعا نما بڑبڑاہٹ پر ارمان صدیقی نے بے اختیار دائیں بائیں دیکھا لیکن کوئی بھی اس کی طرف متوجہ نہ تھا اس نے گہرا سانس لیا اور اپنی راہ کی طرف چل پڑا۔

❀......❀......❀

''فلمی سچویشن کو ریئل لائف میں کنورٹ کرنا چھوڑ دو ارمان صدیقی۔'' ہمیشہ کی طرح اس کا نروٹھا تلخ لہجہ اس کی سماعت سے ٹکرایا تھا۔

''کسی دن دانت تڑوا کر گھر آئے نا تو ساری عمر کی محنت، لاکھوں کی کمائی ہوئی عزت چوراہے پڑ آجائے گی۔''

اس نے نظریں اٹھا کر اسے دیکھا تو اس کی پرسکون مسکراہٹ اس کو زچ کرنے لگی۔

''تم اپنا یہ ڈائیلاگ کب بدلو گی یار۔'' وہ دوبارہ فائل کی طرف متوجہ ہوا۔

''ارمان صدیقی......''

''اور......ارمان صدیقی کہنا کب چھوڑو گی۔'' وہ فائل کا صفحہ پلٹتے ہوئے اس کی طرف دیکھے بنا گویا ہوا۔

''ارمان صدیقی تم اتنے پرسکون نہیں ہو جتنے دکھائی دے رہے ہو؟'' وہ اپنی گہری کالی آنکھوں کو اس پر جمائے اس سے استفسار کرنے لگی تو ارمان صدیقی مسکرایا۔

''میں بہت ہی پرسکون ہوں۔'' ارمان صدیقی نے نظریں اس کی طرف کیں تو پل بھر میں اس کی نظر جھک گئی۔

''ارمان صدیقی۔'' اب وہ جان بوجھ کر اس کو اس طرح پکار رہی تھی۔

''ارمان صدیقی۔'' وہ زیر لب بولا تو وہ کھلکھلا کر ہنسی۔

''چھوڑ دو یہ......سب......!''

''یہ سب......!'' وہ سوالیہ نظروں سے اسے دیکھنے لگا۔

''تمہیں نہیں لگتا تم نے خوامخواہ اپنے آپ کو ایک مسٹری بنایا ہوا ہے۔'' کھوجتی نظروں سے اسے دیکھنے لگی۔

''ہاہاہا۔'' ارمان کھل کر ہنسا۔

''نہیں، یہ صرف تمہاری خوب صورت آنکھوں کا کمال ہے جو مجھے کبھی مسٹری تو کبھی ایک فلرٹی بنا دیتیں ہیں۔'' وہ فائل بند کر کے مکمل طور پر اس کی طرف متوجہ ہوا تو وہ خوامخواہ ہی نروس ہونے لگی۔

''ارمان صدیقی خبردار جو تم نے مجھ سے فلرٹنگ کی تو......میں عروہ صدیقی ان عام لڑکیوں کی طرح نہیں ہوں......جو......!''

''اچھا......اچھا بس اب زیادہ ''انجلی'' بننے کی ضرورت

نہیں۔" وہ اس کی بات کاٹ کر بولا تو عروہ نے ابرو اچکا کر اسے دیکھا۔
"ویسے تم جیلس ہونا کب چھوڑو گی۔" دوسرے پل ارمان دوبارہ فائل کی طرف متوجہ ہوا۔
"جیلس...... میں تمہاری ان چیپ ایکٹویٹیز سے؟" عروہ نے حیرت کا بھرپور مظاہرہ کیا۔
"نہیں......!" اس نے فائل میں کچھ ایکسٹرا پیپرز کو پن اپ کرتے ہوئے سرسری نظر سے اسے دیکھا۔
"لڑکیوں کی مجھ پر فدا ہونے کی اسپیڈ ہے۔" ارمان صدیقی اسی بے نیازی سے بولا۔
"اوئے ارمان صدیقی شکل دیکھو اپنی۔" وہ اس کے سامنے اکڑی ہوئی اور اپنے مخصوص پٹواری انداز میں اس سے مخاطب ہوئی۔
"جیسے تم ٹائم پاس کررہے ہوناں ویسے ہی وہ سب بھی کررہی ہیں اور میں ان سے جیلس نہیں ہوں...... وہم ہے تمہارا۔" ارمان نے نہایت سکون سے اس کے الزام کو برداشت کیا تھا۔
"وہم ہے تمہارا۔" ارمان صدیقی دھیمے لہجے میں بولا تو عروہ ہمیشہ کی طرح اس کے انداز کو پہچان نہ سکی یہ نہ جان پائی کہ ارمان نے اس کے آخری تین لفظوں کی نقل اتاری ہے یا اس کو یقین دلایا ہے کہ وہ ایسا نہیں ہے۔
"ایک کام کرو گی؟" اس سے پہلے کہ وہ مزید الجھتی ارمان کی آواز پر چونکی۔
"اگر یہ کام کسی لڑکی سے دوستی کرکے تمہاری راہ ہموار کرنے کا ہے تو نیور...... بالکل...... بھی نہیں۔ بھول جاؤ کہ میں یعنی کہ میں عروہ صدیقی تمہارا اس طرح کا کوئی بھی کام کروں گی۔" وہ بازو کو لہراتے ہوئے بولی اور بات ختم کرکے بازو فولڈ کرکے رخ موڑے کھڑی ہوئی۔ ارمان نے ایک نظر اس کے انداز کو دیکھا اور گہرا سانس لیا۔
"ایک کپ چائے بنا دو گی؟" اس کے لہجے میں التجا تھی۔
"واٹ......؟" وہ یک لخت پلٹی۔
"ایک کپ چائے بنا دو گی؟" وہ دوبارہ بولا۔
"یہ کام تھا؟" وہ انتہائی حیرت زدہ انداز میں گویا ہوئی۔
"اب تمہارا دماغ اگر زیادہ چلتا ہے تو اس میں میرا کوئی قصور نہیں ہے کام یہی تھا۔"
"ہاؤ بورنگ ارمان صدیقی...... تمہاری تو شکل ہی فضول ہے میری تو حسرت ہی رہے گی کہ تمہارا کوئی چکر چلے اور میں اس کی چشم دید گواہ بنوں۔" وہ بدمزہ ہوئی۔
"چائے کے ساتھ ایک پین کلر بھی پلیز۔" ارمان مسکرا کر اٹھا اور فائل اٹھا کر باہر نکل گیا۔
"ارمان صدیقی، بات کو پلٹ دینا تو تم خوب جانتے ہو...... لیکن میں بھی جانتی ہوں کہ اس وقت تمہیں چائے کی طلب نہیں تھی۔ خیر دیکھ لوں گی تمہیں بھی۔" عروہ نے اس کی قدموں کی چاپ کو دور ہوتے دیکھا اور پھر اس کی بے وقت کی فرمائش پوری کرنے کی خاطر کچن کا رخ کیا۔
"کون ہے وہ؟"
"وہم ہے تمہارا۔" اس کے لہجے کے یقین پر وہ کڑھا تھا۔
"تم جانتے ہو ارمان صدیقی، میری چھٹی حس مجھے کبھی دھوکا نہیں دیتی۔" وہ اس کے فیورٹ بلیک کپ میں چائے ڈالے اس میں شوگر مکس کرتی بنا اس کی طرف دیکھے پراعتماد انداز میں اس سے مخاطب تھی۔
"ضروری نہیں جو تم قیاس کررہی ہو وہی حقیقت ہو۔" وہ اس کی طرف دیکھ کر بولا۔
"بس بس جسٹ ون اسپون۔" یکلخت ارمان بولا تو عروہ کے ہاتھ رک گئے۔
"کیا؟" ہاتھ ساکت اور نظروں میں سوال مچل رہے تھے۔
"شوگر ایک چمچ۔" ارمان اس کی طرف دیکھے بنا بولا۔
"باقی آدھی اسپون کس پروا دی ہے ارمان صدیقی۔" وہ شوگر مکس کرتے ہوئے بظاہر پرجوش انداز میں بولی لیکن ارمان اس کے لہجے میں چھپے طنز سے بخوبی واقف تھا۔

''ضروری نہیں جو تم سوچ رہی ہو وہی حقیقت ہو۔''
ارمان نے دوبارہ وہی لہجہ اپنایا تھا۔
''میں جانتی ہوں ارمان صدیقی، میں جو سوچ رہی ہوں اس میں کوئی حقیقت نہیں ہے۔'' اب عروہ قدرے سنجیدگی سے بولی۔
''میں ایسا نہیں ہوں جیسا تمہاری نظر میں میرا امپریشن ہے۔'' وہ چائے کا کپ پکڑے بولا تو عروہ نے اسے دیکھا اور گہرا سانس لے کر رہ گئی۔
''کوئی بھی امپریشن ایسے نہیں بن جاتا ارمان صدیقی۔'' عروہ کے لہجے میں کوئی اثر تھا ارمان نے متغیر نظروں سے اسے دیکھا۔
''اوہ...... چائے اچھی بنی ہے۔'' وہ سپ لیتے ہوئے بولا۔
''پھیکی چائے اچھی نہیں ہوتی۔'' عروہ نے لاتعلقی کا سا انداز اپنانے کی کوشش کی تو ارمان مسکرانے لگا۔
''لیکن یہ چائے تو پھیکی نہیں ہے۔'' ارمان نے محتاط نظروں سے اس کے انداز کو دیکھا۔
''غالباً تم یہ کہنا چاہ رہے ہو کہ عروہ صدیقی کی 'اچھائی' چائے کے ذائقے میں آ گئی ہے۔'' اسے چھیڑنے کی غرض سے عروہ نے اپنی تعریف کی۔
''غالباً نہیں یقیناً۔'' وہ کھل کر ہنسا۔
''ارمان صدیقی۔'' وہ صرف اتنا ہی کہہ سکی تھی۔
''ہاہاہا۔'' اس نے اس کے ایکسپریشن کو بہت انجوائے کیا تھا۔
''تم پچھتاؤ گے ارمان صدیقی۔'' وہ اسے وارن کر گئی۔
''قطعی نہیں۔'' وہ پر یقین تھا۔
''جانتی ہوں تمہاری مردانہ ایگو، تمہیں پچھتانے بھی نہیں دے گی۔'' ارمان نے اسے دیکھا۔
''عروہ تم جانتی ہو میں ایسا نہیں ہوں۔'' ارمان نے ایک بار پھر اس کے لگائے گئے الزام کو فراخ دلی سے برداشت کیا۔
''جانتی ہوں بہت اچھی طرح سے تمہیں ارمان صدیقی کتابوں کے ساتھ ساتھ عروہ صدیقی نے تمہیں بھی پڑھا ہے تم میرا سب سے مشکل سبجیکٹ ہو ارمان صدیقی جس میں، میں کبھی بھی پاس نہیں ہو سکتی میرے تو کبھی رعایتی نمبرز بھی نہیں آ سکتے۔''
''عروہ جسٹ شٹ اپ اینڈ گو۔'' اس کی برداشت جواب دے گئی اور وہ نہ چاہتے ہوئے بھی تلخی سے بولا۔
''عروہ...... لسن...... عروہ۔'' دوسرے پل وہ وہاں سے بھاگی تو یکلخت ہی اسے اپنے غصے پر جلد بازی پر قہر چڑھنے لگا اور وہ اس کے پیچھے لپکا لیکن عروہ جا چکی تھی اس نے پلٹ کر نہ دیکھا تھا۔

❀......❀......❀

''کیا ہو رہا ہے۔''
''کچھ خاص نہیں آپا میں سوچ رہی ہوں۔''
''ارے واہ، یہ کمال کیسے ہوا؟''
''آپا ہم اکثر اس طرح کے کمالات کرتے رہتے ہیں۔''
اس نے اس کے طنز کا برا منائے بغیر شاہانہ انداز اپنایا۔
''ہاں اندازہ ہے مجھے ویسے سوچا کیا جا رہا ہے۔'' دھیمی مسکراہٹ کے ساتھ وہ پوچھنے لگی۔
''میں سوچ رہی ہوں آپا کہ...... کہ...... یہ محبت کیسے ہو جاتی ہے؟''
''یہ محبت کون سی۔'' وہ محتاط نظروں سے اسے دیکھتی پہلو بدل کر بولی۔
''یہی محبت آپا جو ہوتی ہے جس کے بعد سب کچھ بہت اچھا لگنے لگتا ہے دنیا میں ہر طرف رنگ ہی رنگ نظر آتے ہیں یوں لگتا ہے، ہم قوس و قزاح کی وادیوں میں اتر آئے ہیں۔'' وہ ملٹی کلر دوپٹے کو پھیلائے ہوئے پر جوش انداز میں بولی۔
''ایسی کوئی محبت نہیں ہوتی، جو ہوتا ہے ہمارے خواب ہوتے ہیں اور خوابوں کی دنیا میں رنگ نہ ہوں یہ کیسے ممکن ہے بھلا؟'' بستر پر پھیلے کپڑوں کے ڈھیر کو سائیڈ پر کر کے بیٹھتے ہوئے وہ اپنے مخصوص سحر انگیز انداز میں بولی۔
''آپا، اب کم از کم تم تو ایسے نہ کہو نا۔'' وہ بدمزہ ہوئی۔

''کیوں میں کیوں نہ کہوں ایسے۔'' وہ دوپٹے پر لگی سفید موتیوں والی لیس کو چھوتے ہوئے نظریں جھکائے ہوئے بولی۔

''تم تو محبت کے ذائقے سے آشنا ہونا آپا تم تو ایسے نہ کہو ناں۔''

''محبت کا ذائقہ، ضروری نہیں کہ ہمیشہ من پسند ہی ہو، محبت کا بسیرا قوس قزاح کی وادیوں میں ہو یہ بھی ضروری نہیں ہے۔ محبت لمحوں کا نہیں صدیوں کا کھیل ہے بعض دفعہ محبت کو تلاشتے تلاشتے انگلیاں فگار اور پاؤں آبلہ ہو جاتے ہیں عمریں بیت جاتی ہیں محبت کی تکمیل کا سفر آسان نہیں ہوتا بہت کچھ قربان کرنا پڑتا ہے بہت کچھ چھوڑنا پڑتا ہے محبت تک رسائی یوں چٹکیوں میں ممکن نہیں ہو پاتی ہے۔'' وہ آنکھوں کی نمی کو پیچھے دھکیلتے ہوئے بمشکل نارمل انداز میں بول پائی تھی۔

''آپا......'' وہ اس کے یخ بستہ ہاتھ پر اپنے ہاتھ رکھتے ہوئے اتنا ہی کہہ پائی۔

''محبت کا سفر اگر آسان ہوتا ناں تو ہر کوئی اسی راہ پر چلتا، دنیا میں دھوکہ ختم ہو چکا ہوتا۔'' وہ اس کا ہاتھ سہلاتے ہوئے بولی۔

''آپا تم بھی ناں۔''

''بہت فضول ہو۔'' اس نے ہنستے ہوئے اس کا فقرہ مکمل کیا۔

''نہیں آپا تم تو بیسٹ ہو۔'' وہ اس کے گلے میں بانہیں ڈال کر بولی تو وہ پھر ہنسنے لگی۔

''میں بیسٹ ہوں نئی اطلاع ہے میرے لیے۔'' وہ اس کے ہاتھوں کو پکڑے خوش دلی سے اس کو چھیڑنے لگی۔

''آپا میں سوچ رہی تھی کہ تانی کو جوراج سے پیار ہوا وہ ٹھیک تھا یا صوری نے جو تانی کے ساتھ کیا وہ ٹھیک تھا۔'' اس کی بات کو نظر انداز کرتی ہوئی وہ پھر سے محبت کو زیر بحث لے آئی تھی۔

''یہ کیا کر رہی ہو۔'' پھیلے ہوئے دوپٹے میں کپڑوں کا ڈھیر لگائے ہوئے دوپٹے کے سروں کو گز لگائے اس کو دیکھ کر متعجب انداز میں وہ اس سے مخاطب تھی انداز سراسر اس موضوع سے اجتناب کا سا تھا۔

''کچھ نہیں کپڑے پریس کرنے تھے اب تم آگئی ہو ناں تو بعد میں کرلوں گی۔''

''تو میں کون سا ماؤنٹ ایورسٹ سے ہو کر آئی ہوں جو اب تم نے وہ روداد سنانی ہے اور کام نہیں کرنا، امی کا پتا ہے نا؟'' انداز سراسر اس کو ڈرانے والا تھا۔

''ہاں پتا ہے، دو تین چانٹے اور تھوڑی سی ڈانٹ، اس کے علاوہ امی کو آتا ہی کیا ہے؟'' وہ مسخرانہ انداز میں بولتی اس کو حیران کر گئی بے پروا انداز میں ڈر کا شائبہ تک نہ تھا۔

''اچھا میں یہ اسٹور روم میں رکھ کر آتی ہوں پھر ڈسکس کرتے ہیں۔''

''یار تم مجھے ڈانٹ کھلانے پر کیوں تلی ہو، امی پہلے ہی کہتی ہیں تم میری وجہ سے کام نہیں کرتی ہو ر کھو ادھر ہی یہ کچھ دیر تک کر لینا۔'' وہ بولی تو اس کے قدم رک گئے۔

''ارے آپا تم ایویں ڈر رہی ہو، امی کوئی ہٹلر نہیں جو تمہیں گولی سے اڑا دیں گی اور ویسے بھی بدنام ہوئے تو کیا نام نہ ہوگا؟'' وہ ہنستے ہوئے شرارت سے بولی۔

''ایسے نام کا کیا فائدہ جس کے پہلے بد ہو۔''

''اف آپا یار سوچا کم کرو نا۔'' اس کی سنجیدگی پر وہ بے فکری سے بولی تو وہ گہرا سانس لے کر رہ گئی۔

''آپا پیار تو ایک بار ہی ہوتا ہے ناں اور تانی نے بھی کہا تھا کہ اس کو اب پیار نہیں ہوگا پھر اس کو دوبارہ کیوں ہوا؟'' وہ پرسوچ نظروں سے اسے دیکھ کر پھر گویا ہوئی۔

''کیا پتا اب یہ تو تمہاری تانی جی جانتی ہے ناں وہی بتا سکتی ہے۔'' اس کا رویہ ٹالنے والا تھا۔

''مذاق نہیں آپا، آئی ایم سیریس، تانی نے مجھے کنفیوژ کر دیا ہے۔'' وہ منہ بسورے بولی۔

''میرا پیار پر جو یقین تھا جو امیج میں نے پیار کا بنایا تھا وہ ڈانوڈول ہو رہا ہے آپا۔'' وہ رونی صورت کے ساتھ اس کی طرف دیکھ کر بولی۔

''یہ سب تو ظلم ہے ناں اب فیک دنیا کے لیے صرف

فلم کی چند سینز کی وجہ سے اپنا ایمان کیا ڈگمگانا۔ فلمی دنیا میں اور اصل دنیا میں بہت فرق ہوتا ہے اسی لیے اپنے دماغ کو نہ تھکاؤ۔"

"تم سے تو کوئی ٹاپک ڈسکس کرنا ہی فضول ہے۔ تم اپنی ہی تھیوری بیچ میں لے آتی ہو۔" وہ تپ کر بولی تو اس نے لب بھینچ لیے۔

"اچھا چھوڑو یہ بتاؤ کوئی خبر آئی کیا؟" وہ رازداری سے پوچھنے لگی تو اس کے چہرے پر ایک سایہ لہرایا۔

"نہیں، اچھا میں امی کے پاس ہوں آجاؤ ادھر ہی بھوک لگ رہی ہے مجھے تو کچھ کھانے کے لیے پکانا ہے۔" مختصر جواب کے بعد وہ بنا اس کا جواب سنے اٹھ گئی اور باہر کی طرف قدم بڑھا دیے جبکہ ابھی باتیں باقی تھیں لیکن ہمیشہ کی طرح اس نے ساری بحث کو پل بھر میں سمیٹا اور وہاں سے بھاگ گئی تھی۔

❀......❀......❀

وقتاً فوقتاً زیرلب آتی دعاؤں اور طویل انتظار کے بعد تقریباً دو ہفتوں کے بعد وہ اسے نظر آئی تھی۔ اس نے ان آنکھوں کا دیدار کیا تھا۔ اس کی چال، ٹھہرا ٹھہرا سا انداز دور سے ہی لاکھوں میں بھی وہ اس کو پہچان سکتا تھا آج وہ تنہا بھی تھی، تو نجانے کیوں ارمان صدیقی کے قدم اس کی طرف بڑھنے لگے حالانکہ وہ ہمیشہ بہت محتاط رہا تھا لیکن اس پل وہ اپنے قدموں پر کوئی اختیار نہ رکھ پایا اور ہپناٹائزنگ انداز میں نظریں اس پر جمائے وہ آگے بڑھتا رہا تھا۔

"اف مرگئی۔" یکلخت اسی سمت سے آتی نسوانی آواز نے اس کے قدم روک دیے تھے وہ دائیں بائیں نظریں دوڑا رہی تھی۔ دوسرے لمحے ایک لڑکا جو بمشکل دس بارہ سال کا ہوگا اس کی سمت بڑھا۔

"آئی ایم رئیلی سوری مس، غلطی سے یہ بال آپ کی طرف آگئی تھی۔ آپ کو لگی تو نہیں نا۔" وہ تین چار فٹ کے فاصلے پر پڑی بال کو اٹھاتے ہوئے بولا تھا تو وہ جو اپنی کلائی کی ٹوٹی چوڑیوں کو دیکھ رہی تھی اس کی طرف دیکھا اور اپنے عبایا کے بازو کو جھاڑ کر چوڑیوں کے ٹکڑے نیچے پھینک دیے۔

"کوئی بات نہیں میں ٹھیک ہوں لیکن نیکسٹ ٹائم احتیاط سے کھیلنا۔" وہ اس کا چہرہ نہیں دیکھ سکتا تھا لیکن آنکھوں میں چمکتی قندیلوں سے اندازہ لگایا تھا کہ وہ مسکرائی ہے اور پھر یکلخت اس نے قدم بڑھائے اور ارمان صدیقی دوبارہ قدم بڑھانے کی ہمت نہ کرسکا بس خاموشی سے کھڑا اس کو جاتا دیکھتا رہا اور دور ہوتے ہوتے بالآخر وہ نظروں سے اوجھل ہوگئی تو ارمان نے گہرا سانس لیا اور قدم بڑھائے دوسرے پل وہ اس جگہ تھا جہاں اس کی چوڑیوں کے ٹکڑے پڑے تھے اس نے چاروں طرف نگاہیں دوڑائیں اور گھٹنوں کے بل نیچے بیٹھ گیا اور ان ٹکڑوں کو اٹھانے لگا۔ دو ٹکڑے پیلی کانچ کی چوڑی کے اور ایک ریڈ چوڑی کے جو ثابت کررہے تھے کہ بال لگنے سے اس کی صرف دو چوڑیاں ہی ٹوٹی ہیں۔ اس نے وہ اٹھائیں اور جینز کی پاکٹ میں سے ٹشو پیپر نکالنے لگا تو ہزار کا نوٹ بھی ٹشو پیپر کے ساتھ برآمد ہوا تو مدہم مسکراہٹ کے ساتھ ٹشو پیپر واپس پاکٹ میں ڈالا اور ہزار روپے کے نوٹ میں ان ٹکڑوں کو سمیٹ لیا اور پاکٹ میں ڈال کر اٹھ کر کھڑا ہوا ایک نظر پھر ان راستوں کو دیکھا جہاں سے وہ گزر کر گئی تھی اور واپس پلٹ کر ایک بار پھر اپنی راہ چل پڑا۔

❀......❀......❀
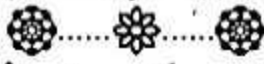
"تم یہاں؟" وہ اپنے کمرے میں داخل ہوا تو پہلی نظر ہی اس پر پڑی تھی جو کونے میں رکھی چیئر پر بیٹھی نجانے کن سوچوں میں گم تھی۔

"کیوں، میں یہاں نہیں آسکتی کیا؟ یہاں کوئی ایسا بورڈ نہیں لگا جس پر لکھا ہو "یہاں آنا منع ہے۔" عام دنوں کی نسبت اس وقت وہ قدرے نارمل لہجے میں بولی لیکن اس کے انداز میں کوئی ایسا تاثر ضرور تھا کہ ارمان صدیقی نے لب بھینچ لیے دوسرے لمحے وہ اس کے سامنے کھڑی تھی تو ارمان صدیقی نے گہرا سانس لے کر نظریں پھیر لیں اور یہی وہ لمحہ ہوتا ہے جب عروہ صدیقی کے اندر کچھ ٹوٹنے بکھرنے لگتا ہے۔ جس اذیت سے وہ ان لمحوں کا عذاب سہتی ضبط کی جن سرحدوں کو چھوتی صرف وہی جانتی تھی۔

"یہ کیا ہے ارمان صدیقی؟" وہ ایک بار پھر اس کے سامنے آئی تھی ارمان کی نظریں اس کے ہاتھ میں پکڑے پیپر پر پڑیں تو وہیں جم گئیں۔

"یہ...... یہ...... تمہارے پاس کہاں سے آیا ہے؟" ارمان صدیقی کی حیرت سوا نیزے پر تھی۔

"کیوں تم یہ چھپانا چاہ رہے تھے۔" وہ استہزائیہ انداز میں مسکرا کر پوچھنے لگی۔

"نہیں میں چھپانا نہیں چاہ رہا تھا لیکن صحیح وقت پر تمہیں ضرور بتاتا۔" وہ پیپر اس کے ہاتھ سے لینے لگا تو یکلخت ہی اس نے ہاتھ پیچھے کرلیا۔

"عروہ۔" وہ فقط اتنا ہی کہہ سکا تھا۔

"تمہارے پاس کیسے آیا یہ؟" وہ دونوں بازو باندھتے ہوئے نظریں اس پر جمائے کھڑا تھا۔

"تایا ابا نے دیا تھا کہ تمہیں دے دوں۔" وہ بے پروائی سے بولی۔

"تو دو۔" وہ ایک ہاتھ جینز کی پاکٹ میں ڈالتا دوسرا اس کے سامنے پھیلائے ہوئے بولا۔

"نہ دوں تو۔" وہ شرارت پر آمادہ نظر آئی تو ارمان صدیقی نے پھیلا ہاتھ پیچھے کرلیا۔

"عروہ تم جانتی ہو میں اپنے فیصلے نہیں بدلتا تمہاری یہ شرارت سراسر بے وقوفی ہے۔" وہ قدرے سنجیدگی سے گویا ہوا تو عروہ کے چہرے پر پل بھر میں ایک سایہ سا لہرا گیا۔

"نہ بدلو فیصلہ ارمان صدیقی لیکن جن فیصلوں سے کسی دوسرے کو تکلیف پہنچتی ہو تاں ان پر نظر ثانی ضرور کرنی چاہیے۔" وہ سنجیدگی سے بولی۔

"یہ دینا ہے کہ نہیں۔" اس کی بات کو اس کی التجائیہ لہجے کو مکمل طور پر نظر انداز کرتے ہوئے وہ بولا۔

"یہ لو۔" دوسرے پل وہ پیپر اس کو دے دیا اور قدم باہر بڑھا دیے۔

"عروہ میرا جانا ضروری ہے۔" اس نے نظریں پیپر پر جمائیں اور اس سے مخاطب ہوا، جانتا تھا کہ وہ آگے نہیں بڑھ سکے گی۔

"تو جاؤ میں نے کب روکا ہے۔" وہ رکی ضرور تھی لیکن پلٹ کر دیکھا نہ تھا۔

"تم جانتی ہو عروہ، وہاں کسی کو میری ضرورت ہے۔"

"اور یہاں...... یہاں تمہاری ضرورت نہیں ہے کیا؟" اب کے عروہ نے اس کو دیکھا تھا۔

"تم جانتی ہو میں پھوپو جانی کو زیادہ ٹائم کے لیے اکیلا نہیں چھوڑ سکتا۔" اس نے سرسری نظروں سے اسے دیکھا اور پھر پیپر پر متوجہ ہوا۔

"وہ اکیلی نہیں ہیں ارمان صدیقی ان کے ساتھ بہت سے لوگ ہیں ان کے ساتھ وہ شخص ہے جو ان کے لیے سب سے زیادہ ضروری ہے اور اہم تھا۔" عروہ چلتی ہوئی ایک بار پھر اس کے سامنے آ کھڑی ہوئی تو ارمان نے سر اٹھا کر اسے دیکھا۔

"لوگوں کا ہجوم بعض دفعہ نا کافی ہوتا ہے ہمارے ساتھ رہتے ہمارے بہت اپنے بھی ہمارے اس اکیلے پن کو دور نہیں کرسکتے جو ہمارے اندر صدیوں سے ہوتا ہے۔" ارمان نے پیپر فولڈ کرتے ہوئے قدرے سنجیدگی سے اس کو دیکھتے ہوئے اپنا فیصلہ سنایا تو عروہ نے لب بھینچ کر اپنے آپ کو مزید کچھ بھی کہنے سے باز رکھا۔

"اگلے ہفتے پیر والے دن کی فلائٹ ہے میری شام چار بجے کی۔" ارمان صدیقی نے اس کے چہرے پر نظریں جمائے اس کو اطلاع دی تھی۔

"جانتی ہوں تمہاری فلائٹ کا یہ کنفرمیشن لیٹر پڑھ چکی ہوں۔" وہ سپاٹ انداز میں اس کی طرف دیکھے بنا بولی تھی۔

"اچھا۔"

"یہ اچھا نہیں ہے ارمان صدیقی تم محض یہاں سے بھاگنے کے لیے پھوپو جانی کی تنہائی کا یہ لولا، لنگڑا سا عذر پیش کررہے ہو۔" دوسرے پل وہ پھر اسی تیزی سے بولی جو اس کی شخصیت کا حصہ تھی۔

"عروہ تم جانتی ہو، برسوں سے میری یہی روٹین ہے مجھے یوکے جانا ہوتا ہے اور تم یہ بھی جانتی ہو کہ......!"

"کیا تم سب کچھ جانتے ہو؟" اس کی بات کاٹ کر وہ

اس پر نظریں جمائے بولی۔
"عروہ جو کچھ میں جانتا ہوں تم بھی وہ اچھی طرح جانتی ہو تو اپنے لیے مزید مشکلیں نہ پیدا کرو۔" وہ اس کو سمجھانے لگا۔
"تم نہیں سمجھ سکتے ارمان صدیقی۔" وہ رخ موڑے بے بسی سے گویا ہوئی تھی۔
"تم سے زیادہ یہ سب سمجھ سکتا ہوں، لیکن کچھ معاملات میں، میں مجبور ہوں۔" ارمان بیڈ پر جا بیٹھا۔
"اور وہ کچھ معاملات صرف میرا معاملہ ہے ناں؟" یکلخت وہ پلٹی۔
"تم اس دفعہ یہاں سے میری وجہ سے جانا چاہ رہے ہو ناں؟" عروہ نے اس کی آنکھوں میں دیکھ کر سوال کیا۔
"تمہاری وجہ سے نہیں تمہارے لیے۔" اس نے جھوٹ بولنا یا کسی قسم کا عذر تراشنا مناسب نہ سمجھا اور حقیقت بیان کردی۔
"واہ ارمان صدیقی واہ۔" طنز سے بھرپور انداز میں عروہ نے تالی بجائی۔
"شٹ اپ عروہ خوامخواہ سین کری ایٹ کرنے کی ضرورت نہیں ہے۔" وہ قدرے ناگواری سے بولا۔
"جاؤں یہاں سے۔" دوسرے پل وہ اٹھ کھڑا ہوا تھا اس کے کہتے ہی وہ پلٹ گئی۔
"سنو۔" وہ چند قدم بڑھا پائی تھی کہ اس کی آواز پر رک گئی۔
"تم میرے لیے بہت قیمتی ہو۔"
"ہاں جانتی ہوں۔" اسے اپنی آواز کیسی گہری کھائی سے آتی محسوس ہوئی۔
"حیدر علی شاہ کے لیے کوئی پیغام دینا چاہو گی؟" وہ چلتا اس کے سامنے آیا اور مسکراتے لہجے میں اس سے پوچھنے لگا۔
"ہاں اسے کہنا کہ پاکستان آئے اور امیر مرتضیٰ کو قتل کردے۔" وہ انتہائی تلخی سے بولی۔
"ہاہاہا اور تمہیں لے کر فرار ہوجائے۔" وہ بولا تو عروہ نے ڈبڈبائی نظروں سے اسے دیکھا اور مزید کچھ بھی کہے بنا وہاں سے باہر نکل گئی اور ارمان صدیقی چاہ کر بھی اس کا رستہ نہ روک سکا۔

❁......❁......❁
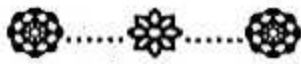
"سنو رافعہ کیا کررہی ہو؟" وہ کمرے میں داخل ہوئی تو وہ اپنے سامنے کتابوں کا ڈھیر لگائے ہوئے بیٹھی تھی ایک کتاب پر کافی کا بڑا سا مگ رکھا تھا جس میں سے اڑتا ہوا دھواں اس بات کا ثبوت تھا کہ کافی انتہائی گرم ہے۔
"کچھ نہیں آپا بس کچھ نوٹس بنانے تھے لائبریری سے بکس ایشو کرائی تھیں ناں تو اب ان سب کتابوں کے رخصت ہونے کا ٹائم آ گیا ہے تو میں نے سوچا جلدی سے نوٹس بنالوں۔" وہ اپنے مخصوص چلبلے انداز میں تفصیل سے جواب دینے لگی تو وہ ہنسنے لگی۔
"ہائے آپا تم ہنستی ہوئی کتنی پیاری لگتی ہو ناں، کاش کہ میں۔"
"بس......بس اب کوئی فضول گوئی نہیں مجھے تم سے ضروری بات کرنی تھی۔" وہ اس کو ڈپٹتے ہوئے اپنے مخصوص مدھم انداز میں بولی۔
"ضروری بات اور مجھ سے ہائے میں مرجاؤں، یہ رافعہ شیرازی اتنی میچور کب سے ہوگئی کہ خوش بخت شیرازی اس سے ضروری بات کرنے کے لیے بذات خود تشریف لائی ہیں۔" وہ سنجیدگی سے مبرا اپنے ہی حال میں مست اس کو چھیڑنے لگی تھی۔
"رافعہ پلیز۔" وہ ہاتھ مروڑتے ہوئے اس کے ساتھ بیٹھ گئی۔
"رکو......رکو......رکو۔" رافعہ کے انداز نے اس کو چونکا دیا۔
"اگر یہ گر جاتی ناں تو میری ساری محنت تو ضائع جاتی ہی ساتھ خوامخواہ کی جیب بھی ہلکی ہوجاتی۔" وہ کافی کا مگ اٹھا کر سائیڈ ٹیبل پر رکھتے ہوئے اس کو کہنے لگی۔
"غلطی تو تمہاری بھی ہے نا رافعہ، یوں اس طرح بے پروائی برتو گی تو پھر "چونا" لگنے کا ڈر تو لگا رہے گا ناں۔" وہ اس کے برابر بیٹھتے ہوئے اپنے مخصوص سنجیدہ انداز میں

بولی تو کتاب کو سائیڈ پر رکھتی رافعہ نے پلٹ کر اس کے گمبھیر انداز کو دیکھا۔

''یار ایک تو تمہارا یہ انداز ناں۔'' رافعہ نے گہری نظروں سے اسے دیکھا جو نظریں جھکائے بیٹھی اپنی ہتھیلیوں کو نہایت انہماک سے دیکھ رہی تھی۔

''ہاتھوں کی لکیروں میں قسمت کی کہانیاں نہیں رقم ہوتی ہیں بہنا، یہ معاملہ کہیں اور ہی طے پاتا ہے اس کا فیصلہ کسی اور کے ہی اختیار میں ہوتا ہے۔'' رافعہ نے کافی کا مگ اٹھاتے ہوئے کہا تھا۔

''جانتی ہو رافعہ جب ہماری خواہشات میں ہماری نیک نیتی شامل ہو جاتی ہے اور ہم اس خواہش کو پانے کے لیے وہی راستہ اختیار کرتے ہیں جو اللہ تعالیٰ کو پسند ہے تو ہماری خواہش ہماری قسمت بن جاتی ہے کیونکہ ہم نے اللہ کو ناراض نہیں کیا ہوتا ہے۔'' خوش بخت مدھم آواز میں بولی تو رافعہ نے دیکھا اس کی آنکھوں میں عجیب چمک اور چہرے پر پھیلی آسودہ مسکراہٹ خوش بخت کی زندگی میں کسی خوشگوار لمحے کی آمد کا اشارہ دے رہی تھی۔

''کیا مطلب؟'' رافعہ کافی کا سپ لیتے ہوئے متعجب انداز میں اس سے استفسار کرنے لگی۔

''مطلب کا تو معلوم مجھے۔'' خوش بخت نظریں جھکائے ہوئے بولی۔

''بلال کاظمی کا میسج آیا تھا اور وہ بتا رہا تھا کہ وہ مصروف رہا ہے جس وجہ سے رابطہ نہیں کر سکا۔'' خوش بخت رک رک کر رافعہ کو بتا رہی تھی اور رافعہ کافی کا مگ ہونٹوں سے لگائے نظریں اس کی جھکی آنکھوں پر جمائے اس کو سن رہی تھی۔

''اس کی امی کی طبیعت خراب تھی اور بلال کو پیسوں کا انتظام کرنا تھا۔'' خوش بخت مزید گویا ہوئی تو رافعہ نے گہرا سانس لیا۔

''تمہیں اس کی ان باتوں پر یقین ہے؟'' وہ خاموش ہوئی تو رافعہ نے انتہائی سنجیدگی سے اس سے سوال کیا۔

''مجھے نہیں پتا۔'' رافعہ نے گہری نظروں سے اسے دیکھا۔

''اعتبار کے ترازو میں کوئی تیسرا پلڑا نہیں ہوتا یقین ہے یا نہیں، بس یہی آپشن ہوتے ہیں اور ہمیں ہاں یا نا میں سے کسی ایک کا انتخاب کرنا پڑتا ہے۔'' رافعہ یوں تو خوش بخت سے عمر میں چھوٹی تھی لیکن لوگوں کو پہچاننے کے معاملے میں اس کی سمجھ خوش بخت سے کئی گنا زیادہ تھی۔

''اس نے کہا ہے وہ شادی کرنا چاہتا ہے۔'' خوش بخت ہاتھوں کو مروڑتے ہوئے بولی۔

''تمہیں اس پر اعتبار ہے؟'' رافعہ جانتی تھی کہ خوش بخت کو اس پر اعتبار ہے وہ اس کے چہرے اور آنکھوں میں اعتبار کے رنگ دیکھ چکی تھی لیکن اس کے سامنے اقرار کرنے سے خوش بخت ڈرتی تھی۔

''اگر صرف دل کی سنتی ہوں ناں ہاں مجھے بلال پر اعتبار ہے لیکن جب دل کے ساتھ ساتھ دماغ کی بھی سنوں تو نجانے کیوں ایک عجیب سا ڈر اندر کہیں بہت دور محسوس ہوتا ہے۔'' خوش بخت نے اپنی متزلزل سوچوں کو رافعہ کے سامنے بیان کیا تو رافعہ سے پر سوچ نظروں سے اسے دیکھا تو نجانے کیوں اسے آج بھی اپنی اس پاگل سی بہن پر بے تحاشہ پیار آیا۔

''ٹھیک ہے تم پریشان نہ ہو، بلال سے کہو کہ اپنے والدین کو بھیجے میں امی اور بابا سے بات کرنے کی کوشش کرتی ہوں لیکن تم اب اس سے زیادہ رابطہ نہ رکھنا جب تک وہ فیملی کو نہیں بھیجتا۔'' رافعہ اس کے ہاتھ پر اپنا ہاتھ رکھتے ہوئے اس کو تسلی دینے لگی تو خوش بخت نے اثبات میں سر ہلایا اور پھر چند ادھر ادھر کی باتوں کے بعد وہ اٹھ کر اپنے کمرے میں چلی گئی جبکہ اس کے جاتے ہی رافعہ کی سوچیں پھر سے بھٹکنے لگی۔

❁.......❁.......❁

''ارمان صدیقی۔'' وہ اپنے کمرے میں کھڑا اپنی شرٹس نکال کر بیڈ پر رکھ رہا تھا اور بیگ میں سے دوسری ضرورت کی چیزیں جھانک رہی تھیں جو یقیناً پیکنگ کی تیاریاں تھیں۔

''ہوں...... کیا ہوا؟'' ایک سرسری نظر اس پر ڈال کر وہ دوبارہ اپنے کام میں مصروف ہو گیا۔

’’تم واقعی جا رہے ہو۔‘‘ کمرے میں بکھری چیزوں پر طائرانہ نظر ڈالتے ہوئے وہ متفکرانہ لہجے میں اس سے استفسار کرنے لگی تھی۔

’’تم جانتی ہو مجھے جانا ہے۔‘‘ شرٹس کو ہینگر سے اتار کر فولڈ کرتا ہوا وہ بنا اس کی طرف دیکھے بولا تھا۔

’’واپس کب آؤ گے؟‘‘ وہ اس کے سوٹ کیس کو دیکھتے ہوئے بھرائی آواز میں بولی۔

’’جلدی یا شاید سالوں بعد۔‘‘ وہ بے پروائی سے بولا تو اس کے اندر آندھیاں چلنے لگی۔

’’تمہیں بھی تو وہاں ہی آنا ہے ناں۔‘‘ ارمان کے انداز میں ہلکی سی شوخی تھی۔

’’کس حوالے سے؟‘‘ نجانے کیوں وہ سوال کر بیٹھی تو ارمان نے حیرت سے اسے دیکھا۔

’’حوالہ تو ایک ہی ہے اور بہت مضبوط بھی بشرطیکہ تم حقیقت کو تسلیم کرو۔‘‘ ارمان سائیڈ ٹیبل کی دراز سے اپنی چیزیں نکال کر سوٹ کیس کی پاکٹ میں ڈال کر اسے دیکھتے ہوئے بولا تو عروہ لب بھینچ کر رہ گئی۔

’’اور تم ارمان صدیقی تم جانتے ہو کہ بابا جان کیا سوچے بیٹھے ہیں۔‘‘ عروہ کی نظریں جھکی ہوئی تھیں شاید وہ اب اپنے بھرم پر ضبط کے بند باندھنے کی کوشش میں تھی۔

’’دیکھو عروہ بابا جان کو ہینڈل کرنا میرا کام ہے تم راضی ہو تو۔‘‘ ارمان نے سوالیہ نظروں سے اسے دیکھا۔

’’نہیں، بابا جان سے اگر کسی نے بات کی تو وہ صرف اور صرف حیدر علی شاہ ہوگا۔‘‘ عروہ ایک بار پھر ضدی لہجے میں اپنا فیصلہ سنانے لگی۔

’’اور تم جانتی ہو کہ حیدر علی شاہ ایسا نہیں کرسکتا۔‘‘ ارمان، حیدر کا دفاع کرتے ہوئے بولا۔

’’اگر وہ ایسا نہیں کرسکتا تو بابا جان جو کرنا چاہتے ہیں وہی ہوگا۔‘‘

’’تم جانتی ہو حیدر کی پوزیشن کو پھر بھی یہ ضد؟‘‘ ارمان اس وقت سو فیصد حیدر کی طرف داری کررہا تھا۔

’’ارمان صدیقی تم آج ایک بات طے کرو؟‘‘ اس کی طرف دیکھتے عروہ انتہائی ترش لہجے میں اس سے مخاطب تھی۔

’’میں جب بھی بولا ہوں تمہارے حق میں تمہارے فائدے کے لیے بولا ہوں عروہ صدیقی۔ اس کے لہجے سے جھانکتے تیز نشتر کو نظر انداز کرتے ارمان اس کے ان کہے سوال کا جواب دینے لگا تو عروہ چونک گئی۔

’’اور اب تمہارے لیے بہتر یہی ہے کہ تم باتوں کو طے کرو، نہ کہ دوسروں کو اس کی تلقین کرو۔‘‘ اس کے غصیلے انداز پر عروہ کی آنکھیں میں نمکین پانی تیرنے لگا۔

’’دیکھو عروہ حیدر کی پوزیشن کا تمہیں اچھی طرح اندازہ ہے اور اس کے جذبوں سے بھی تم بخوبی واقف ہو تم یہ نکمی ضد کر کے اپنے ساتھ ساتھ ہم سب کے لیے بھی مشکل پیدا کرو گی۔‘‘ اب کے ارمان رسانیت سے اس کو سمجھانے لگا تھا۔ تو عروہ نے اسے دیکھا۔

’’حیدر بہت اچھا ہے۔‘‘

’’اور تم اچھے نہیں ہو۔‘‘ وہ ڈبڈبائی آواز میں بولی۔

’’نہیں میں اچھا نہیں ہوں کم از کم تمہارے معاملے میں قطعی نہیں۔‘‘ وہ دو ٹوک انداز میں بولا تو عروہ لب بھینچ کر رہ گئی۔

’’میں نے ہمیشہ تمہیں حیدر کے حوالے سے دیکھا جائے ہماری دوستی میں کوئی تلخی نہیں آنی چاہیے۔‘‘ ارمان پھر گویا ہوا۔

’’او کے...... نہیں آئے گی آئی ایم سوری۔‘‘ وہ اپنی آنکھوں کو رگڑتے ہوئے مسکرا کر بولی۔

’’گڈ گرل اور اب تم مجھے اس بات کی بھی اجازت دو کہ میں جب یو کے جاؤں اور حیدر کی ہمت بندھاؤں، اس کو اس بات پر راضی کروں کہ بابا جان سے بات کرو اور......!‘‘

’’نہیں میں تمہاری بات مان رہی ہوں، لیکن تم بھی میری بات مانو گے۔‘‘ عروہ اس کی بات کاٹ کر تحکم بھرے انداز میں اس سے مخاطب ہوئی تو ارمان نے استعجابیہ نظروں سے اسے دیکھا۔

''کیا مطلب کون سی بات؟'' ارمان اس کی طرف دیکھ کراس سے دریافت کرنے لگا۔
''تم حیدر علی شاہ سے میرے حوالے سے کوئی بات نہیں کرو گے۔''
''لیکن عروہ......وہ!''
''اگر تم چاہتے ہو کہ میں خوش رہوں میں حیدر علی شاہ کی اپنے لیے فیلنگز کو پہچاننے لگوں تو تمہیں میری یہ بات ماننی پڑے گی۔'' وہ ضدی لہجے میں بولی۔
''دس از ناٹ فیئر عروہ، تم جانتی ہو حیدر کو کسی کی ضرورت ہے جو اس کو حوصلہ دے سکے۔'' ارمان روہانسی انداز میں اس سے مخاطب تھا۔
''تو وہ کسی عروہ صدیقی ہو سکتی ہے نا؟'' عروہ مسکراتے ہوئے شرارتی انداز میں اس سے مخاطب ہوئی تو ارمان نے اس کے انداز پر چونک کر اسے دیکھا۔
''ریئلی، آر یو سریس۔ تم حیدر کو خود سپورٹ کرو گی۔'' ارمان کے ہر ایک لفظ میں بے یقینی واضح تھی تو عروہ کھلکھلا کر ہنسی۔
''حیدر علی شاہ ڈرپوک انسان...... بزدل جو خود تو سات سمندر پار جا کر چھپ گیا اور تمہیں اپنا وکیل بنا کر میرے سر پر مسلط کر دیا۔ یا شاید تمہیں ہی شوق ہے خوامخواہ اس کی وکالت کا۔'' عروہ لاابالی مگر کڑواہٹ بھرے لہجے میں حیدر علی شاہ کے لیے صلواتیں سنانے لگی تو ارمان نے قہر آلود نظروں سے اسے دیکھا۔
''عروہ بے وقوفی کی باتیں صرف مذاق کی حد تک ہی اچھی لگتی ہیں اور قابل برداشت بھی تبھی رہتی ہیں جب حدیں پار نہ ہوں۔'' ارمان نے سپاٹ لہجے میں کہا۔
''اونہہ۔'' عروہ ایک نظر اسے دیکھ کر منہ پھیر گئی۔
''میں نے تمہاری ہر بے وقوفی برداشت کی ہے ہر الزام کو خاموشی سے سہا ہے جانتی ہو کیوں؟'' ارمان مضبوط انداز میں اس کی طرف دیکھ کر کہنے لگا۔
''میں جانتا ہوں کہ تم سب جانتی ہو لیکن سمجھتی نہیں ہو کہ......!''

''تم یہی چاہتے ہو ناں کہ میں تمہیں تنگ نہ کروں اور حیدر علی شاہ کو سپورٹ کروں؟'' عروہ ان الزامات پر تلملا اٹھی تھی ارمان نے ابرو اچکا کر اس کے آتش فشاں انداز کو دیکھا۔
''میں تمہیں تنگ نہیں کروں گی یہ وعدہ ہے لیکن......لیکن۔'' وہ دوٹوک انداز میں اس سے مخاطب تھی ارمان نے متعجب نظروں سے اسے دیکھا۔
''حیدر علی شاہ کے معاملے میں میں کمپرومائز نہیں کر سکتی، اس کو خود بڑھنے دو ارمان اس میں خود ہمت آنے دو کہ وہ میرے لیے لڑے اتنا تو فیور کر سکتے ہو اپنی اس بے وقوف نا سمجھ دوست کے لیے؟'' سنجیدگی سے کہتے کہتے اس نے طنزیہ لہجہ اپنایا تو ارمان نے بمشکل اپنی مسکراہٹ روکی۔
''میں......!''
''پلیز ارمان اب پھر سے اس کا دفاع نہ کرنا۔'' وہ روہانسی انداز میں اس کی بات پوری ہونے سے پہلے ہی بولی۔
''میں نے ہمیشہ تمہارا دفاع کیا ہے اوکے میں اب حیدر سے ایسی کوئی بات نہیں کروں گا نہ ہی اس کو کسی بات کے لیے قائل کروں گا اب جو کچھ بھی کرنا ہوگا حیدر کو خود ہی کرنا ہوگا۔'' ارمان نے مکمل یقین اور اعتماد سے اس کی طرف دیکھا تھا۔
''تھینک یو۔'' عروہ مدھم مسکراہٹ کے ساتھ بولی اور اٹھ کھڑی ہوئی۔
''تم دیکھنا ایک دن تمہیں اپنی بے وقوفیوں پر ہنسی آئے گی اب کہاں چل دیں؟''
''تم مصروف ہو تاں تو میں بھی کچھ کام کر لوں۔'' اس کی بات کو نظر انداز کرتی ہوئی وہ بولی۔
''میں تو مصروف نہیں ہوں۔'' ارمان بولا اور ساتھ ہی موبائل پر آنے والی کال کی طرف متوجہ ہوا تو عروہ نے گہرا سانس لے کر اسے دیکھا تھا۔
''اچھا تم بات کرو میں بعد میں آتی ہوں۔'' ارمان نے موبائل کو اٹھایا تو عروہ کہتی ہوئی باہر نکل گئی اور ارمان نے لیس کا بٹن پش کر کے موبائل کان سے لگا لیا۔

......☆☆☆......

"مبارکاں...... مبارکاں...... مبارکاں......!" وہ کمرے میں داخل ہوئی اور حیا کی پوٹلی بنی بیٹھی خوش بخت سے لپٹتے ہوئے انتہائی مسرت سے اس کو مبارک دینے لگی تو شرمگین مسکراہٹ کے ساتھ اس نے اسے دیکھا تھا۔

"میری بنو کی آئے گی بارا، میری لاڈو کی آئے گی بارات......!" وہ اس کو گدگداتی ہوئی شوخی سے اس کو چھیڑنے لگی۔

"سب چلے گئے ہیں کیا؟" اس کے ہاتھ پکڑے وہ مدھم سرشار آواز میں اس سے پوچھنے لگی۔

"تقریباً سب چلے ہی گئے ہیں لیکن بلال میاں ابھی تک براجمان ہیں اور ان کی بے چین نگاہیں اپنی خوشی کو ڈھونڈ رہی ہیں۔" رافعہ شرارت سے اس کو بتانے لگی تو خوش بخت سمٹ کر رہ گئی۔

"کیا کرنے لگی ہو۔" رافعہ وارڈ روب کی طرف بڑھی تو وہ پوچھنے لگی۔

"اب کیا اسی طرح ماسیوں والے حلیے میں ملاقات کرو گی۔" اس نے ڈارک گرین پینٹ کا فراک جس کے گھیرے پر ڈیپ ریڈ ویلوٹ اور سلور کا خوب صورت امتزاج بنایا گیا تھا بلیک چوڑی پاجامہ اور گرین دوپٹہ جس کے سروں پر وائٹ موتی جڑے ہوئے تھے نکال کر بیڈ پر رکھا تو خوش بخت کے اوسان خطا ہونے لگے۔

"یہ...... یہ میں پہنوں گی؟" خوش بخت حیرت سے چیخ اٹھی۔

"آپا جان آج ایک بھی انکار نہیں چلے گا اس لیے چوں چراں کی ناں تو حشر نشر کردوں گی۔" رافعہ اس کو وارننگ دینے لگی تو خوش بخت اپنی اتنی تیاری کا سوچ کر ہی نروس ہونے لگی۔

"نہیں رافعہ پلیز، میں یہ...... تم جانتی ہو۔"

"میں کچھ نہیں جانتی اٹھو اور یہ پہن کر آؤ تاکہ میں باقی تیاری کروں۔" رافعہ نے اس کی ایک بھی نہ سننے کی ٹھان رکھی تھی وہ کپڑے تھماتے ہوئے گویا ہوئی۔

"رافعہ اور تیاری کیا؟" چاروناچار اس کو کپڑے پکڑنے پڑے۔

"تمہارا نکاح ہوا ہے میری پیاری آپا جان پلیز اپنی اس سادگی کو کچھ دیر کے لیے تو الوداع کہو۔" رافعہ روہانسی انداز میں بولی تو وہ اٹھ کر واش روم کی طرف بڑھ گئی۔

اور پھر بلال کو اس پر یقین آ گیا تھا بلال اپنے ماں باپ کو لے کر آیا تھا خالد شیرازی کی دو ہی بیٹیاں تھیں خوش بخت شیرازی اور رافعہ شیرازی دونوں بیٹیاں خالد اور نزہت کی آنکھوں کا تارا تھیں۔ خوش بختی اور خوشیوں کی علامتیں خوش بخت نہایت سلجھی اور دھیمے مزاج کی لڑکی تھی بہت حساس طبیعت کی مالک خوش بخت نجانے کب اور کیسے بلال کاظمی کے عشق میں گرفتار ہوگئی۔ بلال کاظمی اس کے ساتھ اسکول میں ٹیچر تھا جب خوش بخت نے ماسٹرز مکمل کیا تو اپنے شوق کو مدنظر رکھتے ہوئے اپنے ایریا میں اسکول میں ٹیچنگ کے لیے اپلائی کردیا اور تقریباً ایک ہفتے بعد اسے اپائنٹ بھی کرلیا گیا تھا بلال کاظمی ٹیچنگ اسٹاف میں شامل تھا۔ خوش بخت کی نفیس ٹیچر نے چند ہی ہفتوں میں بلال کو اسیر کردیا اور پھر فاصلے سمٹتے چلے گئے خوش بخت کی طرف سے بھی کوئی ایسی پیش قدمی نہ ہوئی جو اس کی عزت یا ماں باپ کی تربیت پر حرف آتا اور اس کی یہلی احتیاط بلال کے لیے باعث فخر رہی اور اس کے دل میں اس کا مقام مضبوط ہوتا گیا۔

اور پھر یہ سلسلے بڑھتے ہی چلے گئے بلال کی پوسٹنگ دوسرے شہر میں ہوگئی پر خلوص جذبے اور سچی محبتیں فاصلوں کی محتاج نہیں ہوتیں جب دل کے تار جڑے ہوں تو دوریاں کوئی معنی نہیں رکھتیں یہی معاملہ بلال اور خوش بخت کا بھی تھا اور پھر وقت کے ساتھ ساتھ ان کی محبت ایک جائز رشتے میں ڈھل گئی اور آج وہ دن تھا جب خواب حقیقت بن کر سامنے کھڑے تھے۔

رافعہ نے بہت مہارت سے ہمیشہ سادہ رہنے والی خوش بخت کو تیار کیا تھا اور خود بھی دنگ رہ گئی تھی۔ شرم وحیا اور سادگی عورت کے سب سے قیمتی زیور ہوتے ہیں اور

جب ہی اس میں محبت اعتبار اور عزت کا رنگ چڑھایا جاتا ہے تب عورت کے حسن سے انکار کی کوئی گنجائش باقی نہیں رہتی ہے۔ بلال کے اعتبار اور اس کے پیار نے خوش بخت کو الپسرا بنا دیا تھا۔

''لو بھئی رافعہ بھی کوئی شاہکار بنا سکتی ہے آج ادراک ہوا۔'' اس کی بندیا سیٹ کر کے دوپٹہ کو پن اپ کیا اور آئینے میں جھانکتے اس کے عکس کو دیکھ کر رافعہ شرارت سے گویا ہوئی تو خوش بخت نے جھکی پلکوں کو اٹھا کر دیکھا اور ایک لمحے کے لیے وہ اپنے ہی عکس کو پہچان نہ سکی۔

''رافعہ۔'' یکلخت ہی اسے ٹھنڈے پسینے آنے لگے۔ اس روپ کے ساتھ بلال کا سامنا کرنے کے خیال نے ہی اس کی دھڑکنوں کو اتھل پتھل کر دیا تھا۔

''کیا ہوا؟'' ڈریسنگ ٹیبل پر سے چیزیں سمیٹتی رافعہ نے حیرت سے اسے دیکھا جو ہاتھوں کو دبائے جا رہی تھی جو اس کے نروس ہونے کی علامت تھی بچپن سے خوش بخت کی عادت تھی وہ جب بھی گھبراتی اپنے ہاتھوں کو دبانے لگتی تھی۔

''یار...... یہ...... میں...... وہ......!'' اس کے بے ربط انداز پر رافعہ کھلکھلا کر ہنسی تو اس نے خفیف نظروں سے اسے دیکھا۔

''ریلیکس...... ریلیکس...... یہ لو جوس پی لو۔'' رافعہ بظاہر سنجیدگی سے بولی لیکن اس کی آنکھوں میں ناچتی شرارت اس کو مزید نروس کرنے کے لیے کافی تھی۔

''رافعہ پلیز میں اس تیاری کے ساتھ کہیں نہیں جانے والی۔'' خوش بخت اپنی پوروں سے آئی لائنر ہلکا کرنے لگی تو رافعہ نے خشمگیں نظروں سے اسے گھور کر اس کا ہاتھ روک دیا۔

''تم آج کے دن اس سے بھی زیادہ تیاری ڈیز رو کرتی تھی لیکن میں اس میں تھوڑی سی اناڑی ہوں اس لیے فی الحال اتنے پر ہی اکتفا کرنا پڑا اور خبردار جو تم نے کوئی بھی گڑ بڑ کرنے کی کوشش کی تو۔'' رافعہ اپنے مخصوص تحکم بھرے انداز میں اس کو وارننگ دینے لگی تو خوش بخت نے نہایت بے بسی سے اسے دیکھا۔

''اچھا یہ لپ اسٹک تو تھوڑی سی لائٹ کرو ناں میں نے کبھی بھی اتنی ڈارک نہیں لگائی ناں تو اپنا آپ بہت آکورڈ سا لگ رہا ہے۔'' خوش بخت نے ٹشو پیپر کی طرف ہاتھ بڑھایا تو رافعہ نے اس کا ہاتھ ٹشو پیپر بکس تک پہنچنے سے پہلے ہی باکس اٹھا لیا اور اس کو تیکھی نظروں سے دیکھا اور اس سے پہلے کہ خوش بخت مزید کوئی احتجاج کرتی کمرے کے دروازے پر ہونے والی دستک نے اس کے اوسان خطا کر دیے رافعہ نے یکلخت پلٹ کر دیکھا۔

''آیئے آیئے بلال بھائی آپ کا ہی انتظار ہو رہا تھا۔'' رافعہ نے کن اکھیوں سے خوش بخت کے نروس انداز کو دیکھا اور مسکراتے ہوئے بلال کی طرف بڑھی۔

''میرا انتظار اخاصی نئی اطلاع ہے بھئی۔'' وہ رافعہ کی طرف دیکھ کر بشاش لہجے میں اس سے مخاطب تھا اور اس کا یہ چہکتا انداز خوش بخت کے لیے کسی قیامت سے کم نہ تھا۔

''ہاں دیکھ لیں، مجھ سے بنا کر رکھیں گے تو آگے بھی نئی نئی اطلاعات ملتی رہیں گی۔'' رافعہ بھی مکمل شریر موڈ میں تھی اور خوش بخت بس بل کھا کر رہ گئی۔

''ہاہاہا...... فائدہ تو اسی میں ہے کہ آپ سے ہاتھ ملا لیا جائے۔'' بلال نے رافعہ کی اوٹ سے خوش بخت کے جھکے سر کو دیکھ کر قدرے شوخ لہجے میں کہا۔

''آپ؟'' بلال بھائی آپ نے مجھے آپ کہا ہے؟'' رافعہ بے انتہا حیرت سے چیخی تھی۔

''انسان غلطیوں کا پتلا ہے دانستہ یا نادانستہ وقتاً فوقتاً اس سے چھوٹی موٹی غلطیاں سرزد ہوتی رہتی ہیں میرے منہ سے بھی غلطی سے تمہارے لیے آپ نکل گیا ہوگا۔''

''بلال بھائی واہ مان گئی ہمارا احترام کرنے کو اب اپنی غلطی گردانتے ہیں۔'' بلال کی شوخی سے دی گئی وضاحت پر رافعہ کھلکھلا کر ہنسی تھی۔

''نہیں بھئی اب ایسی بھی اندھیر نگری نہیں ہے میں تو بس یوں ہی تنگ کر رہا تھا۔'' بلال مزید گویا ہوا۔

''اچھا چلیں کوئی بات نہیں ویسے آپ مجھے تم کہہ سکتے

ہیں۔ آفٹر آل میں آپ کی اکلوتی سالی ہوں کچھ حق تو ہمارا بھی بنتا ہے۔“ رافعہ کی جوابی کارروائی پر بلال نے اس کے پھیلائے ہوئے ہاتھ کو دیکھا تو لمحہ بھر کو شپٹا گیا یقیناً وہ اس کے پھیلائے ہاتھ کا مطلب نہ سمجھا تھا۔

”بھائی صاحب میں آپ کے راستے میں کھڑی ہوں اتنی آسانی سے آپ یہ معاملہ طے نہیں کر سکتے۔“ رافعہ نے بلال کے متذبذب چہرے کی طرف دیکھا اور خوش بخت کی طرف اشارہ کر کے اپنے پھیلے ہاتھ کی وضاحت دینے لگی تو پل بھر میں بلال سمجھ گیا۔

”او...... اچھا...... اچھا اب سمجھا...... مطلب کہ اکلوتی سالی صاحبہ میں یہ گن بھی ہیں۔“ بلال نے پاکٹ سے دس روپے کا نوٹ نکال کر اس کی ہتھیلی پر رکھا اور اپنی مسکراہٹ دباتے ہوئے اسے دیکھا جو پھٹی پھٹی نظروں سے اپنی ہتھیلی کو دیکھ رہی تھی۔

”غضب خدا کا بلال بھائی یہ صلہ دے رہے ہیں آپ میری مدد کا۔“ بلال سائیڈ پر سے نکل کر خوش بخت کی طرف بڑھا جو ان دونوں کی بحث کو نہایت انہماک سے سن رہی تھی اور بلال کے بڑھتے قدموں کو دیکھ کر شپٹا کر رخ موڑنے لگی تو اس کے چہرے پر ایک دلکش مسکراہٹ در آئی۔

بلال نے والہانہ نظروں سے خوش بخت کے اپنے لیے سجے سنورے روپ کو دیکھا اور پھر رافعہ کے احتجاج پر اس کی طرف پلٹا جو متعجب نظروں سے اسے گھورے جا رہی تھی تو بلال سر کھجانے لگا۔

رافعہ نے ایک نظر خوش بخت کے شرمگیں انداز کو دیکھا اور پھر بلال کی خاموش التجا کو مزید تنگ کرنے کا ارادہ ملتوی کرتے ہوئے وہ بنا کچھ کہے باہر کی طرف بڑھنے لگی۔ تو بلال نے گہرا سانس لیا اور خوش بخت کی طرف قدم بڑھائے۔

❁......❁......❁

”چاندی نگر“ اپنی نوعیت کی ایک منفرد عمارت دو منزلوں اور پانچ کمروں پر مشتمل تھی شیشوں کی بڑی بڑی کھڑکیوں پر دبیز برائٹ اورنج ویلوٹ کے پردے دور سے ہی دیکھنے والے کی توجہ اپنی طرف کھینچتے تھے کالی اینٹوں کی جھکی ہوئی چھت، سفیدی مائل رنگین پتھروں کی دیواریں۔ چاندی نگر کی خوب صورتی اس کے مالک کے ذوق و شوق کی بھرپور عکاسی کر رہی تھی رنگین ٹائلز کا آنگن جس کے چاروں طرف گلاب کے پودوں کا فینس بنایا گیا تھا اور جب ان فینس پر بہار آتی تھی چاندی نگر کھل اٹھتا تھا۔ دائیں جانب ناشپاتی' سیب اور آلو بخارا کے درخت سالہا سال سے آنگن کو رونق بخشنے کی کوشش میں تھے۔

اگر دل کی لگن کا تعلق صرف ظاہری خوب صورتی سے ہوتا تو یقیناً چاندی نگر کے مکین ایک دوسرے کے عشق میں ضرور مبتلا ہوتے چاندی نگر کی خوب صورتی اعلیٰ پائے کی جدید آرائش و زیبائش، نفاست، رنگینی، کشش اور پھر چاروں طرف پھیلا سکوت بے زارگی واضح کر رہی تھی کہ عشق و محبت کی داستانیں ظاہری خوب صورت کی مرہون منت نہیں ہوتیں۔

چاندی نگر کے مکینوں کو ایک دوسرے سے نفرت نہیں تھی لیکن ان کے درمیان فاصلے حد سے سوا تھے تعلق کے باوجود لاتعلقی عروج پر تھی۔ دلوں میں محبت تھی لیکن آنکھوں میں بے زارگی نمایاں تھی نجانے کس جذبے سے متاثر ہو کر اس بڑے سے گیٹ پر لگے بورڈ پر چاندی نگر کھدوایا گیا تھا بے حسی اور بے زارگی چاندی نگر کے چپے چپے پر بکھری پڑی تھی جس کو سمیٹنے والا شاید کوئی نہ تھا یا شاید کوئی تھا لیکن اس کے پاس وہ اختیارات نہ تھے۔

چاندی نگر کی عقبی سائیڈ پر دو کچے کمروں کا چھپر بنایا گیا تھا جہاں پر دو گھوڑے تین مرغیاں اور ایک رنگین مرغا رہائش پزیر تھے اور یہ فضلاں بی کے لیے خاص تحفے تھے جو وجاہت علی شاہ نے ان کے شوق کو مدنظر رکھتے ہوئے فضلاں ان کو دیے تھے اور جن کی دیکھ بھال کی ذمہ داری فضلاں بی اور وجاہت علی شاہ نے خود اٹھائی تھی۔ فضلاں بی کے عجیب شوق تھے گارڈننگ خود کرنا، مرغیوں کو دانہ ڈالنا، گھوڑوں کی صاف صفائی کا کام وہ اپنے ہاتھوں سے سرانجام دیتی تھی فضلاں بی کو فریش کنواں کا پانی اچھا لگتا تھا

تو ان کی پسند اور خواہش کو پورا کرنے کے لیے وجاہت علی شاہ نے چاندی نگر کے بیک سائیڈ پر ایک کنواں کھدوالیا یہ ان کی فضلاں بی کے ساتھ محبت کا ثبوت تھا کہ وہ ان کی ہر اک خواہش کو پورا کر رہے تھے۔ سائیں اللہ بخش، وجاہت علی شاہ کے ملازمین میں سے سب سے پرانا ملازم تھا جو چاندی نگر کے ذاتی امور کو سر انجام دیتا تھا وجاہت اور فضلاں بی کے ساتھ سائیں اللہ بخش کی اتنی بے تکلفی تو نہ تھی لیکن وہ کوئی بھی بات ہوتی سائیں اللہ بخش کے ساتھ یا اس کے سامنے کرلیا کرتے تھے۔ یوں سائیں اللہ بخش چاندی نگر کا فرد نہ ہوتے ہوئے بھی اپنی ایک الگ حیثیت رکھتا تھا جس سے وجاہت اور فضلاں بی کے ساتھ ساتھ کوئی اور ملازم انکار نہ کرسکتا تھا۔ اب سائیں اللہ بخش پر نئی ذمہ داری آپڑی تھی کہ کنواں کا پانی ایک مٹکے میں ڈال کر فضلاں بی اور وجاہت علی شاہ کے کمرے میں پہنچانا تھا۔ سائیں اللہ بخش چاندی نگر کے ہر ایک کونے سے واقفیت رکھنے کے باوجود وجاہت علی شاہ اور فضلاں بی کے پرائیویٹ کمرے میں جانے کے لیے اپنے آپ کو تیار نہ کرسکا اور اپنی شریک حیات تسلیم بیگم اور بیٹے حیدر اللہ بخش کو چاندی نگر لے آیا مقصد محض اپنی مدد کرنا تھا اور تسلیم بیگم اور حیدر کو لیے اپنے ساتھ اپنے کوارٹر میں رہنے لگا۔ تینوں کو اس سے زیادہ کی ضرورت تھی نہ خواہش اب وہ کام جو اللہ بخش کے ذمہ تھا وہ اللہ بخش نے اپنے طور پر تسلیم بیگم کے سپرد کردیا تھا اب آہستہ آہستہ چاندی نگر کے چھوٹے چھوٹے کاموں کی ذمہ داری تسلیم بیگم نے لے لی تھی ایک حیدر تھا جو تشنگی لیے حسرت بھری زندگی گزار رہا تھا عیش و آرام ملنے لگا تھا کیونکہ اللہ بخش کے حصے کے کوارٹر میں ہر طرح کی سہولت انہیں میسر آنے لگی تھی لیکن پھر بھی حیدر کے دل میں خوشی نہ پھوٹتی تھی وہ ہر لمحہ چاندی نگر کے در و دیوار کو متلاشی نظروں سے تکتا رہتا تھا۔

''فضلاں بی سفید گھوڑے کو نہلانے میں مصروف تھیں کہ وہاں پر کسی کی موجودگی کا احساس ہوا تو پلٹ کر دیکھا تو حیدر کو وہاں کھڑا پایا۔

''کیا بات ہے بچے ایسے کیا دیکھ رہے ہو؟'' وہ کچھ نہ بولا اور اسی طرح کھڑا ان کی طرف دیکھتا رہا تو فضلاں بی پانی والا مگ ٹب میں رکھ کر اس کے پاس آ کر کھڑی ہوئی۔

''کچھ نہیں، بس دیکھنا تھا۔'' ڈرا سہما حیدر فقط اتنا ہی کہہ سکا تھا فضلاں بی نے متعجب نظروں سے اسے دیکھا تھا میلے کچیلے کپڑوں میں مٹی سے اٹے پاؤں میں کوئی سلیپر نہ تھے دھول اور مٹی نے بالوں کو بھورا کر رکھا تھا تیرہ چودہ سال کا معصوم بچہ اور چہرے پر بلا کی یاسیت اور سنجیدگی آنکھوں میں بے شمار حسرتیں نمایاں تھیں فضلاں کو چہرے پڑھنے نہ آتے تھے لیکن اس لمحے ننھے سے حیدر کا چہرہ جیسے کوئی کھلی کتاب لگ رہا تھا جس پر ہر ایک بات نہایت واضح تھی اور وہ بنا کسی حیلہ وجحت کے فر فر سب کچھ پڑھ پا رہی تھیں۔

''تم سائیں اللہ بخش کے بیٹے ہو نا؟'' وہ کنفرم کر رہی تھیں۔

''ہاں۔'' وہ سرگوشی نما آواز میں اقرار کر رہا تھا۔

''نام کیا ہے تمہارا۔'' نجانے کیوں فضلاں بی اس کی ذات میں دلچسپی لینے لگی۔

''حیدر۔'' وہ اسی طرح بنا تاثر کے بولا۔

''حیدر ماشاء اللہ بہت اچھا نام ہے کون سے اسکول جاتے ہو؟'' اب فضلاں بی نے اس کو ساتھ لیا گھوڑوں کے نہلانے کے کام میں مشغول ہوتے ہوئے اس سے استفسار کرنے لگی۔

''اسکول نہیں جاتا ہوں۔'' اب کے حیدر گھبرائی ہوئی آواز میں بولا تھا۔

''اسکول نہیں جاتے لیکن کیوں؟'' فضلاں گھوڑے پر پانی ڈالتے ڈالتے رک کر اسے دیکھنے لگی تھی۔

''وہ میم ......اماں کہتی ہیں کہ......!''

''حیدر یہاں کیا کر رہے ہو؟ میں نے کہا تھا کہ نہا دھو کر کپڑے بدل لو۔'' ابھی اس نے اپنی بات مکمل نہ کی تھی کہ تسلیم کی آتی آواز نے اس کا رنگ فق کردیا اور اپنی بات کو یوں ہی ادھورا چھوڑ کر ایک ہی جست میں وہاں سے بھاگا تھا۔

''حیدر...... حیدر...... بچے بات تو سنو۔'' فضلاں بی اس کو پکارتی رہ گئی لیکن اس کے تجسس کی پروا نہ کرتے ہوئے وہ وہاں سے بھاگ گیا تھا اور فضلاں بی سوچتی رہ گئی۔ چھوٹے سے بچے کے اتنے کرخت اور سنجیدہ تاثرات اس نے آج سے پہلے کبھی نہ دیکھے تھے۔ پھر ذہن جھٹک کر اپنے کام میں مشغول ہوگئی۔

❁......❁......❁

کبھی کبھی ہم بہت کچھ سوچتے ہیں اپنے لیے اپنوں کے لیے لیکن حالات ایسا رخ اختیار کر لیتے ہیں کہ ہماری سوچیں محض سوچیں ہی رہ جاتی ہیں ہم اپنے لیے کچھ کر پاتے ہیں نہ ہی اپنوں کو کوئی خوشی دے سکتے ہیں یہ کسی دوسرے کی غلطی نہیں ہماری اپنی ہی نااہلی ہوتی ہے جو ہمیں اس حد تک کمزور کر دیتی ہے کہ ہم سوچنے سمجھنے کی ساری صلاحیتوں سے خود کو بری الذمہ کر لیتے ہیں۔

بعض اوقات بہت محفوظ نظر آنے والی محبتیں اندر سے کھوکھلی ہوتی ہیں۔

''آپا آپ بات کو سمجھنے کی کوشش کریں میں نے بھائی صاحب کے بارے میں کوئی ایسی بات نہیں کی ہے صرف وہی باتیں آپ تک پہنچائی ہیں جو میں نے سنی ہیں۔''

''مجھے تم سے ایسی امید نہیں تم یوں سنی سنائی باتوں پر یقین کر کے اپنی ہی بہن کے دل میں اس کے اپنے گھر میں بدمزگی پھیلانے کی کوشش کرو گے۔'' وہ انتہائی ترش انداز میں اس سے مخاطب تھی۔

''اللہ نہ کرے آپا کہ میں آپ کا گھر برباد کرنے کی کوشش کروں آپ مجھے اس حد تک غلط سمجھ سکتی ہیں مجھے ذرا سا بھی اندازہ نہ تھا۔'' بشیر صدیقی یاسیت آمیز لہجے میں بولے۔

''دیکھو بشیر سنی سنائی باتیں غلط بھی ہو سکتی ہیں اور بغیر کسی پختہ ثبوت کے باتوں کی تفتیش کرنا رشتوں کو کمزور کرتا ہے۔'' وہ رخ موڑے ناگواری سے گویا ہوئی تو بشیر صدیقی لب بھینچ کر رہ گئے۔

''او کے، میں اپنی ان سنی سنائی باتوں پر معذرت چاہتا ہوں اور آئندہ ایسی کوئی بات کوئی بھی سنی سنائی بات لے کر یہاں نہیں آؤں گا۔'' بشیر صدیقی سنجیدگی سے گویا ہوئے تو فضلاں بی نے چونک کر انہیں دیکھا لیکن بولی کچھ نہیں۔

''مجھے صرف آپ کی خوشیاں عزیز ہیں لیکن سچی خوشیاں ریشم کے کچے دھاگے کے جیسی خوشیاں نہیں کھوکھلی اور بناوٹی خول چڑھی خوشیاں نہیں۔'' بشیر صدیقی اٹھ کھڑے ہوئے تھے اور چلتے ہوئے فضلاں بی کے پاس آ کر ان کے سر پر ہاتھ رکھ کر بولے تو فضلاں بی نے سر اٹھا کر انہیں دیکھا۔

''میں جانتی ہوں بشیر تم میرے لیے بہتر سوچ رہے ہو، میری خوشیاں تمہیں عزیز ہیں لیکن یقین مانو میرے پاس سچی خوشیاں ہیں۔ چاندی نگر میرا وہ خواب ہے جس کو وجاہت علی شاہ نے پورا کیا ہے تم دیکھو میری آنکھوں میں کیا یہاں تمہیں کوئی دکھ کوئی کرب نظر آ رہا ہے؟'' فضلاں بی نے بشیر صدیقی کی طرف دیکھا تو وہ مسکرانے لگا اور پھر ہنستے ہوئے اس کے سامنے سے ہٹ کر دوبارہ بیٹھ گئے۔

''آپا۔'' وہ دونوں ہاتھوں کی انگلیوں کو ایک دوسرے میں پھنسائے ہوئے بولنے لگے آنکھوں میں ایک بے یقینی تھی انداز میں بے اعتباری تھی لیکن لفظ کھو چکے تھے یا شاید لفظوں کی اہمیت کم پڑ چکی تھی فضلاں بی محبت میں بہت آگے نکل چکی تھی۔ ان کے پکارنے پر سوالیہ نظروں سے انہیں دیکھا۔

''آپا صدیقی مینشن آپ کا منتظر ہے۔'' وہ آج التجا بھری نظروں سے فضلاں بی کو دیکھ رہے تھے تو لمحہ بھر کو وہ لب بھینچ کر رہ گئی۔

''میں جانتی ہوں اور میں آؤں گی۔ صدیقی مینشن میری بنیاد ہے اور بنیاد کے بغیر کوئی بھی عمارت کبھی کھڑی نہیں رہ سکتی لیکن......؟''

''لیکن۔'' اطمینان کے بعد یک لخت اضطرابی کیفیت نے بشیر صدیقی کو چونکا دیا۔

''صدیقی حسین کو وجاہت علی شاہ کو بھی وہی مقام دینے کا وعدہ کرنا ہوگا جو فضلاں بی کا ہے۔'' وہ بشیر صدیقی کی طرف دیکھ کر مدہم لیکن دوٹوک انداز میں اپنا مدعا بیان

کرنے لگی تو بشیر نے چونک کر انہیں دیکھا۔

"اور آپ کو یہ کیوں لگتا ہے کہ وجاہت کا مقام وہ نہیں ہے جو ہونا چاہیے؟" بشیر نے متغیر نظروں سے دیکھا۔

"مجھے ایسا نہیں لگتا ہے۔ بشیر میں نہیں چاہتی کہ وجاہت کو ذرا سا بھی محسوس ہو کہ صدیقی مینشن کے مکین اور وجاہت کے درمیان شکوک و شبہات کی لکیریں کھینچی جا چکی ہیں اور!"

"آپا ایسی کوئی بات نہیں ہے، آپ بے فکر رہیں وجاہت بھائی صاحب آپ کے حوالے سے ہمارے لیے ہمیشہ قابل احترام ہی رہیں گے۔" فضلاں بی کی بات پوری ہونے سے پہلے بشیر صدیقی نے کہا تو وہ خاموشی سے ان کو دیکھ کر رہ گئیں۔

"میں اب چلتا ہوں آپا آپ کب تک آئیں گی؟" فضلاں بی پھر کچھ نہ بولیں تو بشیر صدیقی نے گہرا سانس لے کر اجازت طلب نظروں سے ان کی طرف دیکھا اور ان سے صدیقی مینشن آنے کا پوچھنے لگے۔

"اگر تم ایک بار وجاہت سے ذکر کردو کہ میں میرا مطلب ان کو بھی دعوت مل جائے تو میں......!" ہاتھوں کو مروڑتے ہوئے متذبذب انداز میں وہ ایک بار پھر ایک اور مطالبہ کررہی تھیں۔

"ٹھیک ہے میں آج شام تک کال کردوں گا اور خاص طور پر انوائٹ کروں گا۔" بشیر صدیقی آج انا کی ساری کشتیاں جلا کر چاندی نگر آئے تھے۔ فضلاں بی نے متعجب نظروں سے انہیں دیکھا اور لب بھینچ لیے تو بشیر صدیقی کے چہرے پر مسکراہٹ در آئی جانتے تھے کہ فضلاں بی کی سوچیں کس نہج پر رواں دواں تھیں کبھی کبھی اپنوں کی محبت میں انا کی دیواروں کو گرا کر صلح کا جھنڈا لہرانا ہی پڑتا ہے محبت کی سلامتی اور رشتوں کی بقا اسی میں پوشیدہ ہے کہ تھوڑا سا جھک جایا جائے ورنہ انجام انتہائی بھیانک اور تکالیف دہ ہوتا ہے اور پھر فضلاں بی کو انہی سوچوں میں مگن چھوڑ کر بشیر صدیقی صدیقی مینشن واپس چلے گئے تھے۔

❁ ❁ ❁
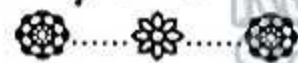
صدیقی مینشن دو بھائیوں کی کل کائنات تھی بشیر صدیقی اور انجم صدیقی نے صدیقی مینشن کی بنیاد میں صرف اور صرف محبت کا سیمنٹ بھرا تھا چھوٹا سا گلستان لیکن محبت کی خوشبو ہر طرف بکھری پڑی تھی اعتبار قابل دید تھا۔

بشیر صدیقی اور نازین صدیقی کی دو اولادیں تھیں ارمان صدیقی اور ماوا صدیقی اور انجم اور ناہید کی طرف ایک ہی بیٹی تھی عروہ صدیقی ان گنے چنے مکین کی بدولت صدیقی مینشن ہر دم چہکتا رہتا تھا۔

فضلاں بی صدیقی نہ ہوتے بھی ان کے درمیان ہر وقت موجود رہتی تھیں دونوں بھائیوں کی اکلوتی بہن فضلاں بی آپا جس پر دونوں بھائی جاں چھڑکتے تھے ان کی ذرا سی تکلیف اور ایک پکار پر بشیر اور انجم ان کے پاس ہوئے تھے۔

کچھ محبتیں سچی ہونے کے باوجود ہم سے ہمارا سب کچھ چھین لیتی ہیں۔ فضلاں بی کے لیے وجاہت علی شاہ کی محبت بھی بہت سارے خساروں کے ساتھ ان کی قسمت بنی تھی۔

سوسائٹی میں کامیاب ہونے کے باوجود وجاہت علی شاہ کی ریپوٹیشن کوئی اتنی اچھی نہ تھی۔ کامیابی کے ساتھ ساتھ ضدی، خودسر اور مغرور ہونے کے ٹھپے بھی لگے تھے جن کی خبر بشیر اور انجم تک وقتاً فوقتاً پہنچتی رہتی تھیں لیکن فضلاں بی نے بھائیوں کے خلاف جا کر وجاہت علی شاہ کی ہر ایک ضد اور غرور کو قبول کیا تھا اور صدیقی مینشن سے بدظن ہو کر چاندی نگر رخصت ہوگئی۔ ہفتوں جنوں گزر گئے لیکن فضلاں بی نے صدیقی مینشن قدم نہ رکھا نہ ہی بشیر یا انجم میں سے کسی نے ان کی خبر لی، فضلاں بی نے دل میں بھائیوں کا یہ رویہ کسی پھانس کی طرح چبھ رہا تھا ادھر بشیر اور انجم اپنی ضد میں وجاہت علی شاہ سے عداوت میں اکلوتی اور لاڈلی بہن سے متنفر تھے۔

لیکن کب تک وجاہت علی شاہ کے بارے میں ان کے لڑائی جھگڑوں کے قصے ان کو شرمندہ کرنے لگے تھے۔ جب یہ سب باتیں حد سے سوا ہونے لگی تو انجم اور بشیر کے

دلوں میں بہن کی محبت پھر سے جاگ اٹھی اور پھر بہت سی کوششوں بعد صدیقی مینشن اور چاندی نگر میں آمد و رفت شروع ہونے لگی۔

"بھائی جان کیا کہا آپا نے؟" بشیر صدیقی مینشن واپس آچکے تھے تو انجم ان کے ساتھ بیٹھتے ہوئے ان سے چاندی نگر کے وزٹ کی روداد کے متمنی ان کی طرف دیکھ رہے تھے۔

"کیا بتاؤں یار۔" بشیر نے گہرا سانس لے کر صوفہ کی پشت پر سر ٹیک دیا اور کشن اٹھا کر گود میں رکھا تو انجم نے متعجب نظروں سے ان کے انتہائی سنجیدہ انداز کو دیکھا تھا۔

"کہو کیا ہوا، خیریت؟" انجم متفکرانہ انداز سے ان سے استفسار کرنے لگے۔

"آپا خوش تو ہیں ناں، وجاہت بھائی صاحب سے ملاقات ہوئی؟" بشیر کچھ نہ بولے تو انجم مزید گویا ہوا۔

"ہاں خوش ہیں لیکن میں یہ اندازہ نہ لگا سکا کہ واقعی خوش ہیں کہ صرف اپنی ضد اور محبت کا بھرم رکھ رہی ہیں۔ وجاہت بھائی صاحب سے ملاقات تو نہیں ہوئی لیکن ان کو خاص طور پر دعوت دینی ہے۔" بشیر انجم کو بتانے لگے اور ساتھ ہی موبائل نکال کر وجہات کا نمبر ڈائل کرنے لگے مسلسل جاتی بیل نے بشیر کے ماتھے کی سلوٹوں میں چنداں اضافہ کیا تھا۔

"ہیلو، السلام علیکم وجاہت بھائی میں بشیر صدیقی بول رہا ہوں، کیسے ہیں آپ؟" چند پل کی خاموشی یقیناً وجاہت نے سلام کا جواب دیا اور اپنی خیریت بتائی انجم مسلسل بشیر کی طرف دیکھ رہا تھا۔

"میں چاندی نگر گیا تھا یقیناً آپا نے آپ سے ذکر کیا ہوگا۔" وہ لمحہ بھر ٹھہر کے۔

"میں نے آپا کو صدیقی مینشن انوائٹ کیا ہے۔" وجاہت یقیناً کچھ نہ بولے تھے تبھی بشیر پھر گویا ہوئے لیکن ان کے چہرے کے تغیر و تبدل واضح کر رہے تھے کہ اس لمحے وہ سبکی محسوس کر رہے ہیں۔

"تو میں صدیقی مینشن کی طرف سے آپ کو خاص طور پر آپا کو لے کر یہاں آنے کی دعوت دیتا ہوں معذرت چاہتا ہوں کہ کچھ مصروفیات کی وجہ سے ملاقات کرنے سے قاصر ہوں۔" اب کے بشیر ایک ہی سانس میں بولے۔

"ٹھیک ہے ہم انتظار کریں گے۔" یقیناً سوچ کر بتانے کا کہا گیا تھا۔

"اوکے جلدی ملاقات ہوگی۔" اتنا کہہ کر بشیر نے فون بند کر کے یک ٹک اپنی طرف دیکھتے انجم کی طرف دیکھا۔

"یہ کیا تھا بھائی جان؟" انجم کی حیرت بجا تھا۔

"بس یار۔" بشیر دونوں ہتھیلیوں سے اپنے بالوں کو پیچھے کرتے ہوئے گہرا سانس لے کر بولنے لگے۔

"بعض اوقات ہم حالات کے ایسے بھنور میں پھنس جاتے ہیں کہ مزاج کے برعکس رویوں کو بھی خوش اسلوبی اور تحمل مزاج سے برداشت کرنا پڑتا ہے تو آپا کے لیے مجھے وجاہت کا یہ روکھا رویہ برداشت کرنا پڑا۔" بشیر مدھم مسکراہٹ کے ساتھ بولے دوسرے پل نازنین کی طرف متوجہ ہوئے جو ٹیبل پر چائے رکھ رہی ہیں عروہ ارمان اور مادہ رائٹنگ ٹیبل پر بیٹھے ہوم ورک میں مصروف تھے۔ بشیر آسودہ مسکراہٹ کے ساتھ چائے پینے لگے اور انجم کے ساتھ گھریلو امور پر بات چیت میں بھی مصروف ہوگئے۔

❀.........❀.........❀
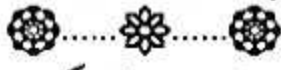
"میم! میں نے سارے کام کردیے ہیں پانی بھی مٹکوں میں ڈال دیا ہے کھانا بنا دیا ہے اب بس روٹی پکانا باقی ہے کیا پھر میں اپنے کوارٹر میں واپس چلی جاؤں؟" فضلاں بی مرغیوں کے لیے ڈربوں کو سیٹ کر رہی تھیں کہ تسلیم کی گھگھیائی آواز پر پلٹ کر دیکھا تو دوپٹہ کے پلو سے ہاتھوں کو صاف کرتی تسلیم انتہائی پژمردہ حالت میں کھڑی تھی۔

"کیوں کیا ہوا اور تسلیم تم شاید بھول گئی ہو کہ کھانا پکانے کی ذمہ داری تمہاری نہیں ہے۔" فضلاں بی کا رویہ ہمیشہ دوستانہ رہا جس وجہ سے تسلیم کوشش کرلی تھی کہ وہ ہر ممکن طریقے سے فضلاں بی کی مدد کیا کرے۔

"میم وہ حیدر کو کل شام سے بہت تیز بخار ہو رہا ہے۔" وہ بھرائی آواز میں ان کو بتانے لگی۔

''تسلیم ایک تو میں نے کتنی بار منع کیا ہے کہ مجھے میم نہ کہا کرو میں کوئی میم شمیم نہیں ہوں عام سی ہوں تم مجھے باجی کہہ لیا کرو یا اگر نام بلاؤ گی نا تو بھی مجھے اچھا لگے گا۔'' فضلاں بی ہاتھ جھاڑتے ہوئے بولی۔

''ہائے ناں میم' حیدر کے ابا نے کہا تھا کہ صاحب کے لیے بہت قیمتی ہو آپ تو کبھی ان کو یہ شکایات نہ ہو کہ آپ کو وہ عزت نہ دی جو آپ کا حق ہے۔'' تسلیم انتہائی سادہ لب و لہجے کے ساتھ ان کو بتانے لگی تو فضلاں بی مسکرانے لگی تسلیم نے دیکھا فضلاں بی کی مسکراہٹ انتہائی دلکش تھی۔ مرغیوں کی وجہ سے وہاں کی فضا بدبودار تھی گھوڑوں کی بدولت ہر طرف گند بکھرا پڑا تھا لیکن فضلاں بی کے چہرے پر عجیب سی چمک تھی ایک مان تھا غرور تھا۔

''تسلیم میں باقی کام کرلوں گی تم جاؤ اور حیدر کا خاص خیال رکھو چیک کرالو اور جب اس کا بخار ٹوٹے تو اسے میرے پاس لے کر آنا۔'' فضلاں بی انتہائی ملائمت سے اس سے مخاطب ہوئی تو تسلیم جو پہلے ہی ان کی گرویدہ تھی مزید ان کی اسیر ہوگئی۔

''میم شکل و صورت تو اللہ تعالیٰ کی دین ہوتی ہے لیکن اچھا اخلاق انسان کے اپنے بس میں ہوتا ہے ماشاء اللہ آپ کی شکل صورت کی بھی اچھی اور اخلاق بھی بہت اچھا ہے آپ کا اس لیے تو صاحب جی کو آپ سے عشق ہوگیا ہے ناں، اللہ آپ دونوں کو ہمیشہ خوش رکھے میم۔'' تسلیم ایک سادہ سی گاؤں کی لڑکی تھی اس کی باتوں پر فضلاں بی نے حیرت سے اسے دیکھا اور مسکرانے لگی گہری نظروں سے تسلیم کو دیکھا تھیکے نین نقش والی تسلیم کے لیے یکا یک ان کے دل میں ڈھیروں ڈھیر پیار امڈ آیا۔

''تم بھی بہت اچھی ہو تسلیم اور جن کے اپنے دل صاف ہوں ناں ان کو دوسرے بھی اچھے لگتے ہیں تم جاؤ اب حیدر کا خیال رکھو ہماری دوستی ہوگئی ہے نا پھر بہت ساری باتیں بھی ہوں گی۔'' فضلاں بی فراخ دلی سے بولی تو تسلیم اپنی چادر کا پلو سنبھالتی وہاں سے چل پڑی اور فضلاں بی کتنی ہی دیر تک اس کے بارے میں سوچتی رہ گئیں۔

❀......❀......❀

''پھوپو جانی آ گئیں پھوپو جانی آ گئیں۔'' فضلاں بی اور وجاہت علی شاہ نے جیسے ہی صدیقی مینشن کا گیٹ عبور کیا ارمان، مادہ اور عروہ کی کھلکھلاہٹ صدیقی مینشن میں چاروں طرف گونجنے لگیں پھولوں سے سجی راہداری پر چلتے فضلاں فخر سے مسکرا رہی تھی بچوں کی آوازیں سن کر بشیر، نازنین انجم اور ناہید باہر آ گئے تھے ناہید اور نازنین پھولوں کے تھال اٹھائے ان پر پھول برسانے لگی تھیں۔ دونوں بھائیوں نے آگے بڑھ کر اپنی اکلوتی لاڈلی آپا کا انتہائی پر جوش انداز میں استقبال کیا تھا وجاہت علی شاہ کو بھی ہاتھوں ہاتھ لیا گیا اس قدر شاہانہ استقبال کی امید نہ فضلاں بی کو بھی اور نہ ہی وجاہت علی شاہ کو اس لیے سوائے کھل کر مسکرانے کے دونوں کسی بات کو لفظوں میں نہ ڈھال سکے ناہید اور نازنین نے آگے بڑھ کر فضلاں کو گلے لگایا تھا فضلاں بی وجاہت کے سامنے اس درجہ عزت افزائی اور محبتوں سے بھرپور استقبال پر فخر محسوس کررہی تھی۔ سرشار انداز میں چلتی وہ ناہید اور نازنین کے ہمراہ اندر کی جانب بڑھ رہی تھی اور وجاہت بھی بشیر اور انجم کے درمیان چلتے اندر بڑھ رہے تھے۔

فضلاں بی نے صبح ہی صدیقی مینشن میں اپنی آمد کی اطلاع دے دی تھی۔ تو ناہید اور نازنین نے مل ملا کر ساری تیاریاں مکمل کرلی تھیں اور پھر بشیر اور انجم کی خاص ہدایات اور مدد بھی ہمہ وقت درکار تھی تو فضلاں بی اور وجاہت کی اور پھر ان کے استقبال کی تیاریاں بہترین طریقے سے سر انجام پا گئیں تھیں۔

''پھوپو جانی ہم نے آپ کو بہت مس کیا تھا۔'' وہ بیٹھی کہ ارمان چلتا ہوا ان کے پاس آ کر کھڑا ہوا۔

''پھوپھو جانی کی زندگی ہو ناں آپ پتا ہے پھوپو جان نے بھی آپ کو بہت یاد کیا تھا۔''

''تو پھر آپ اتنی دیر سے کیوں آئی ہو؟'' دس سال کا ارمان فضلاں بی کے پاس بیٹھ کر پوچھنے لگا۔

''بس چندہ کچھ مصروف رہی نا اس لیے اور آپ بھی تو

نہیں آئے ناں پھوپو جانی سے ملنے۔'' فضلاں اس کو پیار کرتے ہوئے بولی۔
''میں کیسے آتا بھلا، میں تو ابھی چھوٹا ہوں نا، اچھا آپ بتاؤ کہ مرغیاں کیسی ہیں اور وہ میرا پیارا سا مرغا، گھوڑے ہیں ناں ابھی بھی؟'' ارمان انتہائی اشتیاق سے فضلاں بی سے ان کے مرغیوں اور گھوڑوں کے بارے میں پوچھنے لگا۔
''بالکل ٹھیک ٹھاک۔'' وہ مسکراتے ہوئے بولیں۔
''کیا آپا ابھی تک یہ شوق ہیں؟'' سب کو ڈرنکس سرو کرتی ناہید نے ان کی باتیں سنیں تو پوچھے بغیر نہ رہ سکی۔
''ہاں بھابھی دیکھ لیں آپ کی نند کے کام سارا دن تو مصروف رہتی ہیں حالانکہ ملازم بھی ہیں لیکن مرغیوں اور گھوڑوں کی دیکھ بھال خود ہی کرتی ہیں فضلاں بی کے بولنے سے پہلے ہی وجاہت علی شاہ بولے تو سب نے انہیں دیکھا جب سے وہ آئے تھے خاموش خاموش تھے لیکن یکلخت ہی ایک شوخ وشنگ سا انداز اپنایا تو جہاں سب کو حیرت ہوئی وہاں ماحول میں چھائی ایک انجانی سی کشیدگی بھی مانند پڑ گئی۔
''اور آپ کی بھی۔'' فضلاں بی شرارت سے بولی تو اورنج جوس کا سپ لیتے وجاہت نے ان کے چہرے کی طرف دیکھا جہاں اپنوں سے ملنے کی خوشی کے رنگ نہایت واضح تھے۔
''بھئی ہماری دیکھ بھال تو آپ کی ذمہ داری ہے لیکن یہ مرغیوں اور گھوڑوں سے خوامخواہ رقابت محسوس ہوتی ہے۔'' وجاہت نے بھی اسی شوخی سے جواب دیا تو بشیر کھلکھلا کر ہنسنے۔
''وجاہت بھائی صاحب یہ آپا کے پرانے شوق ہیں کبھی مرغیاں رکھنے کے کبھی کبوتر۔ ہاں یہ گھوڑوں کا شوق ہمارے لیے بھی نیا اور اچھوتا ہے۔'' بشیر مسکرا کر بولے۔
''وجاہت بھائی لیکن ہماری آپا ہیں بہت اچھی۔'' ڈرنکس کے ساتھ ڈرائی فروٹ چکن چیز کباب اونٹین بھاجی اور چٹنی بھی ان کو سرو کرتے ہوئے نازنین محبت پاش نظروں سے فضلاں بی کو دیکھ کر بولی۔
جی بھابی اس میں تو کوئی شک نہیں، لیکن مجھے یہ آپ کے ہاتھ کی بنی اونٹین بھاجی زیادہ پسند آئی ہے۔'' وجاہت ایک ساتھ ہی تین چار پیس پلیٹ میں رکھتے ہوئے بے تکلفی سے بولے تو سب کے چہروں پر مسکراہٹیں کھلنے لگی۔
اور پھر یوں ہی ہنستے مسکراتے، قہقہے لگاتے شرارتیں کرتے باتیں کرتے ایک انتہائی خوب صورت شام کا سورج ڈوب گیا اور جاتے جاتے ہر طرف روشنی بکھیر گیا۔ صدیقی مینشن اور چاندی نگر کے درمیان سرد مہری کی دیواروں کو ڈھا کر ایک نئی راہداری قائم کر گیا وجاہت اور فضلاں بی ڈھیر ساری محبتیں دامن میں سمیٹ کر چاندی نگر واپس چلے گئے۔

❁......❁......❁

وہ دن خوشیوں کے تھے بہار نے چاندی نگر کو ایک نیا روپ بخشا تھا نئی امنگوں نے انگڑائیاں لیں تھیں صدیقی مینشن کی چاندی نگر تک کی راہگزر ہموار ہوتی جا رہی تھی وجاہت علی شاہ کا جو امیج صدیقی مینشن کے سامنے آیا تھا وہ اس کے برعکس ثابت ہوئے اور اپنی خوب صورت نیچر، محبت کرنے کی عادت، سمجھنے کی صلاحیت نے لوگوں کی ساری باتوں کو بشیر اور انجم کے سارے خدشوں کی نفی کر دی تھی۔ فضلاں بی کی خوشی قابل دید تھی میکے کا مضبوط ہونا عورت کی خوشیوں کو پائیدار بنا دیتا ہے فضلاں بی خوش تھیں لیکن بھائیوں سے ان بن کا سامنا ہمیشہ ان کے دل میں چبھ رہا تھا اور اب ان کی ہنسی میں کھنک کے رنگ عجیب تھے۔ وجاہت علی شاہ ہمہ وقت مسحور رہنے لگے تھے۔
''مجھے معلوم نہیں تھا کہ ملکہ عالیہ ناخوش تھیں۔'' وجاہت علی شاہ ان کو چھیڑنے لگے تھے۔
''کیا مطلب ناخوش تھیں؟'' فضلاں بی نے مسکراتے ہوئے متعجب انداز میں ان سے دریافت کیا۔
''ارے بھئی جب سے صدیقی مینشن سے تعلقات بحال ہوئے ہیں آپ کی تو ہنسی ہی نہیں رکتی یا شاید آپ کو اب پتا چل گیا کہ وجاہت علی شاہ آپ کی دل کش ہنسی پر ہی

فدا ہیں۔'' وجاہت محبت پاش نظروں سے فضلاں بی کی طرف دیکھ کر شریر انداز میں کہنے لگے۔

''دونوں باتوں میں وزن ہے وجاہت علی شاہ صاحب۔'' فضلاں بی شرگمین مسکراہٹ کے ساتھ ان کی طرف دیکھ کر بولی۔

''ہاہاہاہا۔'' وجاہت بے ساختہ قہقہے پر قابو نہ رکھ سکے تو فضلاں بی نے تیکھی نظروں سے انہیں دیکھا۔

''آپ نہیں سمجھ سکتے ہزار خوشیاں ایک طرف اور میکے کا مان ایک طرف، مضبوط میکہ وہ بنیاد ہے جو عورت کو کبھی کمزور نہیں پڑنے دیتا۔'' فضلاں بی کے لہجے میں فخر تھا۔

''چلو اب شروع ہو گئے میکے کے فوائد۔'' وجاہت کھل کر ہنسے تھے۔

''نہیں میں تو۔''

''میم۔'' فضلاں بی کچھ کہنے ہی کو تھیں تسلیم کی پکار پر خاموش ہو کر ادھر متوجہ ہوئی۔

''جی کیا بات ہے تسلیم؟'' فضلاں وہیں بیٹھے بیٹھے بولی۔

''میم اگر مصروف نہیں ہیں تو حیدر کو لائی تھی۔'' تسلیم کی آواز پر فضلاں نے اجازت طلب نظروں سے وجاہت علی شاہ کو دیکھا جن کے ماتھے پر سلوٹوں نے فضلاں کو متعجب کیا تھا۔

انہوں نے سر اثبات میں ہلایا تو فضلاں بی اٹھ کر باہر نکل گئی لیکن وجاہت کے اس ناگوار تاثر کے بارے میں مسلسل سوچتی رہ گئی کہ آج سے پہلے کسی ملازم کی پکار پر ان کے ماتھے پر کوئی بل نہ آیا تھا کوئی سراہا تھ نہ آیا سوائے اس کے کہ اس پل وہ دونوں ساتھ تھے تو شاید ان کی پرائیویسی میں خلل وجاہت کو ناگوار گزرا، مسکرا کر فضلاں بی نے سر جھٹکا اور تسلیم اور حیدر کی طرف متوجہ ہوئی۔

''کیسی طبیعت ہے حیدر کی؟'' وہ حیدر کو دیکھ کر تسلیم سے دریافت کرنے لگی تھیں۔

''بس ٹھیک ہی ہے کچھ عرصہ سے نجانے کیوں حیدر کی طبیعت مسلسل خراب رہنے لگی ہے مجھے تو بہت فکر ہوتی ہے لیکن سائیں کہتے ہیں کہ بڑا ہو رہا ہے اس لیے کمزور ہوتا جا رہا ہے بھلا ایسے کیسے ہوتا ہے میم؟'' تسلیم متفکرانہ انداز میں حیدر کو دیکھ کر بولی۔

''تم نے اس کا صحیح سے چیک اپ کروایا ہے۔'' فضلاں بی مسلسل حیدر پر نظر رکھے ہوئے تھیں اور حیدر بھی یک ٹک فضلاں بی کی طرف دیکھے جا رہا تھا اس کی نظروں سے فضلاں بی کو ایک عجیب سی الجھن اپنے اندر سرسراتی محسوس ہو رہی تھی اس کی نظروں میں بہت سی ان کہی داستانیں پوشیدہ تھیں۔ اس کی نظروں کی بولی وہ سمجھنے سے قاصر تھیں۔ عجیب بیزارگی تھی اس بچے کے انداز میں روشن آنکھیں دنیا کی غلاظت سے پاک صاف لیکن یاسیت اور درد سے بھرپور آنکھوں کے کناروں میں ایک نمی انتہائی واضح تھی اتنی کم عمر اور اتنی زیادہ ان کہی باتیں۔

''نہیں میم ابھی تو کوئی چیک اپ نہیں کرایا۔'' تسلیم اس کے بالوں کو سہلاتے ہوئے فضلاں بی کی طرف دیکھ کر بولی۔

''حیدر اسکول کیوں نہیں جاتا؟'' پل کی پل فضلاں بی نے اس پر سے نظریں ہٹا کر تسلیم سے استفسار کیا تھا۔

''میم ہماری ایسی اوقات کہاں کہ ہمارے بچے اسکولوں میں جا سکیں۔'' تسلیم بے بسی سے بولی تو فضلاں بی نے ناگواری سے اسے دیکھا۔

''تم سے مجھے اس قدر جاہلانہ سوچ کی توقع بالکل بھی نہیں تھی تسلیم یہ اس بچے کا بنیادی حق ہے کہ اس کو تعلیم دلوائی جائے دینی بھی اور دنیا بھی۔ تاکہ اس کو شعور آسکے اس کو پتا چل سکے کہ اس کے لیے دینی لحاظ سے اور دنیاوی لحاظ سے کیا بہتر ہے کیا نہیں۔'' فضلاں بی اچھے خاصے عالم طیش میں اس سے مخاطب ہوئی اور حیدر کی طرف دیکھا جہاں اس کی آنکھوں میں آن کی آن ایک خوشگوار تاثر اجاگر تھا اس کے معصوم چہرے پر پھیلی کرختگی اور یاسیت میں ایک ڈھیلا پن صاف نظر آنے لگا تھا۔

''میم...... ہمارے لیے یہ ممکن نہیں ہوگا۔''

''تم خاموش رہو میں جانوں یا حیدر کی پڑھائی۔''

فضلاں بی فیصلہ کن انداز میں اس سے مخاطب ہوئی اور دوسرے پل وہاں سے چلی گئی تو حیدر کی تشکر آمیز خاموش نظروں نے دور تک ان کا پیچھا کیا۔

❁......❁......❁

ارمان، عروہ اور مادہ کا چاندی نگر آنا جانا شروع ہوگیا تھا۔ حیدران تینوں کو دیکھ کر نجانے کیوں مزید الجھ جاتا تھا۔ اپنی کم مائیگی کے احساس میں چنداں اضافہ ہوجاتا تھا۔ فضلاں بی کے کہنے پر ارمان حیدر کے قریب ہونے لگا تھا۔

لمبی لمبی پلکوں والی، لمبے گھنگھریالے بالوں والی سرخ و سفید رنگت والی عروہ میں حیدر نجانے کیوں دلچسپی لینے لگا تھا۔ پسندیدگی کے پیچھے کم عمری کا کوئی دخل نہیں ہوتا بہت سی چیزیں بہت سے لوگ کم عمری کے باوجود ہمارے دل میں اپنی خاص جگہ بنا لیتے ہیں۔ حیدر کم عمر تھا لیکن عروہ کے لیے پسندیدگی کے جذبے اس کے دل میں اجاگر ہوچکے تھے اور چھوٹی سی عروہ صرف اور صرف ارمان کی گن گاتی تھی۔

"بشیر تم سے ایک کام تھا۔" اب فضلاں بی اکثر اپنے بھائیوں کے ساتھ باتیں شیئر کرنے لگی تھیں۔

"ہاں آپا بولیں۔" بشیر آفس جانے کے لیے تیار ہورہا تھا کہ فضلاں بی کی کال پر خوشگوار حیرت سے بولے۔

"مجھے ذرا اس اسکول کو نمبر اور ایڈریس وغیرہ میسج کردو گے جہاں ارمان اور عروہ جاتے ہیں؟" وہ التجائیہ انداز میں اس سے مخاطب ہوئی۔

"ہاں بھیج دوں گا، لیکن خیریت، کس لیے چاہیے؟" ٹائی کو گلے میں لٹکا کر شرٹ کے بٹن بند کرتے ہوئے بشیر ان سے استفسار کرنے لگا۔

"وہ اللہ بخش کا بیٹا ہے ناں حیدر اس کا ایڈمیشن کروانا ہے۔" فضلاں بی کی اطلاع پر بشیر چونکے بغیر نہ رہ سکے۔

"کون سائیں اللہ بخش؟"

"چاندی نگر کا بہت وفادار ملازم ہے بشیر اور اس کا ایک ہی بیٹا ہے اور جانتے ہو بشیر حیدر کمپلیکس کا مارا ہوا بچہ ہے پیار، محبت کے لیے ترسا ہوا ارمان عروہ اور مادہ کو نہایت حسرت بھری نظروں سے دیکھتا ہے تو میں سوچ رہی ہوں بشرط یہ کہ اگر میرے تھوڑے سے پیار، ذرا سی توجہ سے اس کی زندگی سنور سکتی ہے تو اس میں کوئی حرج تو نہیں ناں؟" اپنا مدعا بیان کرتے ہوئے آخر میں اس سے پوچھا تو بشیر تذبذب کا شکار ہوگیا۔

"دیکھیں آپا مجھے کیا اعتراض ہوسکتا ہے بھلا نہ میرا اس معاملے میں کوئی عمل دخل ہے لیکن میں اتنا کہوں گا کہ کوئی بھی قدم اٹھانے سے پہلے وجاہت بھائی صاحب سے ایک دفعہ ضرور مشورہ کرلیں بے شک آپ دونوں میں بہت زیادہ انڈراسٹینڈنگ ہے لیکن میاں بیوی کے رشتے میں بہت زیادہ انڈراسٹینڈنگ کے باوجود کچھ معاملات نہایت نازک ہوتے ہیں جن کو سمجھداری سے ہینڈل نہ کیا جائے تو انڈراسٹینڈنگ اور پیار اپنی وقعت کھو کر رشتے کو داؤ پر لگادیتے ہیں۔"

بشیر نے پتے کی بات کی تھی اور لہجے میں فکر نمایاں جھلک رہی تھی۔

"نہیں بشیر ایسی کوئی بات نہیں ہے، وجاہت بھلا کیوں منع کریں گے۔" فضلاں بی نہایت پرسکون انداز میں بولی۔

"منع نہیں کریں گے لیکن پوچھ لینا بہت زیادہ بہتر ہوگا۔" بشیر نے دوبارہ انہیں وجاہت سے پوچھنے کے لیے قائل کرنا چاہا۔

"چلو میں دیکھ لوں گی بہرحال تم فون نمبر اور ایڈریس وغیرہ مجھے بھیج دینا ابھی۔" فضلاں بی ٹالنے والا انداز اپناتے ہوئے بولی تو بشیر گہرا سانس لے کر رہ گیا۔

"اوکے، بھیج دوں گا ابھی۔"

"اچھا ٹھیک ہے انتظار کررہی ہوں، اللہ حافظ پھر بات ہوگی۔" اتنا کہہ کر فضلاں بی نے بات ختم کردی اور بشیر نے بھی آف کا بٹن پش کیا اور دوسرے پل اسکول کا کنٹکٹ ان کو میسج کردیا۔

❁......❁......❁
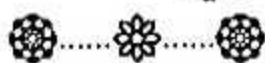
جب ہم اس بات کی گارنٹی دینے سے قاصر ہیں کہ ہم اگلی سانس لے سکیں گے یا نہیں تو پھر ہم کسی اور کی گارنٹی

کیسے لے سکتے ہیں۔ ہماری اپنی سوچ کب، کس لمحے ہمارے اپنے ہی خلاف ہوجائے ہم اس بات سے بھی بے خبر ہیں تو پھر کسی دوسرے کے نہ بدل جانے کا دعویٰ کیسے کرسکتے ہیں؟ ہمارے پاس کسی بات کی کوئی گارنٹی نہیں ہوتی......ہم جو بھی ابھی ہیں ہم کل کے لیے اپنے نہ بدل جانے کے دعویدار نہیں ہوسکتے۔ ہاں ہم وعدے ضرور کرتے ہیں لیکن وہ وعدے کتنے پائیدار ہیں، کتنے سچے ہیں اس کا بھی فیصلہ ہم آج نہیں کرسکتے کل آئے گا تو ہماری سچائی کا ثبوت دے گا۔

فضلاں بی کی توجہ حیدر کی طرف دن بدن بڑھنے لگی تھی جو پہلے پہلے تو وجاہت علی شاہ سے ڈھکی چھپی رہی لیکن کب تک؟"

وقت کے ساتھ ساتھ ہمیں لوگوں کی عادتوں کا ان کے طور طریقوں کا اندازہ ہونے لگتا ہے کچھ عادتیں جو ہمیں تکلیف دیتی ہیں ہم حتی الامکان کوشش کرتے ہیں کہ وہ بدل دی جائیں اور کبھی ہمیں بہت سارے کمپرومائز کرنے پڑجاتے ہیں۔

فضلاں بی سمجھنے بوجھنے کے باوجود بہت سے معاملات ہینڈل کررہی تھیں۔ بہرحال ارمان اور حیدر کی دوستی ہوتی جا رہی تھی۔ مادہ کم عمر تھی اور عروہ حیدر کو زیادہ لفٹ نہ کراتی تھی اس کے انداز میں ایک ان دیکھا غرور تھا کچھ تعلیمی لحاظ اور کسی حد تک مضبوط فیملی بیک گراؤنڈ کو لے کر حیدر کے پاس ان دونوں چیزوں کا فقدان تھا۔ اس لیے پسندیدگی کے باوجود حیدر اس سے بات چیت یا کھیل میں انوالو ہونے سے اجتناب برتتا تھا۔

"میم، ہم آپ کا جتنا بھی شکریہ ادا کریں کم ہے۔ اس احسان کے بدلے آپ جو بھی بولیں گی ہم کرنے کو تیار ہیں۔" شام کا وقت تھا چاندنی نگر کی لان میں شام کی چائے لگاتی تسلیم فضلاں بی کے سامنے کھڑے ہوکر انتہائی تشکر آمیز انداز میں ان سے مخاطب تھی تو سامنے والی چیئر پر بیٹھے وجاہت علی شاہ نے چونک کر دیکھا لیکن خاموش رہے اور فضلاں بی ان کی خاموشی کو ان کی لاعلمی سمجھ کر مطمئن ہوگئی اور پھر نجانے وجاہت علی شاہ کو حیدر کے اسکولنگ کی ذمہ داری لینے کا بتانے کے فضلاں بی نے بھی خاموشی اختیار کرلی لیکن یہ نہ سمجھ سکی کہ وجاہت کی خاموشی کسی طوفان کا پیش خیمہ ہوسکتی ہے۔

حیدر اسکول جانے لگا تھا سائیں اللہ بخش اور تسلیم اس احسان کے بدلے دن رات فضلاں بی کی خدمت میں لگے رہتے تھے فضلاں بی کیسی مہارانی کی طرح زندگی گزارنے لگی تھی۔

فضلاں بی کی زندگی میں بھونچال اس وقت آیا جب وجاہت علی شاہ کے سامنے ساری حقیقت آئی وہ حقیقت جس سے کوئی باخبر نہ تھا اور فضلاں بی نے اپنی ہی اچھائی کی بدولت اپنی ہی جھولی میں انگارے بھر لیے تھے۔

"یہ کیا ہے فضلاں بی؟" وجاہت کا بے تاثر، سپاٹ کرخت انداز ان کو اندر تک لرزا گیا۔

"فضلاں میں آپ سے کچھ پوچھ رہا ہوں۔" وہ اپنے سامنے رکھی فائل کو گھورے جارہی تھیں کہ وجاہت دہاڑے تو یکلخت ان کا رنگ فق ہوگیا۔

"بولیں فضلاں بی ورنہ آپ کی خاموشی مجھے کسی بھی فیصلے پر مجبور کردے گی۔" وہ مسلسل خاموش تھی تو وجاہت علی شاہ جو انتہائی ضبط سے کام لینے کے باوجود تلخی سے بول رہے تھے یک لخت طیش میں آگئے فضلاں بی نے تڑپ کر انہیں دیکھا۔

"تسلیم، اللہ بخش۔" وجاہت علی شاہ نے ان دونوں کو آواز دی۔

"نن......نہیں......وجاہت وہ...... بے خبر ہیں۔" تھوک نگلتے ہوئے وہ بمشکل بول پائی تھی۔

"بہت خوب۔" وجاہت نے قہر آلود نظروں دیکھا۔

"جی......صاحب......خیریت......!"

"اندر آجاؤ اللہ بخش۔" وجاہت کے اجازت دیتے ہی اللہ بخش اندر داخل ہوا اور اس کے پیچھے بڑی سی چادر میں اپنے آپ کو کافی حد تک چھپائے تسلیم بھی اندر آگئی۔

"فضلاں بی اب آپ جواب دیں کہ یہ سب کیا ہورہا

ہے اور کیوں ہو رہا ہے اور کسی کی اجازت سے آپ نے اتنا بڑا قدم اٹھایا ہے۔" وجاہت علی شاہ بے لچک اور انتہائی کرخت انداز میں فضلاں بی سے مخاطب ہوئے تو وہ سائیں اللہ بخش اور تسلیم کے سامنے وجاہت کے اس انداز کی قطعی توقع نہ کر رہی تھیں ڈبڈبائی نظروں سے ان کی طرف دیکھا لیکن ان کے چہرے پر کسی قسم کی نرمی یا لگاوٹ کے کوئی آثار نظر نہ آئے تو انہوں نے تسلیم اور سائیں اللہ بخش کو دیکھا جو انتہائی ڈرے سہمے کھڑے تھے۔

"وجاہت ریلیکس ہو کر بات کریں اور تسلیم اور اللہ بخش کو بھیجیں یہاں سے یہ ہمارا پرسنل میٹر ہے۔" فضلاں بی چلتے ہوئے وجاہت کے پاس آ کر رکی اور ان کا بازو پکڑ کر مدہم اور صلح جو انداز میں بولی وجاہت نے انتہائی غصیلی نظروں سے انہیں دیکھا اور اپنا بازو جھٹک کر آزاد کرایا۔

"یہ ہمارا ذاتی معاملہ نہیں ہے فضلاں بی یہ دونوں بھی اس میں شامل ہیں۔" وجاہت نے قہر آلود نظروں سے ان دونوں کو دیکھا۔

"وجاہت یہ دونوں اس بات سے بے خبر ہیں۔" فضلاں بی دوبارہ اس کے سامنے آ کھڑی ہوئی تھی جبکہ سائیں اللہ بخش اور تسلیم سرے سے بے خبر تھے اس وقت کے ایشو کا کوئی سرا ان کے ہاتھ نہ آ رہا تھا۔

"تم دونوں جاؤ یہاں سے۔" دوسرے پل فضلاں بی ان دونوں کی طرف پلٹ کر ان سے بولی۔

"فضلاں بی۔" وجاہت دہاڑے۔

"چاندی نگر" کے کسی بھی فیصلے کا اختیار آپ کے پاس نہیں ہے۔ سو بہتر یہی ہوگا کہ جو میں نے پوچھا ہے آپ مجھے اس کا جواب دیں۔" وجاہت علی شاہ کے الفاظ نے ان کے لہجے سے جھانکتی نفرت نے فضلاں بی کے پیروں تلے زمین کھینچ لی۔ وہ ہونقوں کی طرح ہک دک ان کی طرف دیکھنے لگی۔ سائیں اللہ بخش اور تسلیم کے لیے دل میں لاکھ نرم جذبے سہی میل ملاپ سہی دوستی سہی لیکن ایک فاصلہ ضرور تھا ایک پردہ تھا جس کو کبھی ہٹایا نہ گیا تھا اور اب آن کی آن وجاہت کے ان الفاظ نے فضلاں بی کو زندہ در گور کر دیا۔

"صاحب جی ہمیں اجازت دیں میم نے کبھی آپ کے نقصان کا نہ سوچا نہ کبھی آپ کے خلاف کچھ کہا آپ ٹھنڈے مزاج سے ان کی بات سن لیں۔" سائیں اللہ بخش ہاتھ جوڑے دو قدم آگے بڑھا اور فضلاں بی کی حمایت کرنے لگا۔

"اللہ بخش تم ملازم ہو اور ملازم ہی رہو۔ اس سے ایک قدم آگے بھی بڑھے تو اچھا نہیں ہوگا۔" وجاہت علی شاہ نے انتہائی کرخت انداز میں ہاتھ اونچا کر کے اس کو وارن کیا۔

"تم جانتے بھی ہو تمہاری اس میم نے کیا کیا ہے؟" وجاہت علی شاہ کا یہ روپ فضلاں بی کی قوت گویائی سلب کر چکا تھا تسلیم نے فضلاں بی کے دھواں دھواں چہرے کو دیکھا تو اس کا دل کٹ کر رہ گیا۔

"نہیں معلوم۔" اللہ بخش ڈری سہمی آواز میں بولا تو وجاہت نے ٹیبل پر بڑے پیپر کو اٹھایا۔

"تمہارے بیٹے کا اسکول میں ایڈمیشن ہوا ہے۔"

"ج....جی...... صاحب یہ معلوم ہے۔" اللہ بخش ہاتھ جوڑے اسی انداز میں بولا۔

"میم کا بہت بڑا احسان ہے ہم غریبوں پر۔"

"ایک سال ہو گیا ہے۔" وجاہت اس کی بات کاٹ کر فضلاں بی پر نظریں جمائے بولنے لگے تھے فضلاں بی نے ڈبڈبائی نظروں سے ان کو دیکھا۔

"یہ حیدر کی سالانہ رپورٹ ہے۔" حیدر علی شاہ۔" وجاہت نے یہ تین لفظ ٹھہر ٹھہر کر ادا کیے تو سائیں اللہ بخش اور تسلیم دونوں نے ایک دوسرے کو دیکھا اور پھر فضلاں بی کو جس کی رنگت لٹھے کی مانند سفید پڑ چکی تھی۔ وجاہت علی شاہ کی قہر آلود نظروں اور نفرت آمیز رویے کی تاب لانا ان کے بس میں نہ تھا ہوتا بھی کیسے اتنی محبت، اعتبار اور اپنائیت کے بعد یکلخت کسی کا یوں سارے اختیارات چھین لینا کہاں برداشت ہوتا ہے۔

"حیدر کے ولدیت کے خانے میں وجاہت علی شاہ کا نام کیوں ہے، فضلاں بی جواب دیں۔" وجاہت وہ

رپورٹ فضلاں بی کی طرف پھینکتے ہوئے ان سے دریافت کرنے لگے۔
''یقین مانے صاحب یہ سب لاعلمی میں ہوا ہے۔ میم کا اس میں کوئی قصور نہیں ہے۔'' اس لمحے سائیں اللہ بخش کو معاملے کی سنگینی کا اندازہ ہوا تو دو قدم وجاہت کی طرف بڑھ کر فضلاں بی کی حمایت میں بولا۔
''فضلاں بی جواب دیں آپ کی خاموشی میرے ضبط کو للکار رہی ہے۔'' وجاہت نے سائیں اللہ بخش کی التجا کو نظر انداز کرکے فضلاں بی کی طرف پیش قدمی کی تو وہ لرز گئی۔
''اس میں میری کسی پلاننگ کا کوئی عمل دخل نہیں ہے۔'' فضلاں بی سپاٹ لہجے کے ساتھ بولنے لگی۔
حیدر کا ایڈمیشن کرانا تھا کیونکہ وہ بچہ احساس کمتری کا شکار ہو رہا تھا تو میں نے سوچا جس اسکول میں ارمان اور عروہ، مادہ جاتے ہیں وہاں اس کا ایڈمیشن کرواں تاکہ اس کا اپنے آپ کو کمتر سمجھنے کا احساس ختم ہوجائے ایڈمیشن کراتے وقت جب پرنسپل نے یہ کہا کہ اس کا باپ فیس پے نہیں کرسکتے گا باپ کام نہیں کرتا تو ہم یہ ایڈمیشن نہیں کرسکتے کہ ہمارے اسکول کے رولز اور ریگولیشن میں یہ نہیں کہ فیس وقت پر نہ پے کی جائے ہمیں اپنے اسکول کے اسٹینڈرڈ کا خیال رکھنا پڑتا ہے۔'' وجاہت محض تیرہ برس کے بچے کے سامنے کوئی یہ کہے کہ تم اس قابل نہیں کہ یہاں تعلیم حاصل کرسکو تو اس کے دل کی حالت کیا ہوگی یہ اس کے فق ہوتے چہرے پر واضح تھا اس کے چہرے پر جو ایکسائٹمنٹ تھی جو چمک تھی میں نے پل کی پل اس کو ماند پڑتے دیکھا تھا۔'' فضلاں بی گمبھیر انداز میں وجاہت علی شاہ کو ساری تفصیل بتانے لگی جو تسلیم اور سائیں اللہ بخش کے لیے بھی قطعی نئی تھی۔
''آپ اس کی فیس کی فکر نہ کریں وہ ٹائم پر پے ہوجائے گی۔'' بنا سوچے میں نے یکلخت کہا۔ ''لیکن کہاں سے ہمیں پراپر کاغذی کارروائی کرنی ہے باپ کا پیشہ اور ایڈوانس دونوں امپورٹنٹ ہیں ہمارے لیے۔''
''اوکے، والدین کے خانے میں لکھیں۔ وجاہت علی شاہ اور پیشہ لیدر گارمنٹس فیکٹری کے اونر۔''
''او اچھا اچھا تو یہ وجاہت علی شاہ کے بیٹے ہیں تو پہلے جو نام بتا رہی تھیں وہ کون ہے؟''
''اس کی آپ فکر نہ کریں جو بھی ہے، اب یقیناً آپ کو ایڈمیشن کے سلسلے میں کوئی پریشانی نہیں ہوگی۔''
''نہیں، نہیں میڈم اب کوئی مسئلہ نہیں وجاہت صاحب کو کون نہیں جانتا۔''
''بہت شکریہ۔''
''آئی ایم رئیلی سوری میڈم لیکن ہمیں پیرنٹس کے ساتھ اسٹریکٹ ہونا پڑتا ہے اور اپنے اسٹینڈرڈ کو بھی برقرار رکھنا ہماری ذمہ داری ہے۔ ہمیں اسی بات کی تنخواہ دی جاتی ہے اور پورا اسٹاف اس بات کا خیال بھی رکھتا ہے۔''
''میں نے حیدر کے چہرے کی رونق کو پھر سے ابھرتے دیکھا تھا وجاہت اور مجھے خوشی ہو رہی تھی کہ میں ایک بچے کم از کم ایک انسان کی زندگی سنوارنے کے لیے کوشش کررہی ہوں۔''
''میرے نام کا سہارا لے کر اس کو میرا وارث بنا کر اور چھپا کر۔'' وجاہت انداز کے بے یقینی پر فضلاں بی کٹ کر رہ گئی۔
''میں جھوٹ نہیں بول رہی ہوں وجاہت۔'' وہ لجاجت بھرے انداز میں وجاہت کی طرف دیکھ کر بولی۔
''لوگوں کی زندگیوں کو سنوارنے کا اتنا ہی شوق ہے ناں تو کوئی اور سہارا ڈھونڈو فضلاں بی، میرا نام صرف اور صرف میری اولاد کے لیے ہے ملازموں کے بچوں کے لیے نہیں۔''
وجاہت دانت پیستے ہوئے انتہائی تنفرلب و لہجے کے ساتھ بولے تو جہاں فضلاں بی کو سبکی محسوس ہوئی وہاں سائیں اللہ بخش اور تسلیم کو بھی پیروں تلے سے زمین سرکتی محسوس ہوئی۔
''صاحب جی میم جو بھی کہہ رہی ہیں اس کا ایک ایک لفظ سچ ہے۔'' حیدر نجانے کب سے دروازے میں کھڑا سب سن رہا تھا اس کی آواز پر اللہ بخش اور تسلیم نے پلٹ کر

اسے دیکھا تھا۔

فضلاں نے بھی نظر اٹھا کر اسے دیکھا اور پھر وجاہت کو جو آگ برساتی نظروں سے اسے گھورے جارہے تھے۔

"تم لوگ جاؤ یہاں سے۔" وجاہت، اللہ بخش اور تسلیم کی طرف دیکھ کر بولے تو دوسرے لمحے وہ دونوں فضلاں بی کی طرف دیکھنے لگے۔ ان کی نظروں میں بھی ان کے وہاں سے چلے جانے کی خاموش التجا چھپی ہوئی تھی۔ اگلے پل وہ وہاں سے چلے گئے حیدر کو بھی ہمراہ لے کر اور پھر جہاں ہر پل محبتوں کی صدائیں گونجتی تھیں بے اعتباری اور خاموشی کا راج ہونے لگا۔

"آپا میں نے منع کیا تھا کہ وجاہت بھائی صاحب سے مشورے کے بغیر کوئی قدم نہ اٹھانا۔ میں نے بتایا تھا کہ وہ غصے اور ضد میں اپنی مثال آپ ہیں۔" بشیر تک ساری بات پہنچی تو وہ بھی فضلاں بی کو ہی ملامت کرنے لگا اور سچ بھی یہی تھا کہیں نہ کہیں فضلاں بی کی غلطی ضرور تھی لیکن وہ مان نہیں رہی تھی۔

وہ چاندی نگر جہاں خزاں بھی بہار کا سماں پیش کرتی تھی فضلاں بی اور وجاہت علی شاہ کی محبت کی داستانیں چاندی نگر کے درودیوار پر چسپاں تھیں وہاں اب بہاریں بھی وہ رونقیں وہ محبتیں واپس نہ لا رہی تھیں۔

"حیدر، وجاہت علی شاہ کے نام کے ساتھ ہی اسکول جارہا تھا۔ احساس کمتری کم ہونے کے بجائے مزید بڑھ گیا تھا اب یہ بھی احساس ساتھ ساتھ تھا کہ صرف اور صرف انسانیت کے ناطے اس کے بہتر مستقبل کی خاطر فضلاں بی کا مستقبل چاندی نگر کی رونقیں خوشیاں داؤ پر لگ چکی تھیں فضلاں بی اپنی غلطی کا اعتراف اپنی نیک نیتی کے ساتھ کررہی تھی اور وجاہت اس نیک نیتی کو چھپانے کی سزا دینے کے حق میں تھے۔ مہینوں گزر گئے۔

فضلاں بی نے بیٹے کو جنم دیا اور وجاہت نے انعام کے طور پر فضلاں بی کو دو ٹکٹ دیے۔

"یہ کیا ہے؟" فضلاں بی پوچھے بنا نہ رہ سکی۔

"میں اپنے بیٹے کے آنے کا ہی انتظار کررہا تھا۔" وجاہت اپنے بیٹے کو اٹھا کر اس کو پیار کرتے ہوئے سپاٹ لہجے میں فضلاں بی سے مخاطب ہوئے۔

"کیا مطلب؟" فضلاں بی نقاہت کے باوجود اٹھ بیٹھی اور انہونی کے ڈر سے لرز رہی تھی بہت سی ہمت جمع کر کے وجاہت کا دیا گیا لفافہ کھولنے لگی تھی۔

"کیا ہے یہ مجھے نہیں سمجھ آرہی وجاہت۔" وجاہت اس لمحے مکمل اپنے بیٹے میں انوالو تھے اور فضلاں بی کی حالت سے قطعی بے خبر یا شاید ظاہر ایسے کررہے تھے فضلاں بی تڑپ اٹھی۔

"وجاہت۔" وہ چیخی تو انہوں نے انتہائی تحمل سے اسے دیکھا۔

"یہ لندن کے ٹکٹس ہیں وہاں سارا انتظام ہوگیا ہے آپ اور حیدر وہاں جارہے ہیں حیدر کو اعلیٰ تعلیم دلوانے۔" وجاہت اس کی طرف دیکھے بنا ان کو بتا لگے تھے۔

"مم..... مگر..... و..... وجاہت میں..... کیوں جاؤں اور حیدر کو لے کر کیوں۔"

فضلاں بی کی حالت غیر ہورہی تھی جبکہ وجاہت اس لمحے انتہائی پرسکون تھے۔

"میں نے کہا ناں حیدر علی شاہ کو اعلیٰ تعلیم کی ضرورت ہے۔" وجاہت بنا کسی لگاوٹ کے بولتے اٹھ کھڑے ہوئے اور اپنے بیٹے کو اٹھاتے ہوئے بولے۔

"لل..... لیکن میرا بیٹا۔" فضلاں بی ہاتھ پھیلاتے ہوئے تڑپ کر بولی۔

"اس کی فکر نہ کریں اللہ بخش اور تسلیم ادھر ہی ہیں۔" وجاہت کا انتہائی مختصر انداز فضلاں بی کو مزید الجھا رہا تھا۔

"وجاہت میری غلطی کیا ہے جو اتنی بڑی سزا دینے لگے ہیں۔" فضلاں بی اٹھنے لگی لیکن شدید کمزوری کے باعث دوسرے پل سر گھومنے لگا تو بے بس ہوکر آنسو بہانے لگی اور وجاہت جو کبھی ان کی ذرا سی تکلیف پر تڑپ اٹھتے تھے مکمل لاتعلقی برت رہے تھے۔ نجانے اتنا حوصلہ کہاں سے آ گیا تھا ان میں۔

"فضلاں بی میرا فیصلہ اٹل ہے یہ پتھر پر پڑی وہ لکیر

ہے جو کسی طرح بھی مٹ نہیں سکتی اس لیے آپ کے حق میں بہتر یہی ہے کہ آپ چپ چاپ اس پر عمل کریں بغیر کسی بحث و مباحثہ کے اس سے آپ صرف اپنی انرجی ہی ویسٹ کریں گی اور شاید عزت نفس بھی مجروح ہو کیونکہ فیصلہ ہو چکا ہے دوسری صورت میں آپ کو صدیقی مینشن جانا ہوگا۔" وجاہت سفا کی کی انتہا کو چھو رہے تھے۔

"آپا وجاہت بھائی صاحب کے بارے میں یہی کہا جاتا ہے کہ وہ بہت ضدی ہیں۔ جب تک آپ ان کی مانتے رہو وہ اچھے ہیں اپنی مرضی ان پر لاگو کرنے کی کوشش میں نقصان سراسر آپ کے حصے میں آتا ہے وہ اپنی ہار کبھی بھی تسلیم نہیں کرتے ہیں۔" بشیر کی باتیں ان کی سماعتوں میں گونجنے لگی تھیں۔ وہ باتیں جن کو سن کر فضلاں بی نے اپنے بھائی پر الزام لگایا تھا کہ وہ ان کو وجاہت کے خلاف کرنے کی کوشش کر رہے ہیں۔ بشیر لیکن اب وجاہت کی ہٹ دھرمی اور ضد نے ثابت کر دیا تھا کہ بشیر کی اس وقت کی اطلاع کتنے فی صد سچ تھی ان کی کوشش اپنی بہن کا گھر برباد کرنے کی نہیں بلکہ ان کو کسی بھی دکھ میں مبتلا ہونے سے بچانے کے لیے تھی لیکن فضلاں بی نے کتنا غلط سمجھا تھا۔

اور پھر وہی ہوا جو وجاہت نے طے کیا تھا۔ بشیر اور انجم نے ہر ممکن طریقے سے وجاہت کو سمجھانے کی کوشش کی فضلاں بی کو صدیقی مینشن شفٹ ہونے کے لیے قائل کرنے کی کوشش کی کہ وقت گزرنے کے ساتھ وجاہت بھی سمجھ جائے گا لیکن ان دونوں کی کسی کوشش کو وجاہت علی شاہ اور فضلاں بی نے کامیابی کی سند نہ دی...... اور چار ہفتے کے ننھے منے ریان علی شاہ کو چاندی نگر کو سونپ کر حیدر کو ساتھ لیے خاموشی سے لندن شفٹ ہو گئیں۔

❁......❁......❁
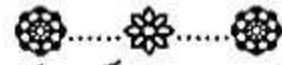
"ہاں ہیلو، بول یار اس وقت کیسے یاد کر لیا۔" ارمان نے کال ریسیو کی تو دوسری طرف اشعر کی آواز اس کو چونکا گئی۔

"کیوں میں اس وقت یاد نہیں کر سکتا کیا؟" وہ پر مزاح انداز میں بولا۔

"کر سکتا ہے کیوں نہیں کر سکتا لیکن ابھی کوئی گھنٹہ بھر پہلے تو میرے دیدار سے مستفید ہو چکا ہے ناں اور جہاں تک مجھے یاد پڑتا ہے میں تیری محبوبہ نہیں جو تو گھنٹے میں ہی تڑپ اٹھا۔" ارمان سوٹ کیس کو سائیڈ پر کرتے ہوئے شوخی سے بولا تو اشعر اپنا بے ساختہ قہقہہ روک نہ سکا۔ موبائل میں ہیڈ فون فکس کرتے ہوئے ارمان بھی مسکرا رہا تھا۔

"ایک انفارمیشن ملی تو سوچا شیئر کر دوں۔" اشعر کی آواز پر ارمان چونکا تھا۔

"کس بارے میں۔" وہ حیرت سے گویا ہوا۔

"اسی تیری نقاب والی مس کے بارے میں۔" اشعر کے الفاظ پر ارمان کا ہر ایک عضو کان بن گیا۔

"کیا کہا، ریئلی جلدی بتا۔" وہ تیزی سے بولا۔

"وہ ایک اسکول میں ٹیچر ہے اور خوشی کی بات یہ کہ کل صبح تو تیار رہنا ان سے ملاقات کا چانس بن گیا ہے۔" اشعر اس کو بتانے لگا۔

"کیسے کیسے؟" ارمان بے یقنی سے بولا۔

"یہ تو کل ہی بتاؤں گا فی الحال بائے۔" اتنا کہہ کر ارمان کی کوئی بھی بات سنے بغیر اشعر نے لائن ڈسکنیکٹ کر دی تو وہ اس کی اس حرکت پر تلملا کر رہ گیا۔ لیکن بہر حال اب صبر تو کرنا ہی تھا اور صبح کا انتظار بھی۔

اور پھر صبح ہو گئی اس کے انتظار کی گھڑیاں ختم ہو گئی تھیں۔

"ہم کہاں جا رہے ہیں۔" فرنٹ سیٹ پر بیٹھتے ہی وہ اس سے مخاطب ہوا اور اشعر ایک سرسری نظر اس کی طرف ڈال کر مکمل طور پر ڈرائیونگ کی طرف متوجہ ہوا تھا تو ارمان نے غصیلی نظروں سے گھورا تھا۔

"یار کیا سسپنس ہے اب بتا بھی دے کہاں لے کر جا رہا ہے۔" اگلے پانچ منٹ تک اشعر نے کوئی جواب نہ دیا تو ارمان تلملا کر دوبارہ گویا ہوا۔

"صبر صبر میری جان تم تو ایسے چیخ چلا رہے ہو جیسے......!"

"شٹ اپ اور سیدھی طرح بتاؤ کہاں جانا ہے" اشعر گیئر چینج کرتا ہوا شریر انداز میں بولنے لگا تو ارمان اس کی

بات کاٹ کراس کو ڈپٹتے ہوئے بولا تو وہ اپنا بے ساختہ قہقہہ روک نہ سکا۔

"بس، بس یار منزل قریب ہے ذرا سا حوصلہ رکھ۔" اشعر موڑ کاٹتے ہوئے اچٹتی نظر سے اسے دیکھتے ہوئے بولا۔

"یہ کون سی منزل ہے جس کے رستے سے میں انجان ہوں۔" ارمان دائیں بائیں دیکھتے ہوئے متعجب انداز میں اس سے پوچھنے لگا۔

"یہ...... یہ تو......!" اشعر مسلسل خاموش تھا کچھ دیر بعد ان کی گاڑی ایک جگہ آ کر رکی تو پل کی پل ارمان کی حیرت سوا نیزے پر پہنچ گئی۔

"سرپرائز۔" اشعر ایک سائیڈ پر گاڑی پارک کرتے ہوئے اگنیشن سے چابی نکالتے ہوئے مسکراتی شریر نظروں سے اسے دیکھتے ہوئے بولا جو اس کالے گیٹ پر نظریں جمائے ہوئے تھا۔

"چلو۔" اشعر دروازہ کھولتے ہوئے اس سے مخاطب ہوا تو وہ چونکا۔

"کیا مطلب' کہاں۔" وہ واقعی حیرت میں مبتلا تھا۔

"اب کیا یہاں بیٹھ کر ہی گیٹ کے کھلنے کا انتظار کرنا ہے؟" اشعر اس کی سائیڈ پر آ کر دروازہ کھول کر خوشگوار لہجے میں بولا تو وہ سٹپٹا گیا۔

"السلام علیکم بھائی کیسے ہیں، اتنی دیر لگادی۔"

"وعلیکم السلام ہاں بس ٹریفک میں دیر لگ گئی' تم ایسا کرو کہ رانیہ کو ساتھ لے کر جاؤ ارمان تمہارے ساتھ جائے گا مجھے گاڑی کا تھوڑا سا کام کرانا ہے ناں تو میں آدھے پونے گھنٹے تک واپس آجاؤں گا۔" ہونقوں کی طرح ان دونوں کو گھورتے ہوئے ارمان کو دیکھ کر اشعر بسمہ سے مخاطب ہوا تو اس نے اثبات میں سر ہلایا۔

"ارمان بھائی کیسے ہیں آپ؟"

"میں ٹھیک ہوں گڑیا تم سناؤ کیسی ہو اور ہماری یہ پری جیسی بٹیا کیسی ہے؟" ارمان رانیہ کو گود میں اٹھاتے ہوئے اس کو پیار کرتے ہوئے بولا۔

"میں بھی ٹھیک ہوں بھائی اور رانیہ بھی ٹھیک ہے سوری آپ کو زحمت اٹھانی پڑ رہی ہے دراصل بھابی نے خود ہی آنا تھا لیکن اچانک بھابی کے میکے میں کوئی ڈیتھ ہوگئی ہے اور بھائی اور بھابی کو وہاں جانا پڑ گیا۔ رانیہ کا آج ایڈمیشن کرانا تھا ٹائم فکس کرا رکھا تھا بھابی نے اس لیے کہا تھا کہ میں لے جاؤں لیکن اشعر بھائی کو بھی کام ہے اور میں اکیلی نہیں آسکتی تھی تو بھائی نے کہا تھا کہ ارمان بھائی ساتھ آجائیں گے۔" بسمہ ارمان کو تفصیل بتانے لگی تو ارمان نے متعجب اور تشکر آمیز نظروں سے اشعر کو دیکھا جو مسکرا رہا تھا۔

"تو چلیں بھائی۔" بسمہ، ارمان سے مخاطب ہوئی تو وہ بھی اس کی طرف متوجہ ہوا اور رانیہ کو نیچے اتار کر اس کا ہاتھ پکڑ کر چلنا شروع کردیا۔

جوں جوں قدم آگے بڑھ رہے تھے اس کے اندر ایک عجیب سا انتشار پھیلتا جا رہا تھا اس کا اٹھتا ہر قدم اس کی دھڑکنوں کے پھیلے اضطراب اور انجانی سی چاہ میں مزید اضافہ کر رہا تھا۔

وہ پرائمری اسکول تھا جہاں اس وقت شاید پلے ٹائم تھا اور بہت سے بچے اِدھر اُدھر کھیل میں مصروف تھے بسمہ اس سے دو قدم آگے تھی اور ارمان، رانیہ کا ہاتھ پکڑے طائرانہ نظروں سے اسکول کو دیکھتا چل رہا تھا۔

"السلام علیکم، ہم ایڈمیشن کے لیے آئے ہیں۔" بسمہ نے ایک نیلے رنگ کے دروازے پر لگے بورڈ پر "پرنسپل" لکھا دیکھ کر ناک کرکے اندر جھانکا تھا اور پھر وہ دونوں رانیہ کے ہمراہ اندر چلے گئے۔

"وعلیکم السلام جی آئیں تشریف لائیں۔" سامنے ایک بڑی سی صوفہ نما کرسی پر بیٹھی عورت یقیناً پرنسپل کے فرائض انجام دے رہی تھی بسمہ ان کے خوش دلی سے بولنے پر ارمان کو دیکھ کر آگے بڑھی۔ ارمان نے کمرے کا جائزہ لیا نفاست اور اعلیٰ ذوق اسکول کے ہائی اسٹینڈرڈ کو واضح کردیا تھا۔ رنگین تین سیٹوں والا صوفے کے سامنے ٹیبل پر فریش پھول دیواروں پر پینٹنگز انتہائی متاثر کن

ماحول تھا صوفے پر بیٹھے ہوئے وہ ایک دم چونکا۔ کمرے کے ایک طرف کھلی کھڑکیوں کے سامنے رکھے کمپیوٹر پر مصروف اس ذات نے اس کی دھڑکنوں کو اتھل پتھل کردیا۔ اسکارف سے سر کو ڈھانپے ہوئے تھی۔

''میڈم یہ مکمل ہوگیا ہے۔'' وہ پلٹ کر اس عورت سے مخاطب ہوئی تھی اور ارمان کی موجودگی کے باعث چہرہ ڈھانپ لیا تھا۔

''بہت شکریہ آپ یہ مزید فارمز دیکھ لیں یہ رانیہ ہیں اور یہ ان کی......!'' پرنسپل نے سوالیہ نظروں سے بسمہ کی طرف دیکھا۔

''جی میں رانیہ کی پھوپھو ہوں اور یہ چاچو بھائی اور بھابی کو کہیں ضروری جانا تھا اس لیے ہم رانیہ کو لے کر آئے ہیں۔'' بسمہ نے تفصیل سے بتایا تو انہوں نے مسکرا کر اثبات میں سر ہلایا جبکہ ارمان ابھی تک اس کی ایک معمولی سی جھلک میں ہی کھویا ہوا تھا۔

''رانیہ کو اسکول کا وزٹ کرانا ہے۔'' کمپیوٹر پر بیٹھی لڑکی نے پلٹ کر دیکھا ارمان یہ آنکھیں اور یہ آواز لاکھوں میں بھی پہچان سکتا تھا محتاط نظروں سے اس نے اسے دیکھا تھا۔

''ہاں میرے خیال میں اسکول کا ایک راؤنڈ ضروری ہے۔'' پرنسپل سے پہلے بسمہ بولی۔

''میڈم مس نورین ہی وزٹ ارینج کر رہی ہیں میں ان کو بلا لاتی ہوں۔'' وہ اٹھ کر پرنسپل کے پاس آئی اور ان کے سامنے رکھی فائلز کو اٹھاتے ہوئے بولی۔

''نہیں تم آپ ان فائلز کو ہینڈل کریں میں ان کو لے جاتی ہوں مجھے ایگزامینیشن ہال کا وزٹ کرنا تھا۔'' وہ اٹھتے ہوئے بولیں تو وہ فائلز اٹھا کر دوبارہ اپنی سیٹ کی طرف بڑھ گئی۔

''چلیں میں آپ کو مس نورین سے متعارف کرا دیتی ہوں وزٹ کے بعد آپ یہاں میرے آفس میں ہی آجایئے گا کچھ فارمز فل اپ کرنے ہیں جن پر رانیہ کے گارڈیئنز کے سگنیچر چاہیے۔'' میڈم نے سوالیہ نظروں سے بسمہ اور ارمان کو دیکھا۔

''میڈم اس وقت بھائی اور بھابی تو فری نہیں ہیں اور شاید فارمز سب مٹ کرانے میں ابھی کچھ دن باقی ہیں تو ہم فارمز اگر گھر لے جائیں تو؟'' اب بسمہ کی بجائے ارمان نے کہا تو کمپیوٹر پر بیٹھی اس لڑکی نے پلٹ کر دیکھا تھا۔ ارمان کا ہر اک عضو آنکھوں کا کام سرانجام دے رہا تھا اس کی نظر پڑتے ہی ارمان نے بھی اسے دیکھا تھا۔ دوسرے پل بنا کسی تاثر کے وہ اپنے کام میں مشغول ہو چکی تھی۔

''ہاں ٹھیک ہے چند دن تک آپ فارمز سب منٹ کرا دیں تو اچھا ہوگا۔'' میڈم نے اجازت دی تو بسمہ نے من ہی من شکر کا کلمہ پڑھا اور پھر بسمہ رانیہ کا ہاتھ پکڑے ارمان کے ساتھ میڈم کے ساتھ چل پڑی۔

''آئی ایم سوری، ہمارا سارا اسٹاف فی میل ہے اور یوں ایک میل کے ساتھ اسکول کا وزٹ ہمارے رولز میں نہیں ہے کچھ ٹیچر باقاعدہ حجاب لیتی ہیں اور ہمیں اس بات کا خاص خیال رکھنا ہوتا ہے اگر آپ مناسب سمجھیں تو یہاں ہی تشریف رکھیں میں چائے بھجواتی ہوں۔'' وہ چند قدم ہی بڑھے تھے کہ میڈم نے پلٹ کر دیکھا اور ارمان کو ساتھ جانے سے روک دیا۔

''اٹس او کے میڈم کوئی بات نہیں، بھائی آپ ویٹ کریں ہم ابھی آتے ہیں۔'' اس کی بجائے بسمہ بولی تو ارمان دوبارہ صوفہ پر جا بیٹھا۔ ٹیبل کے نیچے بنے شیلف پر سے آج کا اخبار اٹھا کر کھولتے ہوئے اس کی نظریں بار بار کمپیوٹر کی اسکرین پر نظریں جمائے انہماک سے کام میں مصروف اس لڑکی پر تھیں۔ یکلخت اس نے پلٹ کر دیکھا تو ارمان اتنا مگن تھا کہ اپنی نظروں کے زاویے کو بدل نہ سکا اور اس کی آنکھوں سے جھانکتی ناگواری کی شکنوں کو بہت مشکل سے برداشت کیا۔

❁.......❁.......❁
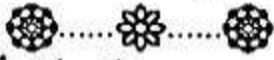
''ماما پلیز ایک بار میری بات سمجھنے کی کوشش تو کریں نا۔'' وہ انتہائی بے بسی سے ان کی طرف دیکھ کر گویا ہوئی تھی۔

''میں سمجھ رہی ہوں، اچھی طرح سمجھ رہی ہوں، لیکن تمہارے بابا جان۔''

''ماما پلیز آپ بابا جان سے بات کریں نا مجھے تھوڑی

سی تو مہلت دیں نا۔‘‘ وہ ناہید صدیقی کے ہاتھ کو پکڑ کر منت بھرے لہجے میں اپنا مدعا بیان کرنے لگی۔

’’دیکھو بیٹا تمہارے بابا جان شادی پر بالکل بھی زور نہیں دے رہے ہیں وہ صرف بات کو طے کرنا چاہتے ہیں وہ صرف یہ چاہتے ہیں کہ تمہاری منزل کا تعین ہوجائے۔‘‘

’’مما زبردستی تو صدیقی مینشن کی روایت نہیں ہے پھر میرے ساتھ یہ ناانصافی کیوں؟‘‘ عروہ اپنی رکتی دھڑکنوں کو بمشکل بحال کرتی بھرائی آواز میں ان سے پوچھنے لگی۔

’’بیٹا کوئی زبردستی نہیں ہے تم سوچ لو امیر مرتضیٰ ہماری آنکھوں کے سامنے پلا بڑھا ہے ہم اس کی ہر ایک عادت ضد اور ہٹ دھرمی سے واقف ہیں ہم جانتے ہیں کہ کتنی طاقت والا ہے ہم تمہارے لیے بہتری ہی چاہتے ہیں بیٹا تم اچھی طرح جانچ پڑتال کر کے جواب دو۔‘‘ ناہید صدیقی مزاج میں اپنی مثال آپ تھی اس وقت بھی عروہ کے احتجاج پرانتہائی نرمی سے اس کے انکار کو ہینڈل کررہی تھی۔

’’ماما سوچنے اور جان پہچان کے بعد کیا میرے پاس انکار کا آپشن ہوگا؟‘‘ عروہ نے ماں کو دیکھا۔

’’دیکھو بیٹا۔‘‘

’’ماما میں جانتی ہوں امیر مرتضیٰ اچھا لڑکا ہے بہت پڑھا لکھا اچھے خاندان کا اچھی نیچر کا اور سب سے بڑی بات وہ بشریٰ خالہ کا بیٹا ہے لیکن مما میں امیر مرتضیٰ سے شادی نہیں کرنا چاہتی میرے دل میں اس کے لیے وہ فیلنگز نہیں ہیں مما وہ صرف میرا کزن ہے اس کے آگے میں اس کو کوئی بھی مقام نہیں دے سکتی، پلیز مما اس پوائنٹ کو سمجھنے کی کوشش کریں۔‘‘ وہ ناہید صدیقی کے سامنے بیٹھ کر اپنی آنکھوں کو رگڑتے ہوئے بولی۔

’’کیا تم...... کسی اور!‘‘ ناہید صدیقی نے چبھتی نظروں سے اسے دیکھا تھا۔

’’ماما کسی کے ساتھ شادی سے انکار کی ہمیشہ یہی وجہ نہیں ہوتی کہ ہم کہیں اور انٹرسٹڈ ہیں کسی کے ساتھ زندگی گزارنے کے لیے ذہنی ہم آہنگی اور دلی لگاؤ کی بہت اہمیت ہوتی ہے تاکہ زندگی سہل ہوسکے۔‘‘ ناہید صدیقی کی نظروں کو ناگواری سے دیکھتے ہوئے عروہ قدرے ترش لہجے میں گویا ہوئی۔

’’تو کیا تمہارا یہ دلی لگاؤ اور ذہنی ہم آہنگی امیر مرتضیٰ کے ساتھ نہیں پروان چڑھ سکتی؟‘‘

’’اف مما! میرے دل میں اس شخص کے لیے کوئی جذبات نہیں ہیں جن کی بنا پر میں اس کی طرف پیش قدمی کرتے اپنی زندگی سہل کرسکوں۔‘‘ عروہ اب عاجز آچکی تھی۔

’’دیکھو بیٹا۔‘‘

’’مما مجھے کچھ نہیں دیکھنا۔ اگر آپ نے فیصلہ کا اختیار مجھے دیا ہے تو پھر میرے فیصلے کو اہمیت بھی دیں دوسری صورت میں جو آپ کو ٹھیک لگتا ہے کریں میں نے اپنا فیصلہ سنا دیا ہے۔‘‘ اتنا کہہ کر عروہ اٹھ کھڑی ہوئی اور اپنے موبائل پر انٹرنیشنل کال پر متعجب نظروں سے اسکرین کو گھورا اور وہاں سے چلی گئی۔

❁......❁......❁

’’آپ یہاں پر ٹیچر ہیں؟‘‘

’’نہیں...... چپڑاسی۔‘‘ اپنے بودے سوال پر وہ اپنے آپ کو کوس رہا تھا کہ اس کے تنگ مزاجی سے دیے گئے جواب پر اپنی بے ساختہ مسکراہٹ نہ روک سکا۔

’’انٹرسٹنگ۔‘‘ وہ واقعی متاثر ہوا تھا۔

’’کون سی کلاس کے سامنے چپڑاسی کے فرائض انجام دیتی ہیں آپ؟‘‘ اس وقت اس نے ڈھیٹ بن جانے کو فوقیت دی۔

’’آپ سے مطلب؟‘‘ وہ قدرے سخت لہجے میں بولی۔

’’مجھے تو کوئی مطلب نہیں لیکن بچوں کے اسکول ٹیچر کے بارے میں جنرل انفارمیشن تو ہونی چاہیے ناں؟‘‘ وہ ریلیکس انداز میں اسی سے پوچھ رہا تھا۔

’’ضروری نہیں۔‘‘ وہ دوبارہ اپنے کام کی طرف متوجہ ہوچکی تھی۔

’’اس تکلف کی کیا ضرورت تھی۔‘‘ چند منٹس بعد اس کی چائے آچکی تھی ساتھ ٹی کیک اور سموسے دیکھ کر یکلخت

اس کی بھوک چمک اٹھی۔

"آپ گریجویٹ ہیں یا ماسٹرز کر رکھا ہے؟" ارمان تھوڑا بہت تعارف حاصل کرنا چاہ رہا تھا۔ تبھی اپنی عادت کے برعکس سوال کر دیا تھا۔

"میں لوگوں کو اپنی تعلیمی قابلیت سے نہیں، اپنی اچھی عادت سے قائل کرنے کی کوشش کرتی ہوں جو واقعی پڑھے لکھے ہیں وہ میری اس کوشش کو سراہتے ہیں اور جن کے پاس ڈگریوں کے انبار لگے ہوتے ہیں ناں وہ اس کوشش کو کسی اور شکل میں ڈھال کر حیران کر دیتے ہیں۔" وہ قدرے تنک انداز میں بولی تو وہ مسکرانے لگا۔

"متفق ہوں آپ کی لوجیک سے۔" وہ مسکراتے لہجے میں بولا تو اس کے انداز سے جھانکتی خوامخواہ کی فرینکنس پر اس نے سر جھٹک کر رخ موڑا تھا۔

"ویسے بھی اچھے اخلاق کو کسی کاغذ کے ٹکڑے کی ضرورت نہیں ہوتی وہ اپنا آپ بغیر کسی سند کے بھی منوالیتا ہے۔" ارمان چائے کا آخری سپ لے کر کپ ٹیبل پر رکھ کر بولا تو اس نے مکمل اجنبیت برتنے میں ہی عافیت جانی۔

"آپ کتنے عرصے سے یہاں جاب کر رہی ہیں؟" ایک اور سوال پر وہ گہرا سانس لے کر رہ گئی۔

"تقریباً پانچ سال سے۔" مختصراً جواب دے کر اپنی اچھی عادات کا ثبوت دیا۔

"آپ کا نام کیا ہے مس؟" فرینکنس کی انتہا ٹاپنگ کرتے اس کے ہاتھ یکلخت رک گئے تھے برداشت نہ کرنے کا مطلب اپنی کہی بات سے مکرنا تھا اور اس کے سوال و جواب وہ اس وقت افورڈ کرنے سے قاصر تھی یک دم اٹھی اور باہر کی طرف قدم بڑھا دیے۔

"آپ کی سسٹر کچھ دیر تک آجائیں گی تو میڈم آپ کو ساری انفارمیشن اور اسکول کے رولز سمجھا دیں گی۔" دروازے کے بیچوں بیچ رک کر بنا پلٹے وہ سپاٹ لہجے میں اس کو بتا کر دوسرے لفظوں میں اخلاقیات نبھا کر باہر نکل گئی تھی تو وہ مسکرا دیا۔ دوسرے پل اٹھ کھڑا ہوا اور چلتا ہوا اس کونے تک جا کر جہاں وہ بیٹھی تھی کی بورڈ کو دیکھا جہاں اس کا لمس برقرار تھا۔

چند پیپرز سائیڈ پر رکھے تھے۔

"بھائی چلیں؟" وہ نہایت انہماک سے ہر ایک چیز کا جائزہ لے رہا تھا کہ بسمہ کی آواز پر چونک کر دیکھا۔

"سمجھ لیا سارا اور فارمز لے لیے۔" وہیں کھڑے کھڑے وہ اس سے پوچھنے لگا۔

"جی بھائی میڈم نے سب سمجھا دیا ہے فارمز فرائڈے تک سب مٹ کرنے ہیں تو وہ بھابی خود کر دیں گی۔ ابھی بھائی کا میسج آیا ہے کہ وہ باہر آگئے ہیں۔" ارمان کو تفصیل سے آگاہ کرتے ہوئے بسمہ موبائل پر آئے گئے میسج کو پڑھتے ہوئے اس کو بتانے لگی تو ارمان نے گہرا سانس لے کر الوداعی نظروں سے سب چیزوں کو دیکھا پلٹتے پلٹتے یک دم وہ چونک گیا کی بورڈ کے پاس کوئی چیز چمک رہی تھی ایک پل بھی ضائع کیے بنا وہ آگے بڑھا وہ ایک ٹوٹا ہوا جھمکا تھا شاید اس نے پہنا تھا اور یہاں رکھا تھا بنا سوچے ایک لمحے کی تاخیر کیے بنا وہ پاکٹ میں ڈال کر بسمہ کے ہمراہ باہر نکل گیا اور اپنی اس حرکت پر من ہی من مسکرایا تھا اور حیران بھی ہو رہا تھا۔

❁.......❁.......❁
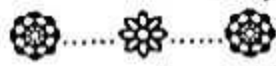
"پیا سے مل کے آئے نین
پیا سے مل کے آئے نین
آئے نہ اب تو مجھ کو چین
ہائے میں کیا کروں
ہائے میں کیا کروں"

تقریباً آدھا پون گھنٹہ ساتھ بتانے کے بعد بلال کاظمی اپنے گھر روانہ ہو چکا تھا اور اب رافعہ کی شوخیاں عروج پر تھیں وہ کمرے میں آئی تو خوش بخت کلائی کو تھامے بیٹھی تھی چہرے پر دلفریب مسکراہٹ، آنکھوں کی چمک محبت کی اس نشانی پر اس کے مسحور ہونے کا اعلان کر رہی تھی رافعہ پر نظر پڑتے ہی اس نے کلائی میں پہنے انتہائی نازک سے کنگن کو اس کے سامنے لہرایا۔ شرگین مسکراہٹ اور

چہرے پر پھیلی قوس وقزاح کنگن کی داستان رافعہ کے گوش گزار کر گئی۔

''رافعہ پاگل ہوگئی ہو کیا۔'' بے تحاشہ ہنسنے سے اس کی آنکھیں پانی پانی ہو رہی تھی۔ ''چھوڑو مجھے کیا کر رہی ہو، سچی مجھے ڈانس نہیں آتا ہے۔'' وہ رافعہ کو پکڑے بولی۔

اس کے نہ نہ کرنے کے باوجود بھی رافعہ نے پورا گانا اس کو گول گھماتے ہوئے گایا تھا اور اب دونوں کے ہی سر چکرا رہے تھے۔

''ارے آپا جان خوشی کو بھرپور طریقے سے ہی انجوائے کرنا زندگی ہے۔'' رافعہ اس کے پاس بیٹھتی ہوئی بولی۔

''میں اس بات پر یقین نہیں رکھتی ہوں، خوشی کے لمحات میں اپنی حدوں کو برقرار رکھنا اور اللہ تعالیٰ کی نافرمانی نہ کرنا اصل زندگی ہے۔'' خوش بخت کنگن کو ہاتھ سے تھام کر سینے سے لگاتے ہوئے رافعہ کی طرف دیکھ کر بولی۔

''اف پلیز یار آج کے دن کوئی فلسفہ نہیں۔'' رافعہ بدمزہ ہوئی تھی۔

''یہ فلسفہ نہیں ہے نجانے کیوں مجھے ڈر سا لگتا ہے۔'' وہ بولنے لگی تو رافعہ نے جمائی لی تو وہ خاموش ہوگئی۔

''اچھا چلو نماز کا وقت ہو رہا ہے ناں تو میں چینج کرلوں۔'' وہ اٹھتے ہوئے بولی۔

''ویسے کنگن بہت پیارا ہے اللہ نصیب کرے اور اس سے جڑی ساری خوشیوں کو ہمیشہ برقرار رکھے۔''

''آمین۔'' رافعہ کی دعا پر خوش بخت نے اس کی طرف دیکھا اور مسکرا کر آمین کہا اور اٹھ کر وارڈ روب سے کپڑے نکال کر واش روم کی طرف بڑھ گئی۔

بعض اوقات کچھ انجانے ڈر، نہ سمجھ میں آنے والے وسوسے ہمارے دل و دماغ پر حاوی ہو کر ہمیں بے سکون کر دیتے ہیں ایسے میں سکون صرف سجدے میں ہی ملتا ہے وہی ایک پاک ذات ہے جو ہمیں اطمینان اور سکون جیسی نعمتوں سے نوازتا ہے اور کبھی ایسا بھی ہوتا ہے کہ ہماری خوشیوں کو ہماری اپنی ہی نظر کھا جاتی ہے اور ہم کچھ بھی نہیں کر سکتے ہیں سوائے دعا کے۔

❁......❁......❁

''ہیلو۔'' مردانہ شناسا آواز پر عروہ چونکی تھی یکلخت موبائل کی اسکرین کو دوبارہ دیکھا۔

''ہیلو......کون؟'' وہ پہچاننے کی کوشش میں تھی۔

''ارمان سے بات ہو سکتی ہے۔'' فون کرنے والے نے اپنے تعارف سے اجتناب برتتے ہوئے کہا۔

''نمبر تو ارمان کا نہیں ہے۔'' وہ انتہائی سپاٹ انداز میں بولی۔

''معلوم ہے لیکن اس کا نمبر تھرو نہیں ہو رہا تھا۔''

''یہ یہ نمبر کہاں سے ملا، ارمان نے یہ نمبر دیا ہوا ہے؟'' وہ ترش انداز میں اس سے پوچھنے لگی۔

''نہیں......نہیں ارمان نے نہیں دیا۔'' وہ یکلخت بوکھلایا تھا۔

''مم......میں......حیدر بول رہا ہوں۔''

''جی معلوم ہے۔'' وہ بے پروائی سے اس کو پہچاننے کا اعتراف کرنے لگی۔

''میرا نمبر کیسے مل گیا ہاں کیا ارمان نے دیا ہے؟'' وہ قدرے کڑوے لہجے میں اس کے پاس اپنے پرسنل نمبر کے پہنچ جانے کی بابت پوچھنے لگی تھی۔

''نہیں، بالکل بھی نہیں ارمان نے نہیں دیا۔'' وہ اس سے پوچھنا چاہ رہا تھا کہ اس نے کیسے پہچانا اس کو لیکن ہمیشہ کی طرح اس کے سپاٹ انداز نے اس کی قوت گویائی چھین لی تھی۔

''پچھلے سال جب ارمان یو کے آیا تھا تو میرے نمبر سے اس نے آپ کو میسجز کیے تھے تو وہ نمبر ان بکس میں تھا ابھی تک ارمان کا نمبر نہیں مل رہا تھا تو اس لیے مجبوراً۔''

''ایک سال پرانے میسجز وہ بھی کیسی اور کو کیے گئے......انٹرسٹنگ۔'' وہ بشاش لہجے میں مذاق اڑانے لگی تھی تو دور ہونے کے باوجود حیدر سٹپٹا گیا تھا۔

''ویسے ارمان نے مجھے پرسنل سیکرٹری کی نوکری سے نکال دیا ہے اس لیے اس کے بارے میں میرے پاس کوئی انفارمیشن نہیں ہے۔'' عروہ بولی تو حیدر لب بھینچ کر رہ گیا۔

”اوکے، بہت شکریہ ارمان سے ملاقات ہوتو اس سے کہہ دینا مجھے کال کرے ضروری بات کرنی ہے۔“

”ویسے۔“ حیدر آف کا بٹن پش کرنے ہی لگا تھا کہ عروہ کی آواز پر پھر سے موبائل کان سے لگالیا۔

”جی؟“

”اگر تم مجھے سچ بتا دو تو میں تمہیں ارمان کے بارے میں بتا دوں گی۔“ یکلخت ہی وہ ڈیل کرنے لگی تھی حیدر دھیمے سے مسکرایا۔

”میں ارمان کا نمبر پھر ٹرائی کرتا ہوں یقیناً اب مل جائے گا۔“ اتنا کہہ کر حیدر نے فون بند کردیا تو عروہ تلملا کر رہ گئی۔

”گھنا کہیں کا دیکھ لوں گی تمہیں۔“ دانت پیس کر وہ زیر لب بڑبڑائی اور ارمان کے واپس آنے کا انتظار کرنے لگی۔

❁............❁............❁

”میری کل کی فلائٹ ہے یو کے کی تم پلیز مزید انفارمیشن سے آگاہ کرتے رہنا۔“ ارمان کو صدیقی مینشن ڈراپ کرنے لگا تو وہ دھیمی آواز میں اس کو ہدایت دینے لگا تب اشعر مسکراتے ہوئے گاڑی کا دروازہ کھول کر باہر نکل آیا۔

”ملاقات تو ہوگئی ناں؟ مجھ سے کیا انفارمیشن لوگے؟“ وہ پرسوچ انداز میں بولا۔

”نہیں خاص ملاقات نہیں بس چند مکالمے اور وہ بھی نک چڑھے۔“ وہ دھیمے سے مسکرایا تھا۔

”اچھا تو اور کیا توقع رکھ کر گیا تھا؟“ اشعر نے ابرو اچکا کر اسے دیکھا تھا تو وہ کھسیانا سا ہنس دیا۔

”چل اندر آجا چائے پانی، ابھی لنچ کا بھی ٹائم ہو رہا ہے۔ بسمہ گڑیا اندر آجائیں۔“ ارمان بسمہ سے مخاطب ہوا۔

”نہیں، نہیں یار پھر کبھی سہی، تمہاری واپسی پر ضرور آئیں گے ابھی ضروری نکلنا ہے۔“ بسمہ سے پہلے اشعر نے انکار کیا تو ارمان نے اسے گھورا۔

”پھر پکا آئے گا ناں؟“

”ہاں یار ان شاءاللہ ضرور۔“ اشعر نے وعدہ کیا۔

”اوکے اس وعدے پر جانے دے رہا ہوں۔“ ارمان نے بھی زیادہ اسرار نہیں کیا کہ ابھی بہت سے کام نمٹانے باقی تھے پھر حیدر کی مس کالز اور عروہ کے میسجز اس کو مزید عجلت میں ڈال رہے تھے۔

”کل تو مشکل ہے ملاقات ہو، تو ان شاءاللہ اب واپسی پر گپ شپ ہوگی۔“ ارمان اس سے گلے ملتے ہوئے کہنے لگا اور ساتھ ہی بسمہ اور رانیہ کو بھی الوداع کہنے لگا۔

”نہیں یار ایئرپورٹ آؤں گا ناں۔“ اشعر کی اطلاع پر ارمان مسکرانے لگا اور پھر ان کو الوداع کہہ کر صدیقی مینشن کا بڑا سا گیٹ عبور کر گیا اور چلتے چلتے حیدر کو کال بیک بھی کرنے لگا۔

”ہاں ہیلو، السلام علیکم، رئیلی سوری یار میں بزی تھا اس لیے کال ریسیو نہیں کرسکا۔ سب خیریت ہے ناں۔“ چلتے چلتے وہ بول رہا تھا۔

”وعلیکم السلام کوئی بات نہیں ہاں خیریت ہے کل کس ٹائم پہنچنا ہے تم نے کوئی ڈیٹیل نہیں بتائی میم فکر مند ہو رہی تھیں۔“ حیدر اپنے مخصوص دھیمے انداز میں اس کو اپنی کالز کی بابت بتانے لگا۔

”ایک تو پھوپو جانی بھی ناں، کوئی ناکوئی ٹینشن ڈھونڈ لیتی ہیں۔“ ارمان حسب عادت چہکا تھا۔

”ہاں یہ تو ہے یار بار یہی کہہ رہی ہیں کہ تم نے شاید آنا ہی نہیں ہے۔“ حیدر ارمان کو فضلاں بی کے وسوسوں سے آگاہ کرنے لگا۔

”نہیں یار، آنا ہے کل پاکستان کے وقت کے مطابق شام چار بجے کی فلائٹ ہے اور میں۔“

”اف اللہ جی مار ڈالا۔“ وہ عجلت میں چلتا جارہا تھا کہ سامنے سے آتی عروہ سے ٹکرا گیا۔

”اس کو کانوں سے نکالو تو پتا چلے کے سامنے سے کوئی آرہا ہے کہ نہیں۔“ اس کے کانوں سے ہیڈفونز کھینچتے ہوئے وہ انتہائی ترش لہجے میں اپنی غلطی اس کے سر تھوپتے ہوئے اسے ڈانٹنے لگی تو ارمان نے غصیلی نظروں سے اسے دیکھا۔

”سوری کچھ دیر تک دوبارہ کال کرتا ہوں اور پھر ساری تفصیل سمجھاتا ہوں۔“ ارمان نے اپنی تیکھی نظروں سے عروہ

کو دیکھتے ہوئے جلدی سے ہیڈ فونز کو کان سے لگا کر کہا۔
''ہاں...... ہاں سب خیر ہے، اوکے پھر بات کرتا ہوں۔'' عروہ جو یہ سمجھ رہی تھی کہ وہ گانے سن رہا ہے جب یہ پتا چلا کہ حقیقتاً وہ کسی سے محو گفتگو تھا تو لمحہ بھر کو اپنی حرکت اور تلخ کلامی پر ٹپٹا گئی۔
''اخلاقیات نامی کسی چیز سے واقفیت ہے یا نہیں۔'' موبائل آف کرتے ہوئے وہ بولا۔
''غلطی تو تمہاری بھی ہے ناں، دیکھ کر چلتے نا۔'' وہ رخ موڑ گئی اور ارمان نے گہرا سانس لیا اور دوسرے لمحے اس کے ساتھ سر کھپانے کو اندر کی طرف بڑھ گیا۔
''کہاں گئے تھے؟'' اس کے بڑھتے قدم اس کے سوال پر رک گئے تھے۔
''کسی ضروری کام سے باہر جانا تھا تو اشعر کے ساتھ تھا۔'' رک کر اس نے جواب دیا۔
''تم نے میرا نمبر حیدر کو کیوں دیا؟'' دوسرے پل وہ اس کے سامنے آ کھڑی ہوئی تو اس کے سوال پر ارمان نے متغیر نظروں سے اسے دیکھا۔
''تمہارا نمبر حیدر کو دیا، کب کیسے پتا چلا؟'' ارمان تیزی سے بولا۔
''یہ تم بتاؤ کہ کب دیا ہے؟'' عروہ اس پر نظریں جمائے اس سے دریافت کرنے لگی۔
''تمہیں کس نے کہا کہ میں نے دیا ہے؟''
''حیدر کی کال آئی تھی۔'' عروہ اسی انداز میں اس کو بتانے لگی۔
''اور اس نے کہا کہ میں نے تمہارا نمبر اسے دیا ہے؟'' وہ حیرت زدہ اس کو دیکھنے لگا۔
''نہیں اس نے تو ایسا نہیں کہا لیکن دو دن پہلے ہماری جو باتیں ہوئی تھیں اس کے بعد اچانک حیدر کی میرے نمبر پر کال کا آنا محض اتفاق نہیں ہوسکتا۔'' عروہ جھنجلا کر بولی تو ارمان فقط اس کو دیکھے گیا۔
''اور تم یہ سمجھ رہی ہو کہ ارمان صدیقی اتنا کم ظرف ہے کہ دو دن پہلے کیے گئے وعدے سے مکر گیا اور حیدر میرا اتنا تابعدار ہے کہ میں نے اسے نمبر دیا اور اسی وقت اس نے کال کردی؟'' ارمان نے عروہ کی طرف دیکھ کر اس سے پوچھا تھا۔
''یہ محض اتفاق نہیں ہے تم نے ضرور کچھ نہ کچھ کہا ہے۔'' عروہ قطعی ماننے کو تیار نہ تھی۔
''بے اعتباری کی بھی حد ہوتی ہے یار۔'' ارمان قدرے تلخ انداز میں بولا۔
''جب ہمارے درمیان طے ہوچکا ہے کہ میں حیدر سے کوئی بات نہیں کروں گا تو تم اس کی اتفاقیہ کال کو میری پلاننگ گردان کر صرف اور صرف کڑواہٹ گھولنا چاہتی ہو۔''
''میں...... میں۔''
''میں...... میں اپنے پاس رکھو اور اعتبار کرنا سیکھو۔'' اب کے ارمان قدرے نرمی سے گویا ہوا تو عروہ لب بھینچ کر رہ گئی۔
''جب حیدر نے کہہ دیا کہ میں نے نمبر نہیں دیا ہے تو جو کچھ اس نے کہا ہے تمہیں اس پر اعتبار کرنا چاہیے وہ یقیناً سچ بول رہا ہے۔'' عروہ نے کوئی جواب نہ دیا تو ارمان نے رسان سے اسے سمجھایا۔
''کاش کہ کبھی تم بھی مجھے سمجھ سکتے ارمان صدیقی میں بھی اتنی کم ظرف نہیں ہوں کہ اپنے ہی وعدے اور فیصلے سے مکر جاؤں اور سچویشن کو بہتر کرنے کے بجائے تلخ کردوں۔'' عروہ ارمان کی طرف دیکھ کر بے تاثر انداز میں بولنے لگی۔
''مجھے حیدر کی بات پر شک نہیں ہے یقیناً وہ سچ ہی بول رہا ہوگا۔ نہ ہی میرے دل میں اس کے لیے کوئی تلخی ہے میں تو اس سے......!''
''سنو حیدر کے بارے میں باتیں حیدر کے ساتھ شیئر کروگی ناں تو وہ تمہارے لیے ڈٹ سکے گا، اس کو یقین دلاؤ گی ناں کہ تمہارے دل میں اگر پیار نہیں تو تلخی بھی نہیں ہے تو اس میں اتنی قابلیت ہے کہ وہ ان بے نام جذبوں کو محبت کا نام دے سکے۔'' ارمان اس کی بات کاٹ کر بشاش اور شوخ انداز میں اس کی طرف دیکھ کر بولا تو عروہ خواہ مخواہ

شرمندگیوں میں گھرنے لگی۔
''تمہیں بابا جان نے بلایا تھا۔'' ارمان جانے کے لیے پرتو لنے لگا تو عروہ اس کو بتانے لگی۔
''کیوں خیریت؟'' وہ مسکرا کر جانے لگا تو پوچھ لیا۔
''ہاں شاید۔ وہ بھی اس کے ہمراہ چلتی ہوئی بنا اس کی طرف دیکھے بولی۔
''کیا مطلب کیا ہوا ہے؟'' وہ متفکرانہ نظروں سے اسے دیکھ کر پوچھنے لگا۔
''وہ امیر مرتضیٰ کے لیے ہاں کرنے لگے ہیں تو تم سے شاید کوئی مشورہ کریں یا تمہاری واپسی کا کنفرم۔''
''وہاٹ، امیر مرتضیٰ کو ہاں۔'' وہ رکا تھا اور عروہ کا بازو پکڑ کر اس کو روکا۔
''اور تم۔''
''تمہارا انتظار کررہی تھی کہ تم کب واپس آؤ گے۔'' وہ گہرا سانس لے کر بولی تو ماتھے پر ابھرتی شکنوں کو رگڑتے ہوئے ارمان نے متعجب نظروں سے اسے دیکھا تھا۔
''بابا جان کو شاید بہت جلدی ہے تم ہی صرف ان کو اس بات کے لیے قائل کرسکتے ہو کہ وہ انتظار کریں۔'' عروہ دھیمے سے مسکرائی تھی ارمان ابھی تک سوالیہ نظروں سے اسے دیکھ رہا تھا۔
''بابا جان سے حیدر کی بات کرنا لیکن یہ ابھی راز رہے گا پلیز۔'' اتنا کہہ کر عروہ بنا اس کا جواب سنے وہاں سے چلی گئی تھی اور ارمان اس کے فیصلے پر گہرا سانس لے کر آسودہ مسکراہٹ کے ساتھ آگے بڑھا تھا۔

❁......❁......❁
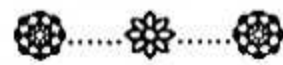
''بابا جان آپ نے یاد کیا ہے غالباً۔'' کچھ دیر بعد وہ فریش ہوکر بڑے ہال میں گیا تو وہاں انجم صدیقی براجمان تھے پہلے کسی سے فون پر محوگفتگو تھے تو ارمان نے نیوز چینل آن کردیا ان کے فارغ ہوتے ہی وہ ان سے پوچھنے لگا۔
''ہاں بیٹا، ہوگئی تیاری؟'' وہ خوش مزاجی میں بشیر صدیقی سے آگے تھے۔
''بہت سارے معاملات کو وہ اتنی سنجیدگی سے نہیں ہینڈل کرتے تھے یا یوں کہہ لیں کہ وہ ہر مسئلے کو پورے جوش وخروش کے ساتھ ویلکم کرتے تھے اور مسائل کو اپنے اوپر زیادہ حاوی نہیں کرتے تھے جبکہ انجم کے برعکس بشیر زیادہ باریک بینی سے ہر ایک مسئلے کو ہینڈ کرتے تھے۔
''ہاں بابا جان اللہ کا شکر ہے کافی حد تک تیاری مکمل ہوچکی ہے۔'' وہ بھی دوستانہ انداز میں ان کو بتانے لگا۔
''بیٹا تم شاید واقف ہو امیر مرتضیٰ کے والد صاحب نے عروہ کے لیے بات کی تھی۔ گھر کا لڑکا ہے، دیکھا بھالا ہے تو ہم چاہ رہے تھے کہ ان کے ساتھ کوئی فیصلہ کردیں۔ ناہید نے عروہ سے بات کی ہے تو وہ۔'' انجم بتانے لگے تو ارمان خاموشی سے سننے لگا۔
''کیا کہا عروہ نے؟'' نجانے کیوں یکلخت ارمان کا دل دھڑکا تھا۔
''عروہ راضی نہیں ہے بیٹا۔'' انجم سنجیدگی سے بولے۔
''کیوں؟''
''بیٹا تم لوگ دوستوں کی طرح ہو تم اس سے پوچھو شاید تمہیں بتادے۔'' انجم اٹھ کر اس کے پاس آ کر بیٹھے اور متفکرانہ انداز سے اس کو کہنے لگے۔
''بابا جان آپ فکر نہ کریں عروہ تھوڑی بے وقوف سی ہے جذباتی ہے اگر آپ مجھ سے مشورہ لے رہے ہیں ناں تو میں یہی کہوں گا کہ عروہ کو وقت دیں، سوچنے کا موقع دیں میں یہ دعوے کے ساتھ کہہ سکتا ہوں کہ وہ آپ اور آنٹی کے خلاف نہیں جائے گی۔ لیکن وہ یقیناً ابھی ذہنی طور پر کسی قسم کے فیصلے کے لیے تیار نہیں تو بجائے اس کے اس کو پریشرائز کرکے اس کو باغی کریں اس کو خاموشی اور پیار سے ہینڈل کریں۔'' ارمان نے ہمیشہ کی طرح انتہائی خلوص سے کہا تو انجم نے اثبات میں سر ہلا دیا۔
''ہاں بیٹا تم ٹھیک کہہ رہے ہو، ماں باپ کی فکریں الگ ہوتی ہیں۔'' انجم قدرے سنجیدگی سے کہنے لگے۔
''میں سمجھ سکتا ہوں بابا جان لیکن تھوڑا سا صبر اور تعاون کرنے میں کوئی حرج نہیں ہے آپ عروہ کے ساتھ زبردستی اپنی پسند چپکانے کی کوشش کریں گے تو نقصان سب کا ہوگا

تو بہتر نہیں تھوڑا سا صبر سے کام لیا جائے۔'' ارمان ان کے ہاتھ پکڑ کر بولا تو انجم نے اسے دیکھا اور اس کے ہاتھ کو تھپتھپانے لگے۔

''بابا جان۔'' وہ پہلو بدل کر ان کو پکارنے لگا تو انجم چونک گئے۔

''ہاں بیٹا بولو۔'' اس کے بے چینی سے پہلو بدلنے پر انجم سمجھ گئے کہ کوئی گمبھیر بات کہنے لگا ہے۔

''بابا جان ابھی کوئی بھی فیصلہ نہ لیں۔ انتظار کرلیں ان شاء اللہ سب بہتر ہوگا۔'' یک لخت ہی اس نے اپنا ارادہ بدل دیا اور بات کو کسی اور اینگل سے کہہ کر اٹھ کھڑا ہوا تو انجم نے مضطرب نظروں سے اسے دیکھا۔

''مجھے ابھی کچھ کام ہے۔'' اتنا کہہ کر وہ ان کو ورطہ حیرت میں ڈوبا چھوڑ کر باہر نکل گیا اور انجم کی سوچیں کسی اور نہج کی طرف چل پڑیں اور دوسرے دن ارمان یو کے کے لیے روانہ ہوگیا۔

''یار حد ہوگئی قسم سے اب تو بالکل ہمت جواب دے چکی ہے۔'' حیدر کی طرف دیکھ کر بمشکل جمائی روک کر وہ بولا تو حیدر مسکرانے لگا۔

''اب اس طرح تو ہوتا ہے اس طرح کے کاموں میں، بس پندرہ بیس منٹس تک پہنچ جائیں گے پھر ریسٹ کرنا۔''

''چاندی نگر میں سب ٹھیک تھے۔'' آنکھیں بند کرتے ہی حیدر کی آواز اس کی سماعت سے ٹکرائی تو یکلخت اس نے آنکھیں کھول کر اسے دیکھا۔

''سب ٹھیک ہیں انکل سائیں بخش اور تسلیم آنٹی نے تمہارے لیے کپڑے بھیجے ہیں اور بھی بہت سی چیزیں۔'' ارمان مدہم آواز میں بولا تو حیدر نے اسے دیکھا۔

''ماں اور بابا آج بھی یہی سمجھتے ہیں کہ میں نئے کپڑے پہن کر خوش ہوجاؤں گا۔'' حیدر راونڈ اباؤٹ سے تیسرے ایگزٹ کی طرف بڑھتے ہوئے بولا تو ارمان بس خاموشی سے اس کو دیکھنے لگا۔ چند پل بعد دوبارہ آنکھیں موند گیا اس وقت کچھ بھی کہنا مناسب نہ تھا اور پھر بیس منٹ بعد وہ آکسفورڈ کی حدود میں داخل ہوچکے تھے۔

''پھوپو جانی۔'' وہ گھر پہنچے تو فضلاں بی نے ہی دروازہ کھولا تو ارمان ان سے لپٹ گیا۔

''کیسی ہیں آپ؟'' ان کو تھامے وہ اندر کی طرف بڑھا۔

''لیٹ می سی، یقیناً پوری رات جاگ کر گزاری اور کھانا بھی ٹھیک طرح سے نہیں کھایا۔'' حیدر نے اس کو فضلاں بی کے متعلق سب بتادیا تھا اب وہ ان کے سامنے کھڑا تشویش ناک نظروں سے انہیں دیکھ رہا تھا تو فضلاں بی مسکرانے لگی اور شکایتی نظروں سے ارمان کا سوٹ کیس اور بیگ اندر لاتے حیدر کو دیکھا تھا۔

''ویسے پھوپو جانی بہت ناانصافی کرتی ہیں آپ۔'' ان کے ساتھ صوفے پر بیٹھتے ہوئے شکایت کرنے لگا تو وہ مسکرا کر اس کی طرف دیکھنے لگی۔

''سب لوگ ٹھیک تھے پاکستان میں؟'' وہ اپنے مخصوص انداز میں اس سے پوچھنے لگی۔

''ہاں پھوپو جانی سب ٹھیک تھے آپ کو سب بہت یاد کرتے ہیں اور اس دفعہ میں آپ کو ساتھ لے کر جاؤں گا۔'' وہ عزم انداز میں بولا تو فضلاں بی کے چہرے پر ایک سایہ سا لہرانے لگا۔

''تم نے کچھ کھایا نہیں ہوگا ناں، میں چائے بناتی ہوں اور ساتھ کچھ کھانے کے لیے لاتی ہوں پھر تم ریسٹ کرنا۔'' ارمان ریلیکس ہوکر بیٹھا تو فضلاں بی اس سے مخاطب ہوئیں۔

''ہاں پھوپو جانی بھوک تو بہت زوروں کی لگ رہی ہے آپ تو جانتی ہیں ناں جہاز کا کھانا اور اسپتال کے کھانے میں مجھے کوئی فرق محسوس نہیں ہوتا۔'' ارمان اپنی تھکاوٹ کو پس پشت ڈال کر بشاش لہجے میں ان کو بتانے لگا تو فضلاں بی ہنسنے لگی حیدر کے چہرے پر بھی مسکراہٹ تھی۔

''حیدر بیٹا آپ نے تو ناشتہ کرنا ہے ناں؟'' فضلاں بی حیدر سے پوچھنے لگی۔

''فی الحال صرف چائے، ناشتے کا ابھی موڈ نہیں ہے ایئر پورٹ پر میں نے سینڈوچ کھالیا تھا۔'' ارمان صوفے

کے کشن کو ایک سائیڈ پر رکھ کر لیٹ گیا اور فضلاں بی کچن کی جانب بڑھ گئیں۔

"ہاں یار اب بتا کیا نئی تازی ہے؟ جاب کیسے جا رہی ہے اور اسٹڈیز۔"

"سب خیر خیریت ہے، جاب اچھی جا رہی ہے پچھلے ہفتے پروموشن ہوئی ہے اور اسٹڈیز۔"

"کیا کہا پروموشن اور اب بتا رہا ہے؟" ارمان اٹھ کر بیٹھا تو حیدر کھسیانا سا ہنس دیا۔

"میں نے سوچا آ جاؤ گے تو سرپرائز دوں گا۔" حیدر، اپنے پروموشن کی خبر کو عام سی بات سمجھ رہا تھا لیکن ارمان کے ری ایکشن نے اس کو اندر تک شرمندہ کر دیا کہ اس کو واقعی بتانا چاہیے تھا ارمان نے باقاعدہ اس کو گلے لگا کر کامیابی کی مبارکباد دی تو حیدر خاموش ہو گیا۔

"اور اسٹڈیز، اب اگر یہ کہا ناں کہ اسٹڈیز میں ٹاپ کیا ہے تو مرنے کے لیے تیار ہو جانا۔" ارمان صوفہ پر واپس بیٹھتے ہوئے ہنس کر کہا۔

"نہیں ابھی ٹاپ نہیں کیا، بس دو ٹیسٹ باقی ہیں ان کے رزلٹ پر امید ہے کہ ٹاپ ہی ہوگا۔" حیدر خوش دلی سے مسکراتے ہوئے بولا۔

"کیا بات ہے کس کو مارا جا رہا ہے۔" فضلاں بی چھوٹی سی ٹرالی گھسیٹتے ہوئے اندر داخل ہوئی تو حیدر یکلخت اٹھ کھڑا ہوا اور ان کے ہاتھ سے ٹرالی لے لی، بسکٹ، فروٹ کیک، ویجی ٹیبل نوڈلز، فرائیڈ چکن، فنگر چپس، گرین سوس، ڈرنکس چائے ارمان کے ساتھ ساتھ حیدر کا بھی دل للچانے لگا۔

"واؤ پھوپو جانی، اتنا کچھ بنا لیا وہ بھی صرف آدھے گھنٹے میں؟ ماشاء اللہ بہت سگھڑ ہو گئی ہیں آپ تو۔" وہ بھی جانتا تھا کہ سب تیاری پہلے کر چکی تھیں لیکن پھر بھی ان کی تعریف کرنے لگا۔

"پھوپو جانی آپ نے بھی نہیں بتایا کہ حیدر کی پروموشن ہو گئی ہے۔" چائے میں شوگر مکس کرتیں فضلاں بی نے چونک کر ارمان اور پھر حیدر کو دیکھا تھا جس کی نظریں جھکی ہوئی تھیں۔ ارمان نے پل بھر میں جانچ لیا کہ حیدر نے فضلاں بی کو بھی بے خبر رکھا ہوا تھا۔

"بیٹا حیدر نے کہا تھا کہ وہ خود تمہیں بتائے گا اور میں سرپرائز خراب نہ کروں۔" فضلاں بی واقعی بے خبر تھیں لیکن کمال مہارت سے بات کو سنبھالا تھا حیدر نے چونک کر انہیں دیکھا تو اس کی طرف اٹھتیں ان کی نظروں میں بے تحاشہ شکایتیں مچل رہی تھیں ارمان نے مسکرا کر دیکھا۔

"ویسے اب تو سرپرائز مل گیا ناں، اصولی طور پر مٹھائی کا حق تو بنتا ہے ناں۔" ارمان کھل کر مسکرایا تھا۔

"ہاں کیوں نہیں۔" دوسرے پل فضلاں بی اٹھ کر کچن کی طرف بڑھ گئیں۔

"حد ہے یار، تم آج تک ہمیں نہ سمجھے، اس قابل بھی نہ سمجھا کہ اپنی کوئی خوشی، کامیابی ہمارے ساتھ یا کم از کم پھوپو جانی کے ساتھ تو شیئر کرتے۔" ویجی ٹیبل نوڈلز کو پلیٹ میں ڈالتے ہوئے ارمان نے اچھے خاصے ترش انداز میں اس کو ڈانٹا تو حیدر لب بھینچ کر رہ گیا۔

"نہیں یار ایسی بات نہیں ہے، بس یوں ہی نہیں بتا سکا۔" حیدر نادم تھا۔

"اس وقت مٹھائی تو نہیں لیکن یہ چاکلیٹس ہیں جن سے منہ میٹھا کیا جا سکتا ہے۔" اس سے پہلے کہ حیدر مزید اپنی صفائی میں کچھ کہتا، ارمان کے الزامات کو غلط ثابت کرتا فضلاں بی ارمان کے من پسند چاکلیٹس کا باکس لے کر آ گئیں اور سب سے پہلے حیدر کا منہ میٹھا کرانے لگی اور وہ مزید شرمندگیوں میں گھرنے لگا جبکہ ارمان خاموش شکایتی نظروں سے مسلسل اس کو گھور رہا تھا۔

❁ ❁ ❁
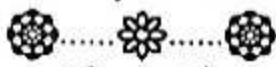
میں اس حصار سے نکلوں تو اور کچھ سوچوں
تمہارے پیار سے نکلوں تو اور کچھ سوچوں
تمہاری گلی کے علاوہ بھی اور رستے ہیں
جو اس دیار سے نکلوں تو اور کچھ سوچوں
تمہارے ہجر کی صدیاں، تمہارے وصل کے دن
میں اس شمار سے نکلوں تو اور کچھ سوچوں

اسے یو کے آئے تقریباً پانچ مہینے ہو چکے تھے اس

دوران وہ مسلسل حیدر اور فضلاں بی کی دلجوئی کر رہا تھا وہ دونوں ساتھ رہنے کے باوجود اجنبی ماحول کے باسی تھے دونوں ایک دوسرے کا بہت خیال رکھتے تھے لیکن دونوں ہی ایک دوسرے سے میلوں کے فاصلے پر تھے دس سال سے فضلاں بی اور حیدر قیدیوں کی طرح زندگی گزار رہے تھے۔

اس ساری کوشش کے باوجود ارمان وہ ایک جھلک، وہ لہجہ، اجنبیت سے بھرپور انداز اور ان آنکھوں کی چمک کو فراموش نہ کر پایا تھا وقتاً فوقتاً وہ آنکھوں کو بند کر کے اپنی میموری میں سیو اس کی جھلک دیکھا کرتا تھا کبھی مسکراہٹ چہرے کا احاطہ کر لیتی اور کبھی رگ وپے میں عجب سی انجانی سی بے چینی گھر کرنے لگتی تھی۔ اس پل بھی آنکھیں موندے وہ اسکول کے آفس میں چائے کا کپ پکڑے اپنے اردگرد پھیلی اس کی خوشبو کو اپنے بہت پاس محسوس کر رہا تھا۔ نجانے کتنی دیر یوں ہی گزر جاتی کہ مسلسل بج بج کر بند ہوتے موبائل پر ان گنت آئے میسج کی ٹون نے اس کی سوچوں کے تسلسل کو منتشر کیا تھا بدمزہ ہو کر آنکھیں کھولی اور موبائل اسکرین پر ایک ایک منٹ کے وقفے کی لاتعداد کالز اور میسجز پر چونک گیا۔

''خیریت؟'' دوسرے پل اس نے رپلائے کا آپشن آن کیا اور ایک لفظ لکھ کر سینڈ کا بٹن پش کر دیا۔

''تم کہاں ہوں؟'' میسج ڈیلیور ہوتے ہی اس کی کال آئی اور اس کو ریسیو کرنی پڑی حالانکہ اس لمحے کھلی آنکھوں کے باوجود وہ ذہنی طور پر اسکول کے آفس میں ہی تھا۔

''کیوں کیا ہوا؟'' وہ گہرا سانس لے کر حواس کو بحال کرنے لگا تھا۔

''اگر تمہارے ''کیا ہوا'' کا جواب میں ''تمہارا سر'' دوں ناں تو بالکل بھی غلط نہیں ہوگا۔'' وہ اپنے مخصوص نروٹھے تیز لہجے میں بولی تو وہ کوشش کے باوجود بھی نہ مسکرا سکا۔

''کہہ تو دیا ہے اب فرماؤ کیا ہوا۔'' وہ جھنجلایا تھا۔

''تم نے جاتے جاتے بابا جان سے کیا کہا تھا۔'' وہ مشکوک انداز میں اس سے استفسار کرنے لگی۔

''کس بارے میں؟'' وہ ناسمجھی کا تاثر دینے لگا۔

''میرے بارے میں۔'' وہ تیزی سے بولی۔

''بس یہی کہ تم بہت بے وقوف ہو اور تمہیں۔''

''کیا...... کیا کہا تم نے یہ کہا تھا کہ میں بے وقوف ہوں؟'' اس کی بات پوری ہونے سے پہلے ہی عروہ چیخی تھی تو وہ بے ساختہ ہنسا۔

''کیوں بابا جان نے کیا بتایا تمہیں؟'' اب وہ اسے تنگ کرنے لگا تھا۔

''بابا جان نے تو کچھ نہیں بتایا ہاں مما نے ضرور کچھ پوچھا ہے۔'' وہ تجسس آمیز انداز میں بولی تو وہ چونک گیا۔

''کیا، کیا پوچھا ہے۔''

''میں نے تمہیں کہا تھا کہ بابا جان کو اپنے اس سیریل سے دوست کے بارے میں بتانا۔'' عروہ اچھے خاصے تپے انداز میں اس سے مخاطب ہوئی۔

''ہاہاہا سیریل نہیں۔ عجیب وغریب۔''

''ہاں...... ہاں وہی...... تو تم نے بتایا تھا؟''

''نہیں اس وقت مناسب نہیں لگا تھا میں نے سوچا تھا کہ ایک بار حیدر سے فیس ٹو فیس بات کر لوں یہ نہ ہو میں بابا جان سے بات کروں اور یہ مسٹر یہاں کیسی گوری میم کی زلفوں کے اسیر ہو چکے ہوں اور لینے کے دینے نہ پڑ جائیں۔'' ارمان بشاش انداز میں اس کو چھیڑنے لگا تھا۔

''شرم تو نہیں آتی ویسے اور ضرورت کیا تھی آدھی ادھوری بات کی؟'' عروہ اس کو ڈپٹنے لگی۔

''کیا مطلب کون سی آدھی ادھوری بات۔'' وہ واقعی حیران ہوا تھا۔

''مما نے پوچھا ہے کہ کہیں ارمان تو تم میں انٹرسٹڈ نہیں ہے اس لیے اس نے بابا جان کو منع کیا ہے امیر مرتضیٰ کے لیے۔''

''کیا بکواس کر رہی ہو بابا جان ایسا کیسے سوچ سکتے ہیں اور تم نے کیا کہا؟'' وہ واقعتاً متفکر ہوا تھا۔

''تم میرے لیے الزام بن گئے ہو ارمان صدیقی۔''

''تو تم اس الزام کو غلط ثابت کر دو عروہ۔'' وہ اپنے اطمینان کو برقرار رکھنے کی کوشش کے بعد اس سے کہنے لگا۔

"میری وجہ سے اپنی خوشیاں داؤ پر نہ لگاؤ مجھے یہ منظور نہیں ہے۔" ارمان تھکے تھکے لہجے میں بولا۔

"تم چاہتے ہو میں جھوٹ بولوں؟" وہ یقیناً اسے زچ کررہی تھی۔

"نہیں میں چاہتا ہوں کہ تم سچ بولو، اپنے آپ کو پہچانو اپنے دل کو ٹٹولو، دیکھو وہاں کون ہے؟" وہ انتہائی برداشت کا مظاہرہ کررہا تھا۔

"تم نہیں ہو، ورنہ عروہ صدیقی اتنی خاموشی سے ہار ماننے والوں میں نہیں ہے۔" وہ مسکراتے ہوئے بولی تو ارمان کے دل میں اطمینان گھر کرنے لگا۔

"تم جانتی ہو ناں ہمارا رشتہ ایک دوسرے کی خوشیاں برباد کرنے کا نہیں ہے حالات اپنے کنٹرول میں کرنا عروہ امیر مرتضیٰ نہیں حیدر کو وہ مقام دو جو تمہیں سچی خوشیوں سے نوازے ارمان صدیقی کو اپنے لیے الزام نہ بناؤ حیدر کو سپورٹ کرو، وہ بہت اکیلا ہے۔" ارمان اب رسان سے اس کو سمجھانے لگا۔

"تم اسے بتاؤ وہ تمہارے لیے کیا ہے۔" ارمان مزید بولا تو عروہ زیرلب مسکرائی۔

"تم ہرٹ نہیں ہوئے کہ میں نے تمہیں ریجیکٹ کر دیا ہے۔" عروہ اب مسکراہٹ کے ساتھ پوچھنے لگی تو ارمان اپنا بے ساختہ قہقہہ روک نہ سکا عروہ نے تیکھی نظروں سے ایئر پیس سے ابھرتے اس قہقہے کو گھورا۔

"ہرٹ تو ہوا ہوں لیکن ہماری دوستی ایسی ہے کہ تم نے مجھے ریجیکٹ کر بھی دیا ناں تب بھی میں خاص ہوں اور تم بہت قیمتی۔" ارمان لفظوں سے سامنے والے کو اسیر کرنے کے ہنر سے واقف تھا۔

"ہاہاہا...... ڈرامے باز، ویسے حیرت کی بات ہے کہ حیدر علی شاہ آج صرف حیدر کیوں ہوگیا۔" عروہ نے اس کے حیدر علی شاہ کی بجائے صرف حیدر کہنے کو نوٹ کیا تھا۔

"یہ سوال جس کے بارے میں ہے وہی بہتر جواب دے سکتا ہے میرے موبائل پر کال آرہی ہے اس لیے پھر بات کرتا ہوں۔" ارمان موبائل اسکرین کو دیکھتا ہوا اسے کہنے لگا تو عروہ نے بھی اللہ حافظ کہہ کر فون بند کر دیا تھا اور ارمان دوسری کال اٹینڈ کرنے لگا۔

"ہاں یار بول کیا حال ہیں، اور کہاں غائب ہوگئے ہو؟" اشعر اس کے کال ریسیو کرتے ہی قدرے تیز لہجے میں اس سے استفسار کرنے لگ۔

"بس یار ادھر ہی ہوں کہاں جانا ہے۔" وہ قدرے اکتاہٹ سے بولا تو اشعر کے انداز نے چونکا دیا۔

"تو سنا پاکستان میں تو سب خیریت ہے نا؟"

"ہاں الحمدللہ سب خیریت ہے۔"

"کیا نئی تازی ہے؟" ارمان اب دبے لفظوں میں جو جاننا چاہ رہا تھا اشعر بخوبی سمجھ رہا تھا۔

"کچھ ہے تو لیکن اتنا خوش کن نہیں ہے۔" اشعر گہرا سانس لے کر بولا تو یکلخت ارمان کی دھڑکن تیز ہوئی۔

"کیا ہوا جلدی بتا۔" ارمان تیزی سے بولا۔

"تمہارے یو کے جانے کے بعد میں نے بسمہ سے کہا تھا کہ رانیہ کے اسکول میں اس مس سے رابطہ کرے تو ایسا ہی ہوا بسمہ نے جان پہچان کرلی اس کی شادی ہوچکی تھی۔" اشعر بولا تو ارمان کو اپنا سانس رکتا محسوس ہوا، یک دم اس نے خود کو سنبھالا۔

"تھی، کیا مطلب؟" اس کے الفاظ پر ارمان چونکا تھا۔

"ہاں رخصتی نہیں ہوئی اور۔"

"اور۔" اشعر لحہ بھر رکا تو ارمان تیزی سے بولا۔

"اس کے شوہر کی ایک ایکسیڈنٹ میں ڈیتھ ہوگئی ہے۔" اشعر سانس لے کر بولا۔

"واٹ...... اونو...... بہت افسوس ہوا" ارمان بمشکل خود کو سنبھال کر بولا تھا۔

"کس بات کا۔" اشعر بے اختیار پوچھ بیٹھا۔

"اس کے شوہر کی ڈیتھ کا۔" وہ فقط اتنا ہی کہہ سکا تھا۔

"مس خوش بخت آج کل یو کے میں ہیں۔" اشعر کی اطلاع نے ارمان کی دھڑکنوں میں ایک انتشار پیدا کردیا۔

"رئیلی، کہاں پر کون سے سٹی میں۔" ارمان اپنی بے چینی پر قابو پا کر اس سے پوچھنے لگا۔

’’بات تو سچ ہے لیکن یہ نہیں پتا کہ کہاں گئی ہیں اور نہ یہ خبر ہے کہ کیوں گئی ہیں۔‘‘ اشعر واقعی ناواقف تھا لیکن ارمان مزید بے چین ہوگیا، اس نے کبھی سوچا بھی نہ تھا کہ اتنا کچھ ہوسکتا ہے۔

’’یار پلیز کسی بھی طرح پتا کرنا کہ کون سے سٹی میں ہے۔‘‘ ارمان منت بھرے لہجے میں اس سے کہنے لگا۔

’’یہ تھوڑا سا مشکل تو ہوجائے گا لیکن میں بسمہ سے کہتا ہوں کہ کہیں سے پتا کرے۔‘‘ اشعر کے پرامید لہجے نے ارمان کو قدرے ریلیکس کردیا۔

’’او کے میں انتظار کروں گا۔‘‘ وہ مدہم انداز میں بولا اور پھر چند اِدھر اُدھر کی باتوں کے بعد کال بند کردی گئی۔

’’مس خوش بخت۔‘‘ آنکھیں بند کرتے ہی اس نے زیرلب یہ نام دہرایا جس کو اشعر کی باتوں کے دوران اس نے بظاہر انتہائی سرسری انداز سے سنا تھا اس لمحے وہ اپنے احساسات اور جذبات کو سمجھ نہیں پارہا تھا انسانی ہمدردی یا کوئی دلی لگاؤ، کون سا جذبہ اس لمحے اس کو بے چین کررہا ہے وہ اس کا جواب اپنے آپ کو بھی نہیں دے پارہا تھا لیکن دل جیسے کسی مٹھی میں بھینچا ہوا تھا۔

❁......❁......❁
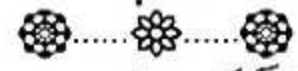
’’بیٹا کبھی کبھی کچھ کہنا جتنا آسان ہوتا ہے ناں اس پر عمل کرنا اتنا ہی کٹھن، مان ٹوٹ جائے، اعتبار ختم ہوجائے ناتو پھر رشتوں کی اہمیت بھی ختم ہوجاتی ہے۔‘‘

’’پھوپو جانی محبت کے رشتے اتنی آسانی سے نہیں توڑے جاتے، ایک روٹھ جائے تو دوسرے کو منانا چاہیے نا؟‘‘ ارمان پچھلے پانچ ماہ سے فضلاں بی کو پاکستان واپس جانے کے لیے راضی کرنے کی کوشش کررہا تھا اور وہ مسلسل انکاری تھیں۔

’’جب کوئی منانے کا حق چھین لے تو پھر؟‘‘ وہ یاسیت آمیز لہجے میں اس کی طرف دیکھ کر اس سے پوچھنے لگی۔

’’پھوپو جانی محبت میں حق چھینے نہیں جاتے جتائے جاتے ہیں اور پھوپو جانی جب دلوں کے تار جڑے ہوں ناں تب انا کو ریت کی دیوار کی طرح ہونا چاہیے جو ہلکی سی مسکراہٹ یا ذرا سی ندامت پڑھتے کر سارے منظر کو واضح کرکے ہر طرف قوس وقزح کے رنگ بکھیر دے نہ کہ انا کو سیمنٹ کی دیوار بن جانا چاہیے کہ جوڑھنے جانے میں بھی وقت لگائے اور پھر اپنے کھردرے پن سے محبت کو بھی میلوں کی دوری پر رکھے۔‘‘ ارمان آج پھر پوری تیاری کے ساتھ ان کو گھیرے بیٹھا تھا فضلاں بی نے متغیر نظروں سے اسے دیکھا لیکن بولی کچھ نہیں۔

’’پھوپو جانی پچھلے دس سال سے آپ بن باس کاٹ رہی ہیں آپ کی غلطی اتنی بڑی نہیں جتنی زیادہ آپ سزا کاٹ رہی ہیں۔ آپ کی معمولی سی پیش قدمی آپ کو آپ کا مقام واپس دلاسکتی تھی لیکن آپ؟‘‘

’’تم بھی یہی سمجھتے ہونا میری غلطی ہے۔‘‘ فضلاں بی آبدیدہ لہجے میں بولی۔

’’نہیں پھوپو جانی۔‘‘ ارمان ان کی طرف دیکھ کر بولا۔

’’آپ کی غلطی صرف اور صرف ہر طرف سے قطع تعلقی کی ہے اس کے علاوہ آپ کی کوئی غلطی نہیں۔‘‘ ارمان ان کو گلٹ سے نکالنے کی کوشش کررہا تھا۔

’’تم نہیں سمجھ سکتے بیٹا۔‘‘

’’پھوپو جانی رابطے رشتوں میں پھیلی اجنبیت کو ختم کردیتے ہیں۔ آپ نے خود اپنے آپ کو سزا دی ہے انکل وجاہت لاکھ ضدی سہی ہزاروں برائیاں ہوں گی ان میں لیکن یہ بھی تو سچ ہے ناں کہ آپ دونوں کے درمیان بہت محبت تھی محبت ہے۔‘‘ ارمان ان کی آنکھوں میں دیکھ کر بولا۔

’’تم چائے پیو گے۔‘‘ اس کی ہر بات کو نظرانداز کرکے فضلاں بی اٹھنے لگی۔

’’نہیں۔‘‘ وہ ان کا ہاتھ پکڑ کر بولا تو وہ دوبارہ بیٹھ گئیں۔

’’یہ بھی ایک غلطی ہے آپ کی۔‘‘ ارمان مسکرا کر بولا تو فضلاں بی نے متعجب نظروں سے اسے دیکھا۔

’’ضروری نہیں کہ خاموشی ہر مسئلے کا حل ہو، نظریں چرا لینا اور واک آؤٹ کرجانا ہر دفعہ فائدہ مند نہیں ہوتا ہے کچھ مسئلے ایسے ہوتے ہیں جن کی آنکھوں میں آنکھیں ڈال کر جنگ کی جاتی ہے۔ اس وقت آپ بھاگ نہیں سکتی

ہیں پھوپو جانی کیونکہ میں ارمان صدیقی ہوں وجاہت علی شاہ نہیں۔'' ارمان شریر انداز میں کالر جھاڑتے ہوئے بولا تو فضلاں بی کے چہرے پر مسکراہٹ بکھر گئی۔

''ماشاء اللہ بہت بڑی بڑی باتیں کرنے لگے ہو۔'' فضلاں بی نے قدرے سنجیدگی سے کہا تو ارمان ہنس دیا۔

''بس پھوپو جانی کیا کریں حالات نے وقت سے پہلے بڑا کردیا ورنہ ابھی تو ہماری گلی ڈنڈا کھیلنے کی ہی عمر ہے۔'' ارمان مصنوعی آنسو صاف کرنے لگا۔

''خدا خیر کرے ایسے کون سے حالات پیدا ہوگئے جو گلی ڈنڈا کھیلنے کی عمر میں اتنے گمبھیر صورت حال کا شکار ہوگئے۔'' فضلاں بی اس کے ان آنسوؤں سے بالکل بھی متاثر نہ ہوئی تھی۔

''بس پھوپو جانی نہ پوچھیں، زندگی بہت مشکل ہے لیکن آپ اس وقت کے موضوع کو بدلنے کی جو کوشش کر رہی ہیں ناں اس میں آپ کی کامیابی صفر ہے۔'' ارمان نے انہیں دیکھ کر کہا تو فضلاں بی اس کی چالاکی اور زیرک نظری کی قائل ہونے لگی۔

''پھوپو جانی چاندی نگر کو آپ کی ضرورت ہے، وہاں کوئی ہے جو ہر آہٹ پر چونک جاتا ہے کہ کہیں آنے والا وہ انسان تو نہیں جس کے دم سے زندگی کا ہر پل بہار ہوا کرتا تھا۔'' ارمان، فضلاں بی کے ہاتھ کو پکڑ کر ان سے کہنے لگا تو آنکھوں کی نمی کو اپنے اندر جذب کرتی فضلاں بی نے انتہائی بے بسی سے اسے دیکھا تھا لیکن ہونٹوں پر چپ کی مہر ثبت تھی۔

''پھوپو جانی کوئی شک نہیں وجاہت انکل نے بہت زیادتی کی ہے آپ کا جرم اتنا بڑا نہ تھا کہ آپ کو اپنی زندگی سے ہی بے دخل کردیا جائے لیکن پھوپو جانی کچھ ضد تو آپ نے بھی کی ناں، اگر آپ یہاں آکسفورڈ آجانے کے بجائے صدیقی مینشن چلی جاتی تو شاید معاملات اتنے نہ بگڑتے۔ اجنبیت کی دیواریں اتنی اونچیں نہ ہوتیں۔ نہ آپ اپنوں کے لیے ترستی اور نہ ہی حیدر۔''

''تم مجھے الزام دے رہے ہو۔'' فضلاں بی ضبط کے باوجود اپنی پلکوں کو گیلا ہونے سے نہ بچا سکیں۔

''نہیں پھوپو جانی بالکل بھی نہیں، میں نے آپ کے بھائیوں کو آپ کے لیے پریشان دیکھا۔ چاندی نگر میں چھائی ویرانی کو بھی محسوس کیا ہے کسی کو اپنی ماں کی آغوش کے لیے در بدر بھٹکتے بھی دیکھا ہے کسی کی آنکھوں میں پچھتاوا بھی دیکھا ہے۔'' ارمان مزید بولا تو فضلاں بی نے تڑپ کر اسے دیکھا دس سال سے وہ بھی تو اپنوں کے لیے ترس رہی تھیں۔

''بیٹا میرے لیے یہ سب سہنا آسان نہیں تھا نہ ہی آسان ہے لیکن میں اس وقت اگر صدیقی مینشن چلی جاتی ناں تو بہت سے ارمان بھی ٹوٹ جاتے۔'' فضلاں بی پھیکی مسکراہٹ کے ساتھ اس سے کہنے لگی۔

''آپ کو ہم سب کی محبت پر اعتبار نہیں تھا کیا؟'' وہ شکوہ کناں لہجے میں ان سے پوچھنے لگا۔

''اعتبار تھا بہت اعتبار تھا لیکن دوبارہ صدیقی مینشن میں قدم رکھنا ایک بہت کڑی آزمائش ثابت ہوتا۔'' فضلاں بی نے اپنا خدشہ ظاہر کیا تو ارمان نے حیرت سے انہیں دیکھا۔

''شاید آپ صحیح کہہ رہی ہیں پھوپو جانی لیکن اب وہ وقت آگیا ہے جب ساری آزمائش ختم ہوجائیں آپ کے صبر کا پھل ملنے کا وقت آگیا ہے جانی۔'' ارمان پر جوش انداز میں بولا تو فضلاں بی کو اس پر بے تحاشہ پیار آیا۔

''پھوپو جانی حیدر بہت گلٹی فیل کرتا ہے بہت تنہائی بھی۔ وہ یہ سمجھ رہا ہے کہ اس کی وجہ سے آپ اور وجاہت انکل کے درمیان فاصلے آئے ہیں۔''

''نہیں یہ سچ نہیں ہے۔ میں نے حیدر کو متعدد بار یہ کہا ہے کہ اس میں اس کا کوئی قصور نہیں ہے، وہ اپنے آپ کو مجرم نہ سمجھے۔''

''ہاں پھوپو جانی آپ کی طرح وہ بھی اپنے آپ کو سزا دے رہا ہے۔'' ارمان بولا تو فضلاں بی نے متعجب نظروں سے اسے دیکھا۔

''کیا مطلب؟''

''وہ بھی ہر طرف سے لاتعلق ہے پھوپو جانی، ترس رہا ہے اپنوں کے لیے لیکن زبان پر ایک لفظ تک نہیں لاتا بہت سی نئی منزلیں ہیں جو اس کی منتظر ہیں لیکن اس میں اتنی ہمت نہیں کہ ان رشتوں پر قدم بڑھا سکے۔'' فضلاں بی کی سمجھ میں ارمان کی باتیں نہیں آ رہی تھی۔

''کیا مطلب کون سی منزلیں، کن راستوں کی بات کر رہے ہو؟'' فضلاں بی نے اپنی الجھن ظاہر کی۔

''پھوپو جانی جہاں آپ نے اپنوں کو چھوڑا ہے وہاں حیدر نے یہ قربانی دی ہے اگر آپ سے آپ کی اولاد کو چھین لیا گیا تو حیدر بھی ماں باپ کے سائے سے محروم ہوا ہے۔ پھوپو جانی اگلا قدم اب آپ نے اٹھانا ہے۔ اب فیصلہ آپ کا ہے۔ ناکردہ گناہوں کی سزا سب بھگت رہے ہیں اپنی اپنی زندگی میں ہر کوئی تنہا ہے۔ یہ تنہائی تاعمر رہے گی اب بس آپ کو فیصلہ کرنا ہے۔'' ارمان کا آج کا لیکچر ختم ہو رہا تھا اور فضلاں بی مسلسل اس کو دیکھے جا رہی تھی۔

''میں پھر بات کرتا ہوں پھوپو جانی ابھی ذرا کام سے جانا ہے۔'' ان کو اسی طرح سوچ میں ڈوبا چھوڑ کر ارمان وہاں سے اٹھ گیا تھا اور دس سال میں پہلی بار فضلاں بی کے دل میں ایک ہلچل سی مچ رہی تھی۔

❁ ..... ❁ ..... ❁
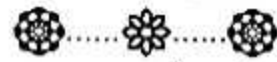
زندگی میں ایسے لمحات بھی آتے ہیں جب ہم ایسی بے بسی کا شکار ہو جاتے ہیں کہ نا چاہتے ہوئے بھی ان لوگوں کا دل دکھانے لگتے ہیں جو ہماری خوشی کے سوا ہم سے اور کسی چیز کے طالب نہیں ہوتے ہیں ہم ایسے دوراہے پر آ کھڑے ہوئے ہیں کہ اپنوں کے خلوص کی قدر محسوس کرنے کے باوجود اظہار سے اجتناب برت کر ان کو اپنے آپ سے دور کرنے لگتے ہیں اور سمجھتے ہیں کہ ہم صحیح کر رہے ہیں۔

''دیکھ یار میں جانتا ہوں کہ تم کچھ نہیں کر سکتے۔ لیکن ہماری کوشش ہی وہ ہتھیار ہے جو ہمیں کامیابی کی امید دلاتی ہے۔'' موٹر وے پر اسپیڈ بڑھاتے حیدر نے ایک نظر اپنے ساتھ بیٹھے ارمان کو دیکھا تھا۔

''میں کیا کوشش کروں، میم کو ہر وقت کہتا ہوں کہ وہ واپس جائیں لیکن وہ ہر بات کو درگزر کر دیتی ہیں اور جب تک وہ اپنی دنیا میں واپس نہیں لوٹ جاتیں وہ خوشیاں جو میری زندگی سنوارنے کے لیے ان سے روٹھ چکی ہیں ان کو واپس نہیں مل جاتیں ہیں کوئی کوشش کیسے کر سکتا ہوں؟'' حیدر اپنے مخصوص دھیمے لہجے میں بولا۔

''پھوپو جانی کو ان کی دنیا میں واپس بھیجنے کی کوشش کرو گے تو تمہاری خوشیاں خود بخود تمہارے دامن میں آ گریں گی۔'' ارمان پرزور انداز میں اس کو بھی قائل کرنے لگا۔

''بہت دفعہ کوشش کی ہے لیکن میم کسی بات کا جواب نہیں دیتی ہیں۔'' حیدر مایوسی سے بولا۔

''یار تم دونوں ہی یہاں خوش ہو تو رہو، ہمارا ہی دماغ خراب ہے جو ہر وقت مغزماری کرتے رہتے ہیں۔'' یک دم ہی ارمان غصہ ہوا تھا حیدر نے چونک کر اسے دیکھا۔

اس وقت وہ دونوں بریڈفورڈ جا رہے تھے۔ حیدر کے کسی دوست کی شادی کی تقریب میں ارمان نے بمشکل اپنے آپ کو کمپوز کر رکھا تھا بہت دن ہو گئے تھے اور ابھی تک اشعر کی طرف سے اس کو مزید کوئی اطلاع نہیں ملی تھی تو بے قراری اور ٹینشن حد سے سوا ہونے لگی تھی اور مسئلہ یہ بھی تھا کہ وہ کسی سے شیئر بھی نہیں کر سکتا تھا۔

''خیریت؟'' حیدر نے متجب نظروں سے اسے دیکھا۔

''کچھ دنوں سے دیکھ رہا ہوں تم کچھ اپ سیٹ ہو؟'' حیدر کی آبزرویشن پر ارمان نے اسے دیکھا۔

''نہیں ایسی بات نہیں بس کچھ تھکاوٹ ہے۔'' ارمان نے دونوں ہاتھوں سے بالوں کو سیٹ کرتے ہوئے کہا تو حیدر نے گہرا سانس لیا اور ساتھ ہی سائن بورڈ پر نظر ڈالی تو سروس پانچ میل کے فاصلے پر تھی کچھ دیر بعد سروس کی پارکنگ میں گاڑی پارک کرتے ہوئے اس نے ارمان کی طرف دیکھا جو حیرت سے اسے دیکھ رہا تھا۔

''یار میں نے سوچا ذرا فریش ہو جائیں تم بھی تھکے ہوئے ہو تو کافی لے آتا ہوں۔'' حیدر نے مسکرا کر اس کی

سوالیہ نظروں کو دیکھ کر کہا تو ارمان بھی مسکرانے لگا۔

"اوکے تم لے آؤ میں ادھر ہی ذرا تازہ ہوا میں فریش ہوجاؤں گا۔" ارمان گاڑی سے باہر نکل کر اس سے کہنے لگا تو حیدر نے اثبات میں سر ہلایا اور شاپس کی طرف بڑھ گیا۔

" کچھ دیر بعد وہ دوبارہ گاڑی میں آ بیٹھا ابھی تک حیدر واپس نہیں آیا تھا اور خلاف عادت وہ گاڑی میں اِدھر اُدھر جھانکنے لگا۔ اگنیشن میں کی لگی تھی تو اس نے گاڑی اسٹارٹ کر کے سی ڈی پلیئر آن کردیا کہ اس کو موبائل پر میسجز کے الرٹ کے ٹونز نے چونکا دیا۔ اس کے موبائل کی اسکرین کسی بھی میسج سے ناپید تھی یک دم اس نے ڈرائیونگ سیٹ کی سائیڈ پر رکھے موبائل کو دیکھا اور اسکرین پر آئے میسج نے جہاں اس کی حیرت میں اضافہ کیا وہاں یکلخت اس کے موڈ کو بھی فریش کردیا اکیلے ہونے کے باوجود وہ کھلکھلا کر ہنسا تھا۔ جب ہی حیدر بھی آتا نظر آ گیا تھا۔

"یہ لے یار تمہاری کافی، اور یہ میرا ڈرنک۔" حیدر نے ساری چیزیں اس کو پکڑا کر ڈرائیونگ سیٹ سنبھال لی اور دوسرے لمحے اپنے موبائل کو دیکھا ارمان کن انکھیوں سے اسے دیکھ رہا تھا اس نے ڈھیر سارے میسجز میں ڈرائیونگ لکھ کر سینڈ کردیا اور ریلیکس انداز میں دوبارہ ڈرائیونگ کی طرف متوجہ ہوگیا جبکہ ارمان مسلسل زیرلب مسکرا رہا تھا۔ نہ حیدر نے اپنے موبائل پر آئے میسج کا تذکرہ کیا نہ ہی ارمان نے اس بابت انکوائری کرنا مناسب سمجھا۔

"عروہ کی بچی تجھے تو میں پوچھوں گا، مجھے ڈبل کراس کی کوشش خاصی مہنگی پڑے گی تمہیں۔"

کافی کا سپ لیتے ہوئے ارمان من ہی من میں عروہ سے مخاطب ہوا۔

"دھیان سے ڈرائیونگ کرنا، بریڈفورڈ پہنچ کر بتا دینا کچھ کھا پی بھی لینا۔" اور بھی نہ جانے کون کون سی ہدایات، ارمان تو یقین کرنے سے قاصر تھا کہاں وہ عروہ جو مان ہی نہیں رہی تھی اور کہاں اب اتنی کیئرنگ ارمان نے حیدر کو دیکھا جو بہت ریلیکس انداز میں ڈرائیونگ کررہا تھا چہرے پر آسودہ تاثرات ماتھے سوچ لکیر کا شائبہ تک نہ تھا اس سے پہلے کہ حیدر اس کی طرف متوجہ ہوتا اس نے نظریں پھیر لیں اور دوسرے پل اپنا موبائل نکال کر ایک نمبر ڈائل کرنے لگا۔

"ہیلو السلام علیکم بڑے بے مروت ہیں یہ حسن والے۔" دوسرے طرف سے کال ریسیو ہوتے ہی ارمان بولا تو حیدر نے بھی چونک کر اسے دیکھا۔

"ان سے دل لگانے کی کوشش نہ کرنا، وعلیکم السلام۔" برجستہ جواب پر ارمان کا بے ساختہ قہقہہ پل بھر میں حیدر پر واضح کرگیا کہ دوسری طرف کون ہوسکتا ہے۔

"کیسی ہو اور کہاں غائب ہو۔" ارمان نے کن انکھیوں سے حیدر کو دیکھا جس کے چہرے پر پھیلی ہلکی سی سرخی اس کی تیز ہوتی دھڑکنوں کو ارمان کی زیرک نظروں سے پوشیدہ رکھنے میں ناکام تھی۔

"میں تو وہیں ہوں جہاں تم مجھے چھوڑ کر گئے تھے لیکن تم شاید وہاں نہیں ہو جہاں گئے تھے۔" عروہ کی حاضر جوابی اور شوخی اس کی داستان کو عیاں کررہی تھی جو ارمان کے لیے نہایت تسلی بخش چینج تھا۔

"ہم میرا مطلب ہے میں اور حیدر بریڈفورڈ جارہے ہیں، تمہاری ایک بات یاد آئی تو سوچا کال کرلوں۔" ارمان قدرے بشاش لہجے میں بولا تو جہاں عروہ کو حیرت ہوئی وہاں حیدر نے بھی سوالیہ نظروں سے اسے دیکھا تھا۔

"میری کون سی بات یاد آئی۔" عروہ اس کی بریڈفورڈ جانے کی اطلاع کو نظرانداز کرتی ہوئی متجسس انداز میں بولی۔

"تم نے کہا تھا کہ تمہاری خواہش ہے کہ میرا کوئی چکر چلے اور تم اس کی چشم دید گواہ بنو۔" ارمان کھل کر مسکراتے ہوئے بولا تو حیدر نے اسے دیکھا۔

"وہاٹ...... ریئلی کون ہے بتاؤ...... بتاؤ جلدی بتاؤ۔" عروہ ہمیشہ کی طرح پرجوش انداز میں بولی اور حیدر کے بھی کان اس بریکنگ نیوز سننے کے لیے کھڑے ہوگئے۔

"تو میں یہ کہنے لگا تھا کہ تمہاری یہ خواہش پوری ہونے والی ہے لیکن آدھی۔" ارمان نے شریر نظروں سے حیدر کو دیکھا۔

’’کیا مطلب آدھی کیسے؟‘‘ عروہ اور ساتھ بیٹھا حیدر دونوں اس کی شرارت سے انجان تھے۔

’’حیدر کا چکر چل رہا ہے اور تم اس کی چشم دید گواہ بن جاؤ، باقی سپورٹ میں کروں گا۔‘‘ ڈرائیونگ کرتے حیدر نے بریک پر پاؤں رکھا تھا جبکہ عروہ کو ٹھنڈے پسینے آنے لگے تھے۔

’’لو جانے نہ جانے گل ہی نہ جانے باغ تو سارا جانے ہے۔‘‘ حیدر اونچی آواز میں بولا۔

’’میرا چکر چل رہا ہے اور یقیناً یہ غائبانہ چکر ہوگا جو صرف اور صرف ارمان صدیقی نے ارینج کیا ہوگا۔‘‘ ارمان کا قہقہہ بلند ہوا۔

’’ریئلی۔‘‘ عروہ کی ساری شوخی پل بھر میں اڑن چھو ہوئی تھی۔

’’میں سچ کہہ رہا ہوں عروہ۔‘‘ ارمان مزید شوخ ہوا تھا اب اسپیکر بھی آن تھا۔

’’اچھا تو ذرا تفصیل بتاؤ کہ مسٹر کی کوئی ہیلپ بھی کرسکیں۔‘‘ عروہ ایک دم سنجیدگی کا لبادہ اوڑھ کر بولی۔

نہیں ایسی کوئی بات نہیں عروہ، ارمان جھوٹ بول رہا ہے۔‘‘ حیدر تک عروہ کی آواز پہنچی تو وہ براست اس سے مخاطب ہوگا۔

’’اچھا عروہ تم مجھے ایک بات بتاؤ۔‘‘ ارمان ریلیکس ہوکر بیٹھا اور حیدر کی طرف دیکھا جو انتہائی غصیلی نظروں سے اسے دیکھ رہا تھا لیکن ارمان اس لمحے ذرا ڈھیٹ بن رہا تھا۔

’’ہاں کیا بات۔‘‘ عروہ کی آواز پر حیدر ٹپٹا گیا۔

’’جب پچھلی بار میں یو کے آیا تھا تو واپس پاکستان جا کر میں نے حیدر کے بارے میں کیا بتایا تھا۔‘‘

’’یاد نہیں۔‘‘ عروہ نے صاف دامن بچایا تھا۔

’’یہی نا کہ حیدر بہت پریشان ہے۔ ہر وقت کچھ سوچتا رہتا ہے۔‘‘ ارمان نے یاددہانی کرائی۔

’’ہاں، ہاں۔‘‘ یکلخت عروہ کو یاد آ گیا تھا۔

’’لیکن آج کل ایسا کچھ نہیں ہے حیدر میاں ہر دم مسکراتے ہیں موبائل پر میسجز کالز، نہ پوچھو یار معاملہ بڑا گمبھیر ہے۔‘‘ ارمان ہنستے ہوئے بولا تو حیدر یکلخت سمجھ گیا کہ ارمان اس کے موبائل پر آئے ہوئے میسجز دیکھ چکا ہے ارمان کی طرف دیکھا۔ ’’تیری خیر نہیں‘‘ کی سرگوشی کی ادھر عروہ شرمندگیوں میں گھرنے لگی چوری پکڑے جانے پر خاموشی اختیار کرلی۔

’’اچھا چلو میں کھوج لگا کر تمہیں اطلاع دے دوں گا، پھر بینڈ بجاتے ہیں اس کی۔‘‘ ارمان اس کو مزید تنگ کرنے کا ارادہ ترک کرتے ہوئے بولا تو عروہ نے کافی دیر کا رکا ہوا سانس خارج کیا۔

’’او کے ٹھیک ہے۔‘‘ اتنا کہہ کر عروہ نے فون بند کردیا اور اب ارمان کی شامت آنے والی تھی۔ کیونکہ وہ دونوں بریڈفورڈ کی حدود میں شامل ہوچکے تھے اور حیدر کے تیور خطرناک تھے۔

❁......❁......❁

’’سوری پاپا میں بائیک چلا رہا تھا تاں تو یہ ٹوٹ گیا۔‘‘ بہت سارے پھول اور ٹوٹے ہوئے گملے کے ٹکڑے اٹھائے وہ آنسو اور ڈر لیے ان کے سامنے کھڑا تھا کتاب پڑھتے گلاسسز کی اوٹ سے انہوں نے اسے دیکھا تھا، تو یکدم وہ مزید سہم گیا۔

’’کوئی بات نہیں۔‘‘ سرسری انداز میں کہہ کر وہ دوبارہ بک کی طرف متوجہ ہوگئے تھے اور وہ کتنی دیر وہاں کھڑا رہا لیکن انہوں نے سر اٹھا کر نہ دیکھا تو وہ آنسو جو آنکھوں کی پتلیوں پر چمک رہے تھے اب گالوں پر بہنے لگے تھے۔

’’کیا بات ہے بیٹا کیوں رو رہے ہو؟‘‘ وہ وہاں سے چلتا آنکھوں کو رگڑتا ہوا باہر نکل گیا تھا کہ تسلیم نے اسے روک کر پوچھا۔

’’ماں پاپا مجھ سے پیار نہیں کرتے۔‘‘ وہ ہچکیوں کے ساتھ بولا۔

’’یہ کس نے کہا؟‘‘ تسلیم اس کو پیار سے اپنے ساتھ لگاتے ہوئے پوچھنے لگی۔

’’ماں پیار محسوس ہوجاتا ہے نا۔‘‘ وہ گیلی پلکوں کو اٹھا کر ان کو دیکھ کر ان سے پوچھنے لگا تو تسلیم سکتے میں آ گئی۔‘‘

ماں پیار محسوس ہو جاتا ہے نا۔" دس سال بعد وہ آج پھر یہ الفاظ سن رہی تھی۔

"میم، آپ کی یہاں ضرورت ہے، چاندی نگر آپ کے دم سے آباد ہے خدا کا واسطہ ہے میم اپنی اس جنت کو نہ برباد کریں صاحب جی آپ سے بہت پیار کرتے ہیں وقتی غصہ ہے۔"

"پیار محسوس ہو جاتا ہے ناں اور تسلیم جب پیار ہو ناں تو سامنے والے کو تھوڑی بہت رعایت تو دی جاتی ہے اور جہاں حدیں مقرر ہو جائیں وہاں پیار نہیں رہتا۔ وجاہت علی شاہ نے میری حد مقرر کر دی ہے تسلیم اور اب چاندی نگر کی بہاروں کو میری محبت کی ضرورت نہیں رہی۔" وہ انتہائی سپاٹ لہجے میں بولتی لرز گئی تھی۔

"میم۔"

"تسلیم، تمہارے پاس مجھے روکنے کا کوئی حق نہیں ہے، تم کوشش کرنا میرے بیٹے کی زندگی میں وہ تشنگی نہ آنے پائے جو حیدر کی زندگی میں تھی۔" فضلاں بی نے اس کے بعد کچھ نہ کہا تھا اور چلی گئی تھی لیکن آج ریان علی شاہ کی آنکھوں کے آنسو اور چند الفاظ نے تسلیم کی محنت کو ناکام کر دیا تھا۔

"صاحب جی۔" دوسرے پل وہ وجاہت علی شاہ کے سامنے تھی۔

"میں بہت ان پڑھ، بہت ادنیٰ سی انسان ہوں لیکن صاحب جی ایک بات ہے میرے پاس ایک حساس دل ہے جو چاندی نگر کی ویرانی دیکھ کر روتا ہے۔" وجاہت علی شاہ نے چونک کر اسے دیکھا تھا اور ماتھے کی سلوٹوں میں چنداں اضافہ ہوا تھا۔

❀.....❀.....❀

"ہاں کہاں لے آیا ہے مجھے میں بہت بور ہو رہا ہوں۔" ارمان اور حیدر شادی پر پہنچ چکے تھے حیدر تو سب کے ساتھ گپ شپ میں مصروف تھا اور ارمان حیدر کے سوا کسی کو جانتا نہ تھا۔

"اچھا تو اب کیا کیا جائے۔" حیدر نے اسے دیکھا۔

"اچھا کھانا کھا کر نکلتے ہیں۔" وہ مزید گویا ہوا تو ارمان نے ڈھیلے انداز میں آہ بھری۔

"چل تو گپ شپ لگا میں ذرا باہر کا چکر لگا کر آتا ہوں۔" حیدر کے اثبات میں سر ہلاتے ہی ارمان اٹھ کر شادی ہال سے باہر نکل گیا۔

اوائل سردیوں کے دن تھے اور ہر طرف ایک عجیب سی خاموشی کا راج تھا درختوں کے پتے فٹ پاتھ اور روڈز پر جا بجا بکھرے پڑے تھے۔ دائیں بائیں بے شمار کپڑوں کی شاپس جیولری کی شاپس اور عورتوں کا ہجوم ارمان نے روڈ کی سائیڈ پر لگے سائن بورڈ کو دیکھا جہاں روڈ کا نام درج تھا لیم لین وہ چلتے ہوئے چاروں طرف دیکھ رہا تھا نجانے کیوں اس کی نظریں کسی کی تلاش میں سرگرداں تھیں حالانکہ اس کے پاس کوئی سراغ نہ تھا لیکن پھر بھی نجانے کیوں ایک آس کی بنا پر ہی وہ بریڈ فورڈ آیا تھا کراؤن ٹیکسٹائل دائیں جانب ایک بہت بڑے اسٹور پر اس کی نظر پڑی تو دوسرے پل وہ اسٹور کے اندر داخل ہو گیا۔

یکدم وہ چونکا تھا موبائل پر آئے میسج اور ساتھ ہی کال کی آواز پر اس نے موبائل نکالا تو اشعر کا نام جگمگا رہا تھا جلدی سے اس نے کال ریسیو کی۔

"السلام علیکم، یار میرے حال کو چھوڑ یہ بتا کہ کچھ پتا چلا۔" ارمان کوشش کے باوجود اپنی بے تابی کو پوشیدہ نہ رکھ سکا۔

"تم کہاں ہو بھی۔" پیچھے سے آتی آوازوں پر اشعر نے اس سے پوچھا۔

"یار میں دوسرے شہر میں ہوں حیدر کے کسی دوست کی شادی تھی اس نے چلنے کو کہا تو میں انکار نہ کر سکا۔" ارمان قدرے اکتائے لہجے میں بولا تو اشعر مسکرانے لگا۔

"اچھا، وہ بریڈ فورڈ نامی سٹی میں ہے۔" اشعر بولا تو ارمان نے یکدم اسٹور میں عورتوں کے ہجوم کو دیکھا۔

"بریڈ فورڈ میں بریڈ میں ہی ہوں۔" ارمان حیرت سے اس کو بتانے لگا۔

"چل پھر تیرا کام ہو گیا۔" اشعر نے ہنس کر

اسے چھیڑا۔

"لیکن اس کا پتا کیسے چلے گا۔" ارمان بے بسی سے بولا۔

"یہ تو مجھے نہیں پتا۔" اشعر نے ہری جھنڈی دکھائی تو ارمان بے چین ہوگیا۔

"لیکن میں اتنے بڑے سٹی میں کہاں ڈھونڈوں گا یار؟" ارمان زچ ہورہا تھا۔

"تم اسے کیوں ڈھونڈ رہے ہو؟" اشعر کے سوال پر وہ سپٹا گیا۔

"مجھے نہیں پتا۔" وہ صاف گوئی سے کہنے لگا تو اشعر نے آہ بھری۔

"سوری یار میں اس سے زیادہ کوئی ہیلپ نہیں کرسکتا۔" اشعر نے کہا تو ارمان خاموش ہوگیا۔

"اچھا کوئی بات نہیں تھینک یو پھر بات ہوتی ہے، میرے خیال میں حیدر کا میسج آیا ہے تو جانا ہے اب۔" ارمان اپنی نہ سمجھ میں آنے والی بے کلی کو پوشیدہ رکھ کر اشعر سے بات ختم کرنے لگا تھا۔

"تم اسے کیوں ڈھونڈ رہے ہو؟" اشعر کی کال بند کر کے اسٹور سے باہر نکل آیا تھا لیکن اس کے اس سوال کی بازگشت ابھی تک اس کے اندر گونج رہی تھی۔

وہ یکطرفہ محبت پر یقین نہیں رکھتا تھا اور نہ ہی ان دیکھی محبت کا قائل تھا اس کے خیال میں محبت وہ جذبہ ہے جو صرف اور صرف اسی وقت پر پھیلانا شروع کرتا ہے جب دونوں فریق میں کہیں نہ کہیں کوئی کنکشن ہو، محض کچھ عرصہ کسی کا اس راہ سے گزرنا جو اس کی راہ گزر ہے محبت جیسے جذبے کے لیے ناکافی ہے۔ وہ اپنے آپ کو نہیں سمجھ پارہا تھا، لیکن اس کی تلاش جاری تھی اور یوں ہی کھوجتی نظروں کے ساتھ چلتا ہوا وہ واپس میرج ہال میں داخل ہوگیا تھا کھانا سرو ہورہا تھا اور تھوڑی سی کوشش کے بعد اسے حیدر مل گیا تھا اور پھر دونوں کھانا کھا کر واپسی کے لیے نکلنے لگے تو حیدر الوداعی ملاقات کے لیے کچھ دوستوں کی طرف بڑھا تو ارمان نے نہایت ناگواری سے اسے دیکھا اب اس کا دل شادی کی اس گہما گہمی سے اچاٹ ہوچکا تھا وہ جلد از جلد وہاں سے نکلنا چاہتا تھا اور حیدر اتنی ہی دیر لگا رہا تھا۔

"چلیں؟" ارمان میرج ہال کے ڈور کے پاس کھڑا اشعر کا انتظار کررہا تھا کہ وہ آیا۔

"بیٹھوا بھی رخصتی کرا کر چلتے ہیں۔" ارمان چڑ کر بولا تو حیدر ہنسنے لگا۔

"سوری یار بس نکلتے نکلتے دیر ہوگئی۔" حیدر اس کے کندھے پر ہاتھ رکھ کر اس کے ساتھ چلتے ہوئے بولا۔

"اٹس اوکے، بس اب نکل یہاں سے۔" ارمان اپنے آف موڈ کی وجہ خود بھی نہ جانتا تھا حیدر نے حیرت سے اسے دیکھا لیکن خاموش رہا۔

"بس ایک چھوٹا سا کام اور کرنا ہے پھر گھر کے لیے نکلتے ہیں۔" وہ دونوں گاڑی میں آ کر بیٹھے تو حیدر گاڑی اسٹارٹ کرتے ہوئے ارمان کے بیزار سے چہرے کی طرف دیکھ کر اس سے کہنے لگا۔

"اف یار...... اچھا جلدی کر......!" ارمان اکتاہٹ سے بولا تو اشعر گاڑی کو کارپارکنگ سے باہر نکالنے لگا۔

❁......❁......❁

"تسلیم۔" وہ چنگھاڑے۔

"اپنی حد میں رہ کر بات کرو۔" وجاہت علی شاہ انتہائی کڑے تیوروں سے اس کو دیکھ کر بولے۔

"صاحب جی میں آج تک حد میں ہی رہ کر سب کچھ کررہی تھی لیکن افسوس ہے صاحب جی کہ آپ چاندی نگر کے مالک ہو کر ابھی تک یہ نہیں سمجھ سکے کہ چار دیواری پر چھت ڈال دینے سے دنیا آباد نہیں ہوا کرتی مکان تو آسانی سے بن جاتا ہے صاحب جی لیکن چار دیواری کو گھر بنانے کے لیے محبت کی ضرورت ہوتی ہے تبھی وہ چاندی نگر بن سکتا ہے۔" تسلیم آج پہلی بار وجاہت علی شاہ کے سامنے بول رہی تھی وجاہت قہر آلود نظروں سے اسے دیکھ رہے تھے۔

"صاحب جی ایک بات یاد رکھنا آپ ریان علی شاہ کو وہ تربیت دے رہے ہیں جو کبھی حیدر کا نصیب تھی نہ اس کے پاس پیار ہے نہ اعتبار میم کو واپس بلالیں صاحب جی اگر

چاندی نگر کو پھر سے آباد اور اپنے بیٹے کی کمیوں کو ختم کرنا چاہتے ہیں تو میم کو واپس بلالیں صاحب جی کسی اور میں اتنا ظرف نہیں ہے صاحب جی جو آگے بڑھ کر آپ کے بیٹے کی جھولی میں وہ سب ڈال دے جس کی آج اس کو ضرورت ہے۔" تسلیم نے آج وجاہت علی شاہ کو بغیر کسی جھجک ولحاظ کے آئینہ دکھایا تھا اور وہ آگ بگولا ہونے لگے۔

"تم ملازمہ ہو، تمہارے لیے بہتر یہی ہے کہ تم اپنی حیثیت کے مطابق بات کرو۔" وجاہت کی گرجتی آواز پر سائیں اللہ بخش اور ریان بھی وہاں آگئے تھے۔

"کک...... کیا ہوا صاحب جی کیا کہا ہے تم نے۔" سائیں اللہ بخش کانپتا ہوا وجاہت سے پوچھتا ہوا تسلیم کی طرف بڑھا اور اس کا بازو پکڑ کر غصے سے اس سے پوچھنے لگا۔ جبکہ ریان ڈر کے مارے دروازے میں ہی کھڑا رہ گیا۔

"کچھ نہیں۔" اتنا کہہ کر تسلیم وہاں سے باہر نکل گئی تھی۔

"معاف کرنا صاحب جی، یہ نادان ہے، میم سے بہت پیار کرتی ہے اور اپنے بیٹے کے لیے بھی ترستی ہے ناں اس لیے غلطیاں کرتی رہتی ہے۔" سائیں اللہ بخش ہاتھ جوڑے وجاہت علی شاہ سے معافی مانگنے لگا تو انہوں نے تنفر نظروں سے اسے دیکھ کر رخ موڑ لیا تو چند پل وہاں رکنے کے بعد سائیں اللہ بخش بھی وہاں سے چلے گئے۔

وجاہت علی شاہ نے پلٹ کر دیکھا ریان دروازے کے بیچوں بیچ کھڑا انہیں دیکھ رہا تھا۔ وجاہت کی نظر پڑتے ہی وہ وہاں سے چلا گیا تھا اور وجاہت اس لمحے شدید غصے کے باوجود اپنے آپ کو تنہا محسوس کرنے لگے تھے کچھ دن پہلے بشیر کی باتیں اور آج ایک ملازم کی باتیں شاید ان کے دل کے بند کواڑ کھولنے لگی تھیں لیکن انا آج بھی برقرار تھی۔

❁......❁......❁
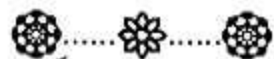
"یہ نمبر ہے نا ڈائل کر کے اسپیکر آن کر دو پلیز۔" ڈرائیونگ کرتے حیدر نے ایک چھوٹے سے پیپر پر لکھے نمبر کو ارمان کی طرف بڑھا کر کہا تو چار و ناچار ارمان کو یہ کرنا پڑا۔

مسلسل بیل جارہی تھی لیکن کوئی کال ریسیو نہیں کر رہا تھا ارمان موبائل ہاتھ میں پکڑے حیدر کو خاصی کڑی نظروں سے دیکھے جارہا تھا اور حیدر پر سوچ نظروں سے اسکرین پر درج نمبر کو دیکھ رہا تھا۔ ارمان موبائل کو اپنے سامنے کر کے آف کا بٹن پش کرنے ہی لگا تھا کہ یکلخت کال ریسیو کرلی گئی ایک نسوانی آواز ابھری تو حیدر نے یک دم موبائل ارمان کے ہاتھ سے لے لیا جبکہ ارمان ساکت رہ گیا۔

"ہیلو، ہواز دیئر۔" حیدر نے سلام کیا۔

"وعلیکم السلام۔ کون بات کر رہا ہے۔" وہ قدرے گھبرائی ہوئی آواز میں پوچھنے لگی تو ارمان چونکا۔

"آپ نے گھر کے لیے کیا کہا ہوا تھا تو وہ ارینجمنٹ ہوگیا ہے آپ تک گھر کی چابی پہنچانی ہے۔" حیدر نے تفصیل بتائی تو یک دم وہ ریلیکس ہوئی اور اس کا انداز ایئر پیس سے ابھرتے اس کے گہرے سانس سے ہوا۔

"مجھ تک آپ کیسے پہنچا سکتے ہیں؟" وہ پوچھ رہی تھی اور ارمان اس لہجے کو اس آواز کو پہچاننے کی کوشش کر رہا تھا۔

"آپ جہاں ہیں وہاں کا ایڈریس اسی نمبر پر میسج کردیں میں پہنچادوں گا۔" حیدر نے مدھم مسکراہٹ کے ساتھ ارمان کو دیکھا جو اسکرین پر نظریں جمائے عجیب سی کش مکش میں مبتلا تھا۔

"بہت شکریہ آپ کا نام کیا ہے؟" وہ مشکور انداز میں پوچھنے لگی۔

"میرا نام حیدر ہے اور میں چابی کس کو دوں گا۔" حیدر کے سوال پر ارمان سانس روک کر سننے لگا۔

"میرا نام خوش بخت ہے آپ ڈور ناک کیجیے گا جس نے بھی کھولا میرا نام لیجیے گا میں آجاؤں گی۔" اس کے نام بتانے پر ارمان نے یک دم گہرا سانس لیا۔ اس کا نام سنتے ہی ارمان کے شک کو یقین کی سند ملی تھی۔

"او کے مس خوش بخت دس پندرہ منٹس تک ہم آرہے ہیں۔" اتنا کہہ کر حیدر نے فون بند کر کے ارمان کو واپس کیا اور چند ہی پل میں اس کے ایڈریس کا میسج آگیا اور ارمان حیدر کو بتانے لگا۔

''ویسے کیا ماجرہ ہے یہ کون ہے؟'' ارمان یکلخت ریلیکس ہوا تھا اور حیدر سے پوچھنے لگا۔

''مجھے تو نہیں پتا کون ہے اقبال گھر رینٹ پر دیتا ہے کسی شاپ پر اس لڑکی نے کہا ہوا تھا کہ اس کو گھر چاہیے جہاں صرف لڑکیاں ہوں اقبال سے کنٹیکٹ ہوا تھا اس کا اور اب گھر کا ارینجمنٹ ہوگیا ہے وہ ابھی شادی کے سلسلے میں مصروف ہے تو مجھے کہا کہ میں جا رہا ہوں تو یہ چابی اس تک پہنچا دوں باقی ڈیٹیل وہ بعد میں ڈسکس کرلے گا۔'' حیدر نے ڈائریکشن کو فالو کرتے ہوئے ارمان کو تفصیل سے آگاہ کیا تو وہ نجانے کیوں ایک بار پھر فکر مند ہوگیا۔

''آئی تھنک یہی ایڈریس ہے۔'' حیدر اِدھر اُدھر دیکھتے ہوئے گاڑی کو پارک کرنے کے لیے جگہ تلاش کرنے لگا۔

''میں...... میرا مطلب میں دے آؤں۔'' کچھ دیر تک اسے کوئی پارکنگ پلیس نہ ملی تو وہ بولا تو حیدر نے تشکر آمیز نظروں سے اسے دیکھ کر گاڑی روکی اور چابی اس کو پکڑا دی اور دوسرے پل وہ باہر نکل گیا اور دیے گئے ایڈریس کے ڈور نمبر کی تلاش کرنے لگا۔

''ہیلو مس خوش بخت از شی ان سائیڈ۔'' دروازہ کھولنے والا کوئی انگلش لڑکا تھا۔

''جسٹ اے منٹ۔'' وہ بولا اور واپس چلا گیا ارمان وہیں کھڑا ہو کر اردگرد گھروں کا جائزہ لینے لگا وہ کوئی بہت اچھا ایریا نہ تھا شاید کوئی کونسل کا رف سا ایریا تھا وہ اب یہ سوچ رہا تھا کہ اس کو ایسی کیا مجبوری تھی کہ اس طرح کے ایریا میں آکر رہنے لگی وہ بھی ایسے گھر میں جہاں اور بھی بہت سے لوگ ہیں اور لوگ بھی نجانے کیسے کیسے انتظار کی گھڑیاں طویل ہوتی جا رہی تھی یا شاید اس کو ایسا لگ رہا تھا ابھی وہ دوبارہ ڈور پر دستک دینے کا سوچ رہا تھا کہ دروازہ کھلا اور وہ سامنے آئی ارمان کی دھڑکن کی اسپیڈ میں اضافہ ہوا محتاط نظروں سے اس نے اسے دیکھا تھا سر پر دوپٹہ اچھی طرح سیٹ کیا ہوا تھا' جھکی نظریں اس کو نہایت باوقار بنا رہی تھی۔

''مس خوش بخت۔'' وہ بولا تو اس نے نظر اٹھا کر دیکھا اس کی روشن آنکھیں جن کی چمک وہ فاصلے کے باوجود دیکھ سکتا تھا آج قریب سے دیکھنے پر بھی وہ چمک نظر نہ آرہی تھی اس کی آنکھوں میں ہلکی سی پہچان کی شائبہ نظر آئی تھی جو دوسرے پل اس کی پلکوں کے پیچھے کہیں چھپ گئی۔

''آپ...... میرے خیال میں ہماری ملاقات ہوچکی ہے۔'' ارمان نے بنا کسی تعارف کے دوٹوک کہا تو خوش بخت نے پھر اسے دیکھا۔

''پاکستان میں ہمارے اسکول کا آفس رانیہ کے چاچو۔'' خوش بخت گہرا سانس لے کر بولی تو ارمان کو خوشگوار حیرت ہوئی۔

''آپ نے مجھے پہچان لیا...... اتنی جلدی۔'' ارمان واقعی حیران ہوا۔

''میری یادداشت بہت اچھی ہے اکثر چہرے یاد رہتے ہیں۔'' وہ مدھم آواز میں بولی تو اس کے لہجے میں کوئی ایسا تاثر ضرور تھا جس نے ارمان کو حیران کردیا۔

''آپ یہاں کیسے آئی ہیں؟'' ارمان بہت کچھ پوچھنا چاہ رہا تھا کہ نہ تو یہ جگہ مناسب تھی اور نہ ہی وقت۔

''قسمت لے آئی اور آپ یہاں میرا مطلب ہے مجھے کیسے جانتے ہیں۔'' پتا نہیں ارمان کا وہم تھا یا واقعی اس وقت خوش بخت اطمینان محسوس کررہی تھی۔

''آپ کے گھر کے لیے انتظام ہوگیا ہے اور چابی دینی ہے۔'' ارمان نے مختصراً اپنی آمد کی وجہ بتائی۔

''اچھا تو آپ سے ابھی میری بات ہوئی تھی۔''

''نہیں وہ حیدر سے ہوئی تھی میرا دوست ہے میں یہاں اتفاقیہ آیا تھا اس کے کسی جاننے والے نے آپ کے لیے گھر کا انتظام کیا ہے اور وہ خود مصروف تھا اس لیے حیدر نے کہا تھا کہ آپ کو یہ چابی دے دوں، وہ حیدر گاڑی میں ہے ہم آکسفورڈ میں رہتے ہیں ابھی واپس جا رہے تھے۔'' ارمان نے ایک ہی سانس میں کافی ساری تفصیل اس کو بتائی تو وہ بس خاموشی سے اس کو دیکھ کر رہ گئی۔

”آپ یہاں اکیلی ہیں۔“ ارمان فکر مندانہ لہجے میں پوچھنے لگا۔

”ہاں یہ گھر کافی سارے لوگ شیئر کر رہے ہیں اور زیادہ میل ہیں اور سب غیر مسلم۔ ایک ہفتے سے یہاں ہوں کسی اور گھر کے لیے کوشش کر رہی تھی۔“ وہ بولی تو ارمان کو اس کے لہجے سے جھانکتی لاچاری نے بے چین کر دیا۔

”بہت دنوں بعد کسی ایسے کو دیکھا ہے جس سے تھوڑی سی شناسائی تھی آپ اندر آ جائیں چائے پی کر جائیں۔“ خوش بخت مطمئن انداز میں اسے کہنے لگی تو ارمان نے اسے دیکھا۔

”تھوڑی نہیں بہت شناسائی ہے لیکن کاش آپ کو بھی خبر ہوتی۔“ ارمان من ہی من میں اس سے مخاطب ہوا۔

”نہیں اس وقت اتنا ٹائم نہیں ہے لیکن آپ یہاں نہیں رہ سکتی یہ جگہ اور ایریا صحیح نہیں لگ رہا ہے۔“ ارمان نے کہا تو خوش بخت دھیمے سے مسکرائی۔

”فکر نہ کریں ان شاء اللہ دوسری جگہ بہتر ہوگی۔“ وہ اس کو مطمئن کرنے لگی۔

”آپ چلیں میرے ساتھ آکسفورڈ۔“ دوسرے پل وہ انتہائی جذباتی انداز میں بولا تو خوش بخت نے حیرت سے اسے دیکھا اور پھر ہنس دی۔

”آپ اندر آ جائیں حیدر کو بھی بلالیں میں چائے بناتی ہوں۔“ خوش بخت اس سے کہتی وہاں سے ہٹی تھی اور ارمان نے متعجب نظروں سے اسے دیکھ کر حیدر کی جانب بڑھا تھا۔

❁......❁......❁

ہم جتنی بھی کوشش کریں جتنی بھی دعائیں مانگیں ہماری کوشش کامیاب اور دعا قبول تب تک نہیں ہوتی جب تک اللہ تعالیٰ کا حکم نہ ہو اس کے صرف ہوجا کہہ دینے سے ہماری ساری کوشش کامیاب، دعائیں قبول اور ساری آزمائش ختم ہوجاتی ہیں ہم جتنا صبر کریں گے اتنا ہی اللہ کے پسندیدہ ترین لوگوں کی لسٹ میں آجائیں گے صحیح وقت کا انتظار جتنا مشکل کام ہے اس سے کئی گنا زیادہ اس میں مصلحت پوشیدہ ہوتی ہے لیکن ہماری سمجھ جتنی بھی زیادہ ہوجائے اللہ تعالیٰ کی کرامات اور کرشموں تک نہیں پہنچ سکتی ہے۔

دس سال کے طویل انتظار کے بعد آج تسلیم کی چند تلخ باتوں نے وجاہت علی شاہ کو جھنجوڑا تھا پچھلے چار سال سے وہ مسلسل بے چینی کا شکار تھے۔ چاندی نگر میں چھائی ویرانی کو چھ سال تک نہایت فراخ دلی سے برداشت کر رہے تھے۔ لیکن جوں جوں وقت گزر رہا تھا احساس تنہائی کے ساتھ ساتھ چاندی نگر کی روٹھی بہاروں سے بھی دل گھبرانے لگا تھا۔

بعض اوقات ہم اپنی خود ساختہ انا کی دیواروں کو گرانا چاہتے ہیں لیکن ہمارے پاس وہ ہتھیار نہیں ہوتا جو ایک کاری ضرب سے ان اونچی اونچی دیواروں کو گرانے کے کام آئے ایسے میں ہمیں ضرورت ہوتی ہے کہ ایک ایسے آئینہ کی جس میں ہم وہ بدصورت تصویر دیکھ سکیں اور سہم جائیں، ہم قدم بڑھائیں، تسلیم کے چند الفاظ نے وجاہت علی شاہ کو آئینہ دکھا کر ایک بھیانک چہرہ اس کے سامنے کیا تھا اور اب وہ ایک سوچ پر عمل کرنے کی غرض سے صدیقی مینشن میں داخل ہوئے تھے جب سے فضلاں بی چاندی نگر سے نکالی گئی تھی وجاہت علی شاہ سے صدیقی مینشن کے سارے رابطے بھی ٹوٹ چکے تھے اور اس لاتعلقی کی زد میں ریان علی شاہ بھی آیا تھا صرف ایک ارمان صدیقی تھا جس نے سارے تعلق بحال کر رکھے تھے اور وہ بھی بشیر صدیقی کے کہنے پر۔

وجاہت علی شاہ کی صدیقی مینشن میں آمد سب کے لیے ایک چونکا دینے والی خبر تھی لیکن ساری تلخیوں اور ناراضگیوں کو پس پشت ڈال کر صدیقی مینشن کے مکینوں نے وجاہت اور ریان کو ویلکم کیا تھا اور اتنے طویل عرصے بعد بھی ان سب کی طرف سے اتنی آؤ بھگت پر وجاہت من ہی من میں ڈھیر ساری شرمندگیوں میں گھرنے لگے تھے۔

''میں......!'' وجاہت علی شاہ جب سے آئے تھے تب سے اپنی آمد کا قصد بتانے کے لیے کوشش کر رہے تھے لیکن ہر بار الفاظ کے ساتھ ساتھ ہمت بھی ساتھ چھوڑ رہی تھی۔ لوگوں کے سامنے اپنی غلطی کا اعتراف بہت مشکل کام ہوتا ہے اور اس لمحے وجاہت علی شاہ بھی انہی مشکلوں میں گھرے تھے بشیر نے ان کو دیکھا اور پھر انجم کی طرف اور اٹھ کر وجاہت علی شاہ کے پاس آ کر بیٹھے۔

ارمان نے دو دن پہلے ہی فون پر بتایا تھا کہ وہ مسلسل کوشش میں ہے کہ فضلاں بی کو پاکستان لے آئے اور حیدر بھی اس کوشش میں اس کو سپورٹ کر رہا ہے۔

''وجاہت بھائی صاحب اور سنائیں بزنس وغیرہ سب سیٹ ہے نا؟'' بشیر نے دوستانہ انداز میں بات شروع کی۔

''اللہ کا کرم ہے سب ٹھیک ٹھاک ہے۔'' وجاہت دونوں ہاتھوں کی انگلیوں کو ایک دوسرے میں پھنسائے ہوئے بولے۔

''ارمان یو کے جانے سے پہلے مجھ سے مل کر گیا تھا لیکن پھر وہاں جا کر کوئی رابطہ نہیں کیا اس نے خیریت سے ہے وہاں پر۔'' وجاہت نے مدھم آواز میں اس کی خیریت دریافت کی۔

''ہاں، ہاں بالکل خیریت ہے آپ تو شاید یہ جانتے ہیں ناں ہر سال جاتا ہے آپا کے پاس، یوں تو حیدر رہے وہاں لیکن پھر بھی جو بات اپنوں کی ہوتی ہے وہ کسی دوسرے میں کہاں۔'' بشیر نے تفصیل بتائی تو وجاہت خاموشی سے ان کو دیکھ کر رہ گئے۔

''بھائی صاحب ارمان بہت کوشش کر رہا ہے کہ آپا پاکستان آنے کے لیے مان جائیں۔'' بشیر کی اطلاع پر وجاہت کی دھڑکن یکلخت تیز ہوئی۔

''لیکن وہ مسلسل انکاری ہیں آپ نہ آتے تو میں اور انجم چاندی نگر جانے کے بارے میں سوچ رہے تھے۔ بھائی صاحب ہماری آپا ہمارے لیے بہت خاص ہیں کچھ ضدی ہیں لیکن ان کا دل محبتوں سے بھرا ہے، کچھ معاملات میں نہایت غیر سنجیدہ ہو جاتی ہیں لیکن دل میں کوئی کھوٹ نہیں ہوتا وہ واپس پاکستان نہیں آئیں گی۔''

''جب تک آپ انہیں نہیں بلائیں گے۔'' بشیر نے کہا تو وجاہت نے لب بھینچ لیے۔

''بھائی صاحب چاندی نگر کی بہاریں آپ کے فیصلے کی منتظر ہیں۔'' بشیر جانتے تھے کہ اتنے سالوں بعد وجاہت کی صدیقی مینشن میں آمد کے پیچھے ضرور ایک ہی وجہ ہو سکتی ہے۔

''میں اس لیے حاضر ہوا تھا کہ چاندی نگر کے دروازے صدیقی مینشن کے لیے کھل رہے ہیں۔ فضلاں بی سے بولیں کہ چاندی نگر کی ہر ایک اینٹ اس کی منتظر ہے۔'' وجاہت علی شاہ نے یوں گہرا سانس لیا تھا جیسے میلوں کی مسافت طے کر کے آئے ہوں اور سچ بھی یقیناً یہی تھا وہ ایک ایسی سزا کاٹ رہے تھے جس میں سوائے انا کے اور کوئی جنگ کی بات نہ تھی۔

''بہت شکریہ بھائی صاحب آپ آپا کو خود دعوت دیں۔ دس سال سے وہ جس پکار کی منتظر ہیں وہ اگر براہ راست آپ کی طرف سے سنائی دے گئی تو آپا کے پاس پھر انکار کا کوئی جواز باقی نہیں بچے گا۔'' بشیر بے تحاشہ خوش ہوا تھا آخر یہ ان سب کی ہی تو کامیابی تھی وجاہت کے لیے یہ ایک مشکل مرحلہ تھا بے تحاشہ محبت جب بے اعتباری اور بے اعتنائی کی زد میں کر بکھر جاتی ہے تو پھر اس کو یکجا کر کے اس تک پہنچنے کے لیے ایک پل صراط پر سے گزرنا پڑتا ہے وجاہت بھی اپنے آپ کو ایک امتحان کے لیے تیار کرنے لگے تھے۔ انہوں نے ہامی بھری اور واپسی کی راہ پر چل کر چاندی نگر کی طرف بڑھ گئے تو ان کے جاتے ہی صدیقی مینشن میں جشن کا سا ماحول برپا ہونے لگا تھا۔

''ہیلو السلام علیکم تسلیم بہن۔'' بشیر نے نمبر ڈائل کیا اور مبارکباد کی آوازیں اس کے کان تک پہنچی تو بے ساختہ مسکراہٹ نے اس کے چہرے کا احاطہ کیا۔

❁ ❁ ❁

’’مس خوش بخت آپ کی ضد کی اس وقت کوئی اہمیت نہیں ہے۔‘‘ ارمان دوٹوک انداز میں بولا تو اس نے حیرت سے اس کو دیکھا حیدر نے بھی چونک کر اسے دیکھا لیکن کچھ بھی سمجھ نہیں رہا تھا ارمان اس کو اس ماحول میں اکیلے رہنے کے حق میں نہ تھا۔

’’دیکھیں ارمان میں...... میں ٹھیک ہوں۔‘‘ وہ اس کی ضد کے سامنے نرم پڑ کر بھی اس کی مدد لینے سے انکاری تھی۔

’’میں جانتا ہوں آپ ٹھیک ہیں لیکن یہ ماحول، یہ گھر، یہاں لوگ صحیح نہیں ہیں اور آپ کو کوئی رسک نہیں لینے دے سکتا۔‘‘ ارمان کسی صورت اس کی دلیلوں سے قائل نہ ہو رہا تھا اور حیدر مسلسل حیرت کے سمندر میں غوطہ زن تھا ارمان کا یہ انداز یہ جان پہچان یہ ضد اس کے لیے بھی قطعی نئی تھی۔ وہ جاننا چاہتا تھا کہ یہ لڑکی کون ہے۔ جس کے انکار کے باوجود وہ اس کو کسی محفوظ جگہ پر رکھنا چاہتا تھا یہاں تک کہ اپنے ساتھ چلنے تک کی آفر کریں اور وہ لڑکی ارمان کو زیادہ کیا ذرا سا بھی نہ جانتی تھی پھر بھی اس پر اعتبار کر کے اس کو اپنے کمرے تک لائی تھی پر تکلف چائے کا انتظام بھی کر لیا تھا۔

’’تو کیا کرنا چاہیے۔‘‘ وہ لاجواب ہو چکی تھی اور اب پوچھ رہی تھی۔

’’آپ ادھر رہیں میں اور حیدر وہ گھر چیک کر کے آئیں گے اگر وہ جگہ صحیح ہوئی تو آپ وہاں رہنا ورنہ شاید پھر آپ کو آکسفورڈ چلنا پڑے گا۔‘‘ ارمان نے حیدر کی طرف دیکھ کر اس کی رضامندی لی اور پھر خوش بخت سے مخاطب ہوا تو چاروناچار خوش بخت کو اس کی ضد کے سامنے ہتھیار ڈالنے پڑے۔

’’ہاں ایسا ٹھیک رہے گا۔‘‘ خوش بخت نے ہامی بھری تو ارمان نے گھر کی چابی واپس لی اور ایڈریس پوچھ کر حیدر کو ساتھ لے کر باہر نکل گیا۔

’’اب مجھے پہلے ساری اسٹوری سنا پھر ہی اگلا قدم اٹھایا جائے گا۔‘‘ وہ دونوں گاڑی میں آ کر بیٹھے تو حیدر گاڑی اسٹارٹ کرنے کی بجائے اس کی طرف رخ موڑ کر بیٹھ گیا اور اس سے پوچھنے لگا۔ حیدر کی حیرت بجا تھا وہ ارمان جو آدھا پونا گھنٹہ پہلے واپس گھر جانے کے لیے بضد تھا موڈ آف کر رکھا تھا یک دم اتنا انرجیٹک کیسے ہو گیا۔

’’اسٹوری، کون سی اسٹوری؟‘‘ ارمان انجانے پن سے پوچھنے لگا تو حیدر نے خونخوار نظروں سے اسے دیکھا۔

’’سیدھی طرح بتاؤ ورنہ میں ڈرائیونگ سیٹ پر ہوں بغیر رکے گاڑی کو موٹروے پر ڈال دیا تو واپسی ممکن نہیں رہے گی۔‘‘ حیدر کی دھمکی پر ارمان ہنسنے لگا۔

’’یار کوئی اسٹوری نہیں ہے یہ میری ٹیچر ہے۔‘‘ ارمان کھسیانا سا ہنس کر اس کو بتانے لگا۔

’’ٹیچر تمہاری؟‘‘ حیدر نے حیرت کا بھرپور مظاہرہ کیا تو ارمان مسکرا کر اثبات میں سر ہلا گیا۔

’’تم سمجھ رہے ہو میں تمہاری اس بودی کہانی پر یقین کر کے گاڑی اسٹارٹ کر دوں گا تو تم سراسر غلطی پر ہو۔‘‘ حیدر سیدھا ہو کر بیٹھا۔

’’ہاہاہا...... ‘‘ کھوئی ہوئی کوئی چیز مل جائے تو جو خوشی اندر سے پھوٹتی ہے ارمان بھی اس وقت انہیں خوشیوں کے حصار میں تھا حیدر نے بڑی گہری نظر سے اسے دیکھا تھا۔

’’تم اشعر کو جانتے ہو ناں۔‘‘ ارمان اس سے پوچھنے لگا تو حیدر نے اثبات میں سر ہلایا۔

’’اشعر کی بھتیجی رانیہ جس اسکول میں جاتی ہے اس اسکول میں یہ ٹیچر تھیں تو اس حوالے سے ایک دو بار بات ہوئی تھی۔‘‘

’’تمہارا استحقاق بھرا انداز دو تین ملاقاتوں والا تو نہیں لگتا۔‘‘ حیدر نے تفتیشی نظروں سے اسے دیکھا تھا۔

’’میں مس خوش بخت کی بہت عزت کرتا ہوں۔ وہ یہاں کیسے اور کیوں آئی ہیں میں نہیں جانتا، لیکن میں ان کو اس طرح یہاں نہیں چھوڑ سکتا۔‘‘ ارمان اس کو بتانے لگا تھا اور وہ واقعی جاننا چاہتا تھا لیکن مس خوش بخت کے رسپانس پر وہ خود بھی کافی حیران ہوا تھا اور من ہی من خوش بھی کہ وہ اس پر اعتبار کر رہی ہیں کسی کی شرافت اس کے ماتھے پر

نہیں چسپاں ہوتی ہے لیکن اٹھنے والی ایک نظر ہی اس کے اندر کی خباثت کو واضح کر دیتی ہے اور ارمان کی اس طرف اٹھتی نظروں میں جو احترام تھا وہ اعتبار کے لیے کافی تھا پتا نہیں حیدر کو یقین آیا تھا یا نہیں لیکن اس نے گاڑی اسٹارٹ کر دی تھی اور نیویگیشن کے بتائے گئے روٹ کو فالو کرنے لگا تھا۔

تقریباً دس منٹس کی ڈرائیو کے بعد وہ متوقع ایڈریس پر پہنچ گئے حیدر نے گاڑی پارک کی اور ارمان باہر نکل کر گھر کی طرف بڑھ گیا حیدر بھی جانے کا سوچ رہا تھا کہ موبائل پر آتی کال نے اس کے قدم روک دیے۔

❁.........❁.........❁

''واقعی مجھے یقین نہیں آ رہا ہے۔''

''تھینک یو سوچ اس اعتبار کے لیے۔'' وہ دانت پیس کر استہزائیہ انداز میں بولی تو حیدر مسکرانے لگا۔

''میرا یہ مطلب نہیں تھا یہ تو انہونی کے ہونے والی بات ہے ناں۔'' حیدر نے بھرپور حیرانی کا اظہار کیا۔

''اور اس انہونی کے ہونے کا سارا کریڈٹ تسلیم آنٹی آپ اور ارمان کو جاتا ہے جن کی کوشش سے وجاہت انکل اپنی غلطی کو مان سکے ورنہ ہم سب نے تو امید چھوڑ دی تھی عروہ خوش دلی سے بولی تو حیدر مسکرا دیا۔

''اور تم سب کی دعاؤں کے بغیر یہ کوششیں کبھی کامیاب نہیں ہو سکتی تھیں۔'' حیدر فراخ دلی سے بولا تو عروہ نے مسکرا کر اس کے اور اپنے درمیان آپ کی دیوار کے گرنے پر من ہی من اس کی محبت کا اقرار کیا۔

''تھینک یو۔'' عروہ بولی حیدر نے کچھ کہنے کو لب وا کیے ہی تھے کہ ارمان آتا دکھائی دیا یکلخت ارمان کے آنے کا بتا کر فون بند کر دیا اور ارمان کی طرف متوجہ ہو گیا۔

''سب ٹھیک ہے؟'' اس نے ارمان کے سنجیدہ تاثرات کو دیکھ کر پوچھا۔

''ہاں خیریت ہے۔ اس گھر میں تین لڑکیاں ہیں دو ایشیئن ہیں اور ایک انگلش نیکسٹ ڈور نیبر سے پوچھا تو کہہ رہے ہیں کہ ایریا اچھا ہے۔'' ارمان نے حیدر کو بتایا۔

''چلو پھر ٹھیک ہے اب تمہیں تسلی ہو گئی ناں؟'' حیدر نے اسے دیکھ کر اس سے پوچھا تھا تو ارمان نجانے کیوں خاموش ہی رہا اور پھر کچھ دیر بعد وہ ایک بار پھر مس خوش بخت کے روبرو تھا حیدر گاڑی میں ہی اس کا منتظر تھا کہ ابھی انہوں نے واپس آکسفورڈ بھی جانا تھا۔

''میں نے سنا تھا کہ آپ کی شادی ہو گئی ہے۔'' گھر کے متعلق کوئی بھی بات کرنے سے پہلے ارمان اس سے اس کے بارے میں جاننا چاہ رہا تھا اس کے سوال پر خوش بخت کے چہرے کا رنگ یک دم اڑ گیا۔

''صرف نکاح۔'' وہ فقط اتنا ہی کہہ سکی تھی۔

''اور پھر...... آپ یہاں کیسے؟'' ارمان اس کی طرف دیکھنے سے اجتناب برت رہا تھا۔

''ورک پرمٹ ویزے پر آئی ہوں۔'' وہ مختصر جواب دے رہی تھی۔

''جاب کر رہی ہیں؟'' ارمان محسوس کر رہا تھا کہ وہ بے چینی سے پہلو بدل رہی ہے اس موضوع پر بات نہیں کرنا چاہتی لیکن آج پھر ارمان ڈھیٹ بنا تھا یا شاید اس کے لیے حد سے زیادہ فکر مند ہو رہا تھا۔

''نہیں آپ گھر دیکھ کر آئے ہیں ٹھیک ہے وہاں کا ایریا۔'' دوسرے پل اس نے موضوع بدلا تھا۔

''اگر میں کہوں کہ وہ جگہ اچھی نہیں ہے تو آپ کیا کریں گی؟'' ارمان نے اس کی طرف دیکھ کر اس سے پوچھا۔

''فی الحال تو یہاں ٹھیک ہوں امید ہے کہ پھر جلدی ہی کوئی بہتر جگہ مل جائے گی۔'' وہ ہاتھوں کو دباتے ہوئے بولی تو ارمان نے سرد آہ بھری۔

''آپ نے جس نمبر پر میسج کیا تھا وہ میرا نمبر ہے اگر آپ کی اجازت ہو تو میں رابطے میں رہ سکتا ہوں۔'' ارمان نے اجازت طلب نظروں سے اسے دیکھ کر کہا تو خوش بخت کوئی جواب نہ دے سکی۔

''تھینک یو سوچ پردیس میں کسی ایسے کا مل جانا جو آپ کی تکلیف کو محسوس کر کے آپ کو اس تکلیف سے باہر

نکالنے کی کوشش کرے، بہت تسلی بخش اور اطمینان کا باعث ہوتا ہے، بہت شکریہ ارمان آپ کی وجہ سے بہت دن بعد مجھے احساس ہوا ہے کہ میں یہاں اکیلی نہیں ہوں۔'' خوش بخت ہاتھوں کو مروڑتے ہوئے بولی تو ارمان یک ٹک اس کی طرف دیکھنے لگا۔

''اور میرے لیے خوشی کی بات یہ ہے کہ ایک ملاقات کے بعد آپ نے نہ صرف مجھے پہچان لیا بلکہ مجھے اس قابل بھی سمجھا کہ آپ کے کسی کام آسکوں۔'' ارمان نے تشکر آمیز نظروں سے اسے دیکھا تو وہ دھیمے سے مسکرائی۔

''بعض اوقات کچھ انجانے چہرے بھی ذہن میں نقش ہوجاتے ہیں ان کی پرسنالٹی اور سب سے بڑھ کر ان کی شرافت ہمیں ان پر اعتبار کا سگنل دے دیتی ہے میں آپ کو نہیں جانتی لیکن شاید جانتی بھی ہوں۔'' وہ بولی تو ارمان نے چونک کر اسے دیکھا۔

''جب تک اسکول میں جاب کررہی تھی رانیہ اور بسمہ سے ملاقات کے دوران اکثر آپ کے بارے میں سنا تھا۔'' خوش بخت کی بات پر ارمان واقعی حیران ہوا تھا۔

''اشعر تو واقعی میرا یار ہے۔'' ارمان سمجھ گیا کہ یہ ساری اشعر کی کوششوں کا نتیجہ ہے۔

''شکریہ۔'' ارمان فقط اتنا ہی کہہ سکا۔

''مجھے ابھی جانا ہے۔'' ارمان حیدر کے میسج کا نوٹفکیشن دیکھ کر بولا۔

''اور میں رابطے میں رہوں گا کسی قسم کی کوئی بھی پریشانی ہو تو آپ بلا جھجک مجھ سے رابطہ کرسکتی ہیں نہ کوئی ٹائم کی پابندی ہے نہ کوئی غیروں والی بات ہے۔'' ارمان اٹھتے ہوئے اس سے کہنے لگا تو خوش بخت کے اندر ڈھیروں ڈھیر اطمینان اتر آیا اور پھر اس کے یہاں آجانے اور یوں اکیلے رہنے کی کہانی ادھوری چھوڑ کر ارمان اس کو وہیں چھوڑ کر واپس آکسفورڈ چلا گیا۔

❁ ❁ ❁
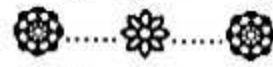
''وجاہت علی شاہ اور ماں کے درمیان لڑائی ہے اور......!''

''وہاٹ کیوں؟'' وہ دونوں آکسفورڈ کے لیے نکل چکے تھے اور ایم ون پر اسپیڈ کو بڑھاتے ہوئے حیدر نے ارمان کو بتایا تو وہ یک دم اس کی طرف دیکھ کر بولا۔

''یار پہلے تھوڑے مسئلے تھے جو انہوں نے بھی لڑائیاں شروع کردی ہیں۔'' ارمان تلخی سے بولا۔

''اگر ذرا سا جذبات کو کنٹرول کرو تو میں پوری بات بتا دوں؟'' حیدر نے اس کے تیکھے انداز کو دیکھ کر کہا تو ارمان نے لب بھینچ لیے۔

''اور لڑائی کے سائیڈ افیکٹ ہم سب کے حق میں بہتر ثابت ہوئے ماں نے وجاہت سر کو جو آئینہ دکھایا محض چند باتوں کے بعد ہی وجاہت سر صدیقی مینشن پہنچ گئے اور پچھلے دس سال کے اپنے رویے کی معافی مانگی اور میم کو واپس چاندی نگر بلانے کی درخواست کی'' ''رئیلی یہ تو سچ کہہ رہا ہے۔'' ارمان خوشگوار حیرت کے ساتھ ڈرائیونگ کرتے حیدر کی طرف مڑا۔

''ہاں سو فیصد سچ۔'' حیدر ہنستے ہوئے بولا۔

''کمال ہوگیا، تسلیم آنٹی نے تو بہت ہمت دکھائی امید نہیں تھی کہ آنٹی اتنی اچھی طرح ہدایات پر عمل کرسکیں گی۔'' ارمان ابھی تک بے یقین تھا۔

''ہاں شاید وہ بھی اب تھک چکی ہیں جدائی سہتے سہتے اور حالات سے جنگ کرتے کرتے۔'' حیدر گہرا سانس لے کر بولا تو ارمان نے اسے دیکھا۔

''تو پھوپو جانی آپ کا کیا فیصلہ ہے؟'' ارمان اور حیدر رات گئے واپس پہنچے تو انتہائی تھکن کی وجہ سے سیدھے بیڈ پر ہی گئے تھے اب وہ دونوں ناشتے سے فارغ ہوئے تو ارمان فضلاں بی سے ان کا ارادہ جاننے کے لیے ان کے پاس آبیٹھا، صبح صبح عروہ کی زبانی اس تک یہ اطلاع بھی پہنچ چکی تھی کہ وجاہت علی شاہ نے فضلاں بی کو کال کی ہے لیکن دونوں میں کیا باتیں ہوئی اس بات سے کوئی بھی باخبر نہیں تھا۔

''میں پاکستان جانے کے لیے تیار ہوں لیکن میری ایک شرط ہے۔'' فضلاں بی اپنی شال کو سیٹ کرتی ہوئی

سپاٹ چہرے کے ساتھ بولی تو جہاں ارمان کو ان کی پہلی بات پر خوشی ہوئی تھی وہاں شر کا سن کر یکلخت خاموش ہو کر دیکھنے لگا۔

"کیسی شر پھوپو جان۔" ارمان نے حیدر کو دیکھا تھا جو متزلزل نظروں سے فضلاں بی کو ہی دیکھ رہا تھا۔

"میں چاندی نگر نہیں جاؤں گی نہ ہی صدیقی مینشن۔"

"تو کہاں جانا ہے آپ نے؟" ارمان متعجب نظروں سے استفسار کرنے لگا۔

"میں الگ گھر میں رہوں گی حیدر کے ساتھ۔" فضلاں بی نے حیدر کو دیکھا۔

"میں ہمیشہ آپ کے ساتھ ہوں میم۔" حیدر نے ان کا مان رکھا تھا۔

"یہ کیا بچوں جیسی باتیں کر رہی ہیں آپ پھوپو جانی۔" یکلخت ارمان بھڑ کا تھا۔

"ریان کس کے پاس رہے گا۔"

"جہاں وہ اب ہے وہاں ہی۔" فضلاں بی نے سفا کانہ انداز میں کہا تو ارمان نے خاموش ہو جانے میں عافیت سمجھی۔

"ٹھیک ہے آپ جانے کی تیاری کریں حیدر تم ٹکٹس وغیرہ کا پتا کرو کہ کب تک کی مل سکتی ہیں۔" سپاٹ لہجے میں کہہ کر ارمان وہاں سے اٹھ کر باہر نکل گیا تھا اور فضلاں بی نے لب بھینچ کر حیدر کی طرف دیکھا تھا جو پر سوچ لکیریں ماتھے پر سجائے بیٹھا تھا۔

❁......❁......❁
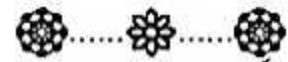
"کبھی کبھی زندگی ہم سے سب کچھ چھین کر ہمیں ایک ایسے دوراہے پر لا کھڑا کرتی ہے جہاں دور، دور تک سوائے اندھیرے کے اور کچھ نہیں ہوتا ہے۔ ایسے گھپ اندھیرے میں جو چیز ہمارے لیے روشن راستے مہیا کرتی ہے ہمیں اندھیری راہ گزر پر قدم بڑھانے پر مجبور کرتی ہے وہ اللہ پاک کی ذات ہے ہمارا یقین کہ اندھیرے کے بعد روشنی ہر حال میں ہوتی ہے جس نے یہاں لا کھڑا کیا ہے وہ آگے بھی ہمت دے گا اور ہم کامیاب ہوں گے آزمائش میں صبر ہی ہمارے ایمان کی پختگی کی علامت ہوتی ہے میں بہت خوش تھی میری محبت کو اللہ تعالیٰ نے بغیر کسی رکاوٹ کے میرا مقدر بنا دیا تھا وہ دن محض چند دن میں نے اپنی زندگی میں پہلے کبھی نہیں جیئے تھے۔" ارمان اپنے موبائل پر آئے میسجز کو پڑھ رہا تھا۔

"ابھی میں اپنے اندر ان خوشیوں کو جذب بھی نہ کر پائی تھی کہ میری محبت مجھ سے چھین لی گئی۔ بلال کاظمی ایک روڈ ایکسیڈنٹ میں...... مجھے اتنی بھی مہلت نہ دے سکے کہ میں ان کی لمبی زندگی اور صحت یابی کے لیے دعا تو کر سکتی۔ محض چند پل لگے تھے میری دنیا کو اندھیرے کی نذر ہونے میں اور پھر میں ایک روایتی عزم کی زد میں آ گئی جب ہم سے منسوب لوگ کسی نقصان کی زد میں آنے لگتے ہیں تو ہمارا معاشرہ بنا سوچے سمجھے بنا اس انسان کے جذبات کو سمجھے اس ایک انسان پر منحوس ہونے کا ٹھپہ لگا کر نجانے کس بات کا بدلہ لیتے ہیں۔" ارمان کے ماتھے کی سلوٹوں میں چنداں اضافہ ہوا تھا۔

"میری فیملی بھی ان الزامات کی زد میں آنے لگی، میری بہن رافعہ نے ہمیشہ میرا ساتھ دیا تھا لیکن شاید وہ بھی تھک گئی تھی یا شاید میں واقعی......!" اس کے ادھورے لفظ نے ارمان پر اس کی بات واضح کر دی تھی وہ لب بھینچ کر رہ گیا۔

"بمشکل خود کو سنبھال کر میں نے جاب اسٹارٹ کی تو وہاں اتفاق سے یو کے کے لیے جاب کی آفر کے متعلق سنا اور کوشش کی اور اب یو کے میں ہوں پچھلے تین ماہ سے۔"

ارمان نے کچھ دیر اور انتظار کیا اور کوئی میسج نہیں آیا تھا یقیناً وہ اپنی بات ختم کر چکی تھی ارمان کے پاس ایک لفظ تک نہ تھا کہنے کے لیے یوں بھی اب شاید وہ کافی حد تک سنبھل بھی چکی تھی تو ارمان دوبارہ اس قصے کے حوالے سے کوئی سوال و جواب کر کے اس کو مزید کسی رنج سے دوچار نہیں کرنا چاہتا تھا۔ اس لیے چند رسمی تسلی کے لفظوں سے زیادہ وہ کچھ نہ کہہ سکا اور پھر...... ایک محتاط انداز میں خوش بخت ارمان سے مسئلے شیئر کرنے لگی ارمان ہر ممکن طریقے سے اس کی

رہنمائی کر رہا تھا خوش بخت دوسرے گھر میں شفٹ ہوگئی اور وہ قدرے بہتر تھا۔

''مالک مکان نے گھر کا کرایہ لینے سے انکار کر دیا ہے۔'' حیرت میں ڈوبا خوش بخت کے میسج پر ارمان مسکرایا تھا۔

''اچھا تو......!''

''تو یہ کہ ایسے کیسے ہوسکتا ہے میں نے کرائے کے پیسے رکھے ہوئے ہیں۔'' خوش بخت واقعی حیران تھی۔

''کبھی کبھی معجزے ہوجایا کرتے ہیں اور کرائے کے پیسے آپ اپنی دوسری ضرورتوں کے لیے رہنے دیں گھر کے معاملے میں کسی قسم کی پریشانی کی ضرورت نہیں۔'' ارمان کے میسج پر خوش بخت پرسوچ نظروں سے موبائل کی اسکرین کو دیکھنے لگی۔

''شکریہ۔'' محض ایک لفظ کے میسج پر ارمان کھل کر مسکرایا تھا۔

اور پھر ان لوگوں کی پاکستان جانے کی تیاری ہونے لگی۔ حیدر ابھی نہیں جاسکتا تھا کیونکہ اس کی اسٹڈیز ابھی باقی تھی۔ فضلاں بی کو ارمان نے اپنے ساتھ چلنے کے لیے راضی کرلیا تھا۔

''میں کل بریڈ فورڈ آرہا ہوں اور آپ میرے ساتھ آکسفورڈ آئیں گی۔'' ارمان کی کال کو ریسیو کیا تو سلام دعا کے بعد اس کے سوال نے اس کو ٹپٹادیا۔

''میں آکسفورڈ کیوں؟'' وہ متجسس ہوکر اس سے پوچھنے لگی۔

''میں آپ کو پھوپو جانی سے ملوانا چاہتا ہوں ہفتے تک ہم واپس پاکستان جارہے ہیں تو آپ مل لیں پھوپو جانی سے۔'' ارمان اس سے کہنے لگا۔

''پاکستان واپس جارہے ہیں۔'' وہ یک دم پریشان ہوئی۔

''لیکن میں یہاں اکیلی......!'' خوش بخت نے ایک دم اپنے الفاظ کو روک لیا تھا اور ارمان چونکا تھا۔

''مس خوش بخت آپ پاکستان چلیں گی۔'' وہ بولا تو نجانے کیوں خوش بخت کو محسوس ہوا جیسے وہ کچھ اور کہنا چاہتا تھا۔

''میرا ویزہ ایک سال کا ہے۔'' وہ پاکستان جانے پر آمادہ نہ تھی لیکن ارمان کے پاکستان جانے پر افسردہ بھی ہوگئی تھی۔

''آپ پریشان نہ ہوں ان شاء اللہ سب بہتر ہوگا۔'' ارمان اس کو تسلی دینے لگا لیکن وہ اسی طرح رنجیدگی کے حصار میں رہی اور پھر فون بند کردیا اور ارمان مزید سوچنے لگا لیکن فی الوقت اس سے کچھ بھی کہنا مناسب نہ سمجھا۔

❀......❀......❀

''پھوپو جانی یہ مس خوش بخت ہیں آپ سے ملنا چاہ رہی تھیں۔'' دوسرے دن ارمان مصروفیت کی وجہ سے بریڈ فورڈ نہ جاسکا تھا لیکن خوش بخت آکسفورڈ پہنچ گئی تھی۔

''میں پاکستان سے یوکے اکیلی آسکتی ہوں تو بریڈ فورڈ سے آکسفورڈ کیوں نہیں؟'' جب ارمان نے اسے اپنی مصروفیت کا بتا کر ٹرین کے ذریعے آکسفورڈ آنے کے لیے کہا تو خوش بخت یک دم مان گئی کہ وہ خود بھی ارمان کے ساتھ اتنا لمبا سفر کرنے کے خیال سے من ہی من گھبرا رہی تھی۔

اور یوں وہ بذریعہ ٹرین اب آکسفورڈ پہنچ چکی تھی ارمان اس کو ٹرین اسٹیشن سے پک کرکے سیدھا گھر لایا تھا اور اس کے تعارف پر فضلاں بی سے ملاقات کی خواہش پر اس نے حیرت سے ارمان کو دیکھا۔

''یوں ہی پھوپو جانی آپ کے بارے میں بہت سنا تھا تو اس لیے شوق تھا کہ آپ سے ملوں۔'' خوش بخت نے ارمان کی بات کو جاری رکھا تو وہ مسکرانے لگا۔ ستائش بھری نظروں سے اسے دیکھا لیکن اب وہ فضلاں بی کی طرف متوجہ تھی۔

''میرے بارے میں سنا ہے۔'' فضلاں بی نے مشکوک نظروں سے ارمان کو دیکھا تھا۔

''ہاں۔'' خوش بخت نے کہا اور پھر مختصر اپنا تعارف کرایا۔ خوش بخت بہت عرصے بعد کھل کر ہنسی تھی اطمینان

سے کھانا کھایا تھا فضلاں بی کو اپنی خوب صورت نیچر، دھیمے، انداز اور اچھے اخلاق سے کافی متاثر کرلیا تھا۔

''بہت دیر سے ملاقات کرائی اس بدتمیز نے اب دو ہفتے تک تو میں نے پاکستان چلے جانا ہے ناں۔'' فضلاں بی گرین ٹی کپ میں ڈال کر اس کی طرف بڑھا کر بولی تو ارمان نے خوش بخش کو دیکھا جو یک لخت بجھ سی گئی تھی۔

''مجھے بھی اب افسوس ہورہا ہے پہلے ملاقات ہوتی تو میں بھی آکسفورڈ آجاتی، آپ کے ساتھ رہتی۔'' خوش بخت فرط جذبات سے بھرپور لہجے میں بولی تو فضلاں بی نے ارمان کو دیکھا۔

ارمان پرشوق نظروں سے اسے دیکھ رہا تھا اور من ہی من خوش بھی ہورہا تھا کہ فضلاں بی وہی سمجھ رہی تھیں جو وہ ان کو بتانے کی کوشش میں خوش بخت کو ان سے ملانے لایا تھا۔

''کوئی بات نہیں بیٹا تم پاکستان چلو ہمارے ساتھ۔'' فضلاں بی نے بھی اسے دعوت دی تو اس نے ارمان کو دیکھا جو مسکرا رہا تھا۔

اور پھر خوش بخت دو دن آکسفورڈ رک کر واپس بریڈ فورڈ گئی ایک عجیب سا بوجھ اور ایک انجانی خواہش بھی اس کے ہمراہ تھی۔

❋......❋......❋
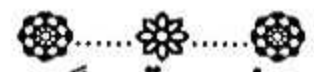
''نہیں پھوپو جانی یہ زیادتی ہے اگر آپ نے یہ فیصلہ لیا ہے کہ آپ وجاہت انکل کی غلطی کو معاف کررہی ہیں تو پھر انہیں یہ موقع بھی دینا چاہیے کہ وہ اس کا کفارہ ادا کرسکیں۔'' ارمان اور فضلاں بی پاکستان پہنچ چکے تھے اور فضلاں بی اپنی ضد پر قائم تھیں۔ لیکن وہ ہر بات کو ان سنی کر رہی تھیں۔ بشیر، انجم، ارمان، عروہ، نازنین اور ناہید نے ہر ممکن طریقے سے ان کو سمجھانے کی کوشش کی لیکن وہ نجانے کون سی ضد کو لیے بیٹھی تھیں یہاں تک کہ تسلیم اور اللہ بخش نے بھی ان کو چاندی نگر چلنے کے لیے کہا لیکن ان کی نہ ہاں میں نہیں بدلی۔

انہوں نے ابھی تک ریان علی شاہ سے بھی ملاقات نہ کی تھی نہ ہی وجاہت کا سامنا کیا تھا۔

''ڈیڈ پھوپو جانی کو ان کے حال پر چھوڑ دیں۔'' ارمان نے بشیر اور انجم کو پریشان دیکھ کر کہا تھا۔

''میں کل پرسوں تک چاندی نگر جاتا ہوں اور وجاہت انکل اور ریان کو ساتھ لے کر آؤں گا۔ جب تینوں کا آمنا سامنا ہوگا تو یقیناً پھوپو جانی کا دل پگھل جائے گا۔'' ارمان قدرے سنجیدگی سے بولا تو انجم نے کچھ کہنا چاہا لیکن پھر خاموشی اختیار کرلی اور بشیر بھی ارمان کی بات سے متفق تھے۔

''آپا کیا آپ کو ریان سے بھی نہیں ملنا؟'' چائے سرو کرتی نازنین نے فضلاں بی سے پوچھا تو یک دم وہ نظریں جھکا گئیں۔

''آپا آپ ہم سب کے لیے ہمیشہ خاص رہی ہیں آپ یہاں نہیں تھیں تو آپ کے بھائی ہر وقت آپ کے بارے میں فکرمند رہتے تھے ہمارا دہی لمحہ سکون سے گزرتا تھا جب ارمان آپ کے پاس جاتا تھا اس کے علاوہ ہر وقت آپ کے لیے سب ہی پریشان رہتے تھے یہ آپ پر کوئی احسان نہیں تھا نہ ہی میں یہ جتا رہی ہوں میں صرف آپ کو یہ کہہ رہی ہوں کہ اپنی ضد میں اپنے بیٹے کے ساتھ بھی زیادتی کررہی ہیں۔'' نازنین نے فضلاں بی کی طرف دیکھ کر ان سے کہا تھا اور آج اس نے ان کے چہرے پر ایک نرمی دیکھی تھی تبھی ہمت جٹا پائی تھی۔

''وہ میرا بیٹا نہیں ہے وہ تو میرے وجود سے بھی بے خبر ہے۔'' فضلاں بی چائے کا سپ لے کر مدہم آواز میں بولی۔

''وہ بے خبر ہے کہیں آپ تو نہیں ناں؟ اور وہ آپ کے وجود سے بے خبر نہیں ہے اگر آپ چاندی نگر جائیں گی تو آپ جان سکیں گی کہ وہاں کا ذرہ ذرہ فضلاں بی کا منتظر ہے۔'' ناہید بھی وہاں آبیٹھی تھی اس کی بات پر نازنین نے تائیدی نظروں سے اسے دیکھا۔

''جو لوگ ہماری زندگی کا حصہ ہوتے ہیں ناں وہ ہمارے چاہنے سے یا نوچ کر پھینک دینے سے بھی ہماری

زندگی سے نہیں نکلتے کہیں نہ کہیں کسی نہ کسی موڑ پر وہ ہماری ذات کا حوالہ بن جاتے ہیں اور ہم چاہ کر بھی ان سے دامن نہیں جھٹک سکتے۔ آپا ریان علی شاہ آپ کی راہ دیکھ دیکھ کر یہاں تک پہنچا ہے ہمیں نہیں پتا وجاہت علی شاہ بھائی نے آپ سے کیا کہا ہے لیکن ہم نے ان کی آنکھوں میں ندامت دیکھی ہے۔ اپنی جلدی بازی اور غصے سے کیے گئے فیصلے پر پچھتاتے بھی دیکھا ہے۔'' نازنین فضلاں بی کو سب بتا رہی تھی اور وہ خاموشی سے سن رہی تھیں۔

''فضلاں بی میں...... مجھے...... ایک موقع دو، میں اپنی غلطی سدھارنا چاہتا ہوں آج ایک بار پھر مجھے تمہارے ساتھ کی ضرورت ہے میرا چاندی نگر بکھر رہا ہے فضلاں بی میرا، ہمارا بیٹا فضلاں بی واپس آجاؤ اور مجھے پہلے کی طرح سنبھال لو۔'' وجاہت علی شاہ کے چند الفاظ نے اس کے اندر جیسے روح پھونکی تھی لیکن وہ خاموشی تھی اور ابھی تک خاموش تھی آج نازنین اور ناہید کی باتوں کو سن کر وجاہت کے لفظوں کی بازگشت بھی اونچی ہو رہی تھی ریان کی محبت میں تڑپ بھی واضح ہونے لگی تھی ممتا کی محبت کا سمندر چھل مارنے لگا تھا لیکن وہ وجاہت علی شاہ کی آمد کی منتظر تھی اور پھر وہ آگئے۔

❁......❁......❁
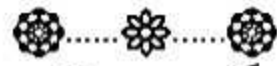
''سنو، تمہیں کچھ بتانا ہے۔'' وہ سیڑھیوں پر بیٹھی موبائل کے ساتھ مصروف تھی جب وہ اس کے پاس آ کھڑا ہوا۔

''ہاں جی فرماؤ۔'' وہ استہزائیہ انداز میں بولی۔

''ایک لڑکی ہے دیوانی سی۔'' ارمان دلکشی سے مسکراتے ہوئے بولا تو عروہ نے چونک کر اسے دیکھا۔

''اور اس لڑکی پر تم مرتے ہو۔'' عروہ نے سوالیہ نظروں سے اسے دیکھا تو وہ کھسیانہ سا ہنس دیا۔

''کتنے بڑے فراڈیے ہو نا تم کون ہے بتاؤ، اور میں تمہیں بتا رہی ہوں میں تمہارے اس چکر کو گھر تک نہیں لانے والی۔ تم خود ہی ہینڈل کرو۔'' وہ اس کے چھپانے پر نروٹھے انداز میں بولتی اٹھ کھڑی ہوئی۔

''تم اگر ایک قدم بھی پیچھے ہٹی ناں تو میں تمہاری ٹانگیں توڑ دوں گا۔'' ارمان نے اس کو دھمکی دی حالانکہ وہ سب کچھ خود طے کر چکا تھا۔ ڈیسائیڈ کر لیا تھا کہ اسے کیا کرنا ہے۔ ابھی تک اس نے اپنی ایک بھی بے قراری کو اس پر عیاں نہیں کیا تھا کیونکہ ابھی مناسب وقت بھی نہیں آیا تھا عروہ کی مدد کی اسے کہیں بھی ضرورت نہ تھی لیکن دونوں کی دوستی میں اس مدد کا بہت بڑا ہاتھ تھا اگر وہ اپنا یہ معاملہ عروہ سے چھپا لیتا تو یقیناً دونوں کے درمیان ایک سرد جنگ شروع ہو جاتی...... ارمان کی دھونس اور استحقاق کو عروہ نے مسکرا کر قبول کیا تھا۔

''اچھا بتاؤ کیا کرنا ہے۔'' اپنی تفتیشی نیچر کے باعث عروہ نے زیادہ نخرہ نہیں دکھایا اور متجسس انداز میں اس سے پوچھنے لگی تو ارمان نے مناسب الفاظ میں ساری تفصیل اسے بتا دی۔ خوش بخت کے نکاح سے لے کر بلال کی ڈیتھ تک پاکستان سے اس کے یوکے جانے کی داستان اور پھر اپنی ملاقات۔

''وہ ابھی کہاں ہے۔'' ساری باتیں سننے کے بعد عروہ نے اس سے پوچھا۔

''یوکے میں ہے ابھی۔'' ارمان قدرے سنجیدہ لہجے میں اس کو بتانے لگا۔

''پھوپو جانی سے اس کی ملاقات کرائی تھی۔'' ارمان نے بتایا تو عروہ نے اسے دیکھا۔

''اوہ اچھا تو اسی لیے پھوپو جانی تائی امی سے کہہ رہی تھیں کہ اب ارمان کی شادی بھی کرنی ہے۔'' عروہ فضلاں بی کی بات اس سے شیئر کرنے لگی تو وہ حیران ہوا۔

''مطلب کہ پھوپو جانی کو وہ اچھی لگی ہے۔'' ارمان کو خوشگوار حیرت نے آن گھیرا تھا۔

''ہاں شاید کچھ کلیئر تو نہیں کیا تھا نہ ہی کسی کا نام لیا تھا۔'' عروہ مزید بولی۔

''ہاں مجھے بھی کچھ نہیں کہا تھا۔''

''اچھا تو تمہارا اب کیا پلان ہے۔'' عروہ اس سے پوچھنے لگی۔

''اس کو وہاں پر گھر میں کافی ایشوز ہو رہے ہیں اور اپ سیٹ ہے تو میں حیدر کے فائنل سمسٹر کا انتظار کر رہا ہوں۔ اس کے امتحان ہو جائیں تو میں یو کے جاؤں گا اور پھر کوشش کروں گا کہ مس خوش بخت کو پاکستان لے آؤں لیکن میں چاہتا ہوں کہ اس دوران اس کی فیملی سے مل لیا جائے اور سارے معاملات طے ہو جائیں۔'' ارمان نے اپنے ارادے سے آگاہ کیا تو عروہ نے پرسوچ نظروں سے اسے دیکھا۔

''اور اس سب کے لیے تم سے بہتر کوئی بھی نہیں جو میری ہیلپ کر سکے۔'' ارمان نے اس کو دیکھ کر صاف گوئی سے کہا تو عروہ مسکرانے لگی۔

''اوکے باس، دوستی کی ہے نبھانی تو پڑے گی۔'' عروہ نے فرضی کالر جھاڑ کر کہا تو ارمان ہنسنے لگا۔

''کم فلمیں دیکھا کرو کہ تھوڑے ڈائیلاگ یاد ہوں۔'' ارمان نے اس کے ڈائیلاگ پر طنز کیا۔

''اور کام ہونے کی صورت میں میرا کمیشن؟'' عروہ نے ہاتھ پھیلایا۔

''اگر کمیشن ہی دینا ہے تو میں کسی پروفیشنل بندے کو ہائر کرلوں نا تمہارا کیا فائدہ؟'' ارمان نے اس کو چھیڑا تو وہ ابرو اچکا کر اس کو دیکھنے لگی۔

''اچھا چلو میں اپنا جگری یار تمہیں کمیشن کے طور پر دے دیتا ہوں۔'' ارمان نے شریر لہجے میں کہا تو عروہ سٹپٹا گئی۔

''تم رہنے دو میں کردوں گی بغیر کمشین کے ہی۔'' وہ رخ موڑ کر بولی تو ارمان نے قہقہہ لگایا۔

''مجھے بہت خوشی ہے کہ تم نے ایک اچھا فیصلہ کیا ہے حیدر بہت اچھا ہے اور مجھے پوری امید ہے کہ وہ بہت مخلص بھی ہے اور سب سے اچھی بات یہ ہے کہ......؟'' ارمان کے خاموش ہونے پر عروہ نے پلٹ کر اسے دیکھا۔

''کہ۔''

''کہ......!'' ارمان مسکرایا تھا۔

''اس نے بابا جان سے بات بھی کی ہے انکل سائیں بخش کو راضی کر لیا ہے اور بہت جلدی سب ٹھیک ہو جائے گا۔'' عروہ کے لیے یہ اطلاع واقعی حیران کن تھی۔

''تمہیں نہیں بتایا حیدر نے۔'' ارمان اس کے تاثرات سے محفوظ ہوتا ہوا پوچھنے لگا۔

''نہیں تو۔'' وہ فقط اتنا ہی کہہ سکی۔

''او اچھا تو اب تم بھی اس بات کو اپنے تک ہی رکھنا میں سمجھا تھا کہ تم کو بتایا ہے لیکن وہ اپنے پاکستان آنے تک اس بات کو ڈس کلوز نہیں کرنا چاہتا ہوگا۔''

ارمان نے اسے کہا تو عروہ نے اثبات میں سر ہلایا لیکن دل ایک عجیب خوشگوار انداز میں دھڑکا تھا۔

❁......❁......❁

فضلاں بی وجاہت کے ہمراہ چاندی نگر واپس چلی گئی تھیں، ریان پہلے پہل فضلاں بی کی طرف متوجہ نہ ہوا تھا لیکن جلد ہی فضلاں بی اور وجاہت نے اسے ایک مکمل فیملی کا احساس دلایا اور اب چاندی نگر ایک بار پھر اسی گہما گہمی اسی محبت اور اس بہار کے ساتھ دیکھنے والی آنکھ کو مسحور کر رہا تھا۔

صدیقی مینشن میں بظاہر تو کوئی پریشانی نہ تھی لیکن فضلاں بی کی ناکام زندگی کے باعث بشیر اور انجم کافی مغموم رہتے تھے۔

حیدر کی اچانک پاکستان واپسی نے سب سے زیادہ ارمان کو حیران کیا تھا۔

''کیا میں اندر آ سکتا ہوں؟'' وجاہت اور فضلاں بی شام کی چائے سے لطف اندوز ہو رہے تھے کہ حیدر کی آواز پر فضلاں بی نے یکلخت وجاہت کو دیکھا۔

''ہاں ہاں آؤ۔'' وجاہت خوش دلی سے بولے۔

''تھینک یو۔'' حیدر اپنے مخصوص انداز میں چلتا ان تک آیا فضلاں بی نے اسے دیکھا۔

''سر یہ آپ کے لیے۔'' حیدر نے ہاتھ میں پکڑی ایک فائل ان کی طرف بڑھائی تو فضلاں بی کے ساتھ ساتھ وجاہت نے بھی نہایت حیرت سے اسے دیکھا تھا۔

''یہ کیا ہے؟'' وجاہت فائل پکڑ کر اس سے

پوچھنے لگے۔
"آپ خود ہی دیکھ لیں۔" حیدر اسی دھیمے لہجے میں بولا تو فضلاں بی نے سوالیہ نظروں سے اسے دیکھا لیکن وہ ان کی طرف متوجہ نہ تھا آج اس کے چہرے پر اطمینان تھا۔
"یہ...... یہ تو......!" وجاہت فائل میں لگے پیپر کو پڑھتے ہوئے حیدر کی طرف دیکھ کر کہنے لگے تو فضلاں بی یک دم اٹھ کر وجاہت کے پاس آئیں اور فائل ان کے ہاتھ سے لے لی۔
"آپ کا نام میری پہچان نہیں تھی سر، وہ صرف اور صرف ایک کاغذی کارروائی تھی جو میم نے ہمدردی کی انتہا کو چھوتے ہوئے کی تھی۔"
"حیدر اللہ بخش۔" فضلاں بی نے نام کو دیکھ کر حیدر کی طرف دیکھا۔
"میم میں نے آج کے دن کا انتظار بہت شدت سے کیا تھا ایک دن میں نے یہاں کھڑے ہو کر آپ سے آپ کا سب کچھ چھنتے ہوئے دیکھا تھا لیکن چند لفظوں سے زیادہ کچھ نہ کہہ سکتا تھا لیکن میں نے اپنے آپ سے وعدہ کیا تھا کہ یہاں ہی کھڑے ہو کر آپ کو وہ سب کچھ لوٹاؤں گا جو میری وجہ سے آپ سے چھین لیا گیا ہے۔" فضلاں بی کی آنسوؤں بھری آنکھوں کو دیکھتے ہوئے حیدر نے کہا تھا۔
"حیدر بیٹا آئی ایم سوری۔" وجاہت کا نرم لہجہ حیدر کے ساتھ ساتھ فضلاں بی کے لیے بھی نیا تھا۔
"نہیں سر، آپ کا ری ایکشن اور فیصلہ یقیناً صحیح تھا، مجھے وقت لگ گیا تھا یہ سب چینج کرانے میں، میں اپنے نام کے ساتھ اپنے بابا کا نام ہی رکھنا چاہتا تھا اور آپ کا نام صرف اور صرف ریان کے لیے ہے۔" فضلاں بی نے حیدر کی طرف دیکھا تھا آج اس کے چہرے پر ان کو یاسیت یا احساس کمتری کا کوئی سایہ نہ دکھائی دے رہا تھا۔
"آج میں جس مقام پر ہوں وہ یقیناً آپ کے نام کی بدولت ہے۔ میم نے اپنی بہت سی خوشیاں قربان کر کے مجھے اس مقام تک پہنچایا ہے لیکن میں اب آپ کے نام کا بوجھ اور میم کی مزید کسی خوشی کو قتل نہیں کر سکتا۔" حیدر کے الفاظ، وجاہت کے اندر کسی اطمینان کی مانند اتر رہے تھے اور فضلاں بی بھی سرخرو ہو رہی تھیں۔
"میم۔" ابھی حیدر نے اپنی بات ختم بھی نہ کی تھی کہ تسلیم اور سائیں اللہ بخش بھی وہاں آگئے۔
"میم، حیدر پر آپ کے بہت سے حق ہیں ہم یہاں ایک درخواست لے کر آئے ہیں۔" سائیں اللہ بخش بولا تو وجاہت نے چونک کر دیکھا فضلاں بی دلکش مسکراہٹ چہرے پر سجائے ان کو دیکھ رہی تھیں۔
ارمان نے پہلے ہی فضلاں بی کو حیدر اور عروہ کے حوالے سے ساری تفصیل سے آگاہ کر دیا تھا اور وہ جانتی تھیں کہ اس پل تسلیم اور اللہ بخش کس درخواست کی بابت حاضر ہوئے ہیں فضلاں بی نے وجاہت کو دیکھا جو نہایت پرشوق نظروں سے انہیں دیکھ رہے تھے۔
"آپ کی ہنسی آج بھی اتنی ہی دلکش ہے کہ اس وقت تخلیہ کہنے کو دل چاہ رہا ہے۔" وجاہت مدہم سرگوشی میں بولے تو فضلاں بی بلش ہوگئی اور پھر ان کو اس رشتے کے بارے میں بتانے لگی۔
"میم آپ ہی سب کچھ کرنے والی ہیں۔" تسلیم پر مسرت انداز میں بولی۔
"یقیناً ہم سب کریں گے۔" فضلاں بی سے پہلے وجاہت نے کہا تو وہ سب ہنس دیے۔
"لیکن ایک شرط ہے۔"
"وہ کیا؟" فضلاں بی متجسس لہجے میں بولی۔
"آج سے تم سب فضلاں بی کو میم نہیں کہو گی نہ مجھے صاحب جی۔" وجاہت کی اس پابندی ہٹانے پر ایک اطمینان چاروں طرف پھیل گیا۔
"اب ہمیں یہ نفرت اور اونچ نیچ کی دیوار کو گرا دینا چاہیے۔ بھئی بہت سال سے چاندی نگر سچی خوشیوں کے لیے ترس رہا ہے اب نہیں۔" وجاہت کی فراخ دلی اور بشاشت پر سب حیران ہوئے تھے اور پھر آج برسوں بعد چاندی نگر میں چراغاں ہونے جا رہا تھا۔

❀......❀......❀

صدیقی مینشن میں بھی وجاہت نے فیصلے کے ایک بہت خوشگوار ہلچل مچا دی تھی۔ عروہ نے ارمان کا بھرپور ساتھ دیا تھا اور خوش بخت کے لیے سب کو منالیا تھا۔
اس کے گھر میں بھی آنا جانا شروع تھا اور شیرازی ہاؤس کو اپنی بیٹی کے لیے ایک ایسی جگہ مل رہی تھی جہاں وہ خوش رہ سکتی تھی۔
''خوش بخت تک جب یہ خبر پہنچی تو وہ حقیقتاً پریشان ہوگئی۔
''ارمان مجھے آپ کی مدد کی ضرورت ہے۔'' دوسرے لمحے وہ ارمان کی طرف میسج کر رہی تھی۔
''کاش آپ کہتی مجھے آپ کی ضرورت ہے۔'' ارمان نے ڈھیر ساری شرارتی سمائلی فیس کے ساتھ میسج بھیجا تو خوش بخت حیران رہ گئی۔
''مذاق نہیں۔'' وہ فقط اتنا کہہ سکی۔
''سوری، اچھا بتائیں کیا ہوا ہے۔'' دوسرا میسج حسب معمول سنجیدگی لیے ہوئے تھا۔
''میری فیملی نے میرے لیے کوئی رشتہ دیکھا ہے اور وہ فائنل کر رہے ہیں۔'' خوش بخت کے میسج نے ارمان کو حیران کیا تھا۔
''اچھا تو......!''
''آپ نے کہا تھا آپ یو کے آؤ گے؟''
''ہاں میں نے اگلے ہفتے کی سیٹ کنفرم کرائی ہے وہاں پھوپو جانی کے گھر کا مسئلہ حل کرنا ہے تو پھر ملاقات ہوگی۔''
''اچھا ٹھیک ہے۔ یہاں بھی کرائے کا مسئلہ بن گیا ہے اور مجھے سمجھ نہیں آ رہی ہے اوپر سے گھر والوں نے یہ ایشو شروع کر دیا۔'' خوش بخت اچھی خاصی زچ ہوئی تھی۔
''اچھا فکر نہ کریں سب ٹھیک ہوجائے گا میں اگلے ہفتے آتا ہوں تو پھر سارے مسئلے حل کر دوں گا، تب تک آپ ریلیکس رہیں۔'' ارمان اس کو تسلی دے رہا تھا۔
''انتظار رہے گا آپ کا۔'' خوش بخت یک دم سارے بوجھ سے آزاد ہوگئی تھی۔
''مجھے بھی۔'' ارمان نے دو لفظ لکھ کر سینڈ کا بٹن دبا دیا اور خوش بخت کی دھڑکن میں ایک انجانا سرور اترنے لگا۔

❀......❀......❀

''کتنی بار منع کیا ہے کہ مجھے آپ کا اس طرح بے بسی کی تصویر بنے رہنا قطعاً اچھا نہیں لگتا ہے مجھے تکلیف ہوتی ہے آپ کے اس حلیے میں رہنے سے۔'' وہ اس کے ملگجے کپڑوں، بکھرے بالوں اور بے رنگ آنکھوں کی طرف دیکھ کر انتہائی ترش انداز میں اس سے مخاطب تھا اس نے ڈبڈبائی نظروں سے اسے دیکھا۔
''کیوں مجھے بار بار تکلیف دیتی ہیں؟'' اس کے پژمردہ چہرے پر نظریں جمائے بے بسی سے بولا۔
''آئی...... آئی ایم...... سوری......!'' گلے میں اٹکے آنسوؤں کے گولے کو نگلتے ہوئے وہ بمشکل بول پائی تھی۔
''آج کے بعد آپ پر کڑی نظر رکھنی پڑے گی۔'' اس کے چہرے پر پھیلی یاسیت کو دیکھتے ہوئے اس نے قدرے شوخ لہجے کو اپنایا تھا۔
''آپ پر اعتبار کر کے میں نے غلطی کی تھی۔'' ارمان پھر بولا تو اس کے الفاظ پر اس کی آنکھوں میں مچلتا پانی سارے منہ توڑ کر اس کے گالوں پر بہنے لگا ارمان نے تڑپ کر اسے دیکھا۔
''مذاق کر رہا ہوں ناں۔'' وہ مدھم آواز میں بولا تو یکلخت اس نے اپنی ہتھیلیوں سے اپنے رخسار کو رگڑا تھا۔
''سوری۔'' وہ بھرائی ہوئی آواز میں بولی۔
''آپ کب پہنچے یہاں۔'' وہ گیلی پلکوں سے اس کی طرف دیکھ کر اس سے پوچھنے لگی۔
''مجھے پانچ دن ہوگئے ہیں آکسفورڈ کے سارے کام کو حل کر کے یہاں آیا ہوں آپ کی بھی سیٹ میں نے کنفرم کرا دی ہے آپ میرے ساتھ پاکستان چل رہی ہیں۔'' ارمان بیٹھنے کے لیے جگہ کی تلاش میں اِدھر اُدھر دیکھتے ہوئے انتہائی بے پروا انداز میں اس کو بتا رہا تھا خوش بخت نے حیرت سے اسے دیکھا۔

''میں ابھی نہیں جانا چاہتی مجھے ابھی شادی نہیں کرنی ہے۔'' وہ منہ بسور کر بولی تو ارمان نے اسے دیکھا۔
''کیوں کیا خرابی ہے اس لڑکے میں۔''
''مجھے کیا پتا اس کی خرابیوں اور خوبیوں کا؟'' وہ اسی انداز میں بولی تو ارمان مسکرانے لگا اور دوسرے لمحے اسی چیئر پر بیٹھا جہاں سے وہ اٹھی تھی۔
''سچ کہہ رہی ہوں، مجھے تو اس کا نام تک نہیں معلوم۔'' خوش بخت روم کے کونے میں رکھے چھوٹے فریج سے ڈرنک نکال کر ارمان کی طرف بڑھاتے ہوئے بولی تو اس نے ایک گہری نظر اس پر ڈال کر گلاس پکڑ لیا۔
''آپ پیکنگ کرلیں ہم شام کو یہاں سے نکلیں گے دو دن بعد فلائٹ ہے اور میرے پاس اتنا ٹائم نہیں ہوگا کہ دوبارہ آسکوں آپ کو پک کرنے۔'' ارمان جوس کا گلاس اس کو واپس پکڑاتے ہوئے اس کے انکار کو خاطر میں نہ لاتے ہوئے کہنے لگا خوش بخت نے اسے دیکھا اس کی مسکراتی نظروں میں ایک واضح تاثر نے خوش بخت کو سٹپٹا دیا دوسرے پل وہ نظریں جھکا گئی۔
''میں آپ کے مکان مالک سے مل کر آتا ہوں اور واپسی پر کھانے کے لیے بھی کچھ لے آؤں گا۔ اپ پیکنگ کرلیں اور جو شاپنگ کرنی ہے وہ کل کرا دوں گا آپ کو۔'' ارمان فیصلہ کن انداز میں اس سے مخاطب تھا اور وہ ششدر سی اس کو دیکھ رہی تھی اس کے استحقاق بھرے انداز میں من ہی من پریشان بھی ہورہی تھی۔
''اچھا سنو۔'' ارمان اس کو اسی طرح حیران چھوڑ کر باہر کی طرف بڑھا تو دروازے کے بیچ جا کر رک گیا اور اس سے مخاطب ہوا تو خوش بخت نے اسے دیکھا۔
''کیا میں آپ کو ''خوشی'' کہہ سکتا ہوں؟'' وہ اجازت لے رہا تھا اور خوش بخت ناسمجھی کے انداز میں اس کو دیکھ رہی تھی تو وہ مسکرا کر واپس قدم اٹھاتا اس کے پاس آ کر رکا۔
''اس کا نام ارمان صدیقی ہے اور وہ آپ سے بہت محبت کرتا ہے آپ کے ساتھ کے لیے بہت انتظار کیا اور بہت دعائیں بھی مانگیں۔'' اس کا ہاتھ پکڑ کر وہ مدہم مسکراہٹ کے ساتھ بولا۔
''جج..... جی..... کیا مطلب.....!'' وہ بدک کر پیچھے ہوئی تھی دل میں ہوتی اتھل پتھل پر اس کو ڈپٹنے لگی تھی۔
''مطلب جلدی سے پیکنگ کرلیں، ٹائم زیادہ نہیں ہے۔'' وہ کھسیانا سا ہنس کر اس کی آنکھوں میں دیکھ کر کہنے لگا تو خوش بخت نے گہرا سانس لیا ارمان نے ایک بار پھر اس کا ہاتھ پکڑا خوش بخت نے ہاتھ کھینچ لیا ارمان ہنس کر دوبارہ باہر کی طرف بڑھ گیا۔
''سنیں۔'' وہ دوسرا قدم باہر رکھنے ہی لگا تھا کہ اس کی آواز پر رک کر اسے دیکھا۔
''آپ مجھے خوشی کہہ سکتے ہیں اور مجھے برگر نہیں پسند میرے لیے مصالحہ فش لانا۔'' خوش بخت بولی تو ارمان کا قہقہہ بلند ہوا۔
''ابھی بہت سی باتیں بتانی ہیں آپ کی چوڑیوں کے ٹکڑے دکھانے ہیں اور وہ ایئر رنگ جو کی بورڈ کے پاس رکھا تھا وہ میرے پاس آپ کی نشانی ہے خوشی مجھے آپ سے محبت ہے جلدی پیکنگ کریں ان شاء اللہ باقی کا سفر سہل ہوگا۔'' ارمان ایک بار پھر اس کے پاس آ کر رکا تھا۔ اس کی آنکھوں میں جھانکتے ہوئے فسوں خیز لہجے میں اپنی محبت کا اقرار کرتے ہوئے اس کی نشانیوں کا بتا کر اس کو مزید حیران کردیا اور دوسرے لمحے باہر نکل گیا اور خوش بخت مسکرانے لگی اور مطمئن ہو کر پیکنگ کرنے لگی چہرے پر مسکراہٹ..... آنکھوں میں بہت سارے خواب..... اب راہ گزر خوشیوں بھری ہوگی..... اور سفر..... جب ہم سفر محبت کے پھول برساتا رہے تو سفر کی دشواریوں سے تھکن نہیں ہوتی۔

وہ ایک سجدہ

طلعت نظامی

''مت پوچھو ہانیہ! کس مشکل سے گزارا ہوتا ہے' مہینہ گزرتے دیر نہیں لگتی کہ بچوں کی فیس کے مسائل' گھر کا کرایہ' بجلی گیس کے بل ناگہانی آفت کی طرح سر پر سوار ہوجاتے ہیں اوپر سے تین بچوں کی چھوٹی بڑی ضروریات' کہیں سے شادی یا کسی اور تقریب کا بلاوا آ گیا تو لفافہ بھرنے کا خرچہ اور دکھ، بیماری تو سانس کے ساتھ ساتھ چلتی ہیں۔ جتنی آمدنی نہیں اتنی ضروریات' سمجھ میں نہیں آتا کیا کروں' تمہارے عقیل بھائی کی آمدنی جانتی ہی ہو کس درجے پر ہے۔ ارے شکیل جیسی تیز ذہنیت والے ہوتے تو ترقی کرتے دیکھو کیسے گھر کے مالک ہوگئے اور تو اور دو سال بعد گاڑی بھی خرید لی۔ ہم تو بس سوچ کر ہی رہ جاتے ہیں بہن! ضروریات ہی پوری ہوجائیں تو بڑی بات ہے' کہاں کی گاڑی' کہاں کا گھر......'' ایک ٹھنڈی آہ سمیت ان کی راگنی کو کومہ لگا' فل اسٹاپ تو ان کے روانہ ہونے پر ہی لگنا تھا۔

اس کی جٹھانی جن کی ساتھ ہی شادی ہوئی تھی حسب معمول اپنی کم حیثیتی کا رونا رو رہی تھیں اور وہ تاسف کے ساتھ سر ہلا رہی تھی۔ رشتہ داری نبھانے والے ایسے ہی سب باتوں سے آگہی رکھنے کے باوجود کچھ مسائل سے چشم پوشی کرجاتے ہیں ورنہ دیورانی اور جٹھانی کا رشتہ جتنا پیار بھرا ہوتا ہے اتنا ہی اس تعلق میں گھن لگ جانے کا بھی خطرہ ہوتا ہے۔ اس لیے ہانیہ انہیں کینو اور سیب چھیل کر دینے کے ساتھ ساتھ ہاں میں ہاں بھی ملا رہی تھی۔

''اب دیکھو موسم کے پھل کو بچے ترس جاتے ہیں' تمہارے گھر آ کر زبان کا ہر مزا ہم لوگ لوٹ لیتے ہیں ورنہ تو آٹا چاول دال کو ہی خدا کی سب سے بڑی نعمت سمجھتے ہیں۔'' انہوں نے نمک لگا کر کینو کی پھانک کا چٹخارہ بھرا۔

''جی بھابی! شکیل کھانے کے ساتھ ساتھ ہر پھل بھی بچوں کو کھلانا چاہتے ہیں اور دودھ بھی غذائی ضروریات کے لیے بہت ضروری سمجھتے ہیں' اللہ کا بڑا شکر ہے۔''

''اور تمہارے عقیل بھائی تو کام سے آ کر ٹانگ پر ٹانگ چڑھا کر آرام کرنے کو اپنا فرض اولین سمجھتے ہیں جبکہ شکیل بے چارہ دن رات کولہو کے بیل کی طرح جتا رہتا ہے' بال بچوں کی تن آسانی کے لیے کیا دیکھتی نہیں ہوں میں۔''

''جی بھابی! اللہ کا بہت شکر ہے' اللہ انہیں صحت حیات جیسی دولت دے' ان کا سایہ ہمارے سروں پہ تاحیات سلامت رکھے۔ یہ ہماری خواہشات پوری نہیں کریں گے تو کون کرے گا۔ میں تو ہر نماز میں ان کی صحت اور سلامتی کے لیے دعا مانگتی ہوں۔''

''کاش یہ احساس تمہارے عقیل بھائی کو بھی ہوجائے تو ایسے لوگوں کے لیے کون دعائیں نہیں کرے گا۔''

''اللہ عقیل بھائی کو بھی روزی بھرپور دے بھابی! آپ بھی دعائیں کیا کریں۔'' اس نے مخلصی سے کہا۔

''اب دیکھو نا'' وہ تھوڑا قریب ہوئیں۔ ''حمنیٰ کی شادی قریب ہے' سسرالی معاملہ ہے کچھ لینا دینا نہیں ہوگا تو ناک کٹ جائے گی۔'' انہوں نے نند کی بیٹی کا مسئلہ چھیڑ دیا۔

''ہاں یہ تو ہے ورنہ آسیہ باجی کیا سوچیں گی۔ شکیل نے تو فریج دینے کا کہا ہے' ساتھ لڑکی' لڑکا

کے کپڑے اور ماں باپ کو بھی جوڑا دینا ہوگا۔ حالات تو جیسے تیسے سنبھل ہی جائیں گے پر دینے دلانے کا سلسلہ ہمیشہ یاد رہ جائے گا ان کی پہلی بھانجی کی شادی ہے آخر۔''

''بتاؤ شکیل جیسی اچھی اور زیرک ذہنیت رکھنے والے لوگ ذرا کم ہی ملتے ہیں' میں نے کہا نا تم بہت خوش نصیب ہو ہانیہ! ماشاء اللہ جیسا شوہر ویسا نصیب' اب یہی دینے دلانے کے مسئلے پر تمہارے عقیل بھائی سے بات کروں گی نا تو وہ بے پروائی سے ٹال دیں گے کہ وقت آنے پر دیکھا جائے گا۔ ارے وقت آنے پر الٰہ دین کا چراغ ہم رگڑ کر جن بلالیں گے کیا کہ سارے مسائل حل کردے گا۔ میں تو پانچ ہزار روپیہ لفافے میں بھر کردے دوں گی۔ آخر سب ہی ہمارے حالات سے واقف ہیں کہ کس مشکل سے گزارا ہو رہا ہے ہمارا۔'' اپنا تکیہ کلام وہ دہرانا نہ بھولیں۔

''صحیح ہے بھابی! اپنی اوقات سے بڑھ کر تو کوئی نہیں دے سکتا نا اور پھر آسیہ باجی اس مزاج کی ہیں بھی نہیں کہ وہ اپنی بھابیوں کے مسائل نہیں سمجھیں گی۔''

''کہہ تو تم ٹھیک رہی ہو لیکن حمنیٰ سسرال جاکر تو سوچے گی نا کہ بڑی مامی نے کیا دیا۔''

ان کے نہ ختم ہونے والے نکات تھے اور لامحدود آہیں' ہمیشہ وہ عقیل اور شکیل کے مقابلے میں وقت ضائع کرتیں جب اس کے گھر آتیں ان کی آہیں بھرنے کا سلسلہ شروع ہوجاتا۔ ان کی اس عادت سے خاندان والے بھی واقف تھے کہ کس طرح وہ دوسروں سے اپنا کھایا پیا چھپاتی تھیں کہ کہیں انہیں اپنی دولت دوسروں کو دینی نہ پڑ جائے۔ خود کو مظلوم ثابت کرنے کی کوشش میں ہر وقت ناشکری کرتی رہتیں۔ اب حمنیٰ کی شادی کا مسئلہ کھڑا ہوا تو ان کے ناک رونے کا سلسلہ بھی بڑھ گیا تھا۔ کوئی چالاک قسم کی دیورانی ہوتی تو ان کی اس عادت کا مزا چکھادیتی کہ خاندان میں درپیش آنے والے ہر مسائل سے پہلوتہی برتنے کے لیے وہ ہمیشہ جھوٹ کا سہارا لیتی تھیں لیکن یہ ہانیہ تھی لوگوں کی چالاکی کو نہ سمجھنے والی اور اپنے کھانے پینے پر شکرانے کے نفل ادا کرنے والی لڑکی' دو بچوں کی ماں ہوکر بھی ذہنیت کی سادگی میں ذرہ برابر بھی فرق نہیں آیا تھا۔

یوں حمنیٰ کی شادی کا کارڈ بھی آ گیا وہ خوشی خوشی تیاریاں کرنے لگی اپنے' شکیل کے اور بچوں کے جوڑے بھی بنوائے۔ جوتے چپل بھی خریدے اور سرشار ہوکر مایوں اٹینڈ کرنے چلی گئی لیکن وہاں تو جو دیکھا اس کی آنکھیں پھٹی کی پھٹی رہ گئیں حمنیٰ کے برابر میں بیٹھی عالیہ بھابی پیلے جوڑے میں موتیے اور گیندے کے زیورات سے آراستہ اپنی چھوٹی

کینہ توز آنکھوں کی چمک سے سب کو خیرہ کرتیں مسکارہی تھیں۔ ماتھے پر پھولوں سے سجا ٹیکہ بھی لگا رکھا تھا اور نقلی بالوں کی چٹیا میں پھولوں کی بیل اوپر سے نیچے تک پروی ہوئی تھی۔ فیروزی جوڑے میں اسے اپنا آپ ماند لگنے لگا۔ دلہن سے زیادہ وہ آراستہ و پیراستہ تھیں سب نندیں بھی انہیں دیکھ کر نگاہوں ہی نگاہوں میں مسکرارہی تھیں' تینوں بچے بھی مہنگے سوٹ پہنے گھوم رہے تھے۔

''بھابی! آپ کی تیاری دیکھ کر تو لگ رہا ہے مایوں کی دلہن آپ ہی ہیں۔'' کھانے کی ٹیبل پر چھوٹی نند سے رہا نہ گیا اس نے بھی حیران ہوکر دیکھا جواباً وہ ایک ادا سے مسکائیں بھرپور میک اپ کے بعد ان کا انداز ہی جداگانہ ہوجاتا تھا۔

''اللہ میری چھوٹی کو اور دے' مجھے دلہن بنانے میں سارا ساتھ اس کا ہے۔ یہ کپڑے' سینڈل' بچوں کے کپڑے سب چھوٹی نے دیئے ہیں۔ میں نے اس کے تین سوٹ سی کردیئے اب وہ اپنا ہار سنگھار مجھے دے کر میری لاج رکھ رہی ہے۔'' انہوں نے اپنی چھوٹی بہن کا قصیدہ پڑھا۔ ''اور جو نقد پیسے دیئے ان سے میں نے یہ پھولوں کے زیور خرید ڈالے' بھئی اتنا سجنے سنورنے کا تو حق ہے نا مجھے۔'' حسب معمول انہوں نے اپنی حیثیت واضح کردی کہ اتنے لوازمات کی اوقات وہ نہیں رکھتیں سب چھوٹی کی عنایت ہے۔

اور پھر بارات اور ولیمے میں جس شان سے وہ شریک ہوئیں سب ششدر رہ گئے' کیا دلہنیا پا تھا ان کا جڑاؤ اسٹائلش سوٹ' جڑاؤ زیورات اور بیوٹی پارلر سے سج کر آنے کی دمک......

''چھوٹی کی نند نے نیا نیا بیوٹی پارلر کھولا ہے اب وہ مہارت مجھ پر آزما رہی ہے' اسی بہانے میں بھی تیار ہوگئی ہوں۔'' انہوں نے اپنے تازہ تازہ پرم شدہ بالوں میں ہاتھ پھیرا۔ ہانیہ ہولے سے مسکرائی جو گھر سے تیار ہوکر آئی تھی۔

''تمہارا سوٹ بہت خوب صورت ہے' کتنے کا لیا؟'' بھری محفل میں انہوں نے چھوٹی نند کی حیثیت بڑھائی تاکہ انہیں ستائشی نظروں سے وہ کم دیکھے۔

''ہاں بھئی اللہ کا کرم ہے بہت' بارہ ہزار کا ہے اب ہم پر کسی چھوٹی کی عنایت تو ہے نہیں کہ اس کا پہنا ہوا ہم پہن لیں۔ اللہ ہی کی عنایت کافی ہے۔'' چھوٹی نند بہت پٹاخہ قسم کی چیز تھی اور اپنی اس بھاوج کی رگ رگ سے واقف بھی' اس لیے کھرا سا جواب دے کر اپنے تئیں ان کی چالاکی کو ٹھنڈا کرنا چاہا لیکن وہ بھی حرفوں کی بنی ہوئی تھیں ان کو رام کرنا کسی مضبوط دل گردے کے مالک کا کام تھا۔

''اللہ اور دے بھئی' عورت بھی مرد کے بل بوتے پر اترا سکتی ہے جس کا مرد ہی دبو ہو وہ بارہ ہزار کے سوٹ کی مالکہ تو بن نہیں سکتی اترن ہی پہن سکتی ہے۔''

''کیا مطلب ہے آپ کا، میرے بھائی کماتے نہیں کیا؟ ذرا سے سادہ مزاج ہیں تو ہر میدان میں فنکاری نہیں دکھا سکتے ورنہ جو کماتے ہیں آپ کے ہاتھ پر ہی لاکر رکھتے ہیں' آپ تو سراسر میرے بھائی کی انسلٹ کررہی ہیں۔'' آصفہ نے آنکھیں لال پیلی کرلیں۔

''لو اس میں انسلٹ کہاں سے ہوگئی' اپنی اوقات میں رہنا توہین ہے کیا جو وہ نظر آتے ہیں میں اس کا اظہار کررہی ہوں۔ اب بڑھا چڑھا کر بیانات دینے سے تو رہی میں۔''

''اچھی بیویاں شوہر کی بڑائی کرکے ثواب ہی کماتی ہیں' کوئی دفعہ نہیں لگ جاتی ان پر۔''

''چلو میں اچھی نہ سہی لیکن جھوٹ نہیں بول سکتی بھئی کاش اس کے برعکس کہتیں آپ......'' ماحول اچھا خاصا گمبھیر ہوچلا تھا کہ ہانیہ اور آسیہ باجی نے بہانے سے آصفہ کو اٹھایا۔

''جاؤ کھانے کے انتظامات دیکھو' مہمانوں کو کسی چیز کی ضرورت تو نہیں' کیا بحث لے کر بیٹھ گئیں تم لوگ۔''

ادھر دوسرے روز وہ ہانیہ کے پاس آ کر رو دیں۔

''بہت منہ پھٹ ہے آصفہ! بڑی بھابی کی عزت کیا ہوتی ہے اس نے کبھی نہیں جانا۔ ارے سچ کہتے ہیں سب چڑھتے سورج کے پجاری ہیں جس کے پاس کچھ نہ ہو اس کی عزت میں بھی فرق آنے لگتا ہے۔ اب دیکھو تم سے تو کبھی وہ منہ نہیں لگی بلکہ آگے پیچھے بھابی بھابی کرتی رہتی ہے۔''

اب وہ کیا بتاتی کہ اس نے کبھی بحث کا موقع ہی دوسروں کو نہیں دیا ہے تو لوگ کیا منہ لگتے لیکن وہ یہ کہہ کر ان کے بناوٹی آنسوؤں میں اضافہ نہیں کرنا چاہتی تھی۔

''چھوڑیں بھابی! رات گئی بات گئی۔ تقاریب میں اس قسم کے مذاکرات ہو ہی جاتے ہیں۔ چھوڑیں' آئیں میں آپ کو موبائل پر تصاویر دکھاتی ہوں جو اریبہ نے کھینچی تھیں۔ قسم سے آپ آفت لگ رہی ہیں' بہت پیاری لگ رہی ہیں۔'' اس نے پانچ انچ اسکرین کا ٹچ موبائل آگے کیا۔

''نیا لیا ہے سیل فون' تمہارے پاس تو پرانے ماڈل کا تھا نا۔ اچھا کیا یہ لے لیا' تصاویر دیکھنے کا تو اسی اسکرین پر مزا ہے۔''

''ہاں بھابی! اریبہ بہت دنوں سے شکیل سے ضد کر رہی تھی یہ سیل لینے کو اب اس کی سالگرہ پر انہوں نے یہ لے کر دیا ہے جسے اس نے مجھے دے دیا۔ اللہ کا شکر ہے ہر چیز وہ ہمیں دے دیتا ہے۔''

''ہاں اچھا ہے بچوں کو اتنا مہنگا سیل رکھنا بھی نہیں چاہیے۔ میری مانو تو تم بھی فضول خرچی چھوڑ کر دونوں بچیوں کے لیے پیسے بچاؤ' کل کلاں کو یہ رشتہ داریاں کام نہیں آئیں گی۔ بچیاں باپ ہی کی دھن

دولت پر سسرال میں مان کرتی ہیں۔''
''ارے بھابی جب کی جب دیکھی جائے گی' اللہ مالک ہے جس اللہ نے آج دیا ہے اتنا کچھ وہ کل کیسے مایوس کرے گا' یہ دیکھیں حمنیٰ کتنی پیاری لگ رہی ہے۔''
''ہاں بھئی کم سنی کی دلہن ایسے ہی معصوم ہوتی ہے' بس اللہ نصیب اچھے کرے۔ کسی شے کا محتاج نہ کرے' اب دیکھو نا ہر شے کا محتاج ہو کر منہ کی کھانی پڑتی ہے اپنوں اور پرایوں سے کوئی مجبوری تو سمجھتا نہیں بس باتوں کی چوٹ دینے پر مصر ہو جاتا ہے۔''
ان کا ازلی رونا شروع ہو چکا تھا کسی بھی موضوع کو گھما پھرا کر اپنے مقصد پر لانے میں وہ ہمیشہ کامیاب ہو جاتیں۔
ان کے بچے پھل یا مٹھائی کھا رہے ہوتے تو اپنے کسی بہن یا بھائی کی آمد اور ان کے ساتھ لائے ہوئے لوازمات اس کا محرک بتاتیں' کبھی نئی سائیکل چلا رہے ہوتے تو اپنے کسی بھائی کی نوازش بتاتیں۔ کبھی شوہر کی شکر گزار نہ ہوئیں کہ ان کا بھی کوئی کارنامہ زندگی میں ہے کہ نہیں۔ عقیل بھائی بھی ایسے ہی گاؤدی تھے۔ ان کے خیال میں عالیہ بھابی نے تین بیٹوں کا تحفہ دے کر انہیں خرید لیا ہے' سادہ لوح تو تھے ہی کچھ عالیہ بھابی کی چالاکی تلے ان کی شخصیت اور دب گئی تھی۔ وہ اپنے اشاروں پر چلانے والی عورت تھیں پر ہانیہ کو ان کی چالاکی کی بہت دیر سے سمجھ آئی۔
اسے تو اس بات پر بھی غصہ نہیں آتا جب وہ اس کی خوشحالی دیکھ کر مسلسل آہیں بھر رہی ہوتیں۔
''بھابی آپ ایک چھوٹا موٹا سا گھر کیوں نہیں خرید لیتیں' ہر ماہ کے کرایوں سے بھی جان چھوٹ جائے گی۔ اسی کرائے کی رقم سے آپ کے حالات کچھ تو سدھر ہی جائیں گے۔'' ایک دن اس نے اپنے تئیں بہت اچھے مشورے سے نوازنا چاہا۔
''ارے کہاں بہن! اتنے ہی اچھے حالات ہوتے تو کاہے کا رونا تھا' تمہارے خیال میں مجھے شوق ہے کرائے میں ہر ماہ کی بھاری رقم ادا کرنے کا' بس تقدیر کی ستم ظریفی ہے سب کہ شادی اکٹھی ہوئی پر نصیب الگ الگ لکھ دیئے گئے۔ تمہیں سب کچھ مل گیا اور میں ترس رہی ہوں۔'' اسے اندازہ ہوا کہ وہ ان سے غلط سوال کر گئی ہر وقت ان کا نصیب کا رونا اسے اب کچھ عجیب سا لگنے لگا تھا پھر جس انداز سے وہ اپنی کم مائیگی کا اظہار کر رہی ہوتیں اس سے اب چڑ ہونے لگی تھی' دل ہی دل میں ان کی آہوں سے ڈر بھی لگنے لگا تھا۔
اور جب کچھ دلون بعد اسے پتا چلا حمنیٰ کی شادی پر ان کی تیاریاں ان کے ذاتی پیسوں سے تھیں خوامخواہ اپنی بہن کا نام لیا تھا تو اسے زیادہ غصہ آیا۔
''کیا ضرورت تھی سفید جھوٹ بولنے کی کوئی ان سے لے لیتا کیا' ہر انسان کا حق ہوتا ہے شادی بیاہ میں سجنے سنورنے کا اس میں غلط بیانی سے کام لینے کا کیا فائدہ؟'' اس بات کا تذکرہ اس نے شکیل سے بھی کیا۔
''انہیں عادت ہے اپنا آپ چھپانے کی' ان کی ہر بات میں جھوٹ کا رنگ ہوتا ہے تا کہ لوگ انہیں کم حیثیت سمجھ کر زیادہ کا مطالبہ نہ کریں' ان کی حتی الامکان مدد کیا کریں۔''
انسان کبھی کبھی مجبوراً یا مصلحتاً جھوٹ بولتا ہے لیکن عادتاً جھوٹ بولنا کہاں کی شرافت ہے' عاقبت الگ خراب ہوتی ہے۔
''جھوٹوں پر تو خدا نے بھی لعنت بھیجی ہے۔'' اس نے جھرجھری لی۔ ''اللہ بچائے گمراہوں سے اور گمراہی سے۔''
ہر وقت خدا اور شوہر کی ناشکری کا نتیجہ خدا نے بہت بھیانک دکھایا۔ عقیل بھائی کی ایک روڈ ایکسیڈنٹ میں ٹانگیں اس بری طرح زخمی ہوئیں کہ

دعا گل

السلام علیکم! تمام قارئین آنچل کو محبت بھرا سلام' میرا نام تو جیسے کہ آپ جان چکے ہیں' میں نے 25 نومبر 2000ء کو اس روشنیوں کے شہر کراچی میں آ کر روشنیوں میں اور اضافہ کیا۔ ہم چھ بھائی بہن ہیں' تین بھائی اور تین بہنیں' مہر آپی بڑی ہیں' پھر تینوں بھائی' پھر میرا نمبر ہے اور پھر ہماری چھوٹی سی پری' ملائکہ گل' میں ہفتم جماعت میں زیر تعلیم ہوں' عمران سیریز اور آنچل' شعاع اور خواتین کی تمام ہنستی مسکراتی کہانیاں مجھے بے حد پسند ہیں' جو کبھی میں خود پڑھتی ہوں اور کبھی امی یا آپی سے سنتی ہوں' مصنفوں میں مجھے مظہر کلیم ایم اے' ثمرہ بخاری' بشریٰ رحمان بہت پسند ہیں' مجھے نعت خوانی' کا بہت شوق ہے اور میں اکثر یہ شوق ملائکہ کے ساتھ مل کر پورا کرتی رہتی ہوں۔ اس کے علاوہ میں کھچڑی' چاول' دال بھی بنا لیتی ہوں۔ میں چونکہ تین بھائیوں کے بعد اس دنیا میں آئی ہوں اس لیے مجھ میں بہت سی لڑکوں والی عادتیں بھی پائی جاتی ہیں' میں گفتگو میں لڑکوں کی طرح بول جاتی ہوں' اس کے علاوہ مجھے مردانہ شلوار قمیص پہننا اچھا لگتا ہے' جس کی وجہ سے امی سے ڈانٹ بھی پڑتی ہے' مجھے کھانے میں بریانی' شامی کباب اور شیر خرمہ بہت پسند ہے' رنگوں میں آف وہائٹ کلر اور اسکائی بلیو کلر پسند ہے' پھلوں میں آم' انناس' اور اسٹرابری من کو بھاتی ہے' کتابوں میں سب سے بہترین کتاب قرآن پاک' اور سب سے اچھی شخصیت حضرت محمد ﷺ' حضرت علیؓ اور حضرت عبدالقادر جیلانیؒ کی لگتی ہے۔

میں اپنی امی کا ہاتھ بٹاتی ہوں' کپڑے بھی دھو لیتی ہوں اور سلائی بھی سیکھ رہی ہوں' میری خواہش ہے کہ میں پڑھ لکھ کر نیوی میں جاؤں اور آپی چاہتی ہیں میں ڈاکٹر بنوں' بھائی مجھے عالمہ بنانا چاہتے ہیں' مجھے جیولری اور میک اپ کا بالکل بھی شوق نہیں' بقول شاعر

میری دوستوں میں ربیعہ' نور صبا' بشریٰ اور میری ننھی چڑیل ملائکہ شامل ہے۔ میری فیورٹ ٹیچر مس رابعہ اور فیورٹ سبجیکٹ بائیلوجی ہے مجھے تقریر کا بھی بہت شوق ہے اور میں اس میں پوزیشن لیتی ہوں۔ میری خوبی بقول امی کے بس یہ لڑکوں والی حرکتیں نہ کرے تو بہت اچھی ہے' گھر کے کام بھی کرواتی ہے اور خامی یہ ہے کہ میں جلدی غصے میں آجاتی ہوں۔ اب مجھے اپنا اسکول کا ہوم ورک بھی کرنا ہے' اس لیے اللہ نگہبان۔

باوجود مہنگے علاج وہ معذور ہو کر وہیل چیئر کے ہو گئے سب ہی ششدر رہ گئے تھے۔

جو کمائی وہ چھپائے پھرتی تھیں خدا نے اس سے بھی محروم کر دیا تھا' ہر وقت کا جھوٹ بولنا اور خود کو کاذبوں میں شمار کرنا بہت ہی برا ثابت ہوا تھا۔

ہر وقت وہ نصیب کو کوستی رہتیں جس پر خدا بھی ناراض ہو گیا تھا۔ عالیہ بھابی ہانیہ سے لپٹ کر رو رہی تھیں۔

''کس قصور کی اتنی بڑی سزا ملی ہے مجھے ہانی!''

وہ بلک رہی تھیں' تینوں بچے بھی سہم گئے تھے۔

''نادیدہ گناہوں پر استغفار کریں بھابی! اور عقیل بھائی کی زندگی بچ جانے پر شکرانہ ادا کریں' جنہیں ہم چھوٹی چھوٹی نیکیاں سمجھتے ہیں نا بھابی یہ ہمارے آگے کی زندگی کے کنکر اور پتھر صاف کرتی ہیں جس سے سفر آسان ہو جاتا ہے۔ جھک جائیں بھابی خدا کے آگے' مشکلات آسان ہو جائیں گی۔''

عالیہ بھابی کے ندامت بھرے آنسوؤں میں اضافہ ہو گیا تھا۔

❁

قسط نمبر 3

نادیہ فاطمہ رضوی

(گزشتہ قسط کا خلاصہ)

یہ کہانی تین دوستوں خاور، احتشام اور سمیر کے گرد گھومتی ہے۔ سمیر اور خاور متمول گھرانے کے چشم و چراغ ہیں جبکہ احتشام کا تعلق ایک مڈل کلاس فیملی سے ہے جو اپنی غربت و نامساعد حالات سے انتہائی بےزار صرف بیرون ملک جانے کی تمنا لیے احساس کمتری میں مبتلا ہے۔ اس کا رشتہ بچپن سے ہی اپنی خالہ زاد حورین سے طے ہے مگر وہ اس رشتے سے بھی ناخوش ہے حاکم دین اور ان کی شریک حیات اپنے بیٹے کے طرز عمل پر خائف رہتے ہیں لیکن وہ انہیں کسی خاطر میں نہیں لاتا۔ خاور ان تمام تعیشات کا عادی ہے جو اپر کلاس کے نوجوانوں کا خاصہ ہیں سویٹی سے اس کی دوستی بھی اس سلسلے کی ایک کڑی تھی جبکہ خاور کے والد افتخار کاروباری مفاد کی خاطر ان دونوں کی شادی کرنا چاہتے تھے لیکن خاور اس کے لیے رضامند نہیں ہوتا۔ سویٹی کی جگہ وہ کسی اور لڑکی کو پسند کرتا ہے جبکہ فی الحال اس بات کا ذکر اپنے والد سے نہیں کرتا سمیر کا رشتہ بھی اس کی کزن ساحرہ سے طے ہے۔ حورین احتشام کے لیے خاص جذبات رکھتی ہے لیکن اس کا محتاط رویہ حورین کو تشویش میں مبتلا کردیتا ہے دوسری طرف صغریٰ بیگم کی طبیعت بھی خراب رہتی ہے۔ حورین اپنی ماں کی جانب سے از حد متفکر ہوتی ہے لیکن جلد ہی ان ماں بیٹی کا ساتھ ہمیشہ کے لیے چھوٹ جاتا ہے جب صغریٰ بیگم طویل بیماری کے بعد اس دنیا سے منہ موڑ لیتی ہے۔ حورین کے لیے یہ صدمہ ناقابل برداشت تھا دوسری طرف احتشام بھی اپنے والدین کے سامنے شادی سے انکار کردیتا ہے اور ان کے لاکھ سمجھانے پر بھی اس کے خیالات میں کوئی تبدیلی نہیں آتی۔ اسی دوران حورین کے پاس انجان نمبر سے کال موصول ہوتی ہے وہ شخص حورین سے محبت کا دعویدار تھا ہے یہ سب سن کر حورین کی پریشانی بڑھ جاتی ہے۔ حورین کے والد ہاشم جلد از جلد اس کی شادی کرکے اپنے فرض سے سبکدوش ہونا چاہتے ہیں جب ہی احتشام کا دوست سمیر حاکم دین کے کہنے پر انہیں احتشام کے اس رشتے سے انکار کی بابت ساری حقیقت بتاتا ہے۔ احتشام کا یہ انکار ان کے لیے جان لیوا ثابت ہوتا ہے جب ہی اس زخم کو چھپائے وہ بھی اس دنیا سے منہ موڑ لیتے ہیں جبکہ حورین کے لیے باپ کی جدائی ایک کٹھن امتحان ثابت ہوتی ہے۔

(اب آگے پڑھیے)

❁.........❁.........❁

وہ حیرت و بےیقینی کے احساسات میں گھری ساکت و صامت سی کھڑی کھلی کھلی نگاہوں سے مقابل کو دیکھتی رہ گئی جو اسے دیکھ کر انتہائی دلکشی سے مسکراتے ہوئے اس کے قریب آ کر گنگنایا تھا ”جانِ خاور“ جب کہ اسی پل اس کی ساری حسیات ایک جھٹکے سے بیدار ہوئی تھیں وہ تیزی سے پیچھے کی جانب الٹے قدموں پلٹی تھی۔

”آ...... آپ یہاں...... یہ سب کیا ہے؟“ حورین اپنی تمام ہمتوں کو مجتمع کرکے اپنے لہجے میں غصہ و ناگواری شامل کرنے کی کوشش کرتے ہوئے بمشکل فقط اتنا ہی بول سکی۔ خاور حورین کے لہجے میں حیرت بےیقینی اور خوف کے رنگوں کو بخوبی محسوس کرتے ہوئے گمبھیر آمیز آواز میں بولا۔

”تمہیں سب پتا چل جائے گا میں تمہیں سب کچھ بتاؤں گا اپنے دل کی حکایت اپنی بےقراری کی داستان، ہجر کی

کاٹ دار تڑپ اور وصل کی مدہوش وخمار سے لبریز گھڑی کی تمنا جس نے رات دن مجھے ان دیکھی آگ میں جھلسایا ہے جس نے صحرا کی جلتی تپتی ریت کی مانند ہولے ہولے سلگایا ہے۔ میں پاگل ہوگیا ہوں حورین تمہاری چاہت‘ تمہاری الفت‘ تمہاری قربت کی خواہش نے مجھے مجھ سے ہی دور کردیا ہے۔ بے گانہ اور اجنبی کردیا ہے۔‘‘ سلگتے مچلتے آگ برساتے جذبات میں گھرے لہجے میں خاور مدہوش سا نجانے کیا کچھ بولے جارہا تھا۔ حورین کا سانس جیسے اپنی روانی ہی بھول گیا تھا شاید اس پل اس کے دل کی دھڑکنیں بھی ساکت ہوگئی تھیں جسم کے انگ انگ میں کپکپی طاری ہوگئی تھی وہ اس پل پسینے میں شرابور ہوگئی تھی اور خاور وہ کاہی گرین اور میرون رنگ کے امتزاج کے سوٹ میں سادا سا چہرہ لیے حورین کو جیسے آنکھوں کے رستے دل وروح میں جذب کررہا تھا۔

حورین الٹے قدموں کمرے کے دروازے تک پہنچی پھر بجلی کی تیزی سے پلٹ کر جھپاک سے سیڑھیوں کی جانب بھاگی ایک ہی جست میں تمام سیڑھیاں پھلانگ کر اس نے کچن میں جا کر پناہ لی اس پل اس کا دماغ جیسے سائیں سائیں کررہا تھا سانسیں جیسے سینے میں اٹک اٹک کر برآمد ہورہی تھیں اور جسم میں گویا رعشہ طاری ہوگیا تھا۔

’’ارے احتشام یہ خاور بیٹا کہاں ہے؟ چلا گیا ہے کیا؟‘‘ کبریٰ بیگم کی استفہامیہ آواز فضا میں ابھری تھی۔ احتشام نہا کر غسل خانے سے باہر آ گیا تھا۔

’’نہیں وہ میرے کمرے میں میری کوئی چیز لینے گیا ہے۔‘‘ احتشام ٹال مٹول والے لہجے میں بولا اس سے پہلے کہ کبریٰ بیگم مزید کوئی سوال کرتیں‘ پیچھے سے خاور آتے ہوئے مسکرایا۔

’’میں یہاں ہوں آنٹی! آپ سے ملے بغیر کیسے جاتا۔‘‘ وہ خوشگوار انداز میں بولا جب کہ احتشام کو آنکھوں ہی آنکھوں میں خفیف سا اشارہ کیا۔ احتشام مطمئن ہوکر تولیے سے اپنے بال سکھانے میں مصروف ہوگیا۔

’’اچھا ابھی جانا بھی مت‘ آج رات کا کھانا ہمارے ساتھ ہی کھانا بس حورین بھی آتی ہی ہوگی۔‘‘ خالہ امی کی آواز کچن میں کھڑی حورین کی ساعتوں تک پہنچی تو وہ سنک کی جانب بڑھی اور نل پوری طرح کھول کر پانی کے چھپکے تیزی سے چہرے پر مارنے لگی۔

❁.......❁.......❁
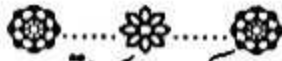
احتشام کے چہرے پر کوفت و بے زاری صاف دیکھی جاسکتی تھی وہ ہر تھوڑی دیر بعد انتہائی ناگواری سے پہلو بدل رہا تھا۔ سمیر شاہ اسے دیکھ کر یہ بات بخوبی جان گیا تھا کہ وہ اس وقت محض بھینس کے آگے بین بجارہا ہے اس نے متاسفانہ نگاہوں سے احتشام کو دیکھا

’’تم بہت بڑی غلطی کررہے ہو احتشام!‘‘

’’خدا کے واسطے سمیر! کبھی تو تم اس بابا جی ٹائپ کے روپ سے باہر آجایا کرو‘ ہر وقت نصیحت ہر لمحہ روک ٹوک یار اتنا تو میرا باپ بھی مجھے لیکچر نہیں دیتا جتنا ہمیشہ تم جھاڑتے نظر آتے ہو۔‘‘ آج کل احتشام کا موڈ ویسے ہی بے حد خراب چل رہا تھا۔ گھر میں تو جیسے ہر کسی کو کاٹ کھانے کے لیے دوڑ رہا تھا مگر سمیر شاہ کی شخصیت میں کوئی ایسی بات ضرور تھی جو اس کی زبان کو روک دیتی تھی ورنہ کسی کا لحاظ کرنا اس کی سرشت میں شامل ہی نہیں تھا۔

’’میں تمہارا دوست ہوں احتشام اور تم سے مخلص بھی ہوں میں صرف دوستی کا فرض ادا کررہا ہوں‘ تمہارے اچھے برے سے آگاہ کرنا تمہیں لیکچر لگتا ہے تو یہی سہی۔‘‘ سمیر احتشام کی بات کا برا مانے بغیر شانے اچکا کر گویا ہوا تو احتشام نے اسے بے بسی سے دیکھا۔

’’یار پلیز تم میری باتوں کو مائنڈ مت کرنا‘ آج کل میں بہت پریشان ہوں۔‘‘ احتشام اپنے سر کو دونوں ہاتھوں سے

تھامتے ہوئے بولا۔
"جب ایسے الٹے سیدھے کام کرو گے تو یونہی سر پکڑ کر بیٹھو گے۔ بھلا کیا ضرورت تھی تمہیں حورین بھابی کے مکان اور دکان کو بیچ کر روپیہ اس فراڈ کمپنی کے حوالے کرنے کی۔"
"مجھے کیا معلوم تھا کہ وہ کمپنی دو نمبر ہے۔"
"اچھا کیا یہ بھی معلوم نہیں کہ بیوی کی چیزوں کو اس طرح اس سے چھین کر بیچ دینا اور روپیہ ہضم کر جانا کس قدر گھٹیا پن کی بات ہے۔"
"شوہر کو اگر پیسوں کی ضرورت ہو تو بیوی کو اس کے کام آنا چاہیے یہ اس کا فرض ہے۔" احتشام جز بز ہو کر بولا تو سمیر اسے فہمائشی نگاہوں سے گھورتے ہوئے طنزاً گویا ہوا۔
"اچھا بیوی کے فرائض تمہیں معلوم ہیں اور شوہر کے کیا فرائض ہیں یہ جانتے ہو۔"
"اُف سمیر...... میں نے تو تمہارے پاس آ کر غلطی کر دی اگر دو لفظ تسلی کے ادا نہیں کر سکتے تو کم از کم میرے زخموں پر نمک پاشی تو مت کرو۔" وہ چلبلا کر بولا۔
"اچھا تمہارے کارنامے تمہیں سنانا نمک پاشی ہے تو ٹھیک ہے میں نمک پاشی ہی کر رہا ہوں۔" سمیر بے پناہ چڑتے ہوئے گویا ہوا تو احتشام انتہائی ناگواری سے صوفے سے اٹھ کھڑا ہوا۔
"تم سے اچھا تو خاور ہے۔ جس نے نہ صرف مجھ سے ہمدردی کی بلکہ اس نے مجھ سے وعدہ بھی کیا کہ وہ ہر طور میرے بیرون ملک جانے کی تگ ودو کرے گا۔" خاور کا نام سن کر سمیر کے کان کھڑے ہو گئے وہ چونک کر احتشام کو دیکھتے ہوئے بولا۔
"کیا کہا خاور نے تم سے؟"
"چھوڑو تم کیا کرو گے جان کر الٹا دو چار باتیں اور سنا دو گے۔" احتشام منہ پھلا کر بولا تو سمیر نے تیزی سے ہاتھ بڑھا کر احتشام کی کلائی تھام کر واپس اسے صوفے پر بٹھایا۔
"مجھے کھل کر بتاؤ کہ خاور کیا کر رہا ہے مم...... میرا مطلب ہے کیا وہ تمہیں ملک سے باہر بھجوانے کی کوشش کر رہا ہے؟"
"ہاں واقعی خاور جیسے دوست تو خوش نصیبوں کو ملتے ہیں اس نے مجھے یقین دلایا ہے کہ وہ مجھے باہر بھجوانے کی ہر ممکن کوشش کرے گا اور تو اور پیسہ بھی وہ خود لگائے گا۔" احتشام جوش ومسرت کے ملے جلے جذبات میں گھر کر بولا تو سمیر نے ایک گہری سانس فضا میں آزاد کی۔ وہ احتشام کو پرسوچ نگاہوں سے دیکھتے ہوئے دھیرے سے کہنے لگا۔
"وہ یہ سب کیوں کر رہا ہے؟" ساری بات سمیر کو بخوبی سمجھ میں آ چکی تھی اسے خاور کے ارادے بخوبی معلوم ہو چکے تھے مگر وہ یہ سب کچھ احتشام جیسے نادان اور کم فہم شخص کو نہیں بتا سکتا تھا۔
"کیا مطلب کیوں کر رہا ہے وہ میرا دوست ہے۔ مجھ سے مخلص ہے میری مدد کر رہا ہے۔" احتشام کو سمیر کی بات پر اچنبھا ہوا جب ہی قدرے رکھائی سے بولا۔
"اور حورین بھابی انہیں تم کس قصور کی سزا دے رہے ہو؟"
"میں اسی بناء پر شادی کے جھنجھٹ میں نہیں پڑنا چاہتا تھا بھگتیں میرے ماں باپ۔"
"پھر تم نے ہی انہیں شادی کے لیے مجبور بھی کیا تھا۔" سمیر احتشام کی ڈھٹائی اور بے شرمی پر غصے سے کھول کر رہ گیا اس پل اس کا دل چاہا کہ ایک زوردار تھپڑ احتشام کے چہرے پر رسید کر دے جس نے بے غیرتی کی انتہا کر دی تھی۔
"کیوں کہ مجھے پیسوں کی ضرورت تھی۔" احتشام بے اختیار بول اٹھا' سمیر نے اسے انتہائی متاسفانہ نگاہوں سے گھورا۔

''تمہارا بھی جواب نہیں احتشام! صرف حورین بھابی کے گھر اور دکان کی خاطر تم نے ان سے شادی کی اور کتنی بے حیائی سے وہ چیزیں بنا ان کی مرضی جانے بیچ بھی دیں' تم جیسے انسان کو مجھے اپنا دوست کہتے ہوئے شرم آرہی ہے احتشام!''

''میں نے تمہارے پاس آکر واقعی بہت بڑی غلطی کی۔'' انتہائی تلملا کر اٹھتے ہوئے احتشام بولا اور پھر اگلے ہی پل باہر نکل گیا جبکہ سمیر وہیں بیٹھا کسی گہری سوچ میں مستغرق ہوگیا۔

❁ .... ❁ .... ❁
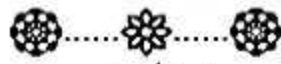
وہ کیف وسرور کے ساغر میں ڈبکیاں لگاتا خمار و سرمستی کی لہروں میں خود کو ڈبوتا ایک عجیب سی کیفیت میں بیٹھا تھا۔ محبوب کی سانسوں کی پُر حدت مہک اور اس کے طلسمی وجود کا لمس اسے ایک ایسی دنیا میں دھکیل گیا تھا جہاں ایسا نشہ و سرور تھا جس کا ذائقہ آج سے پہلے اس نے بالکل نہیں چکھا تھا اس کے جسم کا روم روم اس پل نامانوس و طلسم انگیز کیفیت میں لپٹا اسے ایک نئی کیفیت سے روشناس کرا رہا تھا' محبوب کی قربت اور نزدیکی اس قدر قیامت خیز ہوگی خاور نے کبھی ایسا سوچا بھی نہیں تھا اس نے انتہائی سرمستی و سرشاری میں مبتلا ہو کر اپنی آنکھوں کو بند کیا تو چھم سے حورین کا ہوش ربا سراپا اس کی نگاہوں کی گرفت میں آگیا۔

''اوہ میری جان حورین! آخر کب تک تم مجھے یوں تڑپاتی رہوگی' جلاتی رہوگی۔ پلیز میری حالت زار پر کچھ تو ترس کھاؤ۔'' خاور انتہائی جذبات سے بوجھل لہجے میں حورین کے تصور سے مخاطب ہو کر آہستگی سے بولا تھا۔

خاور کا شمار ایسے لوگوں میں ہوتا تھا جو منہ میں سونے کا چمچ لے کر پیدا ہوتے ہیں۔ بچپن سے جوانی تک کسی چیز کی کمی اسے نہیں ہوئی اس کے منہ سے نکلنے سے پہلے ہی حیات صاحب اس کی خواہش پوری کر دیتے تھے۔ حیات صاحب کی اس اکلوتے اولاد کی شخصیت پروان چڑھی تو خود پسندی خودسری اور زعم و غرور کے تمام رنگ اس میں بدرجہ اتم موجود تھے۔ سمیر شاہ اس کا کزن ہونے کے ساتھ ساتھ ہم پلہ خاندان سے تعلق رکھتا تھا لہٰذا خاور کی سمیر سے اچھی دوستی ہوگئی مگر جب احتشام سے خاور کی ملاقات ہوئی تو اسے احتشام کے اندر کوئی ایسی کشش دکھائی نہیں دی جس کی بدولت وہ اس کی جانب دوستی کا ہاتھ بڑھاتا دراصل سمیر احتشام کا دوست تھا اور سمیر کے توسط سے ہی خاور کی اور احتشام کی محض ہیلو ہائے ہوئی تھی۔

خاور کو احتشام کی ایک چیز بہت کھٹکتی تھی وہ تھی احتشام کی سحر انگیز لُک...... احتشام انتہائی ہینڈسم اور مخالف صنف کے لیے ایک خاص کشش کا حامل لڑکا تھا جب لڑکیاں خاور کو نظرانداز کر کے احتشام کی جانب بڑھتیں تو خاور کے اندر جیسے الاؤ سا دہک اٹھتا۔ ایک بے حد مضبوط فیملی بیک گراؤنڈ ہونے کے باوجود خاور کی شخصیت میں کوئی خاص چارم نہیں تھا۔ اس کی رنگت قدرے سانولی تھی جبکہ قد کاٹھ کے لحاظ سے بھی وہ کافی مار کھا گیا تھا اس کا شمار چھوٹے قد کے حامل مردوں میں ہوتا تھا اگر لڑکیاں اس کے آگے پیچھے اور اردگرد پروانوں کی طرح منڈلاتی تھیں تو محض اس کی لاکھوں کی گاڑی اس کے قیمتی لباس اور بھرے ہوئے والٹ کی کشش کی وجہ سے تھا۔ اس کے اونچے اسٹیٹس نے اس کی شخصیت کو پُراثر بنایا تھا ورنہ ان کے بناء وہ بے حد واجبی سی شخصیت کا مالک تھا جبکہ احتشام کا تعلق لوئر مڈل گھرانے سے تھا مگر خوب صورتی و وجاہت میں بے مثال تھا جب کوئی خوب صورت لڑکی احتشام کی جانب بڑھتی تو خاور کا بس نہیں چلتا تھا کہ وہ احتشام کے چہرے پر تیزاب پھینک کر اسے داغ دار بنا دے البتہ احتشام کو صنف نازک سے بالکل دلچسپی و رغبت نہیں تھی۔

پھر خاور نے اپنی مردانگی کی تسکین کی خاطر احتشام سے گہری دوستی گانٹھ لی جب احتشام اس کے سامنے اپنی غربت یا ضرورت کا رونا دیتا تو خاور بڑے کروفر سے اس کی مدد کرتا تو اس کی انا کو ایک عجیب سی تسکین ملتی محض احتشام کی ذات و شخصیت کو اپنے جوتوں کے نیچے دبائے رکھنے کے لیے وہ بظاہر بہت اچھا دوست بن کر اس کی مدد کرتا اس کے کام آتا تھا اور پھر جس دن اس نے حورین کو دیکھا تو گویا پلک جھپکنا ہی بھول گیا۔ صبح کی شبنم کے قطروں کی مانند شفاف و پاکیزہ حسن

اس نے زندگی میں پہلی بار دیکھا تھا اس کے گھٹاؤں جیسے سیاہ ریشمی بال کمر کو چھوتے تھے۔
گلابی کھلی شہابی رنگت پر دو ستارے جیسی بھوری آنکھیں جس پر گھنیری سیاہ پلکیں ہمہ وقت سیاہ فگن رہتی تھیں۔ ستواں کھڑی ناک میں زرقون کی لونگ کو دیکھ کر لگتا جیسے آسمان کا ستارا وہاں آٹکا ہو دلفریب ہلکے گلابی لب اور چھوٹا دہانہ اس کی خوب صورتی ودلکشی کو چار چاند لگاتے تھے اس پر مستزاد کسی شاعر کی غزل کی مانند لچکتا بل کھاتا بے حد حسین سراپا۔
حورین اسم بامسمیٰ' خاور حورین سے پہلی بار احتشام کی منگیتر کے طور پر متعارف ہوا تھا اس کے دل میں احتشام کے لیے رعونت حقارت اور زیادہ بڑھ گئی تھی۔ وہ احتشام کو حورین کے لیے ہرگز لائق اور قابل نہیں سمجھتا تھا حورین تو کسی ریاست کی شہزادی کی مانند تھی اسے تو کسی محل کی رانی بننا چاہیے تھا کجا کہ احتشام کے چھوٹے سے مکان کی زینت بنتا پھر خاور نے اسی دن سے ٹھان لی کہ وہ حورین کو احتشام سے چھین کر رہے گا۔
''حورین میری جان تم ناتم کہیں بھی چلی جاؤ مگر آنا تمہیں میرے پاس ہے' تمہارا گھر احتشام کا گھر نہیں بلکہ میرا دل ہے تمہیں میرے پاس ہی لوٹ کر آنا ہے اور بہت جلد آنا ہے پھر میں تمہیں کہیں بھی جانے نہیں دوں گا۔'' خاور خود سے بولتا چلا گیا۔

❁.....❁.....❁
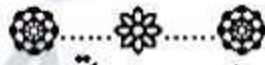
سمیر شاہ کو طوفان کے آنے کی آہٹ ابھی سے محسوس ہورہی تھی جو حورین اور احتشام کی زندگیوں میں آنے والا تھا۔ حورین احتشام اور خاور ایک تکون میں کھڑے تھے وہ احتشام کی جانب بہت یاس وامید کے عالم میں دیکھ رہی تھی۔ سوچ سوچ کر سمیر کا دماغ ماؤف ہوچلا تھا مگر اس طوفان کو روکنے کی کوئی تدبیر اس کے ہاتھ نہیں آرہی تھی اپنے گھر کے وسیع وعریض لان میں چک پھیریاں لگاتے لگاتے وہ تھک گیا تو گارڈن چیئر پرآ کر ڈھے گیا۔
تھوڑی ہی دیر میں اس کا ملازم چائے کی ٹرے لیے حاضر ہوا تو سمیر نے اسے انتہائی ممنون نگاہوں سے دیکھا۔
''اوہ تھینک یو رشید! مجھے اس وقت چائے کی بے حد طلب ہورہی تھی۔'' وہ سیدھے بیٹھتے ہوئے گویا ہوا تو رشید دانت نکوس کر بولا۔
''مجھے پتا تھا کہ اس وقت آپ کو چائے کی ضرورت ہے لہٰذا میں فوراً چائے لے آیا۔'' سمیر محض ایک ہنکارا بھر کر رہ گیا' ملازم کو اس بات کا احساس تھا کہ سمیر کو اس وقت کس چیز کی ضرورت ہے جب کہ ساحرہ کو اس کی کوئی پروا نہیں تھی۔ سمیر محض سوچ کر رہ گیا پھر چند ثانیے بعد استفہامیہ انداز میں بولا۔
''تمہاری بیگم صاحبہ کہاں ہیں؟''
''مجھے تو معلوم نہیں صاحب وہ تو دوپہر سے نکلی ہوئی ہیں البتہ چھوٹے بابا اپنی دادی کے کمرے میں سورہے ہیں۔'' رشید نے مودبانہ انداز میں اسے معلومات فراہم کیں تو سمیر نے اسے وہاں سے جانے کا اشارہ کیا وہ اس وقت مکمل تنہائی چاہتا تھا۔ اس نے اضطراری انداز میں اپنی پیشانی کو مسلا وہ دن اور لمحات اس کی نگاہوں میں ایک بار پھر گھوم گئے جب وہ خاور کے ملازم کے فون کرنے پر دوڑا دوڑا خاور کے گھر پہنچا۔
''آخر ایسی کون سی بات ہوگئی جو تمہاری یہ حالت ہے۔'' سمیر نے خاور سے پوچھا تھا چند ثانیے تو خاور سرخ انگارہ آنکھوں سے اسے دیکھتا رہا پھر بے اختیار اس کے گلے لگ کر پھوٹ پھوٹ کر رو دیا۔
''سمیر اس نے مجھ سے چھین لیا مجھ سے چھین کر لے گیا' وہ اسے میرے وجود سے میری زندگی کو چھین کر لے گیا وہ۔'' رونے کے دوران خاور ٹوٹے پھوٹے لہجے میں بولتا رہا۔ سمیر ہونق بنا بس اسے سنے گیا وہ کچھ بھی سمجھنے سے قاصر تھا۔
''کون کسے چھین کر لے گیا خاور؟ پلیز یار خود کو سنبھالو ہمت کرو شاباش۔'' سمیر اس کی پشت کو تھپکتے ہوئے بولا۔

''میں اس کے بنا زندہ نہیں رہ سکتا سمیر...... سمیر!'' بولتے بولتے اچانک خاور سمیر سے الگ ہوا پھر انتہائی وحشت کے عالم میں اس کے دونوں بازوؤں کو جھنجھوڑ کر بولا۔

''اسے مجھ سے کوئی بھی نہیں چھین سکتا' میں سب کو ختم کردوں گا سب کچھ تہس نہس کردوں گا وہ صرف میری ہے خاور حیات کی ہے میں اسے جان سے ماردوں گا' میں سب برباد کردوں گا۔''

''فار گاڈ سیک' خاور ہوش میں آؤ کس کو جان سے ماردو گے مجھے تو کچھ بتاؤ۔'' سمیر اتقریباً اسے جھنجھوڑ کر بولا تو انتہائی طیش واشتعال کے عالم میں خاور نے کہا۔

''احتشام...... احتشام حاکم میرا دشمن میرا رقیب۔''

''احتشام تمہارا دشمن تمہارا رقیب تم......''

''ک...... کیا مطلب ہے تمہارا خاور!'' سمیر کے لہجے میں خوف وخدشات صاف محسوس کیے جاسکتے تھے۔

''وہی...... وہی مطلب ہے میرا جو تم نے سوچا جو تم نے سمجھا...... ہاں میں حورین سے پیار کرتا ہوں' بے حد' بے پناہ پیار کرتا ہوں اور کوئی بھی شخص اسے مجھ سے کبھی نہیں چھین سکتا۔'' وہ چلاتے ہوئے ایک دیوانگی کے عالم میں بولتا چلا گیا جب کہ سمیر ششدر سا اسے دیکھتا رہ گیا' اس پل اچانک سمیر کے یادداشت کے پردے پر وہ تمام مناظر فلم کی مانند چلنے لگے جس میں خاور اس لڑکی کا تذکرہ کرتا تھا اس کے لیے بے تاب و بے قرار دکھائی دیتا تھا اور وہ اور احتشام اس کا مذاق اڑاتے تھے۔

''مطلب تم...... تم حورین بھابی سے......'' بہت دیر بعد وہ کچھ بولنے کے قابل ہوا تھا۔

''ہاں میں حورین کو اسی دن سے چاہتا ہوں' جس دن پہلی بار میں اس سے ملا تھا۔ اسی دن میں نے اسے حاصل کرنے کی ٹھان لی تھی' احتشام اس کے ہرگز لائق نہیں ہے نہ پہلے تھا اور نہ کبھی ہوگا۔''

''تم یہ بات جانتے ہوئے بھی حورین بھابی کی جانب بڑھے کہ وہ احتشام کی فیانسی ہیں اور......''

''مجھے اس بات سے کوئی فرق نہیں پڑتا تھا کہ وہ احتشام سے منسوب ہے میں اسے حاصل کرنا چاہتا تھا۔ احتشام کے ساتھ بندھے اس نام نہاد رشتے کو اپنے پیروں تلے روند کر اپنے دل کی رانی بنانا چاہتا تھا اور ایسا ہو بھی جاتا اگر وہ سوئی والا اسکینڈل کھڑا نہ ہوجاتا اور مجھے باہر نہ بھاگنا پڑتا۔'' وہ دانتوں کو کچکچا کر بولا پھر انتہائی مضبوط وسنگین انداز میں گویا ہوا۔

''خیر اب بھی اتنا کچھ نہیں بگڑا' حورین میری تھی میری ہے اور صرف میری ہی رہے گی میں اسے جلد حاصل کرلوں گا۔''

سمیر شاہ کو اس پل اپنے پیروں تلے زمین کھسکتی محسوس ہوئی وہ خاور کے ارادوں کی مضبوطی اور اس کی فطرت سے بخوبی آشنا تھا وہ پیچھے ہٹنے والوں میں سے ہرگز نہیں تھا اپنی ضد کو پوری کرنے کے لیے وہ ہر طرح کی بازی کھیل جاتا تھا اور جیت ہمیشہ اس کا مقدر بن جاتی تھی مگر یہاں معاملہ انسانی زندگیوں کا تھا ان کے جذبات واحساسات کا تھا۔

''خاور تم اس وقت جذباتی ہورہے ہو' ہم اس موضوع پر پھر کسی وقت بات کرتے ہیں۔'' بہت دیر بعد سمیر فقط اتنا ہی بول سکا' خاور نے اس کی بات پر زہر خند انداز میں سر جھٹک کر کہا۔

''اب کوئی بات چیت نہیں ہوگی اب کچھ کرنے کا وقت ہے اور مجھے یہ اچھی طرح معلوم ہے کہ مجھے آگے کیا کرنا ہے۔'' خاور کے چہرے پر پھیلی پراسراریت اور آنکھوں میں ناچتی سفاکی نے سمیر کے ہونٹوں کو جیسے اس پل بالکل سی دیا تھا۔ اچانک مغرب کی اذان فضا میں گونجی تو سمیر اپنے دھیان سے چونکا۔ شام کے دھندلکے گہرے پڑ کر رات کی سیاہی میں ڈھل رہے تھے چہار سو مغرب کی اذانوں کی صدائیں بلند ہونے لگی تھیں۔ ڈھیر سارا وقت اسے یہاں بیٹھے گزر گیا تھا سمیر مغرب کی نماز ادا کرنے کی غرض سے وہاں سے اٹھ کھڑا ہوا۔

انسان کتنا بڑا اداکار ہے اپنے چہرے پر سادگی و معصومیت کا ماسک چڑھا کر کتنی مہارت اور خوب صورتی سے اداکاری کرتا ہے اپنی شیطانیت و بربریت کو اداکاری کی مدد سے چھپا کر خلوص و محبت کی مورت بن جاتا ہے اور پھر اپنے مذموم مقاصد پورے کرلیتا ہے۔ حورین چھت پر پلنگ پر بیٹھی نجانے کیا کچھ سوچے جارہی تھی۔ خاور حیات نے اسے شاکڈ و بے یقینی کے کنویں میں دھکیل دیا تھا وہ ابھی تک اسی کنویں میں ڈوب ابھر رہی تھی۔ اس کے تو وہم وگمان میں بھی ایسا نہیں تھا کہ خاور اس کے ساتھ اس طرح کی حرکت کرے گا جب بھی وہ منظر اس کے ذہن کی اسکرین میں روشن ہوتا حورین کے جسم میں سنسناہٹ سی دوڑ جاتی وہ ابھی تک متوحش سی تھی کسی سے اس بات کا تذکرہ بھی نہیں کرسکتی تھی۔ اسے خاور سے بے تحاشا خوف محسوس ہورہا تھا وہ بھانپ گئی تھی کہ خاور کے ارادے آگے بہت خطرناک ہوسکتے تھے۔

آئندہ آنے والے دنوں میں خاور اس کے اعصاب کا سخت امتحان لینے کا سبب بن سکتا تھا کیوں کہ جس شخص نے اس کے شوہر کی موجودگی میں یہ جرات کی تھی وہ مزید بھی اپنی ہمتیں دکھا سکتا تھا۔

''تم یہاں بیٹھی ہو جاؤ جا کر میرے لیے چائے بنا کر لاؤ۔'' معاً احتشام کی آواز ابھری تو حورین بری طرح ہڑبڑا گئی۔ احتشام کے آنے کی خبر ہی نہیں ہوسکی۔

''رات کے نو بج رہے ہیں اگر آپ کہیں تو کھانا بھی لے آؤں؟'' حورین پلنگ سے اٹھتے ہوئے سعادت مندی سے بولی تو احتشام اپنے مخصوص بگڑے موڈ میں بولا۔

''جتنا کہا ہے اتنا ہی کیا کرو میں نے کھانا نہیں مانگا۔'' حورین احتشام کی بات پر خاموشی سے اس کے پہلو سے نکل کر سیڑھیاں اتر گئی جب کہ احتشام اپنے کمرے کی جانب بڑھ گیا وہ فریش ہوکر بستر پر دراز ہوا تو اسی پل حورین چائے کا مگ تھامے اندر چلی آئی اور خاموشی سے سائیڈ ٹیبل پر کپ رکھ کر مڑ گئی۔ احتشام مگ اٹھا کر چائے کی چسکیاں لیتے ہوئے خاور کے متعلق سوچنے لگا جس نے اسے باہر بھجوانے کا بھرپور یقین دلایا تھا۔

اس دن وہ اس کے ڈاکومنٹس لینے گھر آیا تھا خاور کے آنے پر وہ کاغذات کا لفافہ عجلت میں ڈریسنگ ٹیبل پر ہی بھول گیا تھا بعدازاں اسے یاد آیا تو وہ لینے کے لیے اٹھا تھا۔

''ارے احتشام تم زحمت مت کرو غالباً تم نہانے کا موڈ بنا رہے تھے ایسا کرو تم نہانے جاؤ میں کمرے سے تمہارے ڈاکومنٹس کا لفافہ اٹھا کر لے آتا ہوں۔'' خاور اسے اٹھنے کا ارادہ کرتے دیکھ کر کندھے پر ہاتھ مارتے ہوئے بولا۔

''ہاں یار تم اوپر سے لے آؤ میں بس پانچ منٹ میں نہا کر نکلتا ہوں۔'' احتشام نے کہا تو خاور وہاں سے اٹھ گیا' کپڑے تہہ کرتی حورین نے ایک نگاہ احتشام کے چہرے پر ڈالی تھی جو اس پل اپنے دھیان میں پوری طرح گم تھا۔
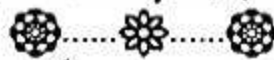
''یہ میرا ذاتی معاملہ ہے سمیر! یہ ٹھیک ہے کہ تم میرے دوست ہو مگر میرے معاملات میں میرے ڈیڈی تک مداخلت نہیں کرتے کیوں کہ مجھے یہ سب پسند نہیں ہے۔'' سمیر بڑے دنوں سے خاور سے ملنے اس سے بات کرکے اسے سمجھانے کی کوشش کررہا تھا مگر خاور اسے غچہ دے کر ہر بار نکل جاتا تھا وہ بخوبی جانتا تھا کہ سمیر اسے ایسا کرنے سے باز رہنے کو کہے گا اس کو لعنت ملامت کرے گا نصیحتوں کا پٹارا کھول کر بیٹھ جائے گا مگر آج سمیر نے اسے اپنے ہتھے لے ہی لیا تھا۔ اس کے گھر سے پک کرکے وہ اسے ساحل سمندر پر لے آیا تھا تاکہ کھل کر بات ہوسکے اس وقت دونوں ساحل کے نسبتاً تنہا گوشے پر موجود تھے۔

''تم دونوں دوست واقعی عقل و فہم سے نابلد معاملہ فہمی سے ناآشنا محض اپنا مفاد اپنی خواہشات کے پیچھے بھاگنے والے

سطحی اذہان کے مالک خود غرض و خود پسند ہو آج مجھے تم اور احتشام کو اپنے دوست کہہ کر شرم وندامت محسوس ہورہی ہے ایک وہ بے حس شخص ہے جسے دولت اور عیش وعشرت کے سوا کچھ بھی نہیں سوجھتا۔ اپنے ماں باپ، اپنی بیوی، اپنے رشتے کچھ نظر نہیں آتے اور ایک تم بے حمیت انسان ہو جو صرف اپنی خواہشات اور ضد کی تکمیل کی خاطر اپنے دوست کی بیوی پر بری نگاہ ڈالے بیٹھے ہو۔'' سمیر تو جیسے پھٹ پڑا وہ بے ساختہ بولتا چلا گیا۔

''اوشٹ اپ سمیر...... میں بے حمیت انسان نہیں ہوں، حورین ہمیشہ سے میری ہی تھی اور میری ہی رہے گی۔ احتشام کو حورین کی زندگی سے جانا ہوگا۔''

''یہ کیا تم فلمی ڈائیلاگ بولتے رہتے ہو کہ حورین تمہاری تھی، تمہاری رہے گی وہ تمہاری کب سے کیسے ہوگئی؟ تم اس سے احتشام کی منگیتر کی حیثیت سے ملے تھے۔ تم تو ایسے ری ایکٹ کررہے ہو جیسے حورین بھابی اور تمہارے درمیان عہد و پیمان ہوئے تھے اور جیسے احتشام نے تم سے حورین بھابی کو چھین لیا ہے۔'' سمیر برا سا منہ بنا کر صاف گوئی سے بولا، سمیر کو لگی لپٹی کہنے کی عادت نہیں تھی وہ ہمیشہ دوٹوک اور سچی بات منہ پر کہہ دیتا تھا۔ احتشام اور خاور سمیر کی اس عادت کی بناء پر اس کے سامنے جز بز ہوجاتے تھے اس وقت خاور کی بھی یہی کیفیت ہوئی مگر پھر جلد ہی اس نے اپنے آپ کو سنبھال لیا۔

''احتشام حورین کے کسی طور قابل نہیں اور ویسے بھی اسے حورین کی ذات سے قطعاً کوئی دلچسپی اور رغبت نہیں ہے شادی بھی محض حورین کی جائیداد کی خاطر کی تھی جب کہ حورین میری جان میری روح......!''

''اب کچھ بھی ہے وہ احتشام کے نکاح میں ہے اس کی منکوحہ اس کی بیوی ہے اور سب سے بڑھ کر وہ احتشام کی وفادار ہے اس سے محبت کرتی ہے۔ یہ تمام چیزیں حقائق پر مبنی ہیں اور جتنی جلدی تم اس سچائی کو قبول کرلو گے تمہارے لیے بہتر ہوگا۔'' سمیر خاور کی بات درمیان میں سے قطع کرکے سنجیدگی سے بولا خاور کے منہ سے حورین کے لیے اس طرح کے القاب اسے قطعی پسند نہیں آئے تھے۔

''اونہہ مائی فٹ وہ اس کے نکاح میں ہے جس طرح تین بول ادا کرکے یہ رشتہ قائم ہوا ہے اسی طرح تین ہی بول میں یہ رشتہ ختم ہوسکتا ہے اور رہی احتشام سے محبت کرنے کی بات تو میں حورین کے دل و دماغ سے احتشام کی شبیہہ اس کی چاہت کو کھرچ کر پھینک دوں گا اور ویسے بھی احتشام حورین کے ساتھ جو سلوک کررہا ہے اس کی بدولت حورین کی محبت تو جھاگ کی طرح بیٹھ گئی ہوگی یا پھر دھواں بن کر فضا میں تحلیل ہوگئی ہوگی۔''

خاور جیب سے سگریٹ کا ڈبہ نکال کر اس میں سے ایک سگریٹ نکال کر لائٹر کی مدد سے اسے جلاتے ہوئے بولا تو سمیر نے حقیقی معنوں میں اپنا سر پیٹ لیا۔ کافی دیر تک دونوں کے درمیان خاموشی طاری رہی، صرف لہروں کا شور گونجتا رہا، دونوں اپنی اپنی جگہ بیٹھے نجانے کیا کچھ سوچ جارہے تھے۔ خاور نے ایک سگریٹ ختم ہونے کے بعد جب دوسری سگریٹ سلگائی تو سمیر اسے سنجیدہ نگاہوں سے دیکھتے ہوئے بولا۔

''خاور جس راستے کی جانب تم قدم بڑھا رہے ہو وہاں سوائے دشواریوں، کٹھنائیوں اور مشکلات کے سوا کچھ نہیں ہے۔ تم غلط راستے کا انتخاب کررہے ہو جس طرح یہ سگریٹ دھیرے دھیرے سلگ کر خود اپنا وجود فنا کررہی ہے کیا تم بھی یہ چاہتے ہو کہ تمہاری زندگی میں بھی یہی جلن رہے جو تمہیں پل پل سلگا کر تمہیں ختم کردے۔'' سمیر کی بات پر خاور نے کسی بھی قسم کا ردعمل ظاہر نہیں کیا بلکہ دلچسپی سے سمندر کی لہروں کے کھیل کو دیکھتا رہا جو ساحل پر بڑی شدومد سے آکر ٹکراتیں اور پھر انتہائی بے اماں و کمزور سی ہوکر واپس سمندر کی جانب بڑھ جاتیں، سمیر تاسف سے محض خاور کو دیکھتا رہا جو اس پل سمیر کو یکسر نظر انداز کیے کھڑا تھا۔

حاکم دین عشاء کی نماز پڑھ کر گھر آئے تو حسب معمول حورین روٹی بنانے کی غرض سے باورچی خانے میں چلی آئی اس نے سالن کو گرم کرنے کی خاطر چولہے پر چڑھایا جب کہ دوسرے چولہے پر توا رکھ کر آٹے کے پیڑھے بنانے لگی۔
اس وقت اس کے ہاتھ روٹی بنانے میں مصروف تھے مگر ذہن احتشام کی جانب اٹکا ہوا تھا اس کے اجنبی اور بیگانے انداز کی تو وہ عادی ہو چلی تھی مگر آج کل تو وہ اس سے یکسر بے زار ہو چلا تھا اس واقعہ کے بعد سے خاور تین چار بار گھر پر چکر لگا چکا تھا مگر حورین نے بھولے سے بھی اس کے سامنے آنے کی حماقت نہیں کی تھی جبکہ ایک دو بار احتشام نے اس کی آمد پر اسے آواز دے کر بلایا تھا مگر وہ ان سنی کر کے اپنے کمرے میں جا کر مقید ہو گئی تھی بعد میں احتشام نے اسے سخت سنائی تھیں مگر حورین نے اس سے جھوٹ کہہ دیا تھا کہ وہ باتھ روم میں تھی اس وقت بھی حورین بے حد پریشان تھی۔ خاور کے یہاں چکر بڑھنے سے اس کی سمجھ میں نہیں آ رہا تھا کہ وہ کیا کرے کیا نہ کرے' کس سے کہے کیسے کہے؟ کافی دنوں سے پارس بھی اس سے ملنے گھر نہیں آئی تھی انہی سوچوں میں گم وہ روٹیاں بناتی چلی گئی۔
رات کے کھانے سے فارغ ہو کر حاکم دین اور کبریٰ بیگم صحن میں بچھے پلنگ پر آ کر بیٹھے تو حاکم دین اپنی بیوی کو دیکھتے ہوئے آہستگی سے بولے۔
''احتشام کی ماں میں اس بچی کے سامنے خود کو بہت شرمندہ اور نادم محسوس کرتا ہوں' کتنے بڑے دل کی مالک ہے۔ حورین ہماری غلطیوں اور زیادتیوں کو اس نے کس طرح بھلا دیا کاش جیسی اعلیٰ فطرت اور خوب صورت دل کی مالک میری بیٹی ہے اسی طرح اس کا نصیب بھی ہوتا۔''
''آپ ٹھیک کہتے ہو جی اگر حورین کی شادی احتشام ناقدرے سے نہ ہوئی ہوتی تو آج حورین اس طرح اداس شکستہ حال نہ ہوتی آپ جانتے ہیں نہ کہ میں آپ کے سامنے اکثر اوقات احتشام کی غلط حمایت کرتی تھی کیوں کہ اپنے بچے کے خلاف کوئی بات سننا نہیں چاہتی تھی حالانکہ مجھے معلوم تھا کہ آپ ٹھیک کہتے ہیں مگر جب سے حورین سے اس نے زیادتیاں کرنی شروع کی ہیں مجھے احتشام پر غصہ آنے لگا ہے' حورین مجھے اپنی اولاد کی طرح عزیز ہے اس کی نیک فطرت اور فرمابرداری نے میرا دل جیت لیا ہے۔'' کبریٰ بیگم بھی اپنے دل کی بات حاکم دین کی سامنے عیاں کرتی چلی گئیں تو حاکم دین محض ایک ہنکارا بھر کر رہ گئے۔ کچن میں اس پل کھٹ پٹ کی آوازیں آ رہی تھیں غالباً حورین صفائی میں مصروف تھیں۔
''میں سوچ رہا ہوں نیک بخت کہ اگر یہ گھر ہمارا اپنا ہوتا اور دکان پگڑی کی نہ ہوتی تو میں یہ دونوں چیزیں حورین کے حوالے کر دیتا شاید اس طرح احتشام کی زیادتی کا کچھ ازالہ ہو جاتا۔''
''آپ نے بھی یہ خوب کہی اگر یہ دونوں چیزیں ہماری ملکیت ہوتیں تو احتشام' کب کا ہمارے سینے پر چڑھ کر یہ سب کچھ ہتھیا لیتا۔'' کبریٰ بیگم تلخی سے ہنس کر بولیں۔
''نجانے یہ لڑکا آج کل کن چکروں میں لگا ہوا ہے اتنی بڑی رقم ڈبو کر بھی اسے سبق نہیں ملا یقیناً پھر کہیں یہ ہاتھ پیر مار رہا ہوگا۔''
''ہوں بالکل ہی دیوانہ ہو گیا ہے باہر جانے کا خبط جنون بنتا جا رہا ہے مجھے تو اس کے جنون سے بہت ڈر لگ رہا ہے۔'' کبریٰ بیگم متفکرانہ انداز میں بولیں تو حاکم دین محض خاموش نگاہوں سے دیکھتے ہی رہ گئے یہی خوف وخدشات ان کے دل میں پروان چڑھ رہے تھے۔

❀ ❀ ❀

حورین گیلے کپڑے بالٹی میں سے اٹھا اٹھا کر الگنی پر ڈال رہی تھی جب ہی وہاں احتشام چلا آیا' حورین کے ہاتھ اسے یہاں دیکھ کر رک گئے۔

"شام کو تیار رہنا خاور ہمیں آج ڈنر پر لے جانا چاہتا ہے۔" یہ سن کر اس کے جسم میں خفیف سی کپکپی دوڑی تھی وہ فوراً کپڑوں کی جانب متوجہ ہوکر آہستگی سے بولی۔

"اس کی کیا ضرورت ہے شادی کو اتنے دن ہوگئے ہیں اور میرا ابھی باہر جانے کو دل نہیں چاہ رہا ہے۔"

"میں تم سے پوچھ نہیں رہا' بتا رہا ہوں شام سات بجے تیار رہنا سمجھ گئیں۔" وہ حکم صادر کرکے وہاں سے چلتا بنا جب کہ حورین نے انتہائی بے بسی سے ہاتھ میں پکڑے کپڑوں کو بالٹی میں دوبارہ پٹخ دیا وہ خاور کی نیت سے بخوبی آگاہ تھی وہ کسی بھی طور اس کے سامنے نہیں جانا چاہتی تھی مگر احتشام کے سامنے اس کی مرضی کہاں چلتی تھی وہ جو بھی کہتا حورین محض سر جھکا کر مان جایا کرتی تھی اب بھی ایسا ہی ہوا' فیروزی رنگ کے سارے سے جوڑے میں سادگی سے خود کو سنوارے وہ ٹھیک سات بجے تیار تھی۔ احتشام سات بجے کے بعد ہی گھر میں داخل ہوا تھا' خاور نے ان دونوں کو پک کرنے کے لیے گاڑی بمعہ ڈرائیور بھیجی تھی تقریباً آٹھ بجے وہ دونوں گھر سے نکلے تھے اور اس وقت وہ فائیو اسٹار ہوٹل کے پرسکون و رومانوی ماحول میں بیٹھے خوش گپیوں میں مصروف تھے۔ خاور کچھ کچھ لمحات بعد حورین پر بھرپور نگاہ ڈال رہا تھا جب کہ حورین اندر ہی اندر خاور کی نظروں کی تپش محسوس کرکے خائف ہوئے جارہی تھی۔

"لگتا ہے احتشام حورین بھابی کو یہ جگہ پسند نہیں آئی اتنی چپ چپ سی بیٹھی ہیں۔" خاور حورین کو گم صم بیٹھا دیکھ کر احتشام کو مخاطب کرکے مسکرا کر بولا۔

"ارے بھئی پسند کیوں نہیں آئے گی یہ جگہ تو اس نے خوابوں میں بھی نہیں دیکھی ہوگی۔ میرے خیال میں یہاں کی خوب صورتی نے اسے مبہوت کردیا ہے۔" احتشام کی بات حورین کو انتہائی سطحی اور عامیانہ لگی اس پل وہ احساس کمتری کا مارا ایسا شخص لگا جو دوسروں کی ظاہری چمک دمک اور شان و شوکت دیکھ کر خود کو بالکل ہی ادنیٰ اور چھوٹا سمجھنے لگتے ہیں۔"

حورین جواباً کچھ نہیں بولی تھی۔

"خاور تم ذرا بیٹھو میں واش روم سے ہوکر آتا ہوں۔" احتشام اپنی کرسی سے اٹھتے ہوئے بولا تو حورین نے گردن موڑ کر سہمی ہوئی ہرنی کی طرح انتہائی بے بسی سے احتشام کی جانب دیکھا جو اس کی جانب متوجہ ہوئے بنا رخ موڑ کر چلا گیا اس ماحول میں خاور کے ہمراہ تنہائی محسوس کرکے حورین کے دل کی دھڑکنیں بے ترتیب سی ہونے لگیں جب کہ خاور اب پوری توجہ سے صرف اسے دیکھتا چلا گیا۔

"بہت پیاری لگ رہی ہو اس سادگی میں بھی خدا کی قسم غضب ڈھا رہی ہو میرا دل چاہ رہا ہے کہ تمہیں سب سے چھپالوں تم پر کسی کی بھی نظر نہ پڑنے دوں۔" خاور انتہائی گمبھیر لہجے میں بولا تو حورین کو اپنی کنپٹیوں کی نسیں کھنچتی ہوئی محسوس ہوئیں ناگواری و طیش کی لہر اس کے اندر سے ابھری۔

"بند کریں اپنی یہ گھٹیا فضول باتیں اور آئندہ اگر مجھ سے اس طرح کی گفتگو آپ نے کی تو......" وہ بولتے بولتے قدرے رکی تھی۔

"تو......تو کیا کرلوگی تم احتشام سے کہوگی اس سے میری شکایت کروگی؟" یہ کہہ کر وہ خود ہی اپنی بات پر حظ اٹھانے لگا تھا حورین نے نفرت بھری نگاہوں سے اسے دیکھا۔

"آپ کو شرم آنی چاہیے میں آپ کے دوست کی بیوی ہوں۔"

"مگر اس سے پہلے تم میری چاہت میری محبت ہو حورین تم نے میرا انتظار کیوں نہیں کیا' کیوں کرلی تم نے احتشام سے شادی تمہیں معلوم ہے کہ میں تمہاری یاد تمہارے ہجر میں کتنا تڑپا ہوں تمہاری آواز سننے' تمہیں محسوس کرنے کی خاطر تمہیں فون کرتا تمہیں......"

''کیا......تو آپ مجھے فون کرتے تھے؟'' حورین کے لیے یہ انکشاف ہی تو تھا وہ انتہائی اچنبھے سے اسے دیکھتے ہوئے خاور کی بات درمیان میں کاٹ کر حیرت سے بولی۔

''ہاں وہ میں ہی تھا میں اس دن سے تمہارے عشق میں غرق ہوں۔ جب پہلی بار میں نے تمہیں دیکھا۔'' وہ ہنوز لہجے میں بولا تو حورین کی آنکھوں میں بے بسی و تکلیف کے احساس سے نمی آ گئی۔

''خدا کے واسطے خاور بھائی اس طرح کی باتیں مجھ سے مت کریں' مجھے گناہ گار مت کریں اپنے اللہ کے سامنے شرمسار مت کریں۔'' انتہائی عاجزی سے بولتے بولتے اس نے اپنے دونوں ہاتھوں کو اپنے دونوں کانوں پر رکھ لیا۔

''حورین تم......''

''خاور یار یہاں کے واش روم تو ہمارے گھر کے ڈائننگ روم سے بھی زیادہ حسین اور خوب صورت ہیں۔'' اسی پل احتشام وہاں چلا آیا تھا خاور نے فوراً اپنی زبان کو روک لیا تھا جب کہ حورین نے بڑی تیزی سے خود کو سنبھالا تھا۔

''اچھا جب ہی تو وہاں جا کر واپس ہی نہیں آ رہا تھا۔'' خاور ہنستے ہوئے بولا تو احتشام جھینپ سا گیا پھر دونوں ادھر اُدھر کی باتوں میں مگن ہو گئے اسی دوران کھانا بھی سرو کر دیا گیا مگر حورین کا وجود جیسے ریزہ ریزہ ہوتا رہا۔

❀......❀......❀

پھر آنے والے دنوں میں خاور نے جیسے اس کا ناطقہ بند کر دیا وہ کسی آسیب کے مانند اس کے پیچھے لگ گیا تھا حورین کی مارے دہشت و خوف سے بری حالت تھی وہ سوچ رہی تھی کہ اگر احتشام کو ذرا بھی اس بات کی بھنک پڑ گئی تو وہ کھڑے کھڑے اس کی کردار کشی کر کے اسے گھر سے نکال باہر کرے گا۔ وہ بخوبی جانتی تھی کہ احتشام اس کے بجائے خاور کی بات پر بھروسہ کرے گا اسے کبھی بھی غلط اور موردالزام نہیں ٹھہرائے گا جبکہ اگر وہ اس بات کا تذکرہ خالہ خالو سے کرتی تو بھی ایک بہت بڑا تماشہ کھڑا ہونے کا احتمال تھا۔ وہ خاور اور احتشام دونوں سے انتہائی سختی سے پیش آتے لہٰذا عافیت اس نے اسی میں سمجھی کہ خاموش رہا جائے اور کسی سے بھی اس بات کا تذکرہ نہیں کیا جائے ویسے بھی آج کل خالہ اور خالو کی طبیعت کچھ ناساز ہی رہتی تھی۔

حورین کے پاس سوائے چپ رہ کر خاور کی بے باکیوں اور جراتوں کو برداشت کرنے کے سوا کوئی چارہ نہیں تھا۔ وہ اس وقت صحن میں بیٹھی ساگ چن رہی تھی جب ہی فون کی گھنٹی بجی' حال ہی میں خاور کے توسط سے ان کے گھر پر فون لگا تھا۔ حورین نے دزدیدہ نگاہوں سے ایک جانب رکھے ٹیلی فون سیٹ کو دیکھا وہ بخوبی جانتی تھی کہ دوسری جانب کون ہوگا خالہ اس وقت اپنے کمرے میں آرام کر رہی تھیں جبکہ خالو دکان میں تھے ناچار حورین کو اٹھ کر فون اٹینڈ کرتا پڑا۔

''ہیلو......'' وہ پھنسی پھنسی آواز میں بولی تو دوسری جانب خاور کی گمبھیر آواز ابھری۔

''کیا کر رہی تھی جانِ خاور؟ میں تو یہاں پل پل تمہاری یاد میں سلگ رہا ہوں آہیں بھر رہا ہوں' کبھی تم بھی ہمیں یاد کر لیا کرو ڈیئر!'' خاور کی بکواس سن کر حورین کے کان کی لوئیں سرخ ہو گئیں۔

''آپ کو شرم آنی چاہیے خاور بھائی! اپنے دوست کی بیوی کے ساتھ انتہائی گھٹیا گفتگو کرتے ہوئے اس طرح کی حرکتیں آپ جیسے اعلیٰ خاندان کے حامل انسان کو زیب نہیں دیتیں' کچھ تو لحاظ کریں اپنی ویلیوز کا۔'' اسے لگا جیسے آج اس کا پیمانہ ضبط چھلک جائے گا وہ دبی دبی آواز میں انتہائی نفرت و تنفر بھرے لہجے میں بولی جب کہ خاور یہ بات اچھی طرح جانتا تھا کہ اگر مقابل کو جیت کرنا ہو اس کو قابو کر کے اپنی دسترس میں لینا ہو تو سب سے پہلا گر یہ ہے کہ اپنے جذبات پر کنٹرول رکھنے کے ساتھ ساتھ اپنے دماغ کو بھی اپنا تابع بنا کر چلایا جائے اور مشتعل یا جذباتی ہونے کے بجائے بالکل ٹھنڈے ہو کر وار کیا جائے تو کامیابی یقینی طور پر قدموں کو چومے گی۔

خاور ہمیشہ ان اصولوں پر چلتا تھا اور جیت اس کا مقدر بنتی تھی ابھی بھی وہ مشتعل ہونے کے بجائے مزید دھیما اور ٹھنڈا ہوگیا تھا۔

"شرم مجھے نہیں بلکہ احتشام کو آنی چاہیے' تم میری ہو حورین! میری محبت میری چاہت اور وہ غاصب تمہیں مجھ سے چھین کر تم پر قابض ہو کر بیٹھا ہے۔"

"آپ دوستی کی آڑ میں احتشام کی پیٹھ پر چھرا گھونپ رہے ہیں۔"

"اونہہ اور وہ کیا کر رہا ہے؟ وہ تو تمہاری صورت تک دیکھنے کا روادار نہیں تھا' تم سے شادی سے انکار کر چکا تھا محض تمہارے پاس موجود کاغذ کے چند ٹکڑوں کی خاطر اس نے تم کو اپنی زندگی میں شامل کیا اور دیکھنا ان ہی چند ٹکڑوں کے عوض وہ تمہیں اپنی زندگی سے نکال باہر کرے گا۔" حورین اپنی جگہ سن سی کھڑی رہ گئی خاور کے سفاکانہ مگر حقیقت پر مبنی لفظوں نے اسے اندر سے بری طرح ادھیڑ کر رکھ دیا۔

"آہ......" تکلیف کا بے پایاں احساس اس کے روم روم سے یکدم پھوٹ پڑا' اس کے ہونٹوں سے ایک کراہ برآمد ہوئی دوسری جانب سے لائن کٹ چکی تھی اس نے انتہائی خاموشی سے فون کریڈل پر رکھا اور ڈگمگاتے قدموں سے تخت پر آن بیٹھی' آنکھوں میں یک لخت آنسوؤں کی طغیانی آ پہنچی اور پھر تیزی سے گالوں پر بہنے لگی۔ اسے اس پل اپنے ماں باپ شدت سے یاد آئے وہ بے آواز وہیں بیٹھی روتی چلی گئی جب حاکم دین نے اس پر یہ راز منکشف کیا تھا کہ صرف احتشام کے منع کرنے پر اس کا باپ زندگی کی بازی ہار گیا تھا تو وہ دکھ و صدمے کی اتھاہ گہرائیوں میں اتر گئی تھی۔ احتشام سے اس سمے اسے نفرت محسوس ہوئی تھی مگر احتشام نے انتہائی سنگدلی اور ڈھٹائی سے حورین پر یہ جتایا تھا کہ محض چند پیسوں کی خاطر اس نے اسے اپنی سیج پر لا کر بٹھایا ہے اس پل اسے خود سے نفرت محسوس ہوئی تھی وہ یونہی بیٹھی زار و قطار روتی چلی گئی۔

❀......❀......❀

احتشام کی تو خوشی کا کوئی ٹھکانہ ہی نہیں تھا اس کے پیر جوش و انبساط سے زمین پر ٹک ہی نہیں رہے تھے اسے جیسے ہفت اقلیم کی دولت مل گئی تھی آج اس کے عرصہ دراز سے دیکھے جانے والے خوابوں کے پورا ہونے کا وقت آ گیا تھا۔ آج حقیقی معنوں میں وہ زندہ ہوا تھا اسے گویا اپنی زندگی مل گئی تھی۔ خاور نے انگلینڈ کا ویزا جب اس کے ہاتھوں میں لا کر تھمایا تو مارے تشکر و خوشی کے اس کی آنکھوں میں آنسو آ گئے تھے۔ اس نے بے اختیار پوری طاقت سے خاور کو اپنے بازوؤں میں بھینچ لیا تھا۔

"شکریہ میرے دوست' آج تم نے مجھے خرید لیا ہے یار! میری زندگی مجھے عطا کر دی ہے۔" احتشام جذباتی لہجے میں سر اٹھا کر بولا تو خاور نے اس کا کندھا تھپک کر اپنے سینے سے لگا لیا۔

کبریٰ بیگم حاکم دین اور حورین ساکت لبوں مگر بولتی نگاہوں سے ایک دوسرے کو دیکھتے رہ گئے۔ احتشام کو آج سے پہلے ان تینوں نے اتنا پُرجوش کبھی نہیں دیکھا تھا وہ گھر میں مٹھائی کا ڈبہ بھی لایا تھا اور آتے ہی کبریٰ بیگم کے گلے سے لگ گیا۔

"ارے احتشام بچے کیا ہوا اتنا خوش کس بات پر ہو رہا ہے۔" کبریٰ بیگم حیران حیران سی قدرے خوشگواری سے بولی تھیں۔

"مجھے ویزا مل گیا ہے اماں! میں بیرون ملک جا رہا ہوں' بہت جلد میں جا رہا ہوں اماں لندن...... مجھے میری زندگی مل گئی ہے۔" وہ ان کے دونوں بازوؤں پر ہاتھ رکھ کر فرط جذبات میں دباتا ہوا بولا تو کبریٰ بیگم محض ٹکر ٹکر دیکھتی رہ گئیں جب کہ کچن کے دروازے پر کھڑی حورین عجیب سی کیفیات میں گھری احتشام کی خوشی و جوش کو ملاحظہ کرتی رہی۔ حاکم دین جب دکان سے گھر آئے اور اس بابت انہیں معلوم ہوا تو گویا الفاظ ان کے پاس بھی ختم ہو گئے بس صرف احتشام تھا جو

پورے گھر میں سرمستی سے اونچا اونچا بولتا رہا قہقہے لگا رہا تھا۔

❁.......❁.......❁

ڈوبتا سورج اپنے تمام رنگوں کو آسمان کی وسعتوں پر بکھیر چکا تھا۔ پرندے دن بھر کی مسافت طے کر کے اب اپنے اپنے گھروں کو روانہ ہو رہے تھے۔ سبک وخنک ہوا خراماں خراماں محوسفر تھی۔ مخصوص جگہ پر آج تینوں دوست بہت عرصے بعد یوں اکٹھے ہو کر بیٹھے تھے۔ احتشام کی خوشی دیدنی تھی وہ کچھ ہی دنوں میں لندن جانے والا تھا جب کہ خاور اس کی خوشی میں خوش نظر آرہا تھا اور سمیر خاور کی اس خوشی کے پیچھے اس کے مقصد اور اس کی مسرت کو صاف محسوس کر رہا تھا۔

''تم دیکھنا خاور! میں ایک دفعہ یہاں سے چلا جاؤں گا تو واپس مڑ کر بھی نہیں دیکھوں گا۔ مجھے بہت آگے جانا ہے اپنی زندگی کو بنانا ہے ہر اس چیز کو حاصل کرنا ہے جو ہمیشہ میری دسترس سے دور رہی۔'' احتشام پرعزم لہجے میں بولا تو سمیر نے اسے بغور دیکھا۔

''احتشام اپنی زندگی کی رنگینیوں میں گم ہو کر تم اپنے ماں باپ اور شریک سفر کو مت بھول جانا' زندگی کی اصل دولت یہ رشتے ہیں اگر تم انہیں فراموش کر دو گے تو ساری زندگی تہی دامن رہ جاؤ گے۔ دوست وہاں جا کر ان رشتوں سے غافل مت ہو جانا' ان سے رابطے میں رہنا۔ تم جو اپنائیت اور پیار انہیں یہاں رہ کر نہ دے سکے کوشش کرنا دیار غیر میں جا کر ان کو یہ احساس بخش دینا۔'' سمیر کھوئے کھوئے لہجے میں بولا تو احتشام نے کافی چونک کر اسے دیکھا۔ چند ثانیے کے لیے وہ بالکل خاموش سا رہ گیا پھر کھنکتے لہجے میں خاور سے استفہامیہ انداز میں بولا۔

''خاور میرا ٹکٹ تو جلدی آجائے گا نا اب تو مجھ سے ایک دن بھی انتظار نہیں ہو رہا۔'' سمیر نے دیکھا کہ احتشام نے اس کی بات کو ایک کان سے سن کر دوسرے سے اڑا دیا ہے مگر اسے جتایا نہیں بس خاموش ہی رہا۔

''ارے میری جان آجائے گا تُو فکر کیوں کرتا ہے ویزا آگیا ہے تو ٹکٹ ملنا کون سی مشکل بات ہے۔'' خاور کندھے اچکا کر بے پروائی سے بولا تو احتشام اسے تشکر آمیز نگاہوں سے دیکھتے ہوئے گویا ہوا۔

''شکریہ دوست' تم نے میرا بے حد ساتھ دیا میں وہاں پہنچ کر ان شاء اللہ تمہاری رقم تمہیں واپس کر دوں گا۔''

''تم ابھی رقم کی ٹینشن مت لو پہلے وہاں سیٹ ہونے کی کوشش کرنا' اوکے۔'' خاور کے انداز پر احتشام مزید اس کا ممنون ہو گیا جب کہ سمیر شاہ خاموشی سے ان دونوں کو دیکھے گیا اب کچھ کہنے کرنے کا شاید فائدہ نہیں رہا تھا۔

❁.......❁.......❁
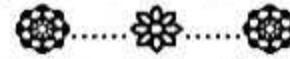
اور پھر ایک دن احتشام چلا گیا شاید ہمیشہ ہمیشہ کے لیے اپنے ماں باپ کی یاس بھری لجاتی نگاہوں کو نظرانداز کر کے حورین کی خاموش التجاؤں کو ان دیکھا کر کے کسی کے بھی جذبوں کی پروا نہ کرتے ہوئے وہ شاید اس سرزمین کے ساتھ ساتھ ان تمام رشتوں کو بھی چھوڑ گیا تھا۔ جاتے سمے حورین نے انتہائی دل گرفتگی سے پوچھا تھا۔

''آپ واپس تو لوٹ کر آئیں گے نا احتشام! ہم سب آپ کا انتظار کریں گے۔''

اس سنگ دل کٹھور شخص کو اس نے اپنے دل کی اتھاہ گہرائیوں سے چاہا تھا اس کے کورے دل میں ابھرنے والی سب سے پہلی شبیہ اسی کی تھی اس کے سنہری کنوارے خوابوں اور روپہلے ارمانوں میں شامل ہونے والا یہی پہلا شخص تھا۔ جو آج انتہائی اجنبی و بے گانہ بن کر اسے بنا کوئی آس کوئی تسلی و حوصلہ دیئے خاموشی سے جا رہا تھا' بہت دور جا رہا تھا۔

حورین کی بات پر اپنی پیکنگ میں مصروف احتشام نے ذرا کی ذرا نظریں اٹھا کر پاس کھڑی پنک کلر کے ملگجے سے شلوار سوٹ میں ملبوس بے ترتیب بالوں اور ستے چہرے سمیت حورین کو دیکھا اس پل حورین کی آنکھوں میں آس وامید کے جگنو آن واحد میں نجانے کہاں سے آکر ٹمٹمانے لگے تھے۔ احتشام محض اسے چند ثانیے دیکھ کر دوبارہ اپنے کام میں

مصروف ہوگیا جبکہ حورین کا دامن اس پل اس کے دل اور روح کی طرح بالکل خالی ہوگیا تھا۔
گھر میں جیسے سناٹے بول رہے تھے ایک شخص کے چلے جانے سے گویا ایسا معلوم ہورہا تھا کہ پورا شہر ہی خالی ہوگیا ہو اپنے اندر اور باہر کی وحشتوں سے گھبرا کر وہ صحن میں بنے چھوٹے سے باغیچے میں چلی آئی جہاں حاکم دین کو اس نے گہری سوچوں میں مستغرق پایا۔
"کیا سوچ رہے ہیں ابا!" حورین دھیمے لہجے میں بولی تو حاکم دین نے اسے چونک کر دیکھا پھر گہری سانس فضا کے سپرد کرتے ہوئے ٹھنڈے لہجے میں بولے۔
"کچھ نہیں بیٹی اب تو کچھ سوچنا بھی چاہتا ہوں تو ذہن سوچنے پہ آمادہ ہی نہیں ہوتا۔"
"تو مت سوچا کریں نا اللہ کی ذات پر سب کچھ چھوڑ دیں وہ ہی ہم سب کا مسبب الاسباب ہے اپنی بساط سے زیادہ اگر ہم ہاتھ پاؤں چلانے کی کوشش کرتے ہیں تو ڈوب جانے کا خطرہ ہوتا ہے۔" حورین سنجیدگی سے بولی پھر جلدی سے موضوع بدلتے ہوئے گویا ہوئی۔
"خالہ امی! کیا کررہی ہیں، میں انہیں بھی باہر بلاتی ہوں پھر چائے ایک ساتھ ہی پئیں گے۔"
"تمہاری خالہ اس وقت سو رہی ہے بیٹا! کل رات ایک پل کے لیے بھی اس کی آنکھ نہیں جھپکی ساری رات جاگتی رہی ہے وہ۔" حاکم دین مضمحل لہجے میں بولے "کل شام جب احتشام کا وہاں خیریت سے پہنچ جانے کا فون آیا تھا تب سے ہی کبریٰ بیگم عجیب سی بے قراری میں مبتلا ہوگئی تھیں۔ احتشام نے فقط اپنے پہنچنے کی اطلاع دی تھی اور پھر فون بند کردیا تھا۔"
"اوہ مگر اس طرح تو ان کی طبیعت خراب ہوجائے گی ابا! آپ انہیں سمجھائیے ناکہ ان شاء اللہ سب ٹھیک ہوجائے گا۔"
"میں تو اسے سمجھا سمجھا کر تھک چکا ہوں بیٹا مگر وہ ایک ماں ہے جس کا دل ہمہ وقت اپنے بچے کی طرف سے مختلف واہموں اور اندیشوں میں گھرا رہتا ہے۔ وہ مجھ پر ظاہر نہیں کرتی مگر مجھے معلوم ہے کہ وہ جھلی احتشام سے بے پناہ محبت کرتی ہے اس کو دیکھے بناء زندہ رہنا بہت مشکل ہے اس کے لیے۔ میں دیکھتا تھا کہ جب تک احتشام گھر میں داخل نہیں ہوجاتا وہ جاگتی رہتی تھی' ہاتھ اٹھا کر گاہے بگاہے دعائیں کرتی رہتی تھی اور اب جب کہ وہ سات سمندر پار اتنی دور چلا گیا ہے تو اس کی ممتا کو بھلا کیسے قرار آسکتا ہے۔" حاکم دین رنجیدگی کے عالم میں بولتے چلے گئے جب کہ آنکھوں میں آئی نمی بہت آہستگی سے انہوں نے پونچھی تھی۔ حورین بے بسی سے انہیں دیکھتی رہ گئی اگر اس کے ہاتھ میں ہوتا تو ان دونوں کو ایک پل کے لیے بھی اداس اور افسردہ نہ ہونے دیتی مگر ان کی طرح وہ بھی بہت بے بس اور مجبور تھی وہ کسی کے لیے بھی کچھ بھی نہیں کرسکتی تھی۔
"ابا! احتشام چلے گئے تو کیا ہوا' آپ کی یہ بیٹی تو آپ کے پاس موجود ہے نا اور یہ بیٹی آپ دونوں کو چھوڑ کر کبھی بھی کہیں نہیں جائے گی۔" حورین بمشکل خود کو سنبھال کر حاکم دین کے مقابل گھٹنوں کے بل بیٹھتے ہوئے محبت سے بولی تو حاکم دین نے مسکرا کر اس کے سر پر ہاتھ رکھا تھا۔
"جیتی رہو میری بیٹی! اللہ تمہیں بے حساب خوشیاں دے۔" حورین خاموشی سے ان کے دعائیہ جملے پر غور کرتی رہ گئی۔

❀......❀......❀

"خاور! اب تم اپنی زندگی کے متعلق کوئی فیصلہ کیوں نہیں کرلیتے' تمہارے دونوں دوست سمیر اور احتشام شادی کرکے اپنی لائف میں مصروف ہوگئے ہیں آخر تم اپنے بارے میں کیا سوچ کر بیٹھے ہو۔" حیات اقبال کافی دنوں سے خاور سے اس موضوع پر بات کرنا چاہتے تھے آج انہیں وقت و موقع ملا تو انہوں نے خاور کو جالیا۔
"ریلیکس ڈیڈ! آپ اتنا ٹینس مت ہوں' میں شادی سے انکار کب کررہا ہوں بس تھوڑا اور انتظار کرلیں۔" خاور چکن کا

پیس کانٹے میں پھنساتے ہوئے بڑے سکون سے بولا تو حیات اقبال اپنے بیٹے کو کھوجتی ہوئی نگاہوں سے دیکھتے ہوئے استفہامیہ انداز میں بولے۔

''خاور چکر کیا ہے؟ مجھے کلیئر بتاؤ تم کس مشن میں لگے ہوئے ہو؟'' وہ خاور کے باپ تھے اپنے بیٹے کی رگ رگ سے آشنا تھے اس کے انداز واطوار انہیں بہت پہلے کافی کچھ باور کراچکے تھے مگر قصداً خاموش تھے کیونکہ وہ خاور کی ضدی فطرت اور ہٹیلے اطوار سے بھی بخوبی آگاہ تھے۔

''اوہ ڈیڈ! آپ نے تو کسی جاسوس کی طرح مجھے کھوجنا شروع کردیا ہے آپ بالکل مطمئن رہیں خاور حیات کبھی گھاٹے کا سودا نہیں کرے گا۔'' وہ آج پہلے دنوں کی نسبت کافی پرسکون اور قدرے خوش دکھائی دے رہا تھا۔

''اوکے' میں تم پر بھروسہ کرتا ہوں میرے بیٹے! مگر جو بھی کرنا یہ دیکھ کر کرنا کہ اس سے ہماری پوزیشن پر کوئی حرف نہ آئے۔'' حیات اقبال تنبیہی انداز میں بولے تو ڈنر میں مصروف خاور نے محض اثبات میں سرہلا دیا۔

❀........❀........❀

سمیر شاہ ان دنوں امریکہ جانے کی تیاریوں میں مشغول تھا اس کے والد اپنی کمپنی کی ایک برانچ شکاگو میں کھولنا چاہ رہے تھے سمیر کو ہی وہاں کا چارج سنبھالنا تھا وہ ساحرہ اور اپنے بیٹے کو بھی اپنے ہمراہ لے کر جارہا تھا ملک چھوڑنے سے پہلے وہ کبریٰ بیگم حاکم دین اور حورین سے ملنے آیا تھا۔

''انکل ایک دوست اور خیر خواہ ہونے کی حیثیت سے میں نے احتشام کو ہر ممکن حد تک سمجھانے کی کوششیں کیں مگر سب کی سب بے سود اور اکارت ثابت ہوئیں وہ اپنی ضد کا بے حد پکا نکلا۔'' سمیر تاسف بھرے لہجے میں بولا تو حاکم دین ایک گہری آہ بھر کر گویا ہوئے۔

''تم جیسا دوست احتشام کو نصیب سے ملا تھا مگر اس نے کانچ کا ٹکڑا سمجھ کر تمہاری قدر نہیں کی۔''

''احتشام کو گئے ایک ماہ ہوگیا ہے بیٹا! بس وہاں پہنچ کر ہی اس نے اطلاع دی تھی اس کے بعد اس نے کوئی رابطہ نہیں کیا۔'' کبریٰ بیگم اداسی سے بولیں تو سمیر محض خاموشی سے انہیں دیکھ کر رہ گیا اسی دوران حورین چائے اور لوازمات کے ساتھ ٹرے تھامے اندر داخل ہوئی تو سمیر نے مودبانہ انداز میں اسے سلام کیا۔ حورین کا پھیکا چہرہ اور بے رنگ روپ دیکھ کر اسے حقیقی معنوں میں دکھ وتکلیف ہوئی احتشام کتنے لوگوں کے دلوں کو توڑنے کا سبب بنا تھا۔

''آپ لوگ اپنا خیال رکھیے گا' احتشام چلا گیا تو کیا ہوا حورین بھابی ہیں نا۔'' سمیر انہیں تسلی دینے کی غرض سے بولا تو حورین کے لبوں پر پھیکی سی مسکراہٹ در آئی پھر سمیر ان سب کو خدا حافظ کہہ کر بوجھل دل اور کثیف روح لیے وہاں سے چلا آیا۔

❀........❀........❀
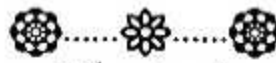
ہیتھرو ائیر پورٹ سے اپارٹمنٹ کا راستہ اس نے ایک خواب کی کیفیت میں طے کیا تھا' اسے اب تک یقین نہیں آرہا تھا کہ وہ لندن کی سرزمین میں پہنچ چکا ہے۔ جس کی خوب صورتی وکشش اور روشنیاں اس کی آنکھوں کو چکا چوند کیے دے رہی تھیں۔ خاور کے جاننے والے نے اسے ایک انتہائی چھوٹے سے اپارٹمنٹ میں پہنچا دیا تھا جہاں اس کے علاوہ مزید چار پاکستانی لڑکے موجود تھے جو اسی کی طرح راتوں رات امیر بننے کی خاطر یہاں اپنا سب کچھ چھوڑ چھاڑ کر آئے تھے۔ احتشام نے پورا ایک ہفتہ بڑے مزے سے گزارا تھا اسے ایسا لگ رہا تھا جیسے وہ ادھر جنت نگری میں آگیا تھا جھٹکا تو اسے اس وقت لگا جب اس کے ساتھ کے لڑکوں نے 20 پاؤنڈ مانگے۔

''اتنے روپے مگر میرے پاس تو کچھ نہیں ہے۔'' وہ قدرے پریشان ہوکر بولا تھا۔

''تم کیا سمجھ رہے ہو کیا ہم تمہیں مفت کا کھلائیں گے یہاں ہر بندہ ہفتہ وار 20 پاؤنڈ ادا کرتا ہے اتنی رقم دو گے تو یہاں رہ سکتے ہو ورنہ اپنا کہیں اور بندوبست کرلو۔'' ریاض انتہائی غصے سے بولتا اپنا اوور کوٹ پہن کر باہر چلا گیا جب کہ احتشام خاموشی سے محض اسے جاتا دیکھتا رہا۔

❁......❁......❁
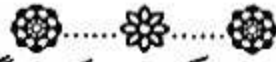
دن خاموشی سے آہستہ آہستہ سرکتے جارہے تھے حاکم دین اور کبریٰ بیگم نے بہت حد تک خود کو سنبھال لیا تھا۔ حورین بھی بظاہر کاموں میں مصروف رہتی تھی کسی کے چلے جانے سے زندگی کی گاڑی کبھی نہیں رکتی۔

تُو نے دیکھا ہے
کبھی چاند پہ بہتا پانی؟
میں نے دیکھا ہے
یہ منظر اس کے رخسار پہ اکثر

آج چودھویں کا چاند اپنے پورے جوبن کے ساتھ آسمان کی وسعتوں پر بیٹھا اپنی چاندنی بکھیر رہا تھا۔ حورین چھت پر کھڑی خالی خالی نگاہوں سے چاند کو تکے جارہی تھی' نجانے کب اور کیسے آنکھوں کے رستے نکلی نمی نے اس کے گالوں کو بھگو ڈالا تھا۔ وہ ماحول سے اس قدر بے گانہ تھی کہ خاور کی آمد کا پتا ہی نہیں چلا جو اس کے پہلو میں کھڑا والہانہ نگاہوں سے اسے دیکھ رہا تھا حورین کرنٹ کھا کر حال میں واپس آئی تھی پھر بے تحاشا ناگواری سے اسے دیکھ کر پرے کھسک کر گویا ہوئی۔

''آپ یہاں کیوں آگئے براہ مہربانی یہاں سے چلے جائیں۔'' خاور حورین کے لہجے میں بے زاری وخفگی محسوس کرکے مسکرا دیا اور انتہائی دلنشیں انداز میں یہ شعر پڑھا۔

سجدوں میں گزار دوں اپنی ساری زندگی فراز
اک بار وہ کہہ دے مجھے دعاؤں سے مانگ لو

حورین نے بمشکل اپنے اشتعال کو روکا تھا وہ یہ بات بخوبی جان گئی تھی کہ خاور کو چاہے وہ کتنا ہی ڈانٹ پھٹکار لے وہ باز آنے والوں میں سے نہیں ہے سو بنا کچھ بولے وہ جانے کو پلٹی۔

''احتشام کا انتظار لاحاصل ہے حورین! وہ کبھی بھی پلٹ کر تمہارے پاس نہیں آئے گا اسے نہ کل تمہاری چاہ تھی اور نہ آگے ہوگی۔ کیوں اس خود غرض ناقدرے شخص کی خاطر اپنی ذات پر روگ لگارہی ہو۔ میرے پاس آجاؤ حورین! میری بن جاؤ پھر دیکھنا میں تمہیں اپنی پلکوں پر بٹھا کر رکھوں گا۔'' وہ حلاوت آمیز لہجے میں بولا تھا' حورین اس کی جانب پلٹی پھر بغور اسے دیکھتے ہوئے سنجیدگی سے گویا ہوئی۔

''احتشام چاہے لوٹ کر آئے یا نہ آئے مگر میں یہیں کھڑی رہوں گی اس نے راستہ بدل لیا مگر میں اسی راستے پر اس کی منتظر رہوں گی۔ پہلے میں صرف اس کی بیوی اس کی جیون ساتھی تھی مگر اب اس کی ہونے والی اولاد کی ماں بھی ہوں۔'' وہ خاور حیات کو زلزلوں کی زد میں دھکیل کر تیزی سے مڑ کر وہاں سے چلی گئی جبکہ خاور حیات ماؤف ہوتے ذہن کے ساتھ ساکت سا کھڑا حورین کے جملوں پر غور کرتا رہ گیا۔

❁......❁......❁

پارس آج بہت دنوں بعد اس سے ملنے آئی تھی اپنے ساتھ وہ اپنی شادی کا دعوت نامہ بھی لائی تھی' حورین اسے دیکھ کر بہت خوش ہوئی اتنے عرصے بعد اپنی عزیز از جان سہیلی اور ہمدرد کو دیکھ کر اس کی آنکھیں بے اختیار نم ہوگئیں۔

”حورین شادی کے بعد تم نے ایک دفعہ بھی چکر نہیں لگایا اگر میں نہیں آسکی تھی تو تم ہی آجاتیں۔“ وہ اس کے گلے لگ کر محبت سے شکوہ کرتے ہوئے بولی تو حورین محض تلخی سے مسکرا کر رہ گئی‘ کتنی ویران اور پھیکی پھیکی سی لگ رہی تھی اس پل حورین پارس کو اس کی یہ حالت بے پناہ دکھ دے گئی اور پھر پارس کے انتہائی اپنائیت و محبت سے پوچھنے پر وہ سب کچھ بتاتی چلی گئی۔ اپنی سہیلی کی روداد اسے صدمے و تکلیف کے سمندر میں دھکیل گئی وہ حورین کو گلے لگا کر بے اختیار پھوٹ پھوٹ کر رو دی۔

”تمہارے ساتھ اتنا کچھ ہوگیا اور مجھے پتا بھی نہیں چلا حورین! احتشام بھائی ایسے نکلیں گے یہ تو ہم نے کبھی سوچا بھی نہیں تھا‘ بہت بُرا کیا انہوں نے تمہارے ساتھ۔“ وہ روتے ہوئے بولے گئی تو حورین بھی خود پر ضبط نہ کرسکی اپنے دل کا غبار آنسوؤں کی صورت آنکھوں کے رستے نکالے گئی۔ کافی دیر بعد دونوں بمشکل سنبھلیں تو حورین نے اسے بتایا کہ احتشام پہلے ہی شادی سے انکار کرچکا تھا مگر بعد میں محض اس کے مکان و دکان کی خاطر شادی پرآمادہ ہوا تھا جبکہ یہ بات پارس پہلے سے جانتی تھی وہ خاموشی سے حورین کو دیکھے گئی جو مزید کہہ رہی تھی۔

”اگر مجھے یہ بات پہلے ہی معلوم ہوجاتی تو میں کبھی بھی احتشام سے شادی نہیں کرتی‘ یہ درست ہے کہ وہ میری پہلی چاہت میری اولین آرزو تھا مگر وہ میرے ابا کو اتنا بڑا صدمہ دینے کا سبب بھی بنا تھا جس کی وجہ سے وہ جانبر نہ رہ سکے تھے اور مجھے اس بے ثباتی دنیا میں تنہا و لاچار چھوڑ کر دوسرے جہان سدھار گئے تھے۔

”احتشام اگر یونہی مجھ سے گھر دکان مانگتا تو بخدا میں فوراً یہ چیزیں اس کے حوالے کردیتی مگر ایک بار ٹھکرائے جانے کے بعد کبھی اس سے شادی نہیں کرتی۔“ حورین کے منہ سے یہ سب سن کر پارس کے اندر یکدم ہلچل سی مچ گئی‘ جسم کے اندر گردش کرتا خون انتہائی تیز رفتاری سے دوڑنے لگا اس نے انتہائی متوحش ہوکر حورین کو دیکھا جو اپنے دل کی کیفیت اس کے سامنے بیان کرکے اب خاموش ہوگئی تھی۔ پارس عجیب سی کیفیت میں گھری اپنے ہاتھوں کو آپس میں مسلتے ہوئے بولی۔

”حورین میں تمہیں کچھ بتانا چاہتی ہوں۔“ پارس کی بات پر حورین نے اسے استفہامیہ نگاہوں سے دیکھا اس پل پارس اسے کافی ڈسٹرب سی لگی۔

”کیا بتانا چاہتی ہو پارس!“

”میں یہ بات جان چکی تھی کہ.....“ وہ قدرے رکی پھر تیزی سے بولی۔ ”کہ احتشام بھائی تمہارے ساتھ منگنی توڑ چکے ہیں۔“ حورین کو لگا جیسے اس نے سننے میں کوئی غلطی کی ہو۔

”کیا.....کیا مطلب؟ میں سمجھی نہیں پارس! تم کیا کہنا چاہ رہی ہو؟“ وہ بے تحاشا الجھ کر گویا ہوئی۔

”ہاں حورین! جن دنوں تم اپنے ابا کے گزر جانے کے صدمے میں نڈھال تھیں اور میں اکثر اوقات تمہارے پاس ادھر آتی تھی انہی دنوں جاتے ہوئے میں نے غیر ارادی طور پر تمہارے خالہ خالو کی باتیں سن لی تھیں اس وقت مجھے معلوم ہوا کہ احتشام بھائی ہر رشتہ ختم کرچکے ہیں اور اس بات کا صدمہ تمہارے ابا کی زندگی کو.....“ اتنا کہہ کر پارس خود ہی خاموش ہوگئی تھی۔ حورین چند ثانیے انتہائی بے یقینی و تحیر کے عالم میں اسے دیکھے گئی پھر انتہائی دقتوں کے بعد دھیرے سے بولی۔

”تم یہ بات پہلے ہی جان چکی تھیں کہ احتشام مجھے ٹھکرا چکا تھا میرے ساتھ ہر رشتہ ختم کرچکا تھا۔“ پارس نے حورین کی بات پر مجرموں کی مانند اثبات میں سر ہلایا تو اس پل حورین کو لگا جیسے اس کی سانسوں میں کانٹے بھر گئے ہوں‘ جسم کی رگوں میں جیسے آرے سے چل گئے ہوں۔ اس کی عزیز از جان سہیلی نے اسے اتنی بڑی سچائی سے لاعلم رکھا تھا وہ یک ٹک اسے دیکھتی رہ گئی۔ اگر پارس اسے حقیقت سے آگاہ کردیتی تو وہ مر کر بھی احتشام کی زندگی میں داخل نہیں ہوتی۔

”تم نے بہت بڑا ظلم کردیا پارس! یہ تم نے میرے ساتھ اچھا نہیں کیا۔“ کافی دیر بعد حورین بولی تو اس کے لہجے میں

ٹوٹے ہوئے کانچوں جیسی چبھن تھی۔ پارس نے انتہائی تڑپ کر گردن اٹھائی۔

''حورین مجھے لگا کہ احتشام بھائی کو اپنی غلطی کا احساس ہوگیا ہے وہ پورے خلوص کے ساتھ تمہیں اپنا رہے ہیں مجھے یہ ہرگز اندازہ نہیں......''

''احتشام کے والدین سے تو میں کوئی شکوہ شکایت نہیں کرسکتی تھی کیوں کہ احتشام ان کی اولاد تھا اور پھر وہ اپنے بیٹے کے اس طرز عمل کی بابت بے حد نادم وشرمندہ تھے۔ مجھے بتانے کی ہمت نہیں کر پارہے تھے مگر تم تو میری سہیلی تھیں میری ہم راز!'' حورین تلخی سے اس کی بات درمیان میں ہی قطع کر کے انتہائی دل گرفتگی سے گویا ہوئی جبکہ پارس نے نادم ہوکر ایک بار پھر سر جھکالیا وہ اس سمے شدید پچھتاوؤں کے زیر اثر تھی اسے اماں کی بات ہرگز نہیں ماننی چاہیے تھی۔ پارس کو رہ رہ کر خود پر بے پناہ غصہ آرہا تھا۔

''حورین پلیز اپنی سہیلی کو معاف کردو۔'' پارس لجاجت سے اس کے دونوں ہاتھوں کو تھام کر بولی تو حورین خالی نگاہوں سے محض اسے دیکھتی رہ گئی۔

❁......❁......❁

خاور چیتے کی مانند کمرے میں ادھر سے اُدھر چکر لگارہا تھا وہ تو سمجھ رہا تھا کہ اس کی منزل اس کی جیت محض چند قدم کے فاصلے پر کھڑی ہے مگر حورین نے جو انکشاف کیا تھا اسے سن کر خاور کو لگا جیسے وہ وہیں آن کھڑا ہوا ہے جہاں سے اس نے چلنا شروع کیا تھا۔

''آئی ہیٹ یو احتشام..... آئی ہیٹ یو آلاٹ، تم ہمیشہ میرے اور حورین کے درمیان آ کر کھڑے ہوجاتے ہو اتنی مشکلوں سے تمہیں راستے سے ہٹایا تھا اور اب بیچ میں تمہارا یہ بچہ آ گیا۔ تم ہماری جان کیوں نہیں چھوڑ دیتے۔'' آخر میں وہ زور سے چلا کر بولا پھر تھک کر کاؤچ میں دراز ہوگیا' کافی دیر تک وہ گہری گہری سانسیں لیتا رہا اپنے اشتعال وجذبات کو کنٹرول کرتا رہا پھر کچھ وقت گزرنے کے بعد وہ مکمل طور پر پرسکون ہوگیا اور انتہائی ریلیکس انداز میں اس نے اپنے اعصاب کو ڈھیلا چھوڑ دیا۔

''کوئی بات نہیں حورین! ابھی کچھ عرصہ اور تم وہاں رہ لو پھر بہت جلد تمہیں میری بانہوں میں آنا ہوگا۔'' وہ ہلکے پھلکے انداز میں خود سے بولا۔

❁......❁......❁
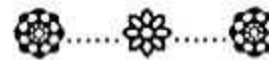
کبریٰ بیگم اور حاکم دین کو جب گھر میں کسی ننھے مہمان کی آمد کا معلوم ہوا تو دونوں بے تحاشا خوش ہوئے۔ کبریٰ بیگم نے تو حورین کو جیسے ہتھیلی کا چھالا ہی بناڈالا تھا وہ اس کا بے پناہ خیال رکھ رہی تھیں وہ کچن میں کھانا بنانے کی غرض سے پہنچی تو کبریٰ بیگم لپک کر اس کے پیچھے اندر داخل ہوئیں۔

''ارے حورین بیٹی! تم کیوں باورچی خانے میں آگئیں، جاؤ بچے تم تھوڑا آرام کرلو۔'' کبریٰ بیگم پیاز کاٹنے کی غرض سے ہاتھ میں پکڑی چھری حورین کے ہاتھ سے لیتے ہوئے بولیں تو حورین انہیں دیکھ کر مسکرادی۔ احتشام کی جدائی نے ان پر بہت اثر ڈالا تھا' وہ راتوں کو جاگتی رہتیں' کھانا بھی حورین اور حاکم دین کے بضد اصرار پر محض چند لقمے کھاتیں کافی کمزور لاغر ہوگئی تھیں مگر حورین کے ماں بننے کی خبر نے جیسے انہیں دوبارہ زندہ کردیا تھا۔

''خالہ امی میں صبح سے آرام ہی تو کررہی تھی یوں اس طرح ہاتھ پہ ہاتھ رکھے بیٹھی رہی تو بہت بور ہوجاؤں گی اور پھر آپ کو بھی اتنا کام نہیں کرنا چاہیے۔'' حورین سبزی اٹھاتے ہوئے سنک کے نل کی جانب دھونے کی غرض سے آئی تو کبریٰ بیگم اسے محبت بھری نگاہوں سے دیکھتے ہوئے گویا ہوئیں۔

”تم ٹی وی دیکھ لیا کرو‘ رسالے وغیرہ پڑھ لیا کرو ہاں البتہ میں تمہیں کڑھائی کرنے کی اجازت دے سکتی ہوں۔“ پھر قدرے توقف کے بعد بولیں۔ ”یقیناً احتشام بھی اس خبر سے بہت خوش ہوگا‘ تم دیکھنا حورین! اب ان شاء اللہ تمہارے دن بدل جائیں گے‘ اولاد میں بڑی کشش ہوتی ہے۔“ ان کا جوش وانبساط قابل دید تھا۔ حورین نے ان کی باتوں پر کوئی جواب نہیں دیا کیوں کہ اس کے پاس جواب ہی نہیں تھا وہ خاموشی سے سبزی دھونے لگی۔

❀......❀......❀
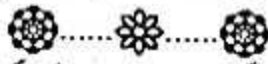
احتشام کو گئے ہوئے تین ماہ کا عرصہ ہو چکا تھا مگر اب تک اس کا کوئی فون کوئی خط نہیں آیا تھا۔ کبریٰ بیگم حاکم دین اور حورین تینوں اپنی اپنی جگہ پریشان ومتفکر تھے مگر ایک دوسرے پر اپنی پریشانی ظاہر نہیں کر رہے تھے۔ خاور دوبارہ گھر آیا تھا خالہ امی اس سے احتشام کی بابت پوچھتی تو وہ بھی لاعلمی کا اظہار کر دیتا تھا اور ان کو تسلی وغیرہ دیتا تھا۔

”آپ پریشان مت ہوں آنٹی! شروع شروع میں وہاں ایڈجسٹ ہونے میں کافی مشکل پیش آتی ہے‘ احتشام اسی وجہ سے مصروف ہوگا میں اپنے طور پر اس کا پتا لگوانے کی کوشش کرتا ہوں۔“ خاور انہیں ڈھارس دیتے ہوئے بولا تو کبریٰ بیگم نے لجا کر اس سے کہا۔

”ہاں بیٹا! تم کچھ پتا تو کرواؤ‘ احتشام کہاں ہے‘ کس حالت میں ہے یہ تمہارا ہم پر بڑا احسان ہوگا بیٹا!“ کبریٰ بیگم آنکھوں میں آئی نمی کو اپنے دوپٹے کے پلو سے پونچھتے ہوئے رندھی ہوئی آواز میں بولیں تو خاور نے اثبات میں سر ہلایا۔

❀......❀......❀
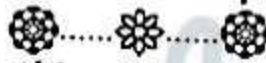
”میں اپنے کیے پر بہت شرمندہ ہوں حورین! یقین جانو لندن پہنچ کر مجھے تمہاری یاد اس قدر شدت سے آئی کہ میں بے پناہ اداس ہوگیا‘ مجھے اس وقت تمہاری قدر کا احساس ہوا تم سے بے تحاشا محبت کا ادراک ہوا۔ میں واقعی کتنی بڑی غلطی پر تھا کہ میں نے تمہاری محبت اور چاہت کی قدر نہیں کی۔“ حورین ساکت وصامت سی احتشام کے منہ سے انکشاف سن رہی تھی‘ وہ آج اپنی کوتاہیوں کا اعتراف کر رہا تھا۔

”بس اب میں آ گیا ہوں نا اب سب کچھ ٹھیک ہوجائے گا۔ میری آنکھیں کھل گئی ہیں حورین! اب کوئی غم کوئی تکلیف ہماری زندگی میں نہیں ہوگی صرف خوشیاں ہی خوشیاں اور پیار ہوگا۔ ہم اپنے بچے کو ہر خوشی دیں گے اسے کسی بھی بات کی کمی نہیں ہونے دیں گے۔“ احتشام انتہائی والہانہ انداز میں اس کے دونوں ہاتھوں کو تھامتے ہوئے بولے گیا جبکہ بے پایاں خوشی وتشکر کے احساس سے حورین کی آنکھوں میں آنسو آ گئے اور اگلے ہی پل وہ رو دی تب ہی بڑی نرمی سے احتشام نے اس کی پیشانی اپنے کندھے پر ٹکا دی اور اس کے بالوں کو سہلاتے ہوئے حلاوت سے بولا۔

”بس حورین! آج جتنے آنسو ہیں وہ سب بہا ڈالو پھر یہ آنسو کبھی تمہاری آنکھوں میں نہیں آئیں گے۔“ احتشام کے اس جملے پر حورین نے جونہی اپنا سر اٹھایا احتشام کو غائب پایا وہ بے تحاشا متوحش سی ہو کر ادھر ادھر دیکھنے لگی۔

”احتشام...... احتشام کہاں ہیں آپ؟“ انتہائی گھبرا کر اس نے اسے آوازیں دے ڈالیں مگر چہار سو اندھیرا ہی اندھیرا اور جامد سناٹا تھا اچانک کہیں سے اذان کی آواز سنائی دی تو انتہائی ہڑبڑا کر حورین کی آنکھ کھلی اس نے بے پناہ وحشت زدہ ہو کر ادھر ادھر دیکھا اس وقت وہ اپنے بستر پر موجود تھی پورا جسم پسینے سے شرابور تھا۔

حورین نے بے اختیار اپنے چہرے پر ہاتھ رکھا تو وہ بھی پوری طرح نم ملا جبکہ فضا میں فجر کی اذانیں گونج رہی تھیں چند ثانیے تک وہ گہری گہری سانسیں لیتی خود کو کمپوز کرنے لگی پھر اسے کچھ دیر پہلے کا دیکھا خواب یاد آ گیا۔ حورین مضمحل سی وہیں بیٹھی رہی اس پل احتشام اسے بے تحاشا یاد آیا تھا اس کا دل وحشتوں میں گھر سا گیا اور طبیعت میں بے قراری سی چھا گئی پروہ اپنی کیفیت سے گھبرا کر اٹھی اور وضو کرنے کی غرض سے باتھ روم میں چلی گئی۔
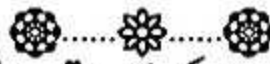
حورین اس وقت گھر پر اکیلی تھی کبریٰ بیگم محلے میں کسی کی رسم قل میں گئی تھیں جبکہ حاکم دین اب تک گھر نہیں لوٹے تھے وہ چھوٹے موٹے کاموں سے فارغ ہوکر محض وقت گزاری کے لیے کڑھائی کرنے بیٹھ گئی تھی جب ہی ڈور بیل بجی۔

''اس وقت کون آ سکتا ہے؟'' حورین خود سے سوال کرتی دروازے کی جانب آئی جب اس کے استفسار کرنے پر خاور نے اپنی آمد کی اطلاع دی تو ایک ناگواری کی لہر اس کے اندر سے ابھری اس نے بند دروازے کے پیچھے سے ہی جواب دیا۔

''اس وقت گھر پر کوئی نہیں ہے آپ پھر آ جائیے گا۔'' وہ یہ کہہ کر پلٹی ہی تھی کہ خاور کی آواز پر ناچار رک گئی۔

''حورین پلیز دروازہ کھولو میں احتشام کی بابت اطلاع لے کر آیا ہوں۔'' حورین شش و پنج میں مبتلا ہوگئی کہ آیا وہ دروازہ کھولے یا نہ کھولے۔

''دیکھو حورین! میں یوں دروازہ پر کھڑا کافی مشکوک لگ رہا ہوں اگر دروزہ نہیں کھولنا تو میں واپس جا رہا ہوں دوبارہ پھر نہیں آؤں گا۔'' خاور کے لہجے میں اس پل سختی کے ساتھ ساتھ کافی ناگواری بھی تھی حورین نے کچھ سوچ کر دروازہ پوری طرح سے کھول دیا خاور نے ایک نگاہ حورین پر ڈالی جو اس وقت سپاٹ چہرہ لیے انتہائی اجنبیوں والے انداز میں اپنی جگہ پر کھڑی تھی۔ خاور اس کے قریب سے گزر کر جونہی اندر کی جانب بڑھا حورین کی سنجیدہ آواز عقب سے ابھری۔

''آپ یہیں تخت پر بیٹھ جائیں۔'' وہ خاور کے ساتھ اکیلے ڈرائنگ روم میں بیٹھنا نہیں چاہتی تھی داخلی دروازے کو بھی اس نے پوری طرح بند نہیں کیا تھوڑا سا بھیڑ کر وہ قدرے دور ہوکر کرسی پر بیٹھ گئی۔ خاور اس کی بے اعتباری دیکھ کر اندر ہی اندر کھول سا گیا مگر ضبط کر گیا۔

''جی آپ احتشام کے بارے میں کیا بتانے والے تھے۔'' حورین دوٹوک انداز میں خاور سے مخاطب ہوئی تو خاور نے ایک نگاہ اسے دیکھا پھر ہموار لہجے میں گویا ہوا۔

''احتشام سے میری ڈائریکٹ بات تو نہیں ہوئی مگر جن لڑکوں کے ساتھ وہ اپارٹمنٹ میں رہ رہا تھا ان میں سے ایک نے بتایا کہ وہ تقریباً ڈھائی ماہ پہلے وہاں سے جا چکا تھا۔'' خاور کی بات پر حورین پریشان سی ہوگئی پھر کچھ سوچ کر استفہامیہ انداز میں بولی۔

''وہ ڈھائی مہینے سے کہاں ہیں یہ بات نہیں معلوم ہو سکی؟''

''یہ بات تو میں معلوم نہیں کر سکا لندن بہت بڑا ہے اس طرح کسی شخص کو ڈھونڈنا بہت مشکل کام ہے۔'' خاور سہولت سے بولا تو حورین پریشان سی ہوکر کسی سوچ میں ڈوب گئی پھر قدرے توقف کے بعد بولی۔

''اگر خالہ امی اور خالو کو یہ بات پتا چلے گی تو وہ اور زیادہ پریشان ہو جائیں گے۔''

''ہوں یہ بات تو ہے۔''

''آپ ان سے کہہ دیجیے گا کہ احتشام اسی اپارٹمنٹ میں ہیں مصروفیت کی بناء پر وہ ہم سے رابطہ نہیں کر رہے ہیں۔'' حورین انتہائی سوچ بچار کے بعد اس نتیجے پر پہنچی کہ فی الحال خالہ امی اور ابا سے جھوٹ بول دیا جائے وہ یہ بات بوبی جانتی تھی کہ ابا بھی اندر ہی اندر احتشام کی جانب سے بے حد متفکر اور بے قرار ہیں مگر ان کے سامنے ظاہر نہیں کر رہے ہیں یقیناً خاور کی دی ہوئی معلومات انہیں از حد پریشان اور ہراساں کر دے گی۔

''مجھے ایک اور بات بھی کرنی تھی۔'' خاور نگاہیں جھکا کر گمبھیر سنجیدگی سے بولا تو حورین نے اسے استفہامیہ نظروں سے دیکھا۔

"حورین دراصل میں آپ سے اپنے سابقہ رویوں کی معافی مانگنا چاہتا ہوں مجھے احساس ہوگیا ہے کہ میرا عمل کسی طور پر بھی صحیح نہیں تھا' مجھے اپنی غلطیوں کا شدت کے ساتھ ادراک ہوگیا ہے آپ پلیز مجھے معاف کرکے مجھے ندامت و شرمندگی کے سمندر سے باہر نکال دیں۔" حورین نے خاور کی بات پر بغور اسے دیکھا۔ خاور اس کی آنکھوں میں بے اعتباری شکوک اور بے یقینی کے رنگوں کو دیکھ کر نادم سا ہوکر بولا۔

"میں جانتا ہوں کہ آپ کو میری باتوں پر یقین نہیں آرہا مگر پلیز آپ صرف ایک بار میرا اعتبار کرلیں میں سچے دل سے آپ سے معافی مانگ رہا ہوں' اپنے نفس کے بہکاوے میں آکر میں یہ سب کچھ کر بیٹھا پلیز حورین! مجھے معاف کردیں ورنہ یہ گلٹ یہ پچھتاوا مجھے جیتے جی مار ڈالے گا کہ میں نے آپ کے ساتھ ایسا عمل کیا۔" خاور کی آواز آخر میں آنسوؤں کی نمی سے رندھ سی گئی وہ خاموش ہوگیا۔ حورین چند ثانیے اس کے جھکے ہوئے سر کو دیکھتی رہی پھر سہولت سے بولی۔

"خاور بھائی میں آپ کو معاف کرتی ہوں۔" حورین نے گویا اسے زندگی کا پروانہ تھما دیا ہو وہ تیزی سے سر اٹھا کر اسے دیکھتے ہوئے انتہائی جوش وانبساط بھرے لہجے میں بولا۔

"سچ آپ نے مجھے واقعی معاف کردیا' اوہ تھینک یو حورین! آپ واقعی بہت عظیم بہت اچھی ہیں' آپ نے میری اتنی بڑی خطا کو فراموش کردیا۔ تھینک یو تھینک یو سو مچ۔" حورین کی سمجھ میں نہیں آیا کہ وہ خاور کو کیا جواب دے لہٰذا خاموش ہی بیٹھی رہی کچھ ہی دیر میں کبریٰ بیگم گھر میں داخل ہوئیں تو حورین اٹھ کر کچن کی جانب بڑھ گئی جب کہ خاور کبریٰ بیگم کی جانب متوجہ ہوگیا۔

❀ ❀ ❀

رگوں میں خون جما دینے والی سردی میں بارش تواتر کے ساتھ برس رہی تھی اس پل تمام سڑکیں ویران وخالی تھیں بس اکا دکا گاڑیوں کی ہیڈ لائٹس دور سے چمکتیں اور پھر گاڑی زن سے پانی کی چھینٹیں اچھالتی ہوئی گزر جاتی۔ وہ ایک بند اسٹور کے شیڈ میں پناہ لیے بالکل سکڑا سمٹا اپنے واحد پھٹے ہوئے کوٹ سے اپنے جسم کو حرارت دینے کی کوشش کررہا تھا مگر یہ ادور کوٹ اسے گرمائی دینے میں ناکام ہوتے جارہا تھا اس کا پورا بدن سردی وخنکی کی شدت سے ٹھٹھرتا جارہا تھا۔ پورے جسم میں کپکپی سی طاری ہوگئی تھی رات دھیرے دھیرے پگھل رہی تھی۔ احتشام انتہائی شدت سے بار بار آسمان کی جانب دیکھ رہا تھا' اسے صبح کا انتہائی بے قراری سے انتظار تھا۔

وہ چاہتا تھا کہ جلدی سے صبح ہو اور سورج کی شعاعیں اس کو کچھ تو حرارت دینے کا سبب بنیں حالانکہ آج کل سورج بھی انتہائی نخروں سے اپنا جلوہ دکھا رہا تھا۔ احتشام مزید خود میں سمٹ کر خود کو گرمی پہنچانے کی کوشش کرنے لگا پھر آہستہ آہستہ اس کی آنکھیں بند ہوتی چلی گئیں اور وہ اردگرد کے ماحول سے یکسر بے گانہ ہوگیا۔

❀ ❀ ❀
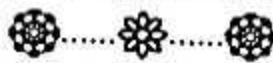
وقت اپنی مخصوص رفتار میں گزرتا جارہا تھا' احتشام کو پاکستان سے گئے ہوئے چھ ماہ ہوچلے تھے اور اب تک اس نے کوئی بھی رابطہ نہیں کیا تھا صرف ان چھ ماہ میں حاکم دین بہت زیادہ ضعیف اور لاغر دکھائی دینے لگے تھے جب کہ کبریٰ بیگم کی بھی صحت بہت تیزی سے گر رہی تھی ان دنوں حورین کی طبیعت بھی کافی گری گری سی رہنے لگی تھی اس کی واحد سہیلی پارس بھی پیا دیس سدھار گئی تھی۔ وہ ناسازی طبع کے باعث اس کی شادی میں شرکت بھی نہیں کرسکی تھی اور پھر ایک دن احتشام کا فون آہی گیا' دونوں ماں باپ بہت بے قراری سے اس سے بات کررہے تھے۔

"تو ٹھیک ہے نا میرے بچے اتنا عرصہ ہمیں فون کیوں نہیں کیا' ہم یہاں تیرے لیے بہت پریشان ہیں پتر۔" کبریٰ

بیگم اونچی آواز میں بات کرتے ہوئے بولیں انہیں لگا کہ اونچا بولنے سے احتشام تک آواز با آسانی پہنچ سکتی ہے۔

''میں ٹھیک ہوں ماں اور حورین وغیرہ کیسے ہیں؟'' وہ سپاٹ لہجے میں بولا تو کبریٰ بیگم نے اسے باپ بننے کی اطلاع دی جبکہ ایک پل کے لیے وہ خاموش سا ہوا پھر حورین سے حال چال پوچھ کر فون بند کر دیا۔ احتشام کے فون آنے سے جیسے گھر بھر میں خوشی کی لہر دوڑ گئی تھی۔

''یا اللہ تیرا لاکھ لاکھ شکر ہے میرا بچہ عافیت سے ہے۔''

''اب تو تم خوش ہو نا نیک بخت' بیٹے سے بات کر لی۔'' حاکم دین بھی سرشاری سے بولے حورین بھی دونوں کو دیکھ کر مسکرانے لگی' احتشام سے مختصراً ہی سہی مگر بات کر کے اس کا دل بھی ہلکا پھلکا ہو گیا تھا۔

❁......❁......❁
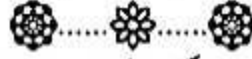
اور پھر بالآخر وہ گھڑی آن پہنچی جس کا اس گھر کے مکینوں کو شدت کے ساتھ انتظار تھا حورین نے گزشتہ رات کو ایک چاند سی بیٹی کو جنم دیا تھا۔ بچی ہو بہو حورین کی مانند تھی البتہ آنکھوں کی بناوٹ اور رنگ احتشام پر گیا اس ننھی شہزادی کے آنے سے گویا ان سب کی زندگیاں ہی بدل گئی تھیں۔ وہ دادی کے دل کا قرار تھی تو دادا کی آنکھ کا تارا تھی وہ دونوں تو جیسے اس کو ہی دیکھ دیکھ کر جیا کرتے تھے۔

حاکم دین نے بہت چاہت اور مان سے اس کا نام لالہ رخ رکھا' حورین کو تو وہ اپنی جان سے بھی زیادہ عزیز تھی وہ جیسے جیسے بڑی ہو رہی تھی اس گھر کے در و دیوار میں رونق کا باعث بن رہی تھی

لالہ رخ اب تین ماہ کی ہو چکی تھی حورین تمام وقت اس کے کاموں میں مصروف رہتی ابھی بھی وہ اس کے کپڑے دھونے میں مصروف تھی جب ہی دروازہ پر بجتی گھنٹی نے اسے چونکا دیا' دن کے دو بج رہے تھے کبریٰ بیگم لالہ رخ کے ساتھ کمرے میں محو آرام تھیں۔ حورین بالٹی میں کپڑوں کو دھو کر دوپٹہ سلیقے سے اوڑھتے ہوئے دروازے کی جانب آئی باہر پوسٹ مین آیا تھا۔

''حورین احتشام کے نام کی رجسٹری آئی ہے۔''

''میرے نام...... میرے نام رجسٹری کون بھیج سکتا ہے۔'' وہ قدرے حیران سی ہو کر خود سے الجھ کر بولی پھر کاغذ پر دستخط کر کے لفافہ اس کے ہاتھ سے تھام کر دروازہ بند کر کے الجھی ہوئی کیفیت میں لفافے کو الٹ پلٹ کر دیکھتے ہوئے صحن میں آئی اور پھر تیزی سے لفافہ چاک کر ڈالا اس کی نگاہ پہلے جس لفظ پر گئی اسے لگا شاید یہ اس کی نظر کا دھوکا ہے پھر اس نے انتہائی وحشت زدہ ہو کر پیپرز کو پوری آنکھیں کھول کر دیکھا تو اس کے پیروں تلے زمین کھسک گئی وہ بے اختیار زمین پر گھٹنوں کے بل گر گئی۔

''نہیں...... ایسا نہیں ہو سکتا...... ایسا کیسے ہو سکتا ہے...... نہیں احتشام تم میرے ساتھ اتنا بڑا ظلم نہیں کر سکتے' اتنا بڑا قہر نہیں ڈھا سکتے۔'' کاغذ پر جلی حروف سے لکھا ''طلاق نامہ'' دیکھ کر اس کے اوسان پوری طرح خطا ہو گئے پھر اس نے انتہائی دہشت زدہ ہو کر پورا کاغذ پڑھ ڈالا۔ احتشام نے اسے طلاق بھجوا دی تھی۔

''تم میرے ساتھ ایسا نہیں کر سکتے' تم مجھ سے یہ واحد چھت نہیں چھین سکتے' مجھے یوں بے امان بے مول نہیں کر سکتے...... نہیں کر سکتے......'' وہ خود فراموشی کے عالم میں کبھی ہنستے ہوئے کبھی روتے ہوئے خود سے بولے جا رہی تھی۔

جب ہی حاکم دین گھر میں داخل ہوئے تھے حورین کو یوں لٹا پٹا صحن کے بیچوں بیچ بیٹھے دیکھ کر وہ بے پناہ گھبرا کر اس کے پاس آئے اور دوزانو بیٹھ کر بولے۔

''کیا ہوا حورین بیٹی! سب خیریت تو ہے نا۔''

پیا

نہ پھول، نہ خوشبو نہ رنگ، نہ جگنو نہ تتلیاں ہیں
ہماری آنکھوں میں ٹوٹے خوابوں کی کرچیاں ہیں
وہ پیارے لمحے تو خواب ٹھہرے خیال ٹھہرے
جو درمیاں ہیں ہمارے وہ باقی تلخیاں ہیں
وہ جان کر بھی فریب کھاتی ہیں چاہتوں کے
عجیب سادہ طبیعتوں کی یہ لڑکیاں ہیں
جو چاند چہرے تھے، چلمنوں میں چھپے ہیں سارے
تمام بستیوں کی سونی سونی سی کھڑکیاں ہیں
شرارتی ہیں جو میری سکھیاں سہیلیاں ہیں
یہ روز و شب ہیں حیات کے یا پہیلیاں ہیں

پروین افضل شاہین...... بہاولنگر

"تم میرے ساتھ ایسا نہیں کرسکتے، احتشام ایسا نہیں کرسکتے۔" وہ ہذیانی ہوکر چلا پڑی اس وقت وہ اپنے آپے میں نہیں تھی

"کیا کیا احتشام نے، حورین مجھے بتاؤ۔" حاکم دین اس کا بازو جھنجھوڑ کر بولے مگر وہ اسی جملے کی گردان کیے جارہی تھی۔

"تم ایسا نہیں کرسکتے...... نہیں کرسکتے۔" معاً حاکم دین کی نگاہ زمین پر پڑے کاغذ پر پڑی انہوں نے اسے لپک کر اٹھایا تھا پھر جو دیکھا اور پڑھا وہ ان کے سر پر آسمان گرا گیا۔

"احتشام بدبخت...... یہ تُو نے کیا کردیا۔" وہ بے پناہ صدمے کی کیفیت میں گھر کر اپنا سر بے اختیار پیٹتے ہوئے بولے پھر بے حد پریشانی سے حورین کو دیکھا۔

"حورین میری بچی ہوش میں آؤ۔" کبریٰ بیگم جو لالہ رخ کو سلانے کے بعد خود بھی غنودگی میں چلی گئی تھیں شور کی آواز پر بے تحاشا گھبرا کر ننگے پاؤں باہر آئیں۔

"ایسا نہیں کرسکتے...... ایسا نہیں کرسکتے تم......" وہ اب باقاعدہ چلا رہی تھی کبریٰ بیگم کو لگا جیسے بہت بڑی قیامت ان کے در پر آ کھڑی ہے۔

"ہوش میں آؤ بیٹا!" حاکم دین روتے ہوئے کہہ جارہے تھے اور پھر یونہی چیختے چیختے حورین ہوش و خرد سے بیگانہ ہوکر حاکم دین کے بازوؤں میں جھول گئی۔

❀.......❀.......❀

اب نیند سے کہو ہم سے صلح کرلے فراز
وہ دور چلا گیا ہے جس کے لیے جاگا کرتے تھے رات بھر

وہ بے خواب و بے نور آنکھوں سے بس چھت کو گھورے جارہی تھی اس پل حورین صدیوں کی بیمار لگ رہی تھی۔ آنکھوں کے گرد سیاہ حلقے، پچکے ہوئے گال اور لاغر جسم لیے یہ وہ حورین تو نہیں تھی جو تتلیوں سے محبت کرتی تھی۔ زندگی سے پیار کرتی تھی حاکم دین اور کبریٰ بیگم دونوں اپنا غم بھلائے حورین کی دلجوئی میں مصروف تھے۔ خاور بھی اکثر اوقات چکر

لگاتا تھا اور اسے زندگی کی جانب واپس آنے کی نصیحت کرتا تھا وہ ایک مخلص انسان کی طرح اس کڑے اور کٹھن وقت میں پوری طرح ان لوگوں کا ساتھ دے رہا تھا اور پھر آہستہ آہستہ زخموں پر کھرنڈ جمنا شروع ہوگئی۔
صحیح کہا کسی نے کہ وقت سب سے بڑا مرہم ہے' گزرتے وقت نے حورین کے زخموں کو کافی حد تک مندمل کر دیا تھا وہ اپنی بیٹی کی خاطر دوبارہ زندگی کی جانب لوٹ آئی تھی اور پہلے سے زیادہ مضبوط اور خود اعتماد ہوگئی تھی۔
لالہ رخ سوا سال کی پیاری سی بچی تھی جو سارا دن اسے گھن چکر بنائے رکھتی تھی' حاکم دین اور کبریٰ بیگم اب خاصے بوڑھے ہوگئے تھے۔ خاور بھی گاہے بگاہے چکر لگا لیتا تھا' ایک دن کبریٰ بیگم اس کی شادی کا تذکرہ لے بیٹھیں۔
''بیٹا اب تم بھی شادی کرلو نا' تمہارے باپ کو تمہاری شادی کا کتنا ارمان تھا مگر تم نے تو جیسے شادی نہ کرنے کی قسم کھالی ہے۔'' خاور کے والد حیات اقبال پچھلے سال اچانک دل کا دورہ پڑ جانے سے انتقال کر چکے تھے اب خاور ہی تمام تر سیاہ سفید کا مالک تھا اپنے باپ کا بزنس وہ ان سے زیادہ خوبی کے ساتھ چلا رہا تھا۔
''آنٹی شادی تو میں کرلوں مگر مجھے میری پسند کی لڑکی تو مل جائے۔'' وہ لالہ رخ کے ساتھ کھیلتے ہوئے ہنس کر بولا۔ لالہ رخ اس کے ساتھ بہت مانوس ہوگئی تھی وہ جب بھی آتا لالہ رخ کے لیے کبھی چاکلیٹس تو کبھی کوئی کھلونا وغیرہ لے کر آتا تھا۔ حورین اور کبریٰ بیگم اسے منع بھی کرتے مگر وہ باز کہاں آتا تھا۔ احتشام کو یہاں سے گئے تقریباً تین سال ہوچکے تھے اور ان تین سالوں میں صرف تین بار اس کا فون آیا تھا۔ حورین کو طلاق بھیجنے کے تقریباً سات ماہ بعد اس کا آخری فون آیا تھا جو ماں باپ کے سرزنش کرنے پر اس نے انتہائی تلملا کر کاٹ دیا تھا وہ اپنے کسی بھی عمل پر نادم نہیں تھا حاکم دین اور کبریٰ بیگم نے بھی جیسے اسے بھلا دیا تھا۔

❀.........❀.........❀

وقت کچھ اور سرکا تو حاکم دین کو ان سب سے جدا کر گیا ایک ماہ کی مختصر علالت کے بعد وہ اپنے خالق حقیقی سے جا ملے۔ کبریٰ بیگم اور حورین بالکل تنہا رہ گئے البتہ خاور نے ان لوگوں کا بھرپور ساتھ دیا پھر ایک دن کبریٰ بیگم کے دل میں نجانے کیا آسمائی انہوں نے خود ہی حورین اور خاور کے رشتے کی بات خاور سے کر ڈالی انہیں بھی اپنی زندگی کا کوئی بھروسہ نہیں تھا اگر کسی بھی لمحے قضاء الٰہی آجاتی تو جوان جہان حورین اور تین سالہ لالہ رخ کا کیا بنتا خاور ان کا مدعا جان کر لحظہ بھر کو خاموش ہوگیا پھر چند لمحے بعد اس نے سعادت مندی سے سر جھکا دیا کبریٰ بیگم کو تو ہفت اقلیم مل گئے۔
''جیتے رہو خاور بیٹا! تم نے میرا بہت بڑا بوجھ اتنی آسانی سے ہلکا کر دیا' اللہ تمہیں خوش رکھے۔'' جب انہوں نے اس بابت حورین سے بات کی تو پہلی بار اس نے ان کی بات پر صاف انکار کر دیا۔ کبریٰ بیگم کا دل اس کے جواب پر بجھ گیا مگر پھر انہوں نے کوئی زور زبردستی نہیں کی جبکہ حورین کو کبریٰ بیگم کی التجاؤں بھری نگاہیں ہمہ وقت اپنے وجود میں محسوس ہوتی تھیں بالآخر حالات کے آگے گھٹنے ٹیک کر اس نے خاور کے حق میں فیصلہ دے دیا اور پھر وہ جو پہلے حورین ہاشم تھی پھر حورین احتشام بنی اب وہ حورین خاور بنا دی گئی وہ رخصت ہوکر لالہ رخ کے سنگ خاور کی پُرشکوہ کوٹھی میں آگئی۔
حورین کو حاصل کرکے خاور کی خوشیوں کا کوئی ٹھکانہ ہی نہیں تھا آج اس نے اپنی زندگی کی سب سے قیمتی چیز کو حاصل کرلیا تھا وہ اپنی جیت پر نازاں حورین کے ملکوتی حسن کو خراج پیش کر رہا تھا جب کہ حورین سوچ رہی تھی کہ زندگی اس سے مزید اور کتنے امتحان لے گی۔
خاور کے شادی سے پہلے کے دعوے کہ وہ لالہ رخ کو حقیقی باپ جیسا پیار دے گا وہ دھرے کے دھرے رہ گئے۔ اس نے انتہائی رعونت سے لالہ رخ کے وجود کو ماننے سے انکار کر دیا' حورین ہک دک سی خاور کو دیکھے گئی اس نے خاور کی بہت منت سماجت کی کہ وہ لالہ رخ کا معصوم وجود قبول کرلے اور نہیں تو کم از کم اتنی بڑی کوٹھی کا ایک کونا ہی اسے رہنے کے لیے

دے دے مگر خاور پر حورین کی التجاؤں اور سسکیوں کا کوئی اثر نہیں ہوا اس نے انتہائی نفرت سے کہا تھا کہ میں احتشام کی اولاد کو اپنی آنکھوں کے سامنے نہیں دیکھ سکتا۔ وہی خاور جو شادی سے پہلے لالہ رخ پر جان چھڑکتا تھا آج وہی لالہ رخ کے وجود سے اس قدر بے زاری و کدورت کا اظہار کررہا تھا حورین خاور کے اس دوغلے روپ کو بس دیکھتی رہ گئی وہ سوچ سوچ کر ہلکان ہوئے جارہی تھی کہ لالہ رخ کے معصوم وجود کو وہ کس کے حوالے کرے جبکہ کبریٰ بیگم بھی حورین کی طرف سے مطمئن ہوکر دوسرے جہان سدھار گئی تھیں۔

ان دنوں وہ تخلیق کے مراحل سے بھی گزر رہی تھی خاور کا رویہ لالہ رخ کے ساتھ انتہائی رعونت آمیز اور دل شکن ہوگیا تھا اس کی ذرا سی غلطی پر زوردار تھپڑ رسید کردیتا تھا۔ حورین کے لیے یہ سب دیکھنا برداشت سے باہر ہوئے جارہا تھا۔ فیروزہ بی بی جو اس گھر کی پرانی ملازمہ تھیں وہ حورین کی دلجوئی کرتیں ایک دن انہوں نے حورین کی پریشانی دیکھ کر کہا کہ اگر لالہ رخ کے لیے کوئی جائے پناہ نہیں ہے تو وہ اسے اس کی بیٹی کو سونپ دیں جو بے چاری بے اولاد ہے جسے بچے کی بہت شدت سے آرزو ہے حورین کو تو جیسے ڈوبتے کو تنکے کا سہارا مل گیا...... کیونکہ خاور لالہ رخ کو یتیم خانے بھجوانے کا ارادہ کیے بیٹھا تھا وہ فوراً لالہ رخ کو فیروزہ بی بی کی بیٹی کے حوالے کردیتی ہے جو اسے خوشی خوشی اپنے ہمراہ مری لے جاتی ہے اور یوں ایک دور کا اختتام ہوگیا۔

❁.......❁.......❁

جب روح کسی بوجھ سے تھک جاتی ہے
احساس کی لو اور بھڑک جاتی ہے
میں بڑھتا ہوں زندگی کی جانب لیکن
زنجیر سی پاؤں میں چھنک جاتی ہے

وہ بیش قیمت قد آور آئینہ کے سامنے اپنے بال بنارہی تھی آئینہ میں ابھرتا عکس اس کے سحر انگیز حسن اور رعنائی و دلکشی لیے اس کے متناسب پرکشش سراپے کی گواہی دے رہا تھا۔ اپنے بالوں کو نزاکت سے سمیٹ کر اس نے جوڑے کی شکل دی تو چمکدار بے داغ گوری صراحی دار گردن اور بھی زیادہ نمایاں ہوگئی وہ اب مکمل طور پر تیار تھی اس نے اپنی تیاری پر ایک تنقیدی نگاہ ڈالی پھر سب چیزوں سے مطمئن ہوکر ڈریسنگ ٹیبل پر دھری ڈھیروں امپوٹڈ اور قیمتی پرفیومز میں سے ایک بوتل اٹھا کر سہولت سے خود پر چھڑکاؤ کیا۔ اگلے ہی پل اس کا وجود گلاب کے پھول کی مانند مہکنے لگا آف وائٹ قیمتی ساڑھی جس پر ڈارک پرپل کلر کے بارڈر پر انتہائی نازک و نفیس کام کیا گیا تھا اس کے حسن کو چار چاند لگا رہی تھی۔

بائیس سال کا طویل عرصہ گویا جیسے بنا اسے چھوئے گزر گیا تھا اس کی دلکشی و رعنائی بائیس سال پہلے جیسی تھی اور کیوں نہ ہوتی خاور نے اس کی خوب صورتی کا خیال خود اس سے بھی زیادہ رکھا تھا۔ وہ ڈریسنگ چیئر سے اٹھنے کا ارادہ کرہی رہی تھی جب ہی خاور نے عقب سے آکر انتہائی دیدہ زیب اور نگاہوں کو خیرہ کرتا نیکلس حورین کے گلے کی زینت بنادیا' اس نے مسکراتی نگاہوں سے مڑ کر دیکھا تھا۔

(ان شاء اللہ باقی آئندہ ماہ)

سال رواں کا آخری سورج دھیرے دھیرے اپنی آخری منزل کی جانب بڑھ رہا تھا‘ ٹھنڈی اور زرد ڈھلتی ہوئی دھوپ مضمحل اور اداس سی لگ رہی تھی جیسے گزشتہ سال کو الوداع کہتے کہتے دھیرے دھیرے شام کی طرف بڑھتی اداس ماحول میں عجیب سی سوگواری پھیلا رہی تھی۔ آخری سورج بھی واسعہ کی طرح اداس اور پژمردہ نظر آرہا تھا۔ ماحول کی ساری اداسی واسعہ کے رگ و پے میں اتر آئی تھی۔ اداسی حد سے بڑھی تو وہ اٹھ کر صحن میں آگئی‘ دیواروں پر آخری سانسیں لیتی دھوپ پر نظریں جمائے صحن میں پڑی کرسی پر بیٹھ کر لمبی سانس لی اور کرسی کی پشت سے سر ٹکا کر آنکھیں موند لیں۔ اندر اروی اور شگفتہ بیگم رات کے کھانے کی تیاری میں مصروف تھے۔

دسمبر کی شام آخر ذرا سا دھیرے دھیرے چل
ابھی جو ساتھ ہیں لمحے انہیں پھر کھو ہی جانا ہے
یہ منظر‘ یہ سماں‘ یہ لمحے آنکھ میں بھرلوں
ذرا سی دیر میں منظر کو محو پھر ہو ہی جانا ہے
بہت اداس بے رنگ سا تغیر آسماں میں ہے
اداس اس رات کو آنگن میں میرے سو ہی جانا ہے
ذرا سا ٹھہر جا اے دسمبر! شاید وہ لوٹ آئے
وگرنہ سال اگلا بھی اس کی یادوں کا منانا ہے
دسمبر کا آخری سورج میرے آنگن میں اترا ہے
یہ ٹھنڈی دھوپ کو نظروں سے اوجھل ہو ہی جانا ہے
ابھی سورج میں باقی ہے ذرا سی بے جان سی زردی
ذرا سی دیر میں اس کو اندھیرا ہو ہی جانا ہے
ڈھلے گا دن رات پھر دھیرے سے آئے گی
تُو چل اے وقت‘ خاک ہم کو ہو ہی جانا ہے

”امی یار! مجھ سے یہ پابندیاں برداشت نہیں ہوتیں۔“ واسعہ نے ایک جھٹکے سے بال پیچھے کرتے ہوئے جھلا کر کہا۔

”پاگل ہوئی ہو کیا؟ اس میں پابندیوں والی کیا بات ہے؟ پچھلی بار بھی تم نے ایسی حرکتیں کی تھیں کہ لڑکے والوں نے یہ کہہ کر منع کردیا کہ لڑکی تو بظاہر اچھی ہے لیکن بہت بولڈ اور کچھ بدتمیز ہے حالانکہ ارمغان کی فیملی اور بذات خود ارمغان اچھا لڑکا تھا مجھے تو بے حد افسوس ہوا تھا کہ تمہارے رویے کی وجہ سے اتنا اچھا رشتہ ہاتھ سے نکل گیا۔

”اچھے رشتے قسمت سے آتے ہیں یہ بات تمہاری سمجھ میں کب آئے گی۔ رشیدہ آپا کی تینوں بیٹیاں ایک سے بڑھ کر ایک سگھڑ ہے مگر ابھی تک کوئی رشتہ نہیں آیا یہ تو اللہ کی طرف سے ہے کہ تمہارے اتنے رشتے آتے ہیں اور تم اپنے غلط ایٹی ٹیوڈ سے بات بگاڑ لیتی ہو لیکن اب‘ میں تمہیں بالکل بھی مان مانی نہیں کرنے دوں گی۔ اب وہی ہوگا جیسا میں چاہوں گی‘ وہی بات کرو گی جو میں بلوں گی‘ وہی کپڑے پہنو گی جو میں سلیکٹ کروں گی آئی سمجھ؟“ شگفتہ بیگم کا لہجہ خاصا غصیلا تھا۔ واسعہ چیونگم چباتے ہوئے انہیں دیکھ کر زیر لب مسکرارہی تھی اس کی مسکراہٹ نے جلتی پر تیل کا کام کیا اور شگفتہ بیگم مزید سیخ پا ہو کر چلائیں۔

”واسعہ تمہارا دماغ خراب ہوگیا ہے کیا؟ تمہیں کیا لگتا ہے کہ میں مذاق کررہی ہوں؟ میری بات کو تم ہنسی میں اڑا کر کیا ثابت کرنا چاہتی ہو؟“ شگفتہ بیگم کا موڈ بگڑتا دیکھ کر واسعہ سٹپٹا گئی۔

”سوری امی جی! غصہ نہ کریں آپ جیسا کہیں گی میں ویسا ہی کروں گی۔“ واسعہ نے معصومیت سے آنکھیں پٹ پٹائیں۔ شگفتہ بیگم کے چہرے پر بدستور غصہ موجود تھا۔

’’اچھا ناں‘ امی پلیز! اب نہیں کروں گی ناں۔‘‘ دونوں کان پکڑ کر شگفتہ بیگم کے سامنے جھک کر کہا تو شگفتہ بیگم کو ہنسی آ گئی۔

’’واسعہ تم کیوں نہیں سمجھتیں؟ اب یہ بچپنا چھوڑو اور کچھ عقل کے ناخن لو۔ تم بچی نہیں ہو بڑی ہو گئی ہو اب تمہارے ساتھ ساتھ مجھے سروش کے لیے بھی لڑکی دیکھنی ہے تاکہ دونوں فرائض سے سبکدوش ہو جاؤں اور سکون کی سانس لوں۔‘‘

’’اوکے امی جی۔‘‘ واسعہ نے آگے بڑھ کر شگفتہ بیگم کے گلے میں بانہیں ڈال دیں اور شگفتہ بیگم نے اس کا ماتھا چوم لیا۔ ان کی آنکھیں نم ہو گئیں۔

عبدالرحمٰن صاحب ایک کمپنی میں اچھے عہدے پر فائز تھے ایک بیٹا سروش اور بیٹی واسعہ تھے۔ سروش نے تعلیم مکمل کر کے جاب کر لی تھی جب کہ واسعہ ابھی پڑھ رہی تھی اور گریجویشن فائنل میں تھی۔ واسعہ گھر بھر کی لاڈلی تھی‘ چھوٹی ہونے کی وجہ سے سب ہی اس کے ناز نخرے اٹھاتے خاص طور پر سروش اسے بہت پیار کرتا بچپن سے ہی سروش نے واسعہ کو اپنے جیسا بنایا وہ لڑکوں کے کپڑے پہنتی‘ لڑکوں والے کھیل کھیلتی‘ لڑنا جھگڑنا سب کچھ لڑکوں جیسا کرتی بس اس کے لمبے سیاہ بال تھے جو اس نے کبھی بھی کاٹے نہیں تھے۔ حد درجہ پیار اور لاڈ سے واسعہ لاابالی ہو گئی تھی جب تک وہ چھوٹی تھی سب کچھ اچھا لگتا مگر اب جب کہ واسعہ بڑی ہو گئی تھی تو اس پر یہ حرکتیں اور لاابالی پن بالکل اچھا نہیں لگتا تھا۔

شگفتہ بیگم اس پر بہت غصہ کرتیں‘ وہ چاہتیں کہ واسعہ اب اور دیگر گھریلو امور میں طاق ہو جائے۔ صورت شکل کی وہ اچھی تھی‘ شادی کے لیے شگفتہ بیگم رشتے دیکھ رہی تھیں اور وہ سیریس ہونے کا نام ہی نہیں لیتی کیوں کہ اس کو عبدالرحمٰن صاحب کی مکمل سپورٹ جو تھی۔ شگفتہ بیگم اسے زبردستی گھسیٹ کر کچن میں لے جاتیں پھر چاہے وہ لاکھ احتجاج کرتی شگفتہ بیگم اس کی ایک بات نہیں مانتیں۔ اس روز بھی شگفتہ بیگم سالن کے لیے زبردستی واسعہ سے پیاز کٹوا رہی تھیں‘ پاس ہی عبدالرحمٰن بیٹھے اخبار پڑھ رہے تھے۔ پیاز کاٹنے کے نام سے ہی واسعہ کی جان نکلتی تھی۔

’’ابو جی!‘‘ پیاز کاٹتے کاٹتے واسعہ نے آہستگی سے عبدالرحمٰن صاحب کو پکارا۔

’’جی۔‘‘ انہوں نے آواز پر نظریں اٹھا کر دیکھا تو یہ دیکھ کر تڑپ گئے کہ واسعہ کی آنکھوں سے بے تحاشا آنسو بہہ رہے تھے۔

’’ارے کیا ہوا بیٹی؟ امی نے کچھ کہا‘ کیوں رو رہی ہو تم؟‘‘ انہوں نے گھبرا کر ایک ہی سانس میں کئی سوال کر ڈالے۔

’’افوہ! کچھ بھی نہیں ہوا ہے آپ کی لاڈلی پر کوئی ظلم نہیں کیا‘ پیاز کاٹنے کو دی ہے میں نے۔‘‘ اسی وقت شگفتہ بیگم بھی آ گئی تھیں۔

’’محترمہ سے پیاز بھی نہیں کٹ پا رہی ہے۔‘‘ انہوں نے پیاز اور کٹنگ بورڈ کی طرف دیکھتے ہوئے کہا۔

’’تو مت کٹواؤ ناں‘ دیکھو نا کیا حال ہو گیا ہے اس کا۔‘‘ عبدالرحمٰن نے منہ بنا کر کہا۔

’’آپ اس معاملے میں نہ بولیں تو بہتر ہے میں کوئی ظلم نہیں کر رہی‘ آپ کی لاڈلی پر اور یہ کوئی نئی اور انہونی بات نہیں‘ سب کے آنسو آتے ہیں پیاز کاٹنے سے سب کی آنکھیں جلتی ہیں۔ ہر لڑکی کو یہ سب کرنا پڑتا ہے ساری زندگی کھانے پکانے اور گرہستی میں گزارنے کے لیے یہ سب کرنا پڑتا ہے اور میں نہیں چاہتی کہ کل کو اس کے سسرال والے اسے سو باتیں سنائیں اور ساتھ ساتھ مجھے بھی کوسنے ملیں کہ بیٹی کو کچھ سکھایا بھی نہیں۔‘‘ شگفتہ بیگم نے ٹھہرے لہجے میں وضاحت دی۔

’’ارے یار سیکھ لے گی‘ ساری زندگی پڑی ہے۔‘‘ عبدالرحمٰن بدستور اس کے حق میں بول رہے تھے۔

’’عبدالرحمٰن آپ اس معاملے میں بالکل نہیں بولیں گے میں اس کی دشمن نہیں ہوں۔‘‘ شگفتہ بیگم نے سخت لہجے میں کہا تو عبدالرحمٰن چپ چاپ کمرے سے نکل گئے اور واسعہ منہ بنا کر جلدی جلدی پیاز کاٹنے لگی۔ شگفتہ بیگم کو

اس کو دیکھ کر ہنسی آ گئی اسی طرح روتے دھوتے' احتجاج کرتے شگفتہ بیگ نے والعہ کو کھانا بنانا سکھا دیا تھا۔ ساتھ ساتھ دیگر گھریلو کاموں میں بھی لگائے رکھتیں۔اس کے ساتھ ساتھ اس کا فائنل ایئر بھی تھا گریجویشن کے بعد سروش کی اور والعہ کی ساتھ ساتھ شادی کرنے کا پروگرام بھی بنالیا تھا۔

شگفتہ بیگم کی دور پرے کی رشتہ دار خاتون رشتے لگاتی تھیں' شگفتہ بیگم نے ان سے کہہ رکھا تھا کہ سروش کے لیے اچھی لڑکی اور والعہ کے لیے کوئی اچھا رشتہ دیکھو اور وہ خاتون زاہدہ نے اطمینان بھی دلایا تھا کہ ان کے پاس اچھی اچھی فیملیز کے رشتے موجود ہیں۔

والعہ تھکی ہاری کالج سے لوٹی فریش ہو کر کھانا کھانے بیٹھی تو شگفتہ بیگم نے کہا کہ شام کو کچھ خواتین اسے دیکھنے کے لیے آ رہی ہیں۔

''افوہ امی! یہ دنیا کا سب سے مشکل ترین کام کرنے کو کہہ رہی ہیں' آپ بھلا یوں کسی کے سامنے خودنمائی کرنا اچھا لگتا ہے کیا؟'' اس کو سن کر حیرت کا جھٹکا لگا تھا۔اس کے اندازے کے مطابق اس کے لیے کسی رشتے دار یا جاننے والوں کے ہاں سے رشتہ آ جائے گا اور اسے سر پر دوپٹہ اوڑھ کر چائے کی ٹرے لے کر مہمانوں کے سامنے سر جھکا کر جانا پڑے گا۔

''ایسا ازل سے ہوتا آ رہا ہے اگر تم کرو گی تو کوئی نئی اور انوکھی بات نہیں ہوگی اس لیے تم شام کو جلدی اٹھ جانا اور فریش ہو جانا۔'' شگفتہ بیگم نے حتمی انداز میں کہہ کر بات ختم کردی اور والعہ منہ بنا کر رہ گئی اس کی روٹین تھی کہ کالج سے آ کر کھانا کھانے کے بعد سو جاتی تھی۔ پانچ بجے سو کر اٹھتی تو اس وقت شگفتہ بیگم عصر کی نماز پڑھ رہی ہوتی تھیں وہ بھی نماز پڑھتی' چائے تیار کرتی دونوں ماں بیٹی چائے پیتے پھر سروش اور عبدالرحمٰن بھی مغرب کی نماز کے بعد آ جاتے۔سب مل بیٹھتے' گھریلو امور پر ڈسکس ہوتی' ٹی وی دیکھتے پھر عشاء کی نماز کے بعد کھانا کھا کر سب لوگ اپنے اپنے کمروں میں چلے جاتے۔ والعہ تھوڑی بہت پڑھائی کرتی' نیند نہیں آتی تو ٹی وی دیکھ لیتی اور پھر صبح کالج کی تیاری کر کے وہ سو جاتی۔

کھانا کھا کر والعہ نے برتن سمیٹ کر کچن میں رکھے اور سونے کے لیے اپنے کمرے میں آ گئی۔ کمرے میں آ کر بھی والعہ کو نیند نہیں آئی کیونکہ شام کی ٹینشن سوار تھی۔ ڈھنگ سے سو نہ پائی اور کچھ دیر یونہی لیٹ کر اٹھ گئی شام کو چار بجے جب شگفتہ بیگم اس کو اٹھانے کے لیے کمرے میں آئیں تو حیرت زدہ رہ گئیں کیوں کہ خلاف توقع وہ جاگ رہی تھی۔

''ارے واہ تم جاگ گئیں؟'' انہوں نے حیرت سے پوچھا۔

''سوئی کہاں امی! آپ نے سونے کب دیا؟'' والعہ نے جمائی لیتے ہوئے منہ بنا کر کہا۔

''اچھا اچھا ڈرامے بازی بند کرو' جلدی سے فریش ہو کر تیار ہو جاؤ۔ زاہدہ نے کہا ہے کہ وہ لوگ پانچ بجے تک آ جائیں گے۔'' شگفتہ بیگم نے اس کی بات کو اگنور کرتے ہوئے کہا۔

''فریش ہو کر جلدی سے آ جاؤ میں جب تک کچن دیکھ لوں۔'' کہہ کر شگفتہ بیگم کمرے سے نکل گئیں اور والعہ کسلمندی سے سر ہلا کر رہ گئی۔ تیار ہو کر اس نے اپنا جائزہ لیا چھوٹی سی کرتی پر بلیک جینز اور چھوٹا سا دوپٹہ اور ھے لمبے گیلے بالوں کو کھلا چھوڑ کر وہ کافی اچھی لگ رہی تھی۔ مقررہ وقت پر خواتین آ گئیں' شگفتہ بیگم کے بلانے سے پہلے ہی وہ خود سے ڈرائنگ روم میں چلی آئی۔

''السلام علیکم!'' بے تکلفی سے سلام کرتے ہوئے اچانک اس کی نظر ایک معمر خاتون ایک جوان عورت اور اس کے ساتھ بیٹھے چھوٹے سے بچے پر پڑی تین سالہ خوب صورت سا بچہ صحن میں نظر آتی گیند کو دلچسپی سے دیکھ رہا تھا۔ والعہ نے بچے کو غور سے دیکھا۔

''ادھر آؤ کیوٹو! آؤ ہم بال کھیلتے ہیں۔'' بچے کی توجہ گیند کی طرف دیکھ کر اس نے آگے بڑھ کر بچے کا ہاتھ پکڑا اور اس کو لے کر صحن میں آ گئی اور بچے کے ساتھ کھیلنے لگی'

بچہ بھی خوش ہوگیا اور وہ بھی ادھر اُدھر بھاگ کر گیند سے کھیلنے لگی۔ آنے والی دونوں خواتین آنکھیں پھاڑے اسے حیرت سے دیکھ رہی تھیں بھلا کوئی لڑکی جس کے رشتے کے لیے لوگ آئے ہوئے ہوں وہ ایسی حرکتیں کرتی ہے کیا؟

مارے شرمندگی کے شگفتہ بیگم کا برا حال تھا' وہ زمین میں گڑی جارہی تھیں وہ اشارے سے واسعہ کو روکنے کی ناکام کوشش کررہی تھیں مگر واسعہ مگن تھی۔ اس نے تو ان لوگوں کو نہ ٹھیک سے خود کو دیکھنے دیا تھا اور نہ وہ لوگ اس سے کوئی بات' کوئی سوال کرپائے تھے۔

''واسعہ بیٹی! ٹھنڈا لے آؤ۔'' شگفتہ بیگم نے بالآخر دانت پیستے ہوئے آنکھیں نکال کر آواز لگائی تو وہ ''اوکے امی'' کہہ کر گیند پھینک کر کچن کی جانب چلی گئی۔

''وہ دراصل گھر میں چھوٹی ہے ناں تو لاڈ پیار کی وجہ سے بچپنا مگر الحمدللہ کام کاج میں ماہر ہے۔'' شگفتہ بیگم نے شرمندہ ہوتے ہوئے کھسیانی ہنسی ہنستے ان خواتین کو مخاطب کیا جو لڑکے کی والدہ اور بھاوج تھے اور جن کے چہروں پر کوئی مثبت اثرات نہ تھے حالانکہ پہلی نظر میں واسعہ ان لوگوں کو بہت پیاری لگی تھی مگر اس کی بچکانہ حرکتوں کو دیکھ کر دونوں کے چہروں پر بے زاری کے آثار نمایاں ہوچکے تھے اور وہی ہوا جس کا ڈر شگفتہ بیگم کو تھا کیوں کہ زاہدہ نے جاتے جاتے نفی میں سر ہلا دیا تھا اور مہمانوں کے جاتے ہی شگفتہ بیگم واسعہ پر برس پڑیں۔

''واسعہ یہ کیا حرکتیں کررہی تھیں تم؟ کوئی ایسے کرتا ہے کیا وہ بھی ان لوگوں کے سامنے جو رشتے کے لیے آئے ہوں۔''

''ارے امی مجھے کیا پتا تھا اور پھر وہ بچہ بے چارہ کتنی للچائی ہوئی نظروں سے گیند کو دیکھ رہا تھا اتنا کیوٹ سا بچہ تھا مجھ سے نہ رہا گیا اور بھئی مجھے نہیں آتا یہ سب کچھ کرنا۔'' اس نے جھنجھلا کر کہا۔

''کیا مطلب کہ نہیں آتا؟ لڑکیوں کو یہی سب کرنا پڑتا ہے۔ رشتے آسمان سے نہیں ٹپکتے اسی طرح طے ہوتے ہیں' انہی مراحل سے گزرنا پڑتا ہے تب کہیں جاکر رشتے طے ہوتے ہیں آئی سمجھ؟ پتا ہے لڑکے کی ماں نے کہا مجھے گھر چلانے کے لیے بہو چاہیے یوں اچھل کود کرنے کے لیے تو بچے ہیں گھر میں۔'' عبدالرحمٰن نے سنا تو بے ساختہ ان کے چہرے پر ہنسی آگئی سروش بھی ہنسنے لگا۔

''تم دونوں باپ بیٹا مل کر اسے مزید شہہ دو بجائے یہ کہ اس کو سمجھاؤ تم لوگ ہنس ہنس کر اسے مزید بڑھاوا دیتے ہو۔'' شگفتہ بیگم کو سچ مچ غصہ آگیا۔

''ارے ارے بیگم دھیرج رکھو' ہم مذاق نہیں اڑا رہے ہیں۔ تم فکر مت کرو میں سمجھاؤں گا واسعہ کو آئندہ وہ ایسا کچھ نہیں کرے گی۔'' عبدالرحمٰن صاحب نے بیگم کا بگڑتا موڈ دیکھ کر جلدی سے مصالحت آمیز لہجے میں کہا شگفتہ بیگم منہ بنا کر وہاں سے اٹھ گئیں۔

کچھ دن گزرے تو زاہدہ نے سروش کے لیے لڑکی دکھائی اروی...... خوب صورت' سیدھی سادی اور اچھی لگی۔ گھر کا ماحول بھی اچھا دین دار تھا اور فیملی بھی پڑھی لکھی اور سوبر بھی۔ ضروری معلومات کے بعد سروش اور اروی کا رشتہ طے کردیا گیا۔ اب شگفتہ بیگم چاہ رہی تھیں کہ واسعہ کے لیے بھی مناسب رشتہ مل جائے تو دونوں بہن بھائی کی شادی ساتھ ہی کردیں تاکہ واسعہ جائے تو اروی بہو بن کر گھر میں آجائے اس طرح شگفتہ بیگم کو تنہائی کا احساس بھی نہیں ہوگا۔ اس عرصے میں واسعہ نے بی ایس سی فائنل کے پیپرز بھی دے دیئے تھے۔ ایک بار پھر زاہدہ نے رشتے کے حوالے سے بات کی تھی کہ وہ کسی کو لے کر آرہی ہیں اور اس بار تو شگفتہ بیگم کیل کانٹوں سے لیس ہوکر بیٹھی تھیں' انہوں نے خود ہی اپنی پسند سے واسعہ کے لیے کپڑے پسند کیے تھے اور ساتھ ساتھ ہدایات کا سلسلہ بھی جاری تھا۔ واسعہ مسکین شکل بنائے عبدالرحمٰن کو دیکھتی تو وہ کاندھے اچکا کر اس معاملے سے خود کو بری الذمہ قرار دیتے تب واسعہ کو شگفتہ بیگم کی ہدایات کے آگے ہتھیار ڈالنا ہی پڑے۔

شام کو وہ تیار ہوئی پنک اور بلو کومبینشن ڈیزائنر سوٹ میں سلیقے سے دوپٹے کو شانوں پر پھیلا کر لمبے سیاہ بالوں کو کیچر میں جکڑے ہلکے میک اپ میں شگفتہ بیگم کی ہدایات پر مکمل عمل پیرا ہو کر وہ خاصی اچھی لگ رہی تھی۔لڑکے کی والدہ بھی آئی تھیں ان کو معصوم صورت اور خوب صورت سی واسعہ بہت اچھی لگی۔ ضامر ایک پرائیوٹ کمپنی میں معقول جاب کرتا تھا' صفورا بیگم نے جاتے جاتے اپنی پسندیدگی کا اظہار کرتے ہوئے شگفتہ بیگم کو اپنے گھر آنے کی دعوت دے ڈالی۔ ضامر کی جاب اچھی تھی وہ دیکھنے میں اسمارٹ اور جاذب نظر تھا اچھے علاقے میں رہائش تھی۔اکلوتا تھا صفورا بیگم بیوہ خاتون تھیں' ضامر چھوٹا سا تھا جب اس کے والد کا انتقال ہوگیا تھا۔ صفورا بیگم نے اسکول میں جاب کر کے اس کی پرورش کی شوہر کو ملنے والے انشورنس کے پیسوں کو سلیقے سے استعمال کرتے ہوئے اچھی طرح سے ضامر کی پرورش کی تھی۔ ضروری فارملیٹیز پوری کر کے واسعہ اور ضامر کا رشتہ طے کر دیا گیا اور پھر جلد ہی شادی کی ڈیٹ رکھ دی گئی واسعہ کی شادی سے دو دن پہلے سروش کی بارات تھی اور سروش کے ولیمے والے دن واسعہ کی رخصتی رکھی گئی تھی۔

واسعہ نے ضامر کو دیکھا تھا اسے اسمارٹ سا سوبر نوجوان اچھا لگا تھا ایسا کہ جس کو پا کر کوئی بھی لڑکی ناز کر سکتی تھی۔ واسعہ جو کھلنڈری فطرت کی لڑکی تھی اچانک سے کسی کے ہوجانے کے احساس سے اس کے اندر خوب صورت احساسات کروٹ لینے لگے تھے۔خوب صورت بندہ' اچھا گھر اور خوش حال زندگی ہر لڑکی کی خواہش ہوتی ہے اور آج کل واسعہ بہت خوش تھی۔ خوش ہونے کے ساتھ ساتھ مطمئن بھی تھی اور اب اس کو شگفتہ بیگم کی باتیں' ڈانٹ یا نصیحتیں بری نہیں لگتی تھیں کیوں کہ وہ خود چاہتی تھی کہ شادی سے پہلے وہ ہر کام میں پرفیکٹ ہوجائے کوئی کمی' کوئی جھول نہ رہے کیوں کہ جا کر اس کو ہی گھر سنبھالنا تھا۔

ضامر کی والدہ بے چاری کب تک گھر سنبھالتیں' اس نے سوچ لیا تھا کہ وہ ان کو آرام دے گی' ان کا خیال رکھے گی' ان کو کسی قسم کی شکایت کا موقع نہیں دے گی۔ عبد الرحمن صاحب اور شگفتہ بیگم دل کے ارمان نکال رہے تھے شادی کی تیاریاں زور و شور سے جاری تھیں کیوں کہ دو ہی تو بچے تھے ساری خواہشیں پوری ہوئی تھیں۔ ایک طرف واسعہ کو نئی زندگی کی شروعات کی خوشی تھی تو دوسری جانب گھر چھوڑنے کا بے حد افسوس بھی تھا۔ کتنی عجیب بات ہے ناں یہ کہ ہم جس گھر میں آنکھ کھولتے ہیں پہلا لفظ بولنا سیکھتے ہیں' ماں کا ہاتھ تھام کر پہلا قدم اٹھاتے ہیں۔ بابا کے کاندھے پر جھول کر پہلی فرمائش کرتے ہیں' بھیا کے ساتھ پہلی بار لڑائی کرتے ہیں' بہنوں کے ساتھ پہلی پرابلم شیئر کرتے ہیں۔ دھیرے دھیرے یہ پہلی پہلی باتیں ڈھیروں باتوں میں تبدیل ہوتی جاتی ہیں۔ سالوں یونہی گزارتے گزارتے اچانک ہمیں اس بات کا احساس ہوتا ہے کہ یہ سب تو عارضی ٹھکانہ تھا۔ ہم تو یہاں مہمان تھے اور ہمیں یہ سب چھوڑ کر نئے رشتے بنانے ہیں' نئے گھر کو سجانا ہے' سنوارنا ہے اور خود کو مکمل طور پر اسی ماحول میں ڈھالنا ہے اب زندگی بھر ہمیں وہیں رہنا ہے اور یوں ہی واسعہ کو عجیب و غریب سے خیالات بھی آرہے تھے کہ وہ کیسے اور کس طرح نئے گھر اور نئے ماحول میں ضامر اور اس کی والدہ کی مرضی اور منشاء کے مطابق ایڈجسٹ کرے گی۔

سسرال جا کر ہر لڑکی کو اپنی خواہشات اور اپنی مرضی کو پس پشت ڈال کر' اپنی ضروریات اور اپنے رواجوں کو خیر باد کہہ کر صرف اور صرف سسرال والوں کی باتوں کا پاس رکھنا ہوتا ہے اسی طرح سے وہ اپنی ماں کی دی گئی صحیح تربیت کا بھرم رکھ کر سسرال میں اپنا اچھا اور اونچا مقام بہت جلد بنا لیتی ہے اور واسعہ کی پوری پوری کوشش تھی کہ وہ کسی طور پر اور کسی بھی صورت میکے کا مان اور والدین کی تربیت کو کبھی بھی منفی خیالات کا نشانہ نہیں بننے دے گی اور وہ دل میں ڈھیروں وسوسے' خدشے' پیار محبت اور خوب صورت سے احساسات لیے میکے کی دہلیز چھوڑ کر سسرال کے آنگن میں آگئی اس کی شادی سے دو دن پہلے سروش اور اروی کی شادی ہوگئی تھی اور اروی بھابی بن کر آچکی تھی۔

ضامر کے کچھ زیادہ رشتہ دار وغیرہ تو تھے نہیں چند ایک تھے ضروری رسومات سے فارغ ہو کر اس کو کمرے میں پہنچا دیا گیا تھا۔ بیڈ پر ٹیک لگا کر بیٹھ کر واسعہ نے لمبی سانس لے کر کمرے کا جائزہ لیا۔ اچھا خاصا بڑا بیڈ روم تھا جس میں اس کے جہیز کی اشیا سلیقے سے سیٹ کی گئی تھیں سامنے لگے بڑے سے آئینہ میں واسعہ نے خود کو دیکھا ریڈ اور گرین کومبینیشن کے بھاری کام کے شرارے ہیوی جیولری اور خوب صورت میک اپ میں وہ بہت پیاری لگ رہی تھی۔ اپنا آپ دیکھ کر اسے شرم آ گئی یہ سب کچھ سجنا سنورنا تو ضامر کے لیے تھا تب ہی دروازے پر ہلکی سی دستک ہوئی' وہ جلدی سے سیدھی ہو کر بیٹھ گئی اور سر کو تھوڑا سا جھکا لیا۔ ضامر آہستہ آہستہ چلتا ہوا بیڈ کے قریب آ رہا تھا' واسعہ کی نظریں اس کے شیروانی سے میچنگ کھسے پر تھیں اس نے آنکھیں تھوڑی سی اوپر اٹھائیں۔ رائل بلو اور گرے کومبینیشن کی شیروانی میں دراز قد ضامر بہت چارمنگ لگ رہا تھا۔ واسعہ نے جلدی سے نگاہیں دوبارہ جھکا لیں واسعہ کی بے ساختگی پر ضامر زیر لب مسکرا دیا اور اس کے قریب بیڈ پر آ بیٹھا۔

''واسعہ میں اپنے چھوٹے سے گھر میں تم کو ویلکم کرتا ہوں' امید کرتا ہوں کہ تمہاری آمد ہمارے چھوٹے سے گھر کو خوشیوں کا گہوارہ بنا دے گی۔ آج سے میرے گھر کے ساتھ ساتھ میرے دل پر بھی تمہاری مکمل حکمرانی ہوگی۔ تم میری زندگی میں آنے والی پہلی اور یقیناً آخری لڑکی ہو جسے میں نے پہلی نظر میں ہی منتخب کر لیا تم کو کبھی بھی مجھ سے کوئی شکایت نہ ہوگی میں ان مردوں میں سے نہیں ہوں کہ جو بیوی پر مکمل حکومت اپنا فرض سمجھتے ہیں جو صرف بیوی سے اس کے فرائض کی ادائیگی چاہتے ہیں' اپنے حقوق کا خیال نہیں رکھتے۔ تم صرف میری بیوی ہی نہیں میری سب سے اچھی دوست بھی ہوگی۔ میری اماں نے بہت مشکلوں کے بعد مجھے اس مقام تک پہنچایا ہے اور ہم دونوں مل کر ان شاء اللہ ان کو وہ ساری خوشیاں دیں گے جن کی وہ مستحق ہیں تاکہ وہ اپنی زندگی کی کٹھنائیوں کو مشکلات کو بھول جائیں اور مجھے پوری امید ہے کہ تم کو بھی اماں سے کبھی بھی کوئی شکایت نہیں ہوگی۔ ان شاء اللہ ہم دونوں مل کر ہمارے چھوٹے سے گھر کو جنت بنا دیں گے۔'' ضامر نے ایک لمحے رک کر واسعہ کی جانب سوالیہ نظروں سے دیکھا۔

''ضامر آپ بھی میری زندگی میں آنے والے وہ پہلے شخص ہیں جس نے میرے دل کے تاروں کو چھیڑا مجھے کھلنڈری اور لاابالی لڑکی سے ذمہ دار اور سگھڑ لڑکی بنا دیا۔ میرے دل میں اپنے گھر' خوب صورت جیون ساتھی اور خوش گوار زندگی کے احساسات نے جنم لیا اور ان شاء اللہ تعالیٰ آپ کو یا اماں کو کبھی بھی میری ذات سے کوئی تکلیف نہیں پہنچے گی۔ میں کبھی بھی کسی مقام پر کوئی ایسی بات' ایسی حرکت نہیں کروں گی جو آپ کو یا اماں کو گراں گزرے۔ میں اماں کو ایک بیٹی بن کر دکھاؤں گی' ہم دونوں مل کر اماں کو بہت ساری خوشیاں دیں گے ان شاء اللہ۔'' واسعہ نے ضامر کا ہاتھ تھام کر معصوم انداز میں یقین دلایا تو ضامر کے اندر ڈھیر سارا اطمینان اتر آیا اس نے آگے بڑھ کر واسعہ کے نازک وجود کو بانہوں میں سمیٹ لیا۔

ولیمے کی تقریب کے دو روز بعد ہی واسعہ نے اماں کے لاکھ منع کرنے کے بعد بھی مکمل طور پر گھر سنبھال لیا۔ کچھ دن کی چھٹی کے بعد ضامر نے آفس جانا شروع کر دیا' شگفتہ بیگم اسے دیکھتیں تو سخت حیران ہو جاتیں وہ لڑکی جو ہر وقت ان سے ڈانٹ کھاتی تھی' سسرال کو لے کر شگفتہ بیگم اس کو طعنے دیتی رہتیں۔ آج کتنی خوش اسلوبی سے سارے گھر کی ذمہ داری سنبھال رکھی تھی صفورا بیگم تعریفیں کرتے نہ تھکتی تھیں اور شگفتہ بیگم فخر سے مسکرا دیتیں۔

واسعہ صبح صبح جاگ جاتی سب سے پہلے ضامر کا ناشتا تیار کرتی ضامر ناشتا کر کے آفس چلا جاتا۔ ضامر کے آفس جانے کے بعد وہ اپنا اور اماں کا ناشتا تیار کرتی دونوں مل کر ناشتا کرتے۔ واسعہ کچن سمیٹتی' صفائی کرتی' جب تک اماں سبزی بنا دیتیں۔ واسعہ لنچ کی تیاری میں لگ

جاتی‘ واسعہ کام کے ساتھ ساتھ صفورا بیگم سے ان کی زندگی کے قصے بھی سنتی رہتی۔ صفورا بیگم اپنی ساس کے مظالم‘ سسرال والوں کی زیادتیاں پھر ضامر کے والد کی ٹرانسفر کے بعد دوسرے شہر آجانا پھر ان کی اچانک موت کے قصے سناتی کبھی کبھی وہ بتاتی کہ کس طرح انہوں نے اسکول میں جاب اسٹارٹ کی اور تین سالہ ضامر اور بیوگی جیسی افتاد پر ہمت اور ثابت قدمی سے خود کو سنبھالا‘ کتنی دشواریوں کا سامنا کرنا پڑا۔ نوجوان بیوہ کا یوں تنہا رہنا کس قدر اذیت ناک اور تکلیف دے ہوتا ہے۔ کیسے کیسے انہوں نے خود کو زمانے کی گندی نظروں سے بچا بچا کر رکھا کوئی بھی نہ تھا جو ایسے وقت میں ساتھ دیتا دور پرے کے رشتہ دار تھے جو وقتی طور پر صرف ہمدردی کرنا جانتے تھے۔ یہ سب بتاتے بتاتے اکثر ان کی آنکھیں نم ہوجاتیں‘ وہ کٹھن اور نازک وقت یاد آجاتا تو بے ساختہ رونا آجاتا‘ ایسے میں واسعہ آگے بڑھ کر ان کو حولہ دیتی اس کی آنکھیں بھی بہنے لگتیں۔

’’اماں پلیز! روئیے گا نہیں جو بُرا تھا وہ گزر گیا‘ اب ان شاء اللہ سب اچھا ہوگا میں آپ سے آپ کا تلخ ماضی چھین لوں گی۔‘‘ صفورا بیگم کے آنسو صاف کرتے وہ جذب سے کہتی تو صفورا بیگم فطری محبت سے اس کا ماتھا چوم لیتیں۔

’’اگر ساس بہو کے ڈرامے ختم ہوگئے تو مجھ غریب کو ایک کپ چائے ملے گی۔‘‘ کبھی کبھی پیچھے سے ضامر آ کر دونوں کو چھیڑتا تو صفورا بیگم پیار سے گال پر ایک چپت لگا دیتیں اور واسعہ مسکراتی ہوئی کچن کی جانب چلی جاتی۔

گھر کا ماحول بہت خوشگوار ہوگیا تھا اور ایسے میں گھر‘ ساس اور ضامر کے چکر میں واسعہ میکے بھی بہت کم جاتی‘ اروی کے آجانے سے وہاں بھی رونق آچکی تھی مگر پھر بھی شگفتہ بیگم کو اکثر واسعہ یاد آتی تھی جو سسرال جا کر میکے کو بھول ہی گئی تھی۔

دوپہر کا وقت تھا واسعہ کچن میں تھی آج اس نے اماں کی پسند کے کوفتے بنائے تھے صفورا بیگم نماز پڑھ کر اٹھیں تو فون کی گھنٹی بج اٹھی‘ انہوں نے جائے نماز جگہ پر رکھ کر ریسیور اٹھایا دوسری جانب شگفتہ بیگم تھیں۔

’’جی السلام علیکم کیسی ہیں آپ؟‘‘

’’اچھی ہوں دراصل واسعہ کو موبائل پر کال کی اس نے اٹھایا نہیں تو پریشان ہوگئی سب خیریت ہے ناں؟‘‘ شگفتہ بیگم نے پوچھا۔

’’وہ دراصل واسعہ کچن میں تھی‘ بلاتی ہوں آپ بات کرلیں۔‘‘ صفورا بیگم نے کہا۔

’’نہیں نہیں‘ اسے کام کرنے دیں بس اس سے کہہ دیں کہ اس کے ابو یاد کررہے ہیں کافی دن ہوگئے اس نے چکر نہیں لگایا۔‘‘ شگفتہ بیگم کی بات پر صفورا بیگم شرمندہ ہوگئیں‘ واقعی کتنے دن سے واسعہ میکے نہیں گئی تھی۔

’’جی جی کہتی ہوں‘ واقعی کافی دن ہوگئے ہیں۔ بھجواتی ہوں اس کو آپ کی طرف‘ آپ پریشان نہ ہوں۔‘‘ صفورا بیگم نے کہا۔ واسعہ آئی تو صفورا بیگم نے اس کی کلاس لے ڈالی۔

’’جی اماں! واقعی کافی دن ہوگئے‘ آج شام کو چلی جاؤں گی ضامر کے آنے کے بعد۔‘‘ واسعہ نے سر جھکا کر کہا۔

’’بیٹی یہ بہت اچھی بات ہے کہ تم اچھی بہو بلکہ بیٹی بن کر اتنی جلدی یہاں کے ماحول میں ایڈجسٹ ہوگئی ہو‘ ہمارا اتنا خیال رکھتی ہو مگر اپنی ماں کا بھی تو سوچو ناں۔‘‘ تھوڑی دیر توقف کے بعد صفورا بیگم نے نرمی سے کہا تو واسعہ نے سر ہلایا۔

صفورا بیگم کی دور پرے کی نند تھیں زبیدہ پھوپو وہ کچھ دن پہلے ہی ان لوگوں کے محلے میں شفٹ ہوئی تھیں اپنے بیٹے بہو اور ان کے پانچ عدد بچوں کے ساتھ۔ زبیدہ پھوپو کو ادھر اُدھر گھومنے کا اور لگائی بجھائی کرنے کا بہت شوق تھا۔

ہلکی ہلکی سردی اسٹارٹ ہوچکی تھی ناشتے کے بعد آج واسعہ نے واشنگ مشین لگائی تھی تاکہ ہفتے بھر کے کپڑے دھولے۔ صفورا بیگم صحن میں دھوپ میں بیٹھی مٹر چھیل رہی

تھیں، واسعہ نے مشین لگا کر کچن کی صفائی کی، برتن دھوئے ساتھ ہی گوشت بھی بگھار دیا۔ تب تک کپڑے بھی دھل گئے، کپڑے پھیلا کر جھاڑو لگائی، پونچھا لگا کر فارغ ہوئی تھی کہ زبیدہ پھوپو آ گئیں۔

"السلام علیکم پھوپو!" اس نے سلام کیا۔

"وعلیکم السلام! جیتی رہو۔" انہوں نے مسکراتے ہوئے جواب دیا اور سیدھا صفورا بیگم کے پاس چلی آئیں۔ ان کے ہاتھ میں پلیٹ تھی جو انہوں نے واسعہ کی بجائے صفورا بیگم کی جانب بڑھائی۔

"یہ لو بھئی منہ میٹھا کرلو۔" لہجے میں بے پناہ خوشی تھی۔

"ضرور آپا مگر کس خوشی میں؟" ہاتھ سے پلیٹ لیتے ہوئے صفورا بیگم نے حیرت سے پوچھا۔

"ارے بھئی ماشاء اللہ میرے گھر چھٹا پوتا آیا ہے۔" خوشی سے زبیدہ پھوپو کی باچھیں کھل رہی تھیں۔

"بہت مبارک ہو آپا!" صفورا بیگم نے مبارک باد دی۔

"خیر مبارک۔" وہ تخت پر بیٹھتے ہوئے بولیں تب ہی واسعہ گرم گرم چائے لے آئی۔

"ارے واہ اتنی جلدی؟" زبیدہ پھوپو نے حیرت سے پوچھا۔

"جی پھوپو۔" ٹرے دونوں کے درمیان رکھتے ہوئے واسعہ نے مسکرا کر کہا۔

"الحمدللہ! میری بہو بہت اچھی ہے، کسی بات کا کہنا نہیں پڑتا۔ ہر بات، ہر کام وقت پر بنا کہے کر دیتی ہے، اللہ پاک نے انعام کی صورت میں اسے میرے گھر بھیجا ہے۔" صفورا بیگم کے لہجے میں واسعہ کے لیے بے پناہ محبت تھی۔

"ہُنہہ...... وہ تو ٹھیک ہے صفورا بیگم! مگر خالی خولی کام دھندوں سے کچھ نہیں ہوتا کام تو ہر عورت کرتی ہے مگر جب تک بہو کوئی خوشخبری نہ دے تب تک وہ ادھوری ہی رہتی ہے۔ اب دیکھو ناں کتنے ماہ ہوگئے ہیں مگر ابھی تک تمہارے ہاں سے کوئی اطلاع نہ ملی۔" زبیدہ پھوپو نے ناک چڑھا کر صفورا بیگم کو احساس دلایا تو صفورا بیگم نے قدرے چونک کر ان کی جانب دیکھا۔ ہاں سچ ہی تو کہہ رہی تھیں وہ سات ماہ ہو چکے تھے شادی کو اور ابھی تک کوئی امید نہ تھی۔

"ہاں آپا! مگر جلد یا دیر ہو جاتی ہے، اللہ پاک کرم کرے گا۔" صفورا بیگم نے گو کہ بات بنائی مگر دل میں انہیں بھی احساس ہو رہا تھا۔

ابھی دو دن نہ گزرے تھے کہ اس شام اچانک سے شگفتہ بیگم، اروی اور سروش آ گئے۔

"ارے امی آپ لوگ؟" واسعہ غیر متوقع آمد پر دوڑ کر ان سے لپٹ گئی۔ "ایسے ہی آ گئے آپ لوگ، کال کر کے آتے ناں۔"

"آیئے آیئے بہن!" صفورا بیگم نے شگفتہ بیگم کو گلے سے لگا کر سروش اور اروی کے سر پر ہاتھ پھیرتے ہوئے صوفے پر بیٹھنے کا اشارہ کیا۔

"ہاں بس اچانک ہی آنا ہوا، دراصل اروی کی طبیعت کچھ خراب تھی ہم اسے ہسپتال لائے تھے تو ڈاکٹر نے خوشخبری سنائی ہے، میں نے کہا پہلے یہ خوشخبری پھوپو صاحبہ کو سنا دوں۔" شگفتہ بیگم نے خوشی خوشی بتایا۔

"واقعی سچ......" واسعہ نے پہلے شگفتہ بیگم کو اور پھر اروی کی جانب دیکھا سر جھکائے شرماتی، دھیرے دھیرے مسکراتی وہ بہت پیاری لگ رہی تھی۔

"ارے واہ ماشاء اللہ بہت بہت مبارک ہو بھائی، بھیا، امی آپ سب کو۔" واسعہ کی خوشی دیدنی تھی، صفورا بیگم نے بھی خوش دلی سے مبارک باد دی۔

"بس اب اللہ پاک مجھے نانی بننے کی بھی خوش خبری سنا دے۔" شگفتہ بیگم نے واسعہ کو گلے لگاتے ہوئے کہا۔

"آمین ثم آمین۔" سب نے بے ساختہ کہا، واسعہ نے پلٹ کر صفورا بیگم کی جانب دیکھا ان کے چہرے پر دکھ نمایاں تھے۔

گو کہ گھر کا ماحول بہت اچھا تھا، صفورا بیگم اور واسعہ ایک دوسرے کو بے حد پیار کرتے تھے۔ ضامر مطمئن تھا،

واسعہ ضامر کی بے پناہ چاہتوں کے حصار میں تھی بظاہرہ کوئی کمی، کوئی ٹینشن، کوئی مسئلہ نہیں تھا لیکن اب کسی ننھے منے کی آمد کو لے کر صفورا بیگم کو ضرور کمی کا احساس ہونے لگا تھا۔ اروئی بھی ماں بننے والی تھی پھر وقتاً فوقتاً زبیدہ پھوپو کی آمد اور ان کا بار بار اس بات کی طرف نشاندہی کرانا کہ تمہارا تو ایک ہی بیٹا ہے خدانخواستہ کوئی مسئلہ ہو جائے تو...... اور صفورا بیگم کانپ جاتیں "اللہ نہ کرے" بے ساختہ ان کے لبوں سے نکل جاتا۔

اس روز بھی زبیدہ پھوپو آئیں تو کسی لیڈی ڈاکٹر کا پتا بتایا جہاں ان کی بہوؤں کے بچے ہوتے تھے وہ ماہر ڈاکٹر تھی۔

"ہائے اللہ صفورا! سچ میں بڑا برا لگتا ہے یوں جب تمہارے گھر کو سونا سونا اور خاموش دیکھتی ہوں۔ ہر کام وقت پر ہوتا ہے مگر کچھ مثبت آثار نظر تو آئیں ناں...... کوئی امید تو بندھے ناں۔" ان کی بات صفورا بیگم کے دل پر جا لگی تھی۔ واقعی انہیں گھر کا آنگن سونا سونا لگنے لگا' گھر کا ماحول خاموش اور ویران لگنے لگا تھا۔ واسعہ کو بھی سب اندازہ تھا وہ کوئی ننھی بچی تو نہیں تھی اس نے ضامر سے ایک دو بار ذکر کیا مگر ضامر نے ٹال دیا کہ مجھے کوئی جلدی نہیں ہے ابھی کون سا ٹائم ہوا ہے۔

واسعہ چپ ہوگئی وہ ہر طرح سے صفورا بیگم کو اکیلے پن کا احساس نہیں ہونے دیتی' پہلے سے زیادہ ان کا خیال رکھتی ان کے آگے پیچھے پھرتی رہتی' چھینک بھی آجاتی تو پریشان ہو جاتی لیکن...... صفورا بیگم چپ چاپ رہنے لگی تھیں' خاموش اور گم سم سی واسعہ سے پہلے کی طرح باتیں بھی نہیں کرتی تھیں واسعہ خود ہی بہانے بہانے سے کچھ نہ کچھ بات کرتی رہتی۔

چھٹی کا دن تھا ضامر گھر پر تھا وہ دیر سے سو کر اٹھتا تھا' واسعہ جلدی اٹھ جاتی کیوں کہ صفورا بیگم جلدی اٹھ جاتیں اور ان کو ناشتا دینا ہوتا۔ آج واسعہ نے لنچ میں خاصا اہتمام کر ڈالا صفورا بیگم اور ضامر دونوں کی پسند کے مطابق چکن پلاؤ' کوفتوں کا سالن' کڑاہی' رائتہ اور سویاں بنالی تھیں۔

"ارے واہ!" ضامر نے دستر خوان دیکھ کر خوشی کا اظہار کیا تھا' وہ بڑے خوشگوار موڈ میں کھانا کھا رہا تھا واسعہ بھی اچھے موڈ میں تھی۔

"واسعہ تم کل میرے ساتھ ہسپتال چلنا۔" کھانا کھاتے ہوئے اچانک ہی صفورا بیگم نے واسعہ کو مخاطب کیا۔

"کیوں؟" ضامر اور واسعہ دونوں نے چونک کر ان کی طرف دیکھا مگر سوال ضامر نے کیا واسعہ چپ رہی۔

"کیوں کا کیا مطلب؟ چیک اپ کرواؤں گی اس کا۔ زبیدہ آپا کہہ رہی تھیں اچھی ڈاکٹر ہے اور اب ہمارے گھر میں بھی کسی خوشخبری کے آثار ہونے چاہئیں۔" صفورا بیگم نے تیکھے لہجے میں سوال پر سوال کر کے وضاحت بھی دے ڈالی۔

"مگر اماں! ابھی جلدی کیا ہے؟" ضامر نے کہا۔

"یہ جلدی ہے...... آٹھ ماہ کا عرصہ کم نہیں ہوتا بیٹا! اور اگر ابتدا میں ہی دھیان نہ دیا جائے تو آگے چل کر مزید پیچیدگیاں پیدا ہو سکتی ہیں اور مسائل بن سکتے ہیں اس لیے میں کل صبح واسعہ کو لے کر ڈاکٹر لبنیٰ کے کلینک جاؤں گی۔" صفورا بیگم نے فیصلہ کن انداز میں کہا۔ ضامر نے پلٹ کر واسعہ کی جانب دیکھا' واسعہ نے آنکھ کے اشارے سے چپ رہنے کو کہا تو ضامر خاموشی سے کھانا کھانے لگا' مطلب واسعہ بھی یہی چاہتی ہے وہ سوچنے لگا۔

"واسعہ تم بھی ایسا چاہتی ہو جیسا اماں چاہتی ہیں؟" رات کو ضامر نے واسعہ سے پوچھا۔

"کیوں آپ ایسا نہیں چاہتے؟" واسعہ نے سنجیدہ لہجے میں الٹا سوال کر ڈالا' ضامر کے چہرے پر ایک لمحے کے لیے عجیب سایہ سا لہرایا۔ واسعہ نے آنکھیں پھاڑ کر اس کے چہرے کے اتار چڑھاؤ کو دیکھا۔

"نہیں بھئی ہمیں تو اپنی پیاری بیگم کا ساتھ چاہیے بچوں کے لیے ساری عمر پڑی ہے یار!" ضامر نے آگے بڑھ کر اسے بانہوں میں سمیٹ کر والہانہ انداز میں کہا تو

واسعہ پھیکی ہنسی ہنس دی۔

دوسرے دن صفورا بیگم واسعہ کو لے کر ہسپتال گئیں' لیڈی ڈاکٹر لبنیٰ نے چیک اپ کیا' بے شمار سوالات کیے وہ جھینپی جھینپی سی ہر سوال کا جواب دیتی رہی۔ ڈھیر ساری ہدایات کے ساتھ کچھ دوائیں دے کر ڈاکٹر لبنیٰ نے اگلے مہینے پھر آنے کا کہا۔ ڈاکٹر لبنیٰ خاصی مطمئن تھیں اور اماں کو بھی اطمینان دلایا تھا کہ تین ماہ میں خاطر خواہ نتائج برآمد ہوں گے۔ صفورا بیگم نے تین ماہ واسعہ کا پورا پورا خیال رکھا' دواؤں کی پابندی کروائی۔ ساری ہدایات پر عمل کرنے کی تاکید کی' غذا کا خیال رکھا' ایک رتی برابر بھی کوئی کمی نہ ہونے دی لیکن ان تمام پابندیوں' ہدایات کے بعد بھی کوئی امید افزا نتیجہ نہ نکلا۔ صفورا بیگم جو کہ بہت پرامید تھیں' بے حد مضمحل ہوگئیں۔ واسعہ بھی اداس ہوگئی' ایسے میں ضامر نے واسعہ کو سمجھایا "کوئی بات نہیں یار اللہ بہتر کرنے والا ہے' بس اب اللہ پر چھوڑ دو" مگر صفورا بیگم نے پھر زبیدہ پھوپو کے کہنے پر کسی اور ڈاکٹر کے پاس لے جانے کا فیصلہ کرلیا۔ ایک بار پھر واسعہ نئی امید کے ساتھ ہسپتال کے چکر لگانے لگی پھر تین ماہ یونہی ہدایات پر عمل کرتے کرتے گزر گئے اور نتیجہ وہی صفر نکلا۔

اس بار واسعہ کو بہت ملال تھا اس دوران اروی ایک پیارے سے بیٹے کی ماں بن گئی خوشیاں منائی گئیں۔ شگفتہ بیگم نے واسعہ کے لیے بھی منتیں مرادیں مان رکھی تھیں' انہیں بھی واسعہ کی طرف سے فکر تھی اور وہ چاہتی تھیں کہ واسعہ بھی جلد از جلد ماں بن جائے۔ واسعہ ڈھیروں دعائیں مانگتی مگر ادھر اُدھر علاج کراتے' دعائیں مانگتے ڈھائی سال کا عرصہ گزر چکا تھا اب تو ہر آنے جانے والا اس بات کو لے کر صفورا بیگم کو ٹارچر کرتا رہتا اور صفورا بیگم جھنجلا کر سارا غصہ واسعہ پر نکالتیں اب تو ضامر بھی چاہتا تھا مگر وہ واسعہ کی خاطر کھل کر اس بات کا اظہار نہیں کرتا کیوں کہ وہ جانتا تھا اس بات میں واسعہ کا کوئی قصور نہ تھا یہ سب اللہ کی طرف سے تھا بظاہر کہیں بھی کوئی کمی یا خرابی نہ تھی دوسرے وہ واسعہ سے دیوانگی کی حد تک محبت کرتا تھا۔ اس روز زبیدہ پھوپو آئیں تو نیا شوشہ چھوڑ گئیں۔

"صفورا مجھے لگتا ہے تمہاری بہو پر کوئی سایہ کوئی چھپٹا ہے جو اس کی گود ہری نہیں ہونے دیتا۔ اب دیکھو ناں آج کل کی لڑکیاں کیسے اپنے لمبے لمبے بال کھولے رات میں شادیوں پر نکل جاتی ہیں' کھلے آسمانوں کے نیچے سڑکوں پر گھومیں گی تو کبھی بھی کوئی آتی جاتی بلا قابض ہوسکتی ہے۔ آج کل ویسے ہی کتنے خراب حالات ہیں' بے گناہوں کی روحیں بھٹکتی پھرتی ہیں۔ گندگی' غلاظت اور بے راہ روی عروج پر ہے کہیں نہ کہیں ایسا ہی ہوا ہے۔ میں تو کہتی ہوں کسی پیر فقیر بابا کو دکھاؤ اب ڈاکٹروں کے ہاں اس کا علاج نہیں ہے۔" صفورا بیگم سر ہلا کر رہ گئیں انہیں زبیدہ پھوپو کی بات میں ہمیشہ کی طرح دم لگا۔

❁.........❁.........❁

"اماں! آپ کو کیا ہوگیا ہے' یہ کیسی باتیں کررہی ہیں آپ؟ آپ تو کبھی بھی ان باتوں پر یقین نہیں کرتی تھیں۔" ضامر نے سنا تو حیرت اور غیر یقینی انداز میں ماں کی طرف دیکھا۔

"ہاں نہیں تھا مجھے یقین لیکن...... لیکن اب میں مجبور ہوگئی ہوں' ہر طرح کا علاج کروالیا۔" صفورا بیگم نے ٹھوس لہجے میں کہا۔

"اماں ابھی تو علاج ختم ہوا ہے ہمیں تھوڑا سا اور انتظار کرلینا چاہیے۔" ضامر نے منہ بنا کر کہا۔

"تمہارے لیے وقت کی اہمیت نہیں ہوگی ضامر! تمہارے پاس وقت بھی ہے اور زندگی بھی پڑی ہے لیکن میرے لیے ہر ایک لمحہ قیمتی ہے۔ میرے بھی کچھ ارمان ہیں' کچھ خواہشیں ہیں' کچھ خواب ہیں وہ خواب جو میں نے برسوں سے تمہارے حوالے سے دیکھے ہیں' بہت برداشت کرلیا ہے میں نے لیکن اب...... اب میری برداشت ختم ہونے لگی ہے۔ میں بیمار رہنے لگی ہوں مجھے تو لگتا ہے کہ میں پوتا' پوتی کھلانے کی خواہش دل میں لیے مرجاؤں گی۔" ان کا لہجہ بھیگ گیا تھا۔

’’اللہ نہ کرے اماں کہ آپ کو کچھ ہو‘ اللہ پاک بہتر کرے گا۔‘‘ ضامر نے جلدی سے کہا واسعہ کی آنکھیں بھی نم ہوگئی تھیں‘ صفورا بیگم بھی تو ٹھیک ہی کہہ رہی تھیں‘ انہوں نے اپنی ساری جوانی ایک بچے پر گزار دی تھی۔ اس آس پر کہ ایک دن ان کے گھر میں ننھے سے بچوں کی قلقاریاں گونجیں گی لیکن...... لیکن وہ ابھی تک اس خوشی سے محروم تھیں فی الحال کوئی امید بھی نہیں تھی ان کا یوں جذباتی ہونا بجا تھا وہ اپنے طور سے ہر وہ بات ماننے کو تیار تھیں کہ جس سے کوئی امید نظر آتی۔

اس سلسلے میں انہیں صحیح اور غلط کا بھی اندازہ نہیں ہو رہا تھا وہ مجبور اور لاچار تھیں اور واسعہ نے نہ چاہتے ہوئے بھی یہ کڑوا گھونٹ پینے کا فیصلہ کرلیا اور ضامر نے جب احتجاج کیا تو واسعہ نے اسے بھی سمجھایا۔

’’ضامر آپ اماں کے اکلوتے بیٹے ہو‘ ان کی ساری امیدیں آپ سے ہی وابستہ ہیں گوکہ میں بھی یہ پسند نہیں کرتی لیکن اگر اماں کو یہ کرکے کچھ تسلی ہوتی ہے تو پلیز انہیں مت روکیں۔‘‘ ضامر نے آگے بڑھ کر واسعہ کو سینے سے لگالیا۔ واسعہ کے ساتھ ساتھ ضامر کی آنکھیں بھی بھیگ گئی تھیں۔

صفورا بیگم کا رویہ واسعہ سے بہت روڈ رہنے لگا تھا۔ لگتا تھا ساری دوائیں بے کار ہیں‘ دعاؤں کی قبولیت کا وقت نہیں آرہا تھا پھر واسعہ صفورا بیگم کے ساتھ پیروں اور عاملوں کے آستانوں پر بھی گئی سب نے اپنے اپنے طریقے سے علاج کیا‘ کسی نے پیسے مانگے تو کسی نے بکرے کی صورت میں صدقات کا مطالبہ کیا‘ نہ چاہتے ضامر اور واسعہ نے سب کچھ کیا مگر...... مگر نتیجہ وہی صفر رہا۔

گھر کا ماحول بے حد مکدر ہوگیا تھا اس پر ہر دوسرے دن زبیدہ پھوپو کی آمد اور کھسر پھسر کسی طوفان کی آمد کا پتا دے رہی تھی کیوں کہ جب واسعہ آس پاس ہوتی تو زبیدہ پھوپو چپ ہوجاتی تھیں۔ اماں کے چہرے کے اتار چڑھاؤ اور بے زاری میں مزید اضافہ ہوگیا تھا۔ واسعہ کی اچھی بات بھی ان کو بری لگنے لگی تھی‘ ہر وقت منہ پھلائے اپنے کمرے میں پڑی رہتیں۔ واسعہ سے بات برائے نام ہی ہوتی‘ واسعہ ان کے سارے کام وقت پر کرتی ان کی دواؤں کا خاص خیال رکھتی۔ اسی طرح تین سال سے زیادہ عرصہ ہوگیا تھا‘ اب صفورا بیگم پوری طرح سے ناامید ہوچکی تھیں۔

وہ گرمیوں کی خوش گوار شام تھی‘ دن بھر کی گرمی کے بعد اس وقت موسم خاصا بہتر ہوگیا تھا‘ واسعہ نے عصر کی نماز پڑھ کر صفورا بیگم کو چائے بنا کر دی۔ صفورا بیگم نماز سے فارغ ہوکر تسبیح پڑھ رہی تھیں‘ تب ہی زبیدہ پھوپو آگئیں۔ اب تو واسعہ کو زبیدہ پھوپو سے ڈر لگنے لگتا تھا‘ ان کے جانے کے بعد تو اماں اور زیادہ بے اعتنائی برتنے لگی تھیں۔

’’ہاں ہاں صفورا تم جلدی سے بات کرکے مجھے بتاؤ‘ ہمیں کون سا دھوم دھڑ کا کرنا ہے۔ سادگی سے ہی ہونا ہے سب کچھ‘ بس تم جلدی سے بات کرلو۔‘‘ زبیدہ پھوپو کی بات واسعہ کی سماعتوں میں گونجی۔

یہ کیا باتیں ہورہی ہیں؟ اس کے دل میں کافی دن سے اٹھنے والے خیال کو جیسے یقین کی گھنٹی مل رہی تھی۔ وہ چائے لے کر آئی تو زبیدہ پھوپو نے جھٹ بات بدل دی۔

’’ہائے صفورا سچ پوچھو تو میں مشکل سے جان چھڑا کر بچوں سے چھپ کر نکل کے آتی ہوں صرف تمہاری تنہائی کے خیال سے کہ تم ذرا سا بہل جاؤ۔ تھوڑی سی چہل پہل ہوجائے‘ ساری زندگی تم نے تنہا ہی گزاری ہے اور آج بھی تمہارے گھر میں وہی وحشت اور ویرانی برستی ہے وہی روٹین‘ وہی چہرہ...... سچ میں بڑا دل دکھتا ہے تمہیں ایسے تنہا دیکھ کر‘ کیا تمہاری زندگی میں یہی اداسی‘ ویرانی اور تنہائی لکھی ہے۔‘‘ صفورا بیگم کو بھڑکانے میں زبیدہ پھوپو کافی مثبت کردار ادا کررہی تھیں۔

’’سچ آپا میں خود بھی یہی سوچتی ہوں مگر اب...... اب میری برداشت بھی ختم ہونے لگی ہے۔‘‘ صفورا بیگم کی بات

ضامر کے کچھ زیادہ رشتہ دار وغیرہ تو تھے نہیں چند ایک تھے ضروری رسومات سے فارغ ہوکر اس کو کمرے میں پہنچادیا گیا تھا۔ بیڈ پر ٹیک لگا کر بیٹھ کر واسعہ نے لمبی سانس لے کر کمرے کا جائزہ لیا۔ اچھا خاصا بڑا بیڈ روم تھا جس میں اس کے جہیز کی اشیا سلیقے سے سیٹ کی گئی تھیں سامنے لگے بڑے سے آئینہ میں واسعہ نے خود کو دیکھا ریڈ اور گرین کومبینیشن کے بھاری کام کے شرارے ہیوی جیولری اور خوب صورت میک اپ میں وہ بہت پیاری لگ رہی تھی۔ اپنا آپ دیکھ کر اسے شرم آ گئی یہ سب کچھ بجنا سنورنا تو ضامر کے لیے تھا تب ہی دروازے پر ہلکی سی دستک ہوئی وہ جلدی سے سیدھی ہوکر بیٹھ گئی اور سر کو تھوڑا سا جھکا لیا۔ ضامر آہستہ آہستہ چلتا ہوا بیڈ کے قریب آرہا تھا واسعہ کی نظریں اس کے شیروانی سے میچنگ کھسے پر تھیں اس نے آنکھیں تھوڑی سی اوپر اٹھائیں۔ رائل بلو اور گرے کومبینیشن کی شیروانی میں دراز قد ضامر بہت چارمنگ لگ رہا تھا۔ واسعہ نے جلدی سے نگاہیں دوبارہ جھکا لیں واسعہ کی بے ساختگی پر ضامر زیر لب مسکرا دیا اور اس کے قریب بیڈ پر آ بیٹھا۔

''واسعہ میں اپنے چھوٹے سے گھر میں تم کو ویلکم کرتا ہوں امید کرتا ہوں کہ تمہاری آمد ہمارے چھوٹے سے گھر کو خوشیوں کا گہوارہ بنادے گی۔ آج سے میرے گھر کے ساتھ ساتھ میرے دل پر بھی تمہاری مکمل حکمرانی ہوگی۔ تم میری زندگی میں آنے والی پہلی اور یقیناً آخری لڑکی ہو جسے میں نے پہلی نظر میں ہی منتخب کرلیا تم کو کبھی بھی مجھ سے کوئی شکایت نہ ہوگی میں ان مردوں میں سے نہیں ہوں کہ جو بیوی پر مکمل حکومت اپنا فرض سمجھتے ہیں جو صرف بیوی سے اس کے فرائض کی ادائیگی چاہتے ہیں اپنے حقوق کا خیال نہیں رکھتے۔ تم صرف میری بیوی ہی نہیں میری سب سے اچھی دوست بھی ہوگی۔ میری اماں نے بہت مشکلوں کے بعد مجھے اس مقام تک پہنچایا ہے اور ہم دونوں مل کر ان شاء اللہ ان کو وہ ساری خوشیاں دیں گے جن کی وہ مستحق ہیں تاکہ وہ اپنی زندگی کی کٹھنائیوں کو مشکلات کو بھول جائیں اور مجھے پوری امید ہے کہ تم کو بھی اماں سے کبھی بھی کوئی شکایت نہیں ہوگی۔ ان شاء اللہ ہم دونوں مل کر ہمارے چھوٹے سے گھر کو جنت بنادیں گے۔'' ضامر نے ایک لمحے رک کر واسعہ کی جانب سوالیہ نظروں سے دیکھا۔

''ضامر آپ بھی میری زندگی میں آنے والے وہ پہلے شخص ہیں جس نے میرے دل کے تاروں کو چھیڑا مجھے کھلنڈری اور لاابالی لڑکی سے ذمہ دار اور سگھڑ لڑکی بنادیا۔ میرے دل میں اپنے گھر خوب صورت جیون ساتھی اور خوش گوار زندگی کے احساسات نے جنم لیا اور ان شاء اللہ تعالیٰ آپ کو یا اماں کو کبھی بھی میری ذات سے کوئی تکلیف نہیں پہنچے گی۔ میں کبھی بھی کسی مقام پر کوئی ایسی بات ایسی حرکت نہیں کروں گی جو آپ کو یا اماں کو گراں گزرے۔ میں اماں کو ایک بیٹی بن کر دکھاؤں گی ہم دونوں مل کر اماں کو بہت ساری خوشیاں دیں گے ان شاء اللہ۔'' واسعہ نے ضامر کا ہاتھ تھام کر معصوم انداز میں یقین دلایا تو ضامر کے اندر ڈھیر سارا اطمینان اتر آیا اس نے آگے بڑھ کر واسعہ کے نازک وجود کو باہنوں میں سمیٹ لیا۔

ولیمے کی تقریب کے دو روز بعد ہی واسعہ نے اماں کے لاکھ منع کرنے کے بعد بھی مکمل طور پر گھر سنبھال لیا۔ کچھ دن کی چھٹی کے بعد ضامر نے آفس جانا شروع کردیا شگفتہ بیگم اسے دیکھتیں تو سخت حیران ہوجاتیں وہ لڑکی جو ہر وقت ان سے ڈانٹ کھاتی تھی سسرال کو لے کر شگفتہ بیگم اس کو طعنے دیتی رہتیں۔ آج کتنی خوش اسلوبی سے سارے گھر کی ذمہ داری سنبھال رکھی تھی صفورا بیگم تعریفیں کرتے نہ تھکتی تھیں اور شگفتہ بیگم فخر سے مسکرا دیتیں۔

واسعہ صبح صبح جاگ جاتی سب سے پہلے ضامر کا ناشتا تیار کرتی ضامر ناشتا کرکے آفس چلا جاتا۔ ضامر کے آفس جانے کے بعد وہ اپنا اور اماں کا ناشتا تیار کرتی دونوں مل کر ناشتا کرتے۔ واسعہ کچن سمیٹتی صفائی کرتی جب تک اماں سبزی بنادیتیں۔ واسعہ لنچ کی تیاری میں لگ

جاتی‘ واسعہ کام کے ساتھ ساتھ صفورا بیگم سے ان کی زندگی کے قصے بھی سنتی رہتی۔ صفورا بیگم اپنی ساس کے مظالم‘ سسرال والوں کی زیادتیاں پھر ضامر کے والد کی ٹرانسفر کے بعد دوسرے شہر آجانا پھر ان کی اچانک موت کے قصے سناتی کبھی کبھی وہ بتاتی کہ کس طرح انہوں نے اسکول میں جاب اسٹارٹ کی اور تین سالہ ضامر اور بیوگی جیسی افتاد پر ہمت اور ثابت قدمی سے خود کو سنبھالا‘ کتنی دشواریوں کا سامنا کرنا پڑا۔ نوجوان بیوہ کا یوں تنہا رہنا کس قدر اذیت ناک اور تکلیف دے ہوتا ہے۔ کیسے کیسے انہوں نے خود کو زمانے کی گندی نظروں سے بچا بچا کر رکھا کوئی بھی نہ تھا جو ایسے وقت میں ساتھ دیتا دور پرے کے رشتہ دار تھے جو وقتی طور پر صرف ہمدردی کرنا جانتے تھے۔ یہ سب بتاتے بتاتے اکثر ان کی آنکھیں نم ہوجاتیں‘ وہ کٹھن اور نازک وقت یاد آجاتا تو بے ساختہ رونا آجاتا‘ ایسے میں واسعہ آگے بڑھ کر ان کو حولہ دیتی اس کی آنکھیں بھی بہنے لگتیں۔

''اماں پلیز! روئیے گا نہیں جو بُرا تھا وہ گزر گیا‘ اب ان شاء اللہ سب اچھا ہوگا میں آپ سے آپ کا تلخ ماضی چھین لوں گی۔'' صفورا بیگم کے آنسو صاف کرتے وہ جذب سے کہتی تو صفورا بیگم فطری محبت سے اس کا ماتھا چوم لیتیں۔

''اگر ساس بہو کے ڈرامے ختم ہوگئے تو مجھ غریب کو ایک کپ چائے ملے گی۔'' کبھی کبھی پیچھے سے ضامر آکر دونوں کو چھیڑتا تو صفورا بیگم پیار سے گال پر ایک چپت لگادیتیں اور واسعہ مسکراتی ہوئی کچن کی جانب چلی جاتی۔

گھر کا ماحول بہت خوشگوار ہوگیا تھا اور ایسے میں گھر‘ ساس اور ضامر کے چکر میں واسعہ میکے بھی بہت کم جاتی‘ اروی کے آجانے سے وہاں بھی رونق آچکی تھی مگر پھر بھی شگفتہ بیگم کو اکثر واسعہ یاد آتی تھی جو سسرال جاکر میکے کو بھول ہی گئی تھی۔

دوپہر کا وقت تھا واسعہ کچن میں تھی آج اس نے اماں کی پسند کے کوفتے بنائے تھے صفورا بیگم نماز پڑھ کر اٹھیں تو فون کی گھنٹی بج اٹھی‘ انہوں نے جائے نماز جگہ پر رکھ کر ریسیور اٹھایا دوسری جانب شگفتہ بیگم تھیں۔

''جی السلام علیکم کیسی ہیں آپ؟''

''اچھی ہوں دراصل واسعہ کو موبائل پر کال کی اس نے اٹھایا نہیں تو پریشان ہوگئی سب خیریت ہے ناں؟'' شگفتہ بیگم نے پوچھا۔

''وہ دراصل واسعہ کچن میں تھی‘ بلاتی ہوں آپ بات کرلیں۔'' صفورا بیگم نے کہا۔

''نہیں نہیں‘ اسے کام کرنے دیں بس اس سے کہہ دیں کہ اس کے ابو یاد کررہے ہیں کافی دن ہوگئے اس نے چکر نہیں لگایا۔'' شگفتہ بیگم کی بات پر صفورا بیگم شرمندہ ہوگئیں‘ واقعی کتنے دن سے واسعہ میکے نہیں گئی تھی۔

''جی جی کہتی ہوں‘ واقعی کافی دن ہوگئے ہیں۔ بھجواتی ہوں اس کو آپ کی طرف‘ آپ پریشان نہ ہوں۔'' صفورا بیگم نے کہا۔ واسعہ آئی تو صفورا بیگم نے اس کی کلاس لے ڈالی۔

''جی اماں! واقعی کافی دن ہوگئے‘ آج شام کو چلی جاؤں گی ضامر کے آنے کے بعد۔'' واسعہ نے سر جھکا کر کہا۔

''بیٹی یہ بہت اچھی بات ہے کہ تم اچھی بہو بلکہ بیٹی بن کر اتنی جلدی یہاں کے ماحول میں ایڈجسٹ ہوگئی ہو ہمارا اتنا خیال رکھتی ہو مگر اپنی ماں کا بھی تو سوچو ناں۔'' تھوڑی دیر توقف کے بعد صفورا بیگم نے نرمی سے کہا تو واسعہ نے سر ہلایا۔

صفورا بیگم کی دور پرے کی نند تھیں زبیدہ پھوپو وہ کچھ دن پہلے ہی ان لوگوں کے محلے میں شفٹ ہوئی تھیں اپنے بیٹے بہو اور ان کے پانچ عدد بچوں کے ساتھ۔ زبیدہ پھوپو کو ادھر اُدھر گھومنے کا اور لگائی بجھائی کرنے کا بہت شوق تھا۔

ہلکی ہلکی سردی اسٹارٹ ہوچکی تھی ناشتے کے بعد آج واسعہ نے واشنگ مشین لگائی تھی تاکہ ہفتے بھر کے کپڑے دھولے۔ صفورا بیگم صحن میں دھوپ میں بیٹھی مٹر چھیل رہی

پر واسعہ نے زخمی نظروں سے ان کو دیکھا اور چائے کی ٹرے رکھ کر سر جھکا کر آگے بڑھ گئی۔

کیسی زندگی ہوگئی تھی‘ ضامر نے بھی دیر سے آنا شروع کردیا تھا‘ اکثر وہ لیٹ آنے لگا تھا کبھی جلدی آ بھی جاتا تو باہر نکل جاتا۔ گھر کے حالات بھی عجیب ہوگئے تھے‘ اماں کی جانب سے ایک سرد جنگ جاری تھی اس کے ساتھ وقتاً فوقتاً کوئی نہ کوئی چوٹ طنز اور الٹی سیدھی باتیں جسے سن کر ضامر کو کوفت ہونے لگی تھی۔

واسعہ الگ روتی دھوتی رہتی‘ چپ چپ رہتی ڈھنگ سے ضامر کی بات کا جواب بھی نہ دے پاتی۔ ہر وقت سوچوں میں گم رہتی‘ ضامر نے دونوں سے ہی برائے نام تعلق رکھا تھا جب کہ وہ واسعہ کو دل و جان سے چاہتا تھا مگر وہ خود بھی صرف دعا ہی کرسکتا تھا۔

اس روز بھی ضامر آفس سے آیا تو حسب معمول صفورا بیگم کو سلام کرنے ان کے کمرے میں گیا اور تھوڑی دیر بعد ہی اس کی آوازیں آنے لگیں۔

’’اماں یہ کیسی باتیں کررہی ہیں آپ؟ میں ابھی اللہ پاک سے مایوس نہیں ہوا ہوں‘ اس لیے آپ یہ خیال اپنے دل سے نکال دیں یہ ناممکن ہے۔‘‘ وہ تیز لہجے میں کہہ کر کمرے میں آیا تو خاصا جھنجلایا ہوا تھا۔

’’کھانا لگادوں؟‘‘ واسعہ نے ڈرتے ڈرتے پوچھا۔

’’نہیں‘ مجھے نہیں کھانا۔‘‘ اس نے غصے سے کہا۔

’’آپ نے ناشتا بھی ڈھنگ سے نہیں کیا تھا۔‘‘ واسعہ نے ڈرتے ڈرتے کہا۔

’’بس کرو دماغ مزید خراب مت کرو میرا‘ ایک تو اماں نے دماغ خراب کرکے رکھا ہوا ہے نئی نئی نکال رہی ہیں۔ میرا دماغ تو خراب ہوگیا ہے بالکل۔‘‘ وہ چیخ کر کہتا ہوا باتھ روم کی جانب بڑھ گیا۔

’’اماں نے...... کہیں ضامر سے دوسری شادی......‘‘ دوسری شادی کے تصور سے واسعہ تڑپ گئی۔ ضامر کی محبت میں شراکت ناقابل برداشت تھی۔ ضامر منہ دھو کر آیا اور خاموشی سے بیڈ پر لیٹ گیا‘ واسعہ اس کے پائنتی بیٹھ گئی اسے رونا آرہا تھا۔ تینوں ہی عجیب و غریب حالات کا شکار تھے اپنی اپنی جگہ تینوں ہی بے قصور تھے‘ مجبور تھے۔ حالات ان لوگوں کو کس مقام پر لے آئے تھے‘ ضامر نے آنکھوں سے ہاتھ ہٹا کر واسعہ کو دیکھا تو اٹھا اور گھسیٹ کر اسے خود سے لپٹا لیا ضامر کے چوڑے سینے میں منہ چھپا کر وہ بری طرح سسک پڑی۔

’’ضامر میں کیا کروں...... میری دعاؤں میں بھی اثر نہیں ہے۔‘‘

’’واسعہ چپ کرو میں نے کچھ کہا ہے کیا؟‘‘

’’مگر اماں...... اماں......‘‘ وہ کہتے کہتے رک گئی۔

’’ہاں اماں بہت کچھ چاہتی ہیں لیکن تم سمجھتی ہو کہ میں ان کی بات مان لوں گا؟‘‘ ضامر نے اس کا چہرہ اوپر اٹھاتے ہوئے سوال کیا۔

’’ضامر میں...... میں مرجاؤں گی۔‘‘ وہ تڑپ رہی تھی۔

’’بس کرو پلیز واسعہ ایسا کچھ نہیں ہوگا‘ ایسی نوبت نہیں آئے گی اللہ پاک بہتر کرنے والا ہے‘ میں اپنے رب کی رحمتوں سے ناامید نہیں ہوں۔‘‘ ضامر کی بات پر اس نے اپنی آنکھیں صاف کیں لیکن دل عجیب سا ہورہا تھا۔ بے کل اور بے چین جیسے وہ کچھ غلط کررہی ہے‘ اپنی محبت کی خاطر اپنے لیے وہ...... وہ ضامر اور اماں کے ساتھ ناانصافی کررہی ہے کہیں نہ کہیں وہ غلط ہے۔

دوسرے دن صبح وہ حسب معمول اٹھی‘ ضامر کو آفس بھیج دیا تب بھی اماں نہیں اٹھیں تو وہ ان کے کمرے میں آگئی دیکھا تو ان کو بخار تھا۔

’’ارے اماں! آپ کو تو بخار ہے‘ آپ نے بتایا بھی نہیں۔ اٹھیں جلدی سے منہ دھولیں‘ میں آپ کے لیے ناشتا لے کر آتی ہوں‘ کھا کر دوا لے لیں۔‘‘

’’رہنے دو کوئی ضرورت نہیں‘ یہ دکھاوے کی محبت جتانے کی جس چیز کی مجھے ضرورت ہے وہ تو دے نہ سکیں تو یہ دکھاوا کرنے کی ضرورت نہیں ہے۔ میں آرام کرنا چاہتی ہوں اس لیے کمرے سے چلی جاؤ‘ مجھے تنہا ہی رہنا ہے تو

کسی کے ساتھ کی کوئی ضرورت نہیں۔'' اف کتنی بے رحمی اور سرد مہری سے صفورا بیگم نے اپنے دل کی بات کہہ دی تھی' وہ سرتاپا کانپ گئی۔

''اماں اگر میرے بس میں ہوتا تو آپ کو کبھی یوں روتا ہوا نہ دیکھتی' میں کیا کروں؟ ڈاکٹرز پرامید تھے کوئی مسئلہ' کوئی رکاوٹ کوئی ایسی بات نہ تھی بس اللہ کی طرف سے دیر ہے۔'' وہ کمرے میں آکر سسک پڑی۔ اماں بھی شاید ٹھیک تھیں' ان کی سوچ بھی اپنی جگہ صحیح تھی اگر خدانخواستہ ان کو کچھ بھی ہوجاتا ہے اور وہ اپنی زندگی کی سب سے بڑی اور شدید ترین خواہش لیے اس دنیا سے چلی گئیں تو...... تو شاید واسعہ خود کو کبھی بھی معاف نہ کرپاتی۔

اماں کی گرتی ہوئی صحت دیکھ کر واسعہ خود بھی بہت پریشان رہتی' ان کی لاتعلقی بڑھتی جارہی تھی۔ ساتھ ساتھ زبیدہ پھوپو کی آمد اور اکسانا ان کو مزید جھنجھلاہٹ کا شکار کیے جارہا تھا۔ ادھر اماں کی بے اعتنائی عروج پر تھی اُدھر اماں کے مسلسل دباؤ کی وجہ سے ضامر سخت الجھن اور جھنجھلاہٹ کا شکار تھا۔ اماں تھیں کہ دوسری شادی کے لیے بضد تھیں' واسعہ ادھر اماں کے آگے پیچھے پھرتی تو ادھر ضامر کی دل جوئی کرنے کی کوشش میں لگی رہتی۔ رو رو کر اپنے رب سے کرم کی بھیک مانگتی' اس کی ساری دعائیں جیسے جمع ہورہی تھیں' فوری عمل نہیں ہورہا تھا اور اسی کا ردعمل تینوں پر نمایاں تھا۔ ادھر شگفتہ بیگم کو وہ کچھ نہیں بتاتی' بس اتنا ہی کہتی کہ علاج ہورہا ہے کیونکہ گزشتہ سال عبدالرحمن صاحب کی اچانک موت سے شگفتہ بیگم ویسے ہی بہت ٹوٹ گئی تھیں واسعہ اپنی پریشان کو کھل کر بیان بھی نہیں کرتی تھی۔

اس دن بھی صفورا بیگم خاموش احتجاج کی صورت سارا دن کمرے میں بند رہیں' واسعہ نے کھانا بھی وہیں دیا تھا۔ شام کو ضامر آیا تو حسب معمول انہوں نے پھر وہی موضوع چھیڑ دیا۔

''اماں آپ ایسا کیوں چاہتی ہیں؟'' ضامر نے غصے سے سوال کیا۔

''تمہیں نہیں پتا کہ کیوں چاہتی ہوں؟ تم نادان ہو' بچے ہو؟ مجھے ہر حال میں ہر صورت میں پوتا' پوتی چاہیے اور سچ پوچھو تو مجھے واسعہ سے اس بات کی ایک فیصد بھی امید نہیں ہے اور اب تمہیں ہر صورت اور ہر حال میں بچے کے لیے دوسری شادی کرنی پڑے گی۔''

''اماں آپ ناامید کیوں ہوتی ہیں' جب ڈاکٹرز بھی ناامید نہیں ہیں' ہمیں اللہ پر بھروسہ رکھنا چاہیے۔''

''ہاں ہے بھروسہ مگر خود پر بھروسہ نہیں ہے ایسا نہ ہو کہ یہ آرزو لے کر قبر میں چلی جاؤں۔ تمہیں اپنی بیوی سے اتنی محبت ہے کہ اس کی دل آزاری نہ ہو اس لیے تم یہ قدم نہیں اٹھا رہے ہو۔ میرا ذرہ برابر بھی خیال نہیں ہے' ماں کی کوئی پروا نہیں ہے کہ کس طرح میں نے تن تنہا تمہیں زمانے کی سرد وگرم سے بچایا۔ کیسے کیسے حالات اور کٹھنائیوں سے گزر کر تمہیں اس مقام تک پہنچایا' کبھی بھی' کسی موقع پر بھی تمہیں یہ احساس نہیں ہونے دیا کہ تم یتیم بچے ہو' کسی چیز کی کمی نہ ہونے دی۔ ایک بے بس عورت ہو کر تم پر کبھی بھی اپنی کمزوری ظاہر نہ کی' تمہیں اچھے اسکول میں پڑھایا' تمہاری ہر خواہش اپنی ضرورتیں مار کے پوری کیں اور آج...... آج تم میری ایک خواہش پوری کرنے میں......''

''اماں یہ خواہش کے ساتھ ساتھ کسی کی زندگی کا بھی سوال ہے۔'' ضامر نے ان کی بات کاٹی۔

''میں تمہیں قتل کرنے کا نہیں کہہ رہی ہوں کیا دو شادیاں کرنا گناہ عظیم ہے؟ کیا میں تمہیں ناجائز اور انہونی بات کرنے کے لیے کہہ رہی ہوں اور یہاں دوسری شادی کرنے کی مدلل اور ٹھوس وجہ ہے۔ تمہاری آنکھوں پر تو محبت کی پٹی بندھی ہوئی ہے' تمہیں اس کے علاوہ کچھ اور دکھائی نہیں دیتا نہ میری خواہش' نہ میرا سونا آنگن' نہ اپنی سونی گود......'' صفورا بیگم کا غصہ عروج پر تھا۔

واسعہ اپنے کمرے میں کھڑی بری طرح رو رہی تھی' واسعہ بھی تو ننھی منی قلقاریوں کی گونج سننے کے لیے تڑپ رہی تھی وہ بھی اپنی سونی گود دیکھ کر آنسو بہایا کرتی تھی لیکن وہ...... ضامر کی محبت میں حصہ داری

اپنے سامنے برداشت بھی تو نہیں کرسکتی تھی۔ اماں کی تڑپ' اماں کی خواہش اور اماں کی ضد بھی اپنی جگہ درست تھی اس نے بہت سوچ کر بہت ہمت اور حوصلے کے ساتھ ایک فیصلہ کرلیا۔

''ضامر! آپ اماں کی بات مان لیں۔'' ضامر کمرے میں آیا تو واسعہ نے بہت حوصلے کے ساتھ کہا۔

''کیا...... کیا بکواس کررہی ہو؟ دماغ خراب ہوگیا ہے تمہارا؟ تم...... تم بھی یہی چاہتی ہو کہ میں دوسری شادی کرلوں...... یہ بات تم دل سے کہہ رہی ہو؟''

''بات دل کی نہیں ضامر......'' واسعہ نے منہ پھیر کر اپنے آنسو چھپانے کی ناکام کوشش کی۔ ''ضامر اماں کی بات غلط نہیں ہے' وہ اس گھر میں ننھی منی آوازیں سننا چاہتی ہیں' ننھے قدموں کی چاپ سننے کو ان کی سماعتیں تڑپ رہی ہیں' انہوں نے آپ کے حوالے سے برسوں سے کچھ خواب دیکھے ہیں اور اب...... اب جب ان خوابوں کو تعبیر دینے کا وقت آیا ہے تو...... تو وہ...... اب بھی محروم ہیں۔ اللہ کی رحمت سے میں بھی مایوس نہیں ہوں ضامر! مگر اماں کی بات سے انکار بھی نہیں کرسکتی' اس لیے آپ ان کی یہ خواہش پوری کردیں۔''

''میرا دماغ پہلے ہی جگہ پر نہیں ہے اوپر سے تمہاری بکواس بھی شروع ہوگئی ہے' تم ساس بہو نے مل کر میری زندگی عذاب کررکھی ہے۔''

''ضامر عذاب تو میری زندگی بھی بن گئی ہے۔'' واسعہ نے روتے ہوئے کہا۔

''بکواس بند کرو' یہ نحوست پھیلاتی رہتی ہو' دنیا بھر کے مرد تھکے ہارے گھر آتے ہیں تو ماں کو' بیوی کو دیکھ کر ریلیکس ہوجاتے ہیں ان کی تھکن دور ہوجاتی ہے۔ وہ فریش ہوجاتے ہیں ایک میں بدنصیب انسان ہوں کہ گھر آتا ہوں تو اماں کی چیخ چیخ سننے کو ملتی ہے' طعنے بازیاں ہوتی ہیں۔ مجھ سے ٹھیک سے بات نہیں کرتیں' کمرے میں آتا ہوں تو تمہاری روتی بسورتی صورت میرا استقبال کرتی ہے' لگتا ہے جہنم میں آگیا ہوں' زندگی عذاب کرکے رکھ دی ہے تم دونوں نے میری' گھر آکر میری الجھنیں بڑھ جاتی ہیں۔ دوزخ بنا کر رکھ دی ہے میری زندگی تم دونوں نے مل کر' دونوں کے درمیان میں تو پس کر رہ گیا ہوں۔'' ضامر نے چلا کر کہا۔

''ہاں ہاں اس سارے فساد کی جڑ میں اور میری سونی گود ہی تو ہے جس نے آپ کا اور اماں کا دماغ خراب کرکے رکھ دیا ہے۔ میں نے ہر ممکن کوشش کی' اپنے مزاج کے خلاف جا کر آپ کی اماں کی ہر بات مانی ہے لیکن اگر کوئی امید نہیں ہوئی تو اس میں میرا کیا قصور ہے؟ میں بھی عاجز آگئی ہوں یہاں پر ڈر ڈر کر سہم سہم کر مجرموں کی طرح زندگی گزارتے ہوئے۔ آپ مجھے چھوڑ دیں...... اور...... اور شادی کرلیں بس۔'' واسعہ نے شدت جذبات سے اپنا نچلا ہونٹ کچلتے ہوئے فیصلہ سنایا۔

''کیا...... کیا کہہ رہی ہو...... اندازہ بھی ہے تمہیں؟ کیا تم مجھے چھوڑنا چاہتی ہو؟'' ضامر کے سوال پر واسعہ نے تڑپ کی نگاہ اوپر اٹھائی۔

وہ کہاں ضامر سے دور ہونا چاہتی تھی لیکن اپنے سامنے ضامر کو کسی اور کا ہوتے دیکھ بھی نہیں سکتی تھی مگر اسے یہ کڑوا گھونٹ تو پینا ہی تھا۔

''ہاں یہی سمجھ لیں۔'' پیٹھ موڑ کر واسعہ نے دکھ کی شدتوں کو چھوتے ہوئے جواب دیا۔

''واسعہ تم کو اندازہ ہے کہ تم کیا بکواس کررہی ہو؟'' ضامر اس کے سامنے آکر پوری قوت سے چیخا' وہ ضبط کی شدتوں سے گزر رہا تھا۔

''ہاں ہاں میں تنگ آگئی ہوں یہ روز روز کی کل کل سے' عذاب تمہاری نہیں میری جان پر بھی ہے۔ اماں کو لگتا ہے کہ سارا قصور میرا ہے۔ میں یہاں قیدیوں کی طرح اور زندگی نہیں گزار سکتی' قدم قدم پر تذلیل ہوتی ہے باہر والوں کے ساتھ مل کر آپ کی اماں مجھ کو طنز کا نشانہ بناتی ہیں۔ اپنی قسمت کو کوسنے دیتی ہیں' مجھے نہ جانے کیسے کیسے نام دیتی ہیں۔ ایسا نہ ہو کہ اپنی تربیت داؤ پر لگا کر ان کے ساتھ کوئی بدتمیزی کر بیٹھوں جب وہ آپ کو روزانہ میرے خلاف

بھڑکاتی ہیں میں کب تک برداشت کروں گی۔ وہ روایتی ساس بن گئی ہیں اس سے پہلے کہ میں بھی روایتی بہو بن جاؤں آپ ان کی بات مان لیں۔"

"واسعہ اپنی بکواس بند کرو اور میرے صبر کو مزید مت آزماؤ اس وقت چپ ہوجاؤ۔" ضامر پوری قوت سے چیخا آواز سن کر اماں بھی آ گئی تھیں۔

"ضامر یہ کیا بدتمیزی ہے اتنا کیوں چیخ رہے ہو جو بات کرنی ہے تسلی سے کرو۔" انہوں نے آ کر ضامر کو ڈانٹتے ہوئے کہا۔

"ہُنہہ واہ جی واہ...... پہلے تو اندر اندر آگ لگاتی رہیں اور اب جب آگ بھڑک چکی ہے تو آ کر اس آگ کو ٹھنڈا ہونے کے لیے کہہ رہی ہیں۔ بہت زبردست پالیسی ہے اماں آپ کی بھی۔" واسعہ تالی بجا کر طنز سے ہنستے ہوئے پہلی بار اتنی بدتمیزی سے صفورا بیگم سے مخاطب ہوئی تھی۔

"واسعہ......" ضامر بے ساختہ آگے بڑھا اور بھرپور طمانچہ واسعہ کے منہ پر دے مارا۔ صفورا بیگم جو منہ پھاڑے واسعہ کی بدتمیزی پر ہی حیران تھیں ضامر کے اس ردعمل پر آنکھیں پھاڑے ضامر کو دیکھتی رہیں۔ واسعہ نے ڈبڈبائی آنکھوں سے ضامر کو دیکھا۔

ضامر ایک لمحہ رکے بنا گھر سے باہر نکل گیا۔ صفورا بیگم حیران پریشان سی واسعہ کی جانب بڑھیں لیکن اس سے پہلے ہی واسعہ ان کو غصے سے گھورتی ہوئی کمرے سے باہر نکل گئی اور صفورا بیگم سر جھکائے اپنے کمرے کی جانب بڑھ گئیں۔

❁......❁......❁
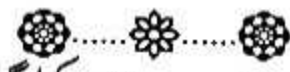
واسعہ یوں اچانک بے وقت اکیلی گھر پہنچی تو سب لوگ اسے دیکھ کر حیران رہ گئے۔

"خیریت تو ہے تم اس وقت وہ بھی اکیلی آئی ہو؟" شگفتہ بیگم نے پریشان ہو کر سوال کیا۔

"واسعہ! ضامر نہیں آئے تمہارے ساتھ؟ تمہاری طبیعت تو ٹھیک ہے؟" اروی نے بھی بغور اس کے مضمحل چہرے کو دیکھتے ہوئے پریشان ہو کر پوچھا۔

"جی میں اکیلی آئی ہوں اور......" وہ شگفتہ بیگم کے گلے سے لگ کر بُری طرح رونے لگی۔

"ارے واسعہ! کچھ بتاؤ تو سب ٹھیک ہے ناں ہائے اللہ میرا دل بیٹھا جا رہا ہے۔" شگفتہ بیگم بھی رونے لگی تھیں تب اس نے مختصر اً بتایا کہ وہ گھر چھوڑ کر آ گئی ہے۔

"یہ کیا بات ہوئی...... میں ابھی بات کرتا ہوں ضامر سے۔" سروش نے غصے سے مٹھیاں بھینچتے ہوئے کہا۔ "اس طرح کیسے تمہیں نکال سکتے ہیں وہ لوگ؟"

"نہیں بھیا! میں خود آئی ہوں مجھے کسی نے نہیں نکالا گھر سے اور...... اور میں اب واپس نہیں جاؤں گی۔" واسعہ نے آنکھیں صاف کرتے ہوئے اٹل لہجے میں کہا۔

"ارے بیٹی ایسے نہیں ہوتا ہر گھر میں اونچ نیچ ہوجاتی ہے اور یوں گھر بار نہیں چھوڑے جاتے۔ ہم بات کریں گے ان سے۔" شگفتہ بیگم نے ہولتے ہوئے اسے سمجھایا۔

"امی میرا سب سے بڑا گناہ یہ ہے کہ میں اب تک ماں نہیں بن سکی اور اماں کے خیال میں میری موجودگی میں ضامر دوسری شادی نہیں کر سکتے اور یہی اماں کی خواہش بھی ہے۔" واسعہ نے رندھے ہوئے لہجے میں کہا۔

"اور آپ سب کو خدا کا واسطہ ہے کہ مجھے کوئی نصیحت کوئی دلیل دینے کی سمجھانے کی کوشش نہ کریں۔ خدا کے لیے مجھے میرے حال پر چھوڑ دیں میں اب کچھ سننے یا سمجھنے کی پوزیشن میں نہیں ہوں اگر مجھے رکھنا چاہتے ہیں تو ورنہ......" جملہ ادھورا چھوڑ کر وہ دوبارہ سسک پڑی۔

"اُف......" شگفتہ بیگم نے سر پیٹ لیا۔ "یہ کیسی باتیں کر رہی ہو گڑیا! تم ہم پر بوجھ نہیں ہو ایسی بات مت کرنا۔" سروش نے آگے بڑھ کر سینے سے لگا لیا۔ اروی تاسف سے اسے دیکھنے لگی اس کی آنکھیں بھی نم ہوگئی تھیں مگر اروی یوں چپ بیٹھنے والی نہیں تھی۔ صرف واسعہ کی تسلی کے لیے خاموش ہوگئی تھی۔ ضامر کی بار بار کال آ رہی تھی مگر واسعہ نے اپنا سیل آف کر دیا تھا۔

گھر میں کچھ عجیب قسم کی سچوئشن ہو چکی تھی' بظاہر سب لوگ اپنی اپنی جگہ نارمل تھے' واسعہ کو ذرا سی دیر کے لیے اکیلے نہ چھوڑتے۔ واسعہ سروش کے ننھے منے بیٹھے شیزی کے ساتھ ہوتی تو بہت خوش رہتی ۔ شیزی کی معصوم شرارتیں' ہنسی' رونا سب کچھ اسے بہت اچھا لگتا۔ اس کے اندر شیزی کو دیکھ کر عجیب سے احساسات جنم لیتے تب وہ شیزی کو سینے میں بھینچ لیتی' اپنی پیاسی ممتا کو یونہی تسلی دیتی۔

کبھی کبھی بے تحاشہ رونا بھی آ جاتا۔ اروی اس کے پیچھے لگی رہتی اس کو بہلانے کی کوشش کرتی' اپنے ساتھ شاپنگ کرتے لے جاتی۔ شگفتہ بیگم اس کا ذہن ادھر اُدھر کی باتوں میں لگاتیں۔ دن تو جیسے تیسے گزر جاتا لیکن جیسے ہی رات ہوتی اور وہ بستر پر لیٹتی تب گزرا ہوا' ایک ایک لمحہ' اچھی بری یادیں آ کر بے چین کر دیتیں۔

ضامر کے ساتھ گزرا ہوا ایک ایک لمحہ ضامر کی وارفتگیاں' چاہتیں اور آخر وقت تک دوسری شادی کے لیے حامی نہ بھرنا یاد آتا تو وہ تڑپ جاتی' بے تحاشا آنسو اس کی آنکھوں سے بہنے لگتے۔ وہ خود بھی مجبور تھی کون سا خوش اور مطمئن تھی' اسے تو خود سے زیادہ بے چاری اماں پر ترس آتا تھا۔ وہ جانتی تھی ضامر بظاہر خود کو مطمئن ظاہر کرتا ہے لیکن وہ بھی دل سے چاہتا تھا کہ وہ جلد از جلد باپ بن جائے اور واسعہ کی موجودگی اسے قدم اٹھانے سے روکتی تھی۔ واسعہ کی معصوم صورت اسے ہمیشہ اماں کی بات کو رد کرنے پر اکساتی تھی' کبھی کبھی وہ سوچتی شاید...... ضامر نے نکاح بھی کر لیا ہوگا۔

ایک ہفتہ اسی طرح نئی نئی باتیں سوچتے' الٹے سیدھے خیالات میں الجھتے' روتے دھوتے گزر گیا۔ اس روز صبح واسعہ اٹھی تو اسے بُری طرح سے چکر آ گئے اور وہ لاکھ کوشش کے باوجود بھی خود کو گرنے سے بچا نہ سکی۔

''ہائے میں مر گئی' اروی جلدی سے آؤ۔'' شگفتہ بیگم نے بدحواس ہو کر اروی کو آواز دی۔ اروی بھی دوڑ چلی آئی۔

''دیکھو تو ذرا کیسی کمزور ہو گئی ہے' پیلی زرد' کیسا روگ لگا کر بیٹھی ہے کھاتی پیتی بھی نہیں۔'' شگفتہ بیگم روتے ہوئے اروی کی مدد سے اس کو اٹھانے لگیں۔ اروی نے اسے بیڈ پر بٹھایا۔

''کیا ہوا ہے تم ٹھیک تو ہو ناں؟'' اروی نے اس کو پانی کا گلاس دیتے ہوئے پریشانی سے پوچھا۔

''ہائے میری بچی! کیا ہو گیا' کیسے گری؟'' شگفتہ بیگم اس کے ہاتھ سہلاتے ہوئے اس سے پوچھ رہی تھیں۔

''جی امی! ٹھیک ہوں بس ذرا سے چکر آ گئے تھے' آپ خوامخواہ اتنی پریشان مت ہو جایا کریں۔'' وہ جھنجلا کر بولی۔

''سوتی بھی نہیں ہو ناں تم ساری رات جاگتی رہتی ہو۔'' اروی نے اس کے کاندھے پر ہاتھ رکھ کر ملائمت سے کہا۔

''تم ناشتا کرلو' ہم ڈاکٹر کے پاس چلتے ہیں۔'' اروی نے کہا تو شگفتہ بیگم نے بھی ہاں میں ہاں ملائی۔

اور جب لیڈی ڈاکٹر عظمیٰ نے یہ خوش خبری سنائی کہ واسعہ ماں بننے والی ہے تو شگفتہ بیگم اور اروی کے منہ حیرت اور خوشی سے کھلے کے کھلے رہ گئے۔

''کیا...... یہ...... ماں بننے والی ہیں؟'' اروی نے ایک بار پھر تصدیق چاہی۔

''جی جی...... اروی تمہیں تو اندازہ ہونا چاہیے تھا ناکہ واسعہ کی کیا کیفیت ہے؟'' ڈاکٹر عظمیٰ نے ہنستے ہوئے اروی کو مخاطب کیا۔

''جی...... جی ڈاکٹر!'' اروی کو خوشی کے مارے سمجھ نہیں آ رہا تھا کہ وہ کیا کرے۔

''مبارک ہو واسعہ!'' اس نے واسعہ کو گلے لگا کر پرنم آنکھوں سے مبارک باد دی۔ یہی کیفیت شگفتہ بیگم کی تھی جب کہ واسعہ کا چہرہ ہر قسم کے جذبات سے عاری تھا' اس کے چہرے پر عجیب سائے لہرا رہے تھے۔

''اللہ تیرا لاکھ لاکھ شکر ہے۔'' شگفتہ بیگم نے اپنی آنکھیں صاف کرتے ہوئے ہاتھ اٹھا کر آسمان کی جانب دیکھا۔ ڈاکٹر عظمیٰ نے کچھ دوائیں' احتیاطی اور

ہدایات کے ساتھ انہیں رخصت کیا۔
''یا اللہ تیرا بہت کرم ہے اب گھر جاتے ہی سب سے پہلے ضامر کو کال کر کے تم یہ گڈ نیوز سنانا۔'' اروی نے ہسپتال سے باہر نکلتے ہوئے خوشی خوشی کہا۔ واسعہ نے جواباً کوئی ری ایکٹ نہیں کیا وہ بالکل چپ تھی۔ گھر جاتے ہی اروی نے خوشی خوشی سیل واسعہ کی طرف بڑھایا۔
''لو سب سے پہلے ضامر کو اور پھر اپنی ساس کو یہ خوشخبری سناؤ کہ اللہ پاک نے تم لوگوں پر کتنا کرم کر دیا ہے۔ تمہارا ہنستا بستا گھر ایک بار پھر سے آباد ہو جائے گا۔''
''نہیں بھابی! میں ضامر یا اماں کو کچھ نہیں بتاؤں گی۔'' واسعہ نے سیل اٹھا کر ایک طرف ڈالتے ہوئے سپاٹ لہجے میں کہا۔
''کیا کہہ رہی ہو واسعہ؟ اتنی بڑی خوشی، اتنی بڑی بات تو تمہیں فوراً بتانی چاہیے جس بات کا ایشو بنا کر آج تم اس حال میں اپنا گھر بار، اپنے شوہر کو چھوڑ کر یوں اداس زندگی گزار رہی ہو۔ الحمدللہ اب وہ بات وہ ایشو رہا ہی نہیں جس کو لے کر تم نے اتنا بڑا قدم اٹھایا۔ تمہاری ساس تم سے نفرت کرنے لگی تھیں، تمہارا شوہر تم سے عاجز آ گیا تھا۔ اب ایسا مسئلہ رہا ہی نہیں تو پھر اب کیا قباحت ہے۔ سارے مسائل حل ہونے کا وقت آ گیا ہے واسعہ!'' اروی کو اس کی دماغی حالت پر شک ہونے لگا تھا۔
''بھابی آپ نہیں سمجھیں گی بس میں جو کر رہی ہوں مجھے کرنے دیں۔'' واسعہ کے لہجے میں دکھ بول رہے تھے۔ شگفتہ بیگم نے سنا تو وہ بھی ناراض ہو گئیں۔
''امی جی! کیا آپ لوگ مجھے بوجھ سمجھنے لگے ہیں۔'' واسعہ نے زخمی لہجے میں سوال کیا۔
''پاگل ہو گئی ہو کیا تم؟ تمہارا تو سچ میں دماغ خراب ہو گیا ہے، نہ جانے کیا سوچتی رہتی ہو خود سے الٹے سیدھے اور بے تکے فیصلے کرتی رہتی ہو یہ انا ہے یا پاگل پن میری سمجھ سے تمہارا رویہ باہر ہے، تم آخر چاہتی کیا ہو کسی حال میں کسی صورت مطمئن نہیں ہو پاتی۔ اتنی بڑی بات کو بھی تم شیئر نہیں کرنا چاہتی۔ تم ہم پر بوجھ نہیں ہو مگر تمہاری نادانیاں اور یہ بے وقوفیاں تمہیں خدانخواستہ مزید آزمائش میں نہ ڈالیں۔ تمہارے لیے مزید پریشانیاں اور مسائل نہ کھڑے ہو جائیں۔'' شگفتہ بیگم کو اس پر شدید غصہ آ گیا تھا۔
''امی پلیز! آپ اپنے کمرے میں جائیں میں بات کرتی ہوں آپ فکر نہ کریں، ٹینشن نہ لیں آپ کی طبیعت خراب نہ ہو جائے میں سمجھاتی ہوں اس کو یہ ذہنی طور پر اپ سیٹ ہے اس کی سمجھ میں نہیں آ رہا کہ کیا کہہ رہی ہے۔'' اروی نے شگفتہ بیگم کو سخت غصے کی حالت میں دیکھا تو انہیں پکڑ کر ان کے کمرے تک پہنچاتے ہوئے دھیرے دھیرے سمجھایا۔
اروی واپس کمرے میں آئی تو واسعہ دونوں ہاتھوں میں منہ چھپا کر سسک رہی تھی۔ اروی پلیز یہ سب کیا ہے اب اس خوشی کے موقع پر ایسا ری ایکٹ کیوں کر رہی ہو تم۔ امی الگ پریشان ہیں، تم خود کو ہلکا کیوں کر رہی ہو۔'' اروی نے اسے پانی کا گلاس تھماتے ہوئے نرم لہجے میں سمجھایا۔
''ہاں بھابی! آپ ٹھیک کہتی ہیں میں بہت بری ہوں، میری وجہ سے سب پریشان ہیں مگر میں کیا کروں کہ مجھے ابھی بھی اس خوش خبری پر یقین نہیں ہے۔ پتا نہیں کیوں مجھے لگتا ہے کہ خدانخواستہ کچھ ہو جائے گا اور میں...... میں ماں نہیں بن پاؤں گی۔'' وہ اروی کا ہاتھ تھام کر دوبارہ سسک پڑی۔
''اللہ نہ کرے۔'' اروی نے اس کے منہ پر ہاتھ رکھ کر اسے مزید کچھ کہنے سے روکا۔ ''اللہ پاک کا شکر ادا کرو ہر دم اس سے کرم کی اور خیر کی بھیک مانگو۔ اپنے لیے خیر کی دعائیں مانگو اللہ پاک ضرور تمہاری دعائیں سنے گا۔'' اروی نے محبت سے اس کے ہاتھ تھام کر سمجھایا۔
''بھابی ضامر خود بھی بچے کے لیے تڑپتے ہیں، میں نے کئی بار انہیں دیکھا ہے ان کی آنکھوں میں ان کے چہرے پر ان کی نادانستگی میں کی گئی باتوں کو محسوس کیا ہے

میں نے لیکن...... لیکن وہ مجھے بہت پیار کرتے ہیں اور اسی وجہ سے انہوں نے اب تک اس خواہش کو دبا کر رکھا‘ اپنی اماں سے جھگڑے کیے ان کے ساتھ بدزبانی اور بدتمیزی بھی کی۔ ایک عورت جس نے اپنی ساری زندگی ایک بیٹے کے لیے وقف کردی اور اگر آج وہ اپنے لیے پوتا یا پوتی کی خواہش کرتی ہے تو کیا یہ غلط ہے؟ اگر ان کو خدانخواستہ کل کچھ ہوجاتا ہے تو یہ آرزو لیے وہ دنیا سے چلی جائیں گی۔ میں خود کو کبھی بھی معاف نہیں کرپاؤں گی‘ ہر ہر لمحہ مجھے اذیت محسوس ہوگی جیسے میں نے بہت زیادتی کی ہے ناقابل معافی اور سنگین جرم کیا ہے اگر وہ ضامر کی شادی کرنا چاہتی ہیں تو یہ ان کا حق ہے اور میں یہاں پر آئی بھی صرف اور صرف اسی وجہ سے اور اب اگر وہ وہاں پر ضامر کی شادی کررہی ہوں یا کرنے جارہی ہوں تو میں ان کو یہ خبر سنادوں تو ضامر یقیناً انکار کردیں گے اور اگر خدانخواستہ میں بھی...... یہ خوشی نہ دے سکی تو......‘‘ وہ اروی کے سامنے سرتاپا سوال تھی۔

’’اُف نہ جانے تمہاری کیسی منطق ہے واسعہ! میری سمجھ سے باہر ہے اگر...... اگر کی بنیاد پر تم کیسا فیصلہ کرنے جارہی ہو‘ ضروری ہے کہ تم نگیٹو سوچو؟‘‘

’’کچھ بھی سہی بھائی پلیز آپ امی سے بھی کہہ دیں اور آپ بھی اس بات کا ذکر بالکل بھی نہیں کریں گی۔‘‘ اس نے فیصلہ سنایا تو اروی نے سر پیٹ لیا اور پھر کچھ سوچ کر وقتی طور پر خاموش ہوگئی۔

’’چلو جیسے تمہاری مرضی بس اپنا خیال رکھو کیوں کہ تم ہم سب کو بہت عزیز ہو‘ اپنے بھائی کی اپنی ماں کی جان ہو تم۔‘‘ اروی نے گلے سے لگا کر کہا تو واسعہ کے ہونٹوں پر مسکراہٹ آگئی زخمی اور بے جان مسکراہٹ۔

اروی نے شگفتہ بیگم کو جانے کیا کہا تھا کہ وہ نارمل ہوگئی تھیں‘ اروی اور شگفتہ بیگم نے مل کر واسعہ کو ہتھیلی کا چھالا بنا کر رکھا تھا۔ وہ نہیں چاہتے تھے کہ خدانخواستہ کوئی اونچ نیچ یا کوئی مسئلہ ہوجائے۔ واسعہ کی دوا‘ احتیاطً سونا جاگنا‘ کھانا پینا ہر چیز وقت پر ہورہی تھی۔ اروی کسی چیز کی کمی نہ ہونے دیتی‘ سروش سے کہہ کر اس کے لیے فروٹس‘ جوسز منگواتی‘ کبھی کبھی واسعہ اروی کی محبتوں پر شرمندہ بھی ہوجاتی کتنا خیال رکھتی تھی وہ۔ واسعہ کی ذہنی کیفیت عجیب سی تھی‘ جیسے جیسے وقت گزرتا جارہا تھا بے چینی اور اضطراب بڑھتا جارہا تھا۔ کبھی کبھی دل کرتا کہ ضامر سے بات کرلے اس سے اپنی کیفیت شیئر کرکے اس کے سینے میں منہ چھپا کر ڈھیر سارے آنسو بہاڈالے لیکن دوسرے لمحے وہ تڑپ جاتی اس خیال سے کہ شاید ضامر کسی اور کے ساتھ...... اُف کتنا جان لیوا اور اذیت ناک راستہ تھا جس پر وہ آج کل سفر کررہی تھی‘ آگے کیا ہونا تھا؟ کیا ہوچکا...... ان تمام باتوں سے بے خبر تھی۔ سخت الجھن میں ناز اور نخرے اٹھاتے اٹھاتے آٹھ ماہ کا عرصہ آٹھ صدیاں بن کر گزرا تھا اور اب اسے کسی وقت بھی ہسپتال جانا پڑسکتا تھا۔

موسم نے پلٹا کھایا تھا‘ دسمبر کے اسٹارٹ ہوتے ہی سردی نے اپنا رنگ جمانا شروع کردیا تھا۔ اسے دسمبر کی اداسی مزید اداس کردیتی اس ماہ کا ایک دن ایک ایک صدی بن کر گزر رہا تھا بے کیف‘ بے رنگ اور اداس دن تھے۔ کچھ اس کی طبیعت بھی بے حد مضمحل اور تھکی تھکی سی رہنے لگی۔ اپنا آپ بوجھ لگنے لگا تھا‘ وہ آنے والے حالات کے لیے خود کو تیار کرنے میں جتی رہتی‘ آگے کیا ہوگا؟ کیسا ہوگا؟ یہ سوال ہر دم ننگی تلوار کی طرح اس کے سر پر لٹکتا رہتا‘ کبھی کبھی اسے لگتا کہ ضامر کو نہ بتا کر کہیں اس نے بہت بڑی غلطی تو نہیں کردی دوسرے لمحے سوچتی نہیں‘ ضامر بھی تو چپ تھا۔

اچانک وہ سیدھی ہوئی تو درد کی شدید اور ناقابل برداشت لہر اس کے اندر اٹھی جس نے اسے خیالات سے چونکادیا۔

’’اُف اللہ......‘‘ نہ چاہتے ہوئے بھی اس کے لبوں سے سسکی کی صورت آواز نکلی اس کی آواز پر اروی اور شگفتہ بیگم بھاگ کر اس تک پہنچے تھے۔ آج صبح سے ہی اروی اس کی طبیعت کی بے چینی محسوس کررہی تھی اور شگفتہ بیگم ذہنی طور پر تیار تھے۔

"امی ...... امی!" بمشکل سوکھے ہونٹوں پر زبان پھیرتے ہوئے اس نے درد کی شدتوں میں شگفتہ بیگم کو سہارا بنا کر اٹھنے کی کوشش کی۔ اروی اس وقت موبائل پر کال کررہی تھی کال کر کے وہ بھی پاس آ گئی دونوں کی مدد سے وہ بیڈ پر لیٹی اروی نے گاڑی منگوالی تھی۔

بے چینی اور تکلیف کی شدتوں سے اس کی آنکھیں بند ہونے لگی تھیں بند ہوتی ہوئی آنکھوں سے اس نے اپنے اوپر ضامر کو جھکا ہوا دیکھا تھا' تکلیف اور درد کی ٹیسیں جیسے تھمنے لگی تھیں اس کے چہرے پر کرب کی جگہ اطمینان پھیلنے لگا تھا اور وہ ضامر کے ہاتھوں میں ہوش و خرد سے بیگانہ ہوگئی تھی۔

واسعہ نے بمشکل اپنی آنکھوں کو کھولنے کی کوشش کی اس کی سمجھ سے باہر تھا کہ وہ کہاں ہے تب ہی درد کے احساس سے اس نے پلکیں جھپکا کر آنکھوں کو پورا کھولنے کی کوشش کی اس وقت بھی ضامر اس کے اوپر جھکا ہوا تھا۔ اسے لگا جیسے وہ خواب کی کیفیت میں ہو سوئے سے ذہن کو جگانے کی کوشش کی اور ساتھ ہی بے ہوش ہونے سے پہلے کا منظر اس کی آنکھوں میں گھوم گیا۔

"بہت بہت مبارک ہو میری جان! تم نے مجھے نئے سال کا بہت خوب صورت تحفہ دیا ہے ہمارے کیوٹ سے بیٹے کی صورت میں۔" ضامر نے جھک کر ماتھے پر بوسہ دیتے ہوئے کہا تو واسعہ نے یکدم سے پوری آنکھیں کھول دیں۔ ضامر اس پر والہانہ انداز سے جھکا ہوا مسکرا رہا تھا اور ضامر کی گود میں گول مٹول سا بچہ تھا۔

"اللہ تیرا شکر ہے۔" واسعہ کے منہ سے بے ساختہ نکلا' ساتھ ہی ڈھیر سارے آنسو اس کی آنکھوں سے بہہ نکلے۔

"پلیز اب اس خوشی کے موقع پر رونا مت۔" ضامر نے انگلی سے اس کے آنسو صاف کرتے ہوئے محبت بھرے لہجے میں کہا۔

"آپ...... آپ...... اور آپ کی دوسری......"

"بس بس آگے مت بولنا' میں تمہاری طرح پاگل اور بے وقوف نہیں ہوں۔" اس کی بات کاٹ کر ضامر جلدی سے بولا۔

"تم کیا سمجھتی ہو تمہارے ساتھ ساتھ ہم سب بھی پاگل ہیں' نہیں جناب! یہاں پر اروی بھابی جیسے سمجھ دار لوگ بھی موجود ہیں۔" ضامر نے سامنے کھڑی اروی کی جانب اشارہ کیا تو واسعہ نے نظریں گھما کر دیکھا' شگفتہ بیگم' صفورا بیگم' اروی اور سروش بھی کمرے میں داخل ہو رہا تھا۔

"مبارک ہو میری بچی!" شگفتہ بیگم سے پہلے صفورا بیگم نے آگے بڑھ کر اس کا ماتھا چوم کر بھیگی بھیگی آنکھوں سے مبارک باد۔

"بہت شکریہ میری بیٹی! تم نے ہم سب کو نئے سال کا اتنا پیارا تحفہ دیا ہے۔" تب اسے احساس ہوا کہ وہ کل رات کو ہسپتال آئی تھی اور آج یکم جنوری ہے۔

"اروی بھابی نے مجھے پہلے دن سے لے کر آخری دن تک تمہارے بارے میں ایک ایک پل سے آگاہ رکھا تھا بے وقوف لڑکی!" سب لوگ ایک دوسرے کو مٹھائی کھلا رہے تھے' واسعہ دل ہی دل میں خدا کا شکر ادا کررہی تھی کہ اللہ پاک نے اس پر کتنا کرم کردیا تھا۔

ضامر نے اپنے ہاتھوں سے اسے مٹھائی کھلائی' اللہ تعالیٰ نے دکھ اور اذیت کے بعد اسے کتنی راحت اور سکون عطا کردیا تھا' ضامر کی بے پناہ چاہتیں' اماں اور گھر والوں کی محبتوں کے ساتھ ساتھ پہلو میں لیٹا گول مٹول گڈے جیسا خوب صورت سا بیٹا جس کے لمس کے احساس سے اس کی ممتا سرشار ہو رہی تھی۔ پہلو میں بیٹا ہاتھوں کو تھامے مسکراتا محبتیں لٹاتا ضامر اور سامنے اس کے اپنے ہنستے مسکراتے چہرے دیکھ کر واسعہ کے اندر ڈھیروں سکون اتر آیا تھا۔ وہ سوچ رہی تھی کہ آنے والے سال نے اس کے دامن میں لاتعداد خوشیاں ڈال دی تھیں۔ وہ اپنے رب کا جتنا شکر ادا کرتی کم تھا کہ اس کی خوشیاں پھر سے لوٹ آئی تھیں۔

❁

میرے خواب میری خواہش

عابدہ سبین

فجر کی نماز ادا کرکے وہ کچن میں آ گئیں تو قیر صاحب بھی باہر صحن میں ہی تخت پر بیٹھے تلاوت کر رہے تھے۔

''امی ناشتا دے دیں۔'' حیدر کی آواز پر وہ دونوں میاں بیوی حیران رہ گئے۔ نو بجے بھی زبردستی جاگنے والی مخلوق میں سے تھا اور آج اتنی صبح......

''حیدر تُو اتنی سویرے اٹھ گیا۔'' وہ حیرانگی چھپا نہ پائیں۔

''کہیں جانا ہے' بتا دیں اگر ناشتا نہیں دینا تو......''

حیدر سے حسب توقع بدتمیزانہ ہی جواب ملا۔ ماں اپنا سا منہ لے کر ناشتا بنانے لگ گئی جبکہ تو قیر احمد افسوس سے جواں بیٹے پر نظر ڈال کر پھر تلاوت کرنے لگے۔ حیدر نے واش بیسن پر منہ دھویا تولیہ سے صاف کرتا وہ پھر کچن میں تھا۔

ماں نے اس کے لیے دو پراٹھے ڈال دیئے تھے' اس کو ناشتا جلدی سے دیا' کہیں وہ بھوکا نہ چلا جائے حالانکہ بیٹے سے اچھی بات سننا بھی محال تھا' بائیس سالہ حیدر تو قیر' تو قیر احمد کا اکلوتا بیٹا تھا۔ تین بیٹیوں کے بعد منتیں مرادیں مانگ کر لیا گیا لاڈلا بیٹا...... جو آج ماں باپ کی بات ماننا تو دور' سننا بھی گوارانہ کرتا تھا۔

جلدی جلدی ناشتہ کرکے وہ باہر نکل گیا' اب وہ تھا اور اس کے آوارہ دوست ہر چوک پر کھڑے ہو جاتے اور آتی جاتی لڑکیوں کو پریشان کرتے۔ یہ ان کا مشغلہ تھا۔ محلے کے اسکول کے سامنے کھڑے ہو جاتے اور جملے کستے' واہیات گانے گاتے۔ ہر صبح و شام ان کا یہی معمول تھا۔ شام میں اس اسکول کو بطور اکیڈمی استعمال کیا جاتا۔

ایسے میں کچھ لڑکیاں خاموشی سے گزر جاتیں کچھ ان کی بے عزتی کر جاتیں مگر انہیں پروا کب تھی نہ اپنی عزت کا خیال اور دوسرے کی عزت کی پروا۔ مرد کو رب نے عورت کا محافظ بنایا ہے آج کا مرد ہی عورت کی عزت کا سب سے بڑا لٹیرا بن گیا تھا۔

❀......❀......❀

''بھیگے ہونٹ تیرے...... پیاسا دل میرا''

ثانیہ جیسے ہی اس اسکول والی گلی میں انٹر ہوئی تھی' دو لفنگے عین اسکول کے سامنے کھڑے تھے اسے دیکھتے ہی گھٹیا گھٹیا گانے گانے لگے۔

''کب تک ترساؤ گی جان من! آپ کی دوستی کے طالب ہیں۔'' ان میں سے ایک اس کے سامنے آ گیا' ثانیہ بہت بہادر لڑکی نہ تھی تبھی اس کی جیسے جان نکل گئی' قدم اٹھانا محال ہو گیا۔

''ہائے یہ جوانی......'' دوسرے نے جملہ کسا۔

''اوئے خیال کر یار! بھابی ہے میری۔'' پہلے والا خباثت سے بولا اور پھر دونوں ہنس پڑے' ثانیہ جانے کیسے کلاس روم تک پہنچی تھی مگر یہاں آتے ہی پھوٹ پھوٹ کر رو دی۔

''کیا ہوا؟'' اس کی بیسٹ فرینڈ مہرین نے پریشانی سے پوچھا۔

''آج پھر وہ لڑکے میرے راستے میں کھڑے تھے' میں کیا کروں' مہرین! انہوں نے تو روز ہی میرے راستے میں آنے کی قسم کھالی ہے۔''

''اس کی وجہ تیری شکل پر جو بارہ بج جاتے ہیں وہ ہے' تُو کیوں اتنا ڈرتی ہے ان سے' دو چار سنا دے گی تو پھر نہیں آئیں گے۔'' مہرین اس معاملے میں بہت بہادر تھی۔

''میں کیا کروں مجھے تو ان کی آنکھوں سے خوف

آتا' غلاظت بھری نگاہیں' اتنی سرخ جیسے خون اترا ہو۔''
اس نے آنسو صاف کرتے ہوئے جھرجھری لی۔

''اگر یہی صورت حال رہی تو تیرے ابو نے تجھے گھر بٹھالینا ہے پہلے ہی وہ لڑکیوں کی اعلیٰ تعلیم کے خلاف ہیں۔''

''اللہ نہ کرے انہیں پتا چلے' انہیں اس طرح کی بھنک بھی پڑگئی نہ تو بنا کچھ سنے' بنا جانچے مجھے مار دیں گے۔''

ثانیہ کے گھر کا ماحول بہت سخت تھا' اس کے ابو اور بھائی پہلے ہی لڑکیوں کو پڑھانے کے خلاف ہے۔ بمشکل اسے پرائیوٹ پڑھنے کی اجازت ملی تھی' اس نے شام میں محلے کے اسکول میں موجود یہ اکیڈمی جوائن کی تھی کہ آٹھ دن سے یہ نجانے لڑکے کون تھے روز ہی کھڑے ہوتے' خاص کر ثانیہ کے تو پیچھے ہی پڑگئے تھے۔ انہوں نے اپنی ٹیچر سے بھی بات کی تھی دو چار دن سکون رہا تھا مگر پھر وہی صورت حال تھی۔

''مجھے تو اپنے محلے کے لگتے بھی نہیں ہیں۔''

''ہاں' کم از کم ہمارے محلے کے لوگ اس طرح کی حرکت نہیں کرسکتے' محلے داری کا کچھ تو لحاظ کرتے ہیں۔''

''مجھے نہیں پتا یہ جو بھی ہیں اگر یہ ہی حال رہا تو میں خود ہی اکیڈمی چھوڑ دوں گی۔'' ثانیہ بولی تو مہرین نے سر پیٹ لیا۔

''تجھ جیسی بزدل لڑکی سے یہ ہی امید کی جاسکتی ہے' تمہاری بزدلی انہیں شیر کرتی ہے۔''

''مجھے نہیں بننا بہادر' کل کو محلے کے کسی شخص نے میرے ابو یا بھائی سے کوئی بات کردی تو تعلیم سے بھی جاؤں گی اور زندگی سے بھی۔''

''اس کا کیا حل ہے پھر' چل کل سے میں تجھے گھر سے بلالیا کروں گی' اکٹھے آئیں گے۔'' مہرین نے فی الوقت اسے تسلی دی۔

''ہاں تو ساتھ ہوگی تو کچھ ہمت ملے گی ورنہ انہیں سامنے دیکھ کر میرے تو قدموں تلے دھرتی نکل جاتی ہے۔ اتنے خوفناک لگتے ہیں ان کے حلیے اور شکلیں۔'' اسے بھی آئیڈیا پسند آیا اور کچھ حوصلہ بھی ملا تھا۔

❁......❁......❁

رات کے بارہ بجے تھے جب حیدر گھر آیا تھا۔

''حیدر ٹائم سے آجایا کر' یہ کیا طریقہ ہے تیرے لیے مجھے آدھی رات تک جاگنا پڑتا ہے۔'' صحن سے اندر آتے ہی بہن کی آواز سنائی دی تھی۔

''گھر آتے ہی بڑ بڑ شروع' اگر تم لوگوں کا یہ ہی حال رہا تو میں گھر آنا ہی چھوڑ دوں گا۔''

حمنا نے سر جھٹکا' خاموشی سے اس کے سامنے کھانا رکھ کر وہ سونے چلی گئی۔

''چائے بنادے ایک کپ۔''

''گیس بند ہے' سالن بھی اوون میں گرم کر کے دیا ہے' ٹائم پر کھانا کھاؤ سب کچھ مل جائے گا۔'' وہ پھر بول پڑی' حیدر نے غصے سے بہن کو دیکھا سرخ ہوتی آنکھیں دیکھ کر حمنا بھی خوفزدہ ہوگئی۔

''موت پڑتی ہے تجھے کام کرتے میں خود بنالوں گا' جا کر مرجا۔'' حمنا نے بھاگ جانے میں عافیت جانی تھی۔

اگلے دن صبح حسب معمول دس بج گئے مگر وہ سو کر نہیں اٹھا۔

''امی مجھے لگتا ہے حیدر نشہ کرنے لگا ہے۔'' وہ امی کے ساتھ گھر کے کام نمٹا رہی تھی' جب اچانک بولی تو امی کے دل پر ہاتھ پڑا تھا۔

''اللہ نہ کرے۔''

''امی اس کی آنکھیں دیکھیں کتنی سرخ رہتی ہیں۔''

''پان کھاتا ہے تمبا کو بھی تو نشہ ہی ہے۔''

''اٹھا نہیں تمہارا لاڈلہ۔'' ابو کارخانے سے ہو کر گھر آئے تھے وہ اس وقت چائے گھر آ کر پیتے تھے۔

''اٹھ گیا ہوں ابو کوئی کام تھا؟'' تبھی انگڑائیاں لیتا وہ بھی باہر آ گیا۔

''ہاں آج میری طبیعت اچھی نہیں ہے۔ آج مال لوڈ کرانا ہے تم ذرا ناشتے کے بعد کارخانے چلے جاؤ۔''

''اچھا جی۔'' وہ بولا پھر پینٹ کی جیب سے پان نکالا اور منہ میں ڈالا۔

''خالی پیٹ یہ نہ کھایا کر۔'' امی ٹوکے بنا رہ نہ پاتی تھیں' ماں جو تھیں اولاد کتنی بے ادب اور گستاخ ہوجائے ماں کا کلیجہ پھر بھی انہیں تکلیف میں دیکھ کر کانپ اٹھتا ہے۔ یہ پان زہر ہی تو تھا جو دھیرے دھیرے ان کے بچے کے اندر اترتا تھا۔

''اور تمہیں صبح صبح بولنے کی عادت ہوگئی ہے' اس گھر میں ایک پل کے لیے مجھے سکون نہیں ملتا۔''

وہ شروع ہوگیا چیخ و چنگھاڑ' چیزیں ادھر اُدھر پٹخ کر یوں ہی منہ دھو کر بنا ناشتا کیے چلا گیا اور آمنہ بی بی کی آنکھیں بھر آئیں۔

کیا کیا خواب دیکھتی ہے ماں کہ بیٹا ہوگا اسے یہ بناؤں گی وہ بناؤں گی' کتنے خواب ہوتے ہیں جو بیٹے کی پرورش کے ساتھ ساتھ پروان چڑھتے ہیں اور بیٹے کے جوان ہوتے ہی سارے خواب بھی جوان ہوجاتے ہیں اس کے ساتھ مگر نصیبوں والے ہوتے ہیں وہ ماں باپ جن کے بیٹے ان کے خوابوں کو پورا کرتے ہیں۔

وہ دونوں میاں بیوی تو اس معاملے میں بدنصیب واقع ہوئے تھے' حیدر تو اتنی مرادوں کے بعد ملا تھا انہیں اور بارہ سال کی عمر تک وہ بہت فرماں بردار اور نیک بچہ تھا۔ بہنوں کی جان اور ماں باپ کی آنکھوں کی ٹھنڈک جب انہوں نے اس محلے میں گھر لیا۔

توقیر احمد نے بہت مشکل وقت گزارا تھا پھر خدا نے ان کی سن لی ان کے بھی اچھے دن آئے اور انہوں نے کرائے کے مکان سے نجات پا کر یہاں اپنا گھر بنالیا

اور کپڑے کا کاروبار شروع کیا۔
یہ سب ان کی انتھک محنت کا نتیجہ تھا' مگر یہاں آ کر انہیں احساس ہوا کہ ان کے لیے بچوں کی پرورش کا نیا امتحان شروع ہوگیا۔ بیٹیاں تو بڑی تھیں چھوٹی اسکول جاتی تھی اسے خود چھوڑ آتے لے آتے۔ مگر حیدر...... ان کی بیوی روز ہی ان سے نالاں نظر آتیں۔
''یہ ہی علاقہ ملا تھا آپ کو' ارے جگہ جگہ عیاش لڑکوں کی ٹولیاں کھڑی ہوتی ہیں' بچہ بچہ گالی نکالتا ہے۔ ہمارے حیدر پر کتنا برا اثر پڑے گا۔ لڑکی ذات تو ہے نہیں جو گھر میں بٹھالیں گے' ہزار بار باہر بھی جائے گا کام ہے اسکول' مدرسہ جائے گا' مسجد جائے گا' ہم کہاں کہاں اس کی نگرانی کریں گے۔''
''اللہ پر بھروسہ رکھو جب ہم خود ایسے نہیں ہیں ہمارے بچے پر بھی یہ ماحول اثر نہیں کرے گا۔'' وہ تسلی دیتے۔
''اب وہ زمانہ نہیں ہے جب ہم یہ کہہ کر خود کو تسلی دے لیتے تھے' اب تو بچے پر سب سے زیادہ اثر ماحول کا ہی پڑتا ہے وہ جتنا وقت اسکول میں گزارے گا وہاں کا اثر لے کر گھر آئے گا' دوست بنیں گے۔''
''تم تو خوامخواہ وہموں کا شکار ہو رہی ہو۔'' وہ سخت انداز میں ان کی بات قطع کر دیتے' آمنہ بی بی چپ ہوجاتیں مگر ان کے اندر کا ڈر مطمئن نہ ہوتا۔ وہ حیدر پر ضرورت سے زیادہ توجہ دینے لگیں' سختی کرنے لگیں۔
اسے بے وجہ باہر جانے نہ دیتیں مگر پھر ان کے اندر کا ڈر سامنے آ گیا' دھیرے دھیرے حیدر کی زبان بدلی انہوں نے پیار سے سمجھایا' بے سود پھر سختی شروع کی اور جب انہوں نے حیدر کی زبان سے پہلی بار گالی سنی تھی خوب مارا تھا۔
شوہر نے سمجھایا کہ بے جا مار پیٹ حیدر کو ڈھیٹ بنادے گی سو دوبارہ مارا بھی نہیں۔ پیار سے ہر ممکن کوشش کی' مگر حیدر دن بہ دن اس ماحول کا حصہ بنتا گیا' قرآن پاک بمشکل ختم کیا۔ میٹرک پاس کیا مگر انٹر

بمشکل کلیئر کر پایا' دو دو بار سپلی دے کر اور آگے نہ پڑھنے کا اعلان بھی کر دیا۔

''پھر کرے گا کیا' ہنر نہ تعلیم کیا مستقبل ہوگا۔''

''کیا ضرورت ہے' میرے باپ کا اتنا چلتا کاروبار ہے میرے دوست کہتے ہیں' تجھے کمانے کی کیا ضرورت ہے۔''

''پھر اسی کاروبار میں باپ کے ساتھ ہاتھ بٹا دیا کرو' وہ اکیلے گھن چکر بنے رہتے ہیں جوان بیٹا ہونے کے باوجود تجھے' صرف خرچ کرنے کے لیے پیسہ چاہیے ہوتا ہے' کما کر بھی دیکھو' کیسے محنت کر کے پیسہ کمایا جاتا ہے۔'' امی بھی غصہ میں آ گئیں۔

''یہ تیرے آوارہ دوستوں کی صحبت کا نتیجہ ہے کہ تجھے ماں بہنوں سے بات کرنے کی تمیز بھی نہیں رہی۔''

''گھر میں ہر وقت پھٹکار پڑے گی تو پھر دوستوں میں ہی وقت گزاروں گا ناں۔'' ماں کے آگے زبان چلانا اس کی عادت بن گئی تھی' نہ بہنوں کو خاطر میں لاتا' دو بہنیں تو اپنے گھر کی ہو گئی تھیں بس حمنا رہ گئی تھی اس کی بھی منگنی ہو گئی تھی۔

بچیوں کی طرف سے تو اطمینان تھا بس حیدر کی وجہ سے وہ دونوں از حد پریشان رہتے تھے۔ ماں تو بول کر اظہار کر دیتی مگر توقیر صاحب اندر ہی اندر یہ دکھ پال رہے تھے۔

❀......❀......❀

''بڑے بھاؤ کھاتی ہے یار! اتنے دن سے پیار سے منا رہا ہوں مانتی ہی نہیں۔''

وہ آج مہرین کے ساتھ واپس جا رہی تھی جب ان دونوں لڑکوں نے ان کی گلی تک ان کا پیچھا کیا تھا۔

''شرم ہے تم لوگوں کو' کیوں پریشان کرتے ہو معصوم لڑکیوں کو' بے غیرت انسان......'' مہرین کی برداشت جواب دے گئی۔

''اے میڈم! تجھے منہ کون لگاتا ہے' ہم تو اپنی شہزادی سے مخاطب ہیں۔'' ان کا ٹارگٹ ثانیہ تھی۔

''آوارہ لفنگے انسان دفع ہو جاؤ ورنہ میں ابھی شور مچا کر لوگوں کو اکٹھا کر لوں گی۔'' مہرین زور سے چلائی۔

''تجھے تو میں دیکھ لوں گا۔'' مہرین کے چلانے سے وہ خائف ہو گئے تھے مگر جاتے جاتے دھمکا گئے۔

''پروا کون کرتا ہے۔'' وہ ثانیہ کو گھر چھوڑ کر اپنے گھر چلی گئی تھی جبکہ ثانیہ کے چہرے پر ہوائیاں اڑ رہی تھیں۔ آج وہ لوگ ان کی گلی تک آ گئے تھے' کل گھر تک آ گئے تو...... یہ سوچ کر ہی جان ہلکان ہو رہی تھی۔

''کیا بات ہے زرد کیوں پڑ گئی ہو' طبیعت تو اچھی ہے ناں تیری۔'' آپی نے اس کا چہرہ دیکھا تو فوراً بھانپ لیا۔

''جی آپی۔'' اس وقت تو وہ جواب دے کر اندر چلی گئی مگر رات میں آپی کو رو رو کر سب بتا دیا۔

''مجھے سمجھ نہیں آتا آپی میں کیا کروں' اگر وہ گھر تک آ گئے اور ابو یا بھائی نے دیکھ لیا تو......''

''وہ تو کسی کی سنیں گے بھی نہیں۔'' آپی بولیں۔

''بس میں اکیڈمی جانا ہی چھوڑ دوں گی۔'' وہ تنگ آ چکی تھی۔

''احمق پھر پیپرز کی تیاری کیسے کرو گی' دو ماہ رہتے ہیں تمہارے پیپرز میں۔''

''نہیں دینے مجھے پیپرز۔''

''پاگل مت بنو' اتنی بزدلی بھی اچھی نہیں' تم نے خود ہی بتایا ناں کہ مہرین نے انہیں سنائیں تو بھاگ گئے۔''

''ہاں مگر جاتے جاتے دھمکی بھی دے کے گئے ہیں۔''

''ایسے لوگ صرف ڈرا سکتے ہیں' بزدل ہوتے ہیں ایسے مرد اور ثانیہ تمہیں ہمت کرنی ہوگی۔ یہ تو ہر عورت کا مسئلہ ہے جو کسی بھی مجبوری کی وجہ سے گھر سے نکلتی ہے'

یہ جہالت ہمارے معاشرے کا المیہ ہے یہاں مرد اپنی مردانگی ثابت کرنے کے لیے عورتوں کے لیے یہ رویہ رکھتے ہیں' شاید ان کی انا کو تسکین ہی ہم عورتوں کو ڈی گریڈ کر کے ملتی ہے۔ ہمارے محافظ ہی ہمیں بے

عزت کر کے خوش ہوتے ہیں۔
ایسے مردوں کے سامنے ڈر کے نہیں ہمت سے سامنا کر کے آگے بڑھنا ہے ہمیں۔'' آپی اسے کافی دیر تک سمجھاتی رہی تھیں۔

❁......❁......❁

اگلے دن وہ اکیڈمی نہیں گئی تھی تو بیہ آپی کو دیکھنے لوگ آئے تھے اور وہ گھر میں امی اور آپی کے ساتھ ہیلپ کرا رہی تھی۔ مہرین اسے لینے آئی تھی تو اس نے منع کر دیا اور مہرین اس کی طرح ڈرپوک نہیں تھی اکیلی چلی گئی۔
''تمہاری دوست نہیں آئی آج۔'' وہ دونوں گلی کے اینڈ پر کھڑے تھے اس کے ساتھ ساتھ ہی چلنے لگے۔
''آج تو بولتی بند ہے یار! اس دن تو کیسے چیخ رہی تھی۔'' وہ دونوں آپس میں بول رہے تھے مگر سنا اسے رہے تھے۔
''اے میڈم! دیکھ تیرے ساتھ اپنا کوئی واسطہ نہیں' مجھے بس اپنی دوست کا نمبر دے دے۔'' وہ یکدم مہرین کے آگے آ گیا' اسے رکنا پڑا۔
''گھٹیا...... ذلیل انسان ہٹو میرے سامنے سے' میں ثانیہ نہیں ہوں جو تم سے ڈر جاؤں گی' میں تمہارا منہ توڑ دوں گی۔'' وہ چیخی۔
''چل نام تو بتا دیا بھابی کا۔'' وہ تو غصے میں یہ بھول گئی تھی کہ اس نے کیا کہا۔ ''اب فٹا فٹ نمبر بتا دے ورنہ......'' وہ ایک دم آگے بڑھا تو لحہ بھر کو مہرین جیسی لڑکی کی بھی جان نکل گئی۔
کتنی بھی بہادر بن جائے تھی تو وہ لڑکی ہی...... اور لڑکی کا کردار اور عزت دونوں بہت قیمتی ہوتے ہیں۔
''مجھے نہیں پتا۔'' اس نے جواب دیا اور سائیڈ سے نکلنے لگی تو اس نے ہاتھ بڑھا کر راستہ روکا۔
''چالاک نہ بن شرافت سے بتا دے۔''
''نہیں تو کیا کر لو گے؟'' وہ اڑ گئی۔
''کسی کو منہ دکھانے کے قابل نہیں رہے گی' شرافت سے نمبر بتا' جلدی کر......'' گلی دور تک سنسان تھی اور ان جیسے گرے ہوئے لوگوں سے کچھ بعید نہ تھا۔
''بول جلدی......'' وہ ایک قدم اور آگے بڑھا تو مہرین کی ہمت جواب دے گئی اور اسے ان کی بات ماننی پڑی' اپنا آپ بچانے کے لیے مگر وہ کئی دن تک خود کو کوستی رہی۔
عورت اتنی مجبور کیوں بنائی ہے اللہ پاک نے' ہم کتنے ہی بہادر ہوں مگر آخر کار ہم ہار جاتے ہیں ایسا کیوں ہے؟ اپنی عزت اپنا وقار سلامت رکھنے کے لیے ہمیں بھیڑیئے نما مردوں کے آگے جھکنا پڑ جاتا ہے۔ مہرین کی ساتھ بھی ایسا ہی ہوا تھا لیکن وہ اتنی ہمت نہ کر پائی کہ ثانیہ کو یہ بتا پاتی۔

❁......❁......❁

کئی دن سکون سے گزر گئے تھے' ثانیہ مطمئن سی تھی اور یہ اطمینان اس کے چہرے پر نظر آتا تھا۔
''ماحول بہت خراب ہے فاطمہ! ثانیہ کی ضد پر میں نے اجازت تو دے دی ہے مگر اسے اکیلے ٹیوشن کے لیے نہ بھیجا کر خود چھوڑ آیا کر۔''
''کیا ہوا' خیر ہے ناں؟''
''ہونا کیا ہے کریم بھائی کی بیٹی گھر سے کالج کے لیے نکلی' آج آٹھ دن ہو گئے ہیں لوٹ کر نہیں آئی۔''
''اللہ رحم فرمائے' سب کی بچیوں کی حفاظت کرے کریم بھائی کے اور ہمارے گھر کے ماحول میں بھی فرق ہے انہوں نے ضرورت سے زیادہ ہی بچوں کو آزاد خیال بنا رکھا ہے۔''
''جو بھی ہے احتیاط اچھی چیز ہے۔''
''مجھے اپنی اولاد اور پرورش دونوں پر بھروسہ ہے آپ خود بھی جانتے ہیں اپنے بچوں کو۔'' وہ بولیں۔
''ہاں ہاں مجھے پتا ہے مگر اپنی بچی کی حفاظت ہماری ذمہ داری ہے اور جہاں یہ اکیڈمی جاتی ہے وہاں کئی بار میں نے آوارہ لڑکوں کو گھومتے دیکھا ہے' لوگوں سے سنا بھی ہے کہ وہ بچیوں کو پریشان کرتے ہیں۔'' ابو کی بات

سن کر وہ دونوں بہنیں ایک دوسرے کو دیکھنے لگیں۔
اگلے دن سے امی خود اسے چھوڑ کر آنے لگیں اور واپسی پر کبھی امی آجاتیں اور کبھی بھائی گاڑی پر آ کر لے جاتا یوں اسے بھی اطمینان ملا تھا۔
اب اگر وہ کھڑا بھی ہوتا تو ڈرنے کی وجہ نہ تھی' ثانیہ پہلے کی طرح خوش رہنے لگی تھی آپی بھی اسے دیکھ کر خوش تھیں اور اسے پورا وقت بھی دیتیں' وہ رات دیر تک پڑھتی تھی آپی بھی اس کے ساتھ جاگتی رہتیں۔
ابھی بھی وہ کھانے وغیرہ سے فارغ ہو کر کمرے میں آ گئی تھی اور آپی کچن سمیٹنے لگیں اور ثانیہ اپنی کتابیں لے کر بیٹھ گئی تب ہی اسے موبائل بجنے کی آواز آئی (یہ فون گھر کا تھا' انہیں موبائل رکھنے کی اجازت نہ تھی صرف بھائی اور ابو کے موبائلز تھے یہ فون ابو نے اس لیے گھر میں رکھا تھا کہ کوئی کام پڑ جائے تو وہ رابطہ کر سکیں عموماً فون امی ہی اٹینڈ کرتی تھیں مگر رہتا وہ آپی کے پاس تھا۔
اس نے نئے نمبر سے بیل دیکھی تو اٹینڈ نہ کیا مگر جب کئی بار مسلسل کال آئی تو اسے اٹینڈ کرنی پڑی کہ شاید کوئی رشتہ دار ہو۔
''ہیلو جانِ من!'' بالکل انجانی آواز اور بے ہودہ لہجہ......
''کون؟''
''ارے اتنی جلدی بھول گئیں جانِ من! ارے بھئی ہم یار ہیں تمہارے' دلدار ہیں تمہارے اتنے دن سے تم سے بات نہیں ہوئی سیکیورٹی تم نے اتنی ٹائٹ کر لی ہے سوچا فون پر دل کا حال کہہ لوں۔'' وہ جو مطمئن ہو گئی تھی کہ جان چھوٹی مگر......
''کچھ بولو ناں شہزادی! ہمارے دل کو بے قابو کر کے تم نے اردگرد پہرے بٹھالیے مگر ہم بھی پکے عاشق ہیں اتنی جلدی پیچھے نہیں ہٹنے والے۔'' اسے نہیں پتا نہیں فون اس نے بند کیا یا نہیں' بس اتنا یاد رہا کہ وہ زمین بوس ہو رہی تھی جب آپی نے بانہوں میں اسے سنبھالا تھا۔

❁......❁......❁

''آج آپ چپ چپ ہیں۔'' وہ توقیر احمد کو صبح سے خاموش دیکھ رہی تھیں' پوچھے بنا رہ نہ سکیں وہ بھی چپ رہے۔
''بتائیں تو کیا بات ہے؟''
''نہیں...... کچھ خاص نہیں ہے۔'' وہ ٹال گئے۔
''کچھ تو ہے آپ چھپا رہے ہیں۔'' وہ بضد تھیں۔
''تم ٹھیک تھیں آمنہ! حیدر واقعی ہمارے ہاتھوں سے نکل گیا ہے۔''
''کوئی بات ہوگئی؟''
''ہاں اشرف بھائی بتا رہے تھے حیدر اور اس کے دوست اسکول کی بچیوں کو پریشان کرتے ہیں' جملے کستے ہیں۔ نیک بخت یہ دن دیکھنے کے لیے تو ہم نے مراد نہیں مانگی تھی۔ بیٹیاں تو سب کی سانجھی ہوتی ہیں' حیدر کیوں بھول گیا کہ اس کی بھی تین بہنیں ہیں۔'' وہ ازحد دکھی تھے۔
''اے اللہ تُو ہمارے بیٹے کو ہدایت دے۔'' وہ رو پڑیں وہ اسی لیے بیوی سے کوئی بات نہیں کرتے تھے وہ تو پہلے ہی پریشان رہتی تھیں۔
''اللہ کی ذات پر بھروسہ رکھو نیک بخت! مجھے یقین ہے اس ذات پاک پر اور اپنے خون پر حیدر کو ایک دن عقل ضرور آئے گی شاید یہ عمر ہی ایسی ہوتی ہے نادانی اور ناسمجھی کی مگر وہ وقت دور نہیں جب حیدر بالکل ہماری پسند میں ڈھل جائے گا۔ بس اس گھڑی کو دیکھنے کے لیے شاید ہم نہ رہیں۔'' انہوں نے بیگم کو تسلی دی۔
''اچھا سوچا کرو' خیر سے کچھ دنوں میں حمنا بھی اپنے گھر کی ہو جائے گی۔ اللہ کا کرم ہے کہ اس نے ہمیں اتنی توفیق دی' تیسری بیٹی کا فرض بھی ادا کرنے جا رہے ہیں۔''
''آ...... ہاں۔'' آمنہ بیگم نے گہری سانس خارج کی۔
''بیٹے کے سر پر سہرا دیکھنے کی خواہش جانے کب

پوری ہوگی۔" ماں بھی عجیب ہوتی ہے بیٹا پیدا ہوتا نہیں کہ جانے کیا کیا سوچ لیتی ہے خوابوں کی کتنی جھالریں پلکوں پر ٹانک لیتی ہیں اور کتنی بے دردی سے چکنا چور ہوتے ہیں پھر ان کے خواب۔
"امی کھانا لگا دیا ہے میں نے۔" حمنا کی آواز نے ماحول کی خاموشی توڑی تھی۔
"حیدر آ گیا ہے؟"
"جی گھر پر ہے۔"
یہ بھی حیرت کی بات تھی ناں کہ حیدر اتنی جلدی گھر آ گیا مگر کئی دن سے ایسا ہو رہا تھا وہ ٹائم سے گھر آ جاتا' کھانا کھاتا اور کمرے میں چلا جاتا مگر حمنا جانتی تھی کہ وہ کمرے میں جا کے فون پر لگا رہتا ہے' دو تین بجے سے پہلے نہیں سوتا لیکن امی ابو کو بتا کر مزید کیا پریشان کرتی' پہلے کیا کم حیدر کو لے کر وہ اپ سیٹ تھے۔
"اسے بھی کھانے پر بلالو۔"
"بیٹھا ہے وہیں۔" توقیر احمد خاموشی سے اٹھ کر دستر خواں پر آ گئے ان کی چپ سب کی نظروں میں آ گئی تھی۔
"ابو صبح تو جمعہ ہے ناں۔" حیدر نے خود انہیں مخاطب کیا۔
"ہوں۔"
"میں مشینوں کی صفائی وغیرہ کروادوں گا آپ کل ریسٹ کرلیں۔"
"اچھا۔"
پھر مختصر سا جواب دے کر وہ خاموشی سے کھانا کھانے لگا۔

❁......❁......❁

"کیسی ہو ثانیہ شہزادی!" آج پھر اس کا فون بار بار آ رہا تھا اگر نہ اٹھاتی تو ابو ضرور پوچھتے کہ فون کیوں بج رہا ہے اور ثانیہ کو اس گھٹیا انسان سے زیادہ اپنے گھر کے مردوں کا ڈر ہوتا تھا۔
"خدا کے لیے میرا پیچھا چھوڑ دو' میں نے کیا بگاڑا ہے تمہارا؟"
"یوں تو نہ کہو جان من! ہم پر تو ہر سانس بھاری ہے تمہارے بنا اور تم...... دل توڑ رہی ہو۔"
"تم کیسے انسان ہو ذرا بھی انسانیت نہیں ہے تم میں' آپ کے گھر میں بہنیں نہیں ہیں' جو دوسروں کی بہن بیٹی کو تنگ کرتے ہو۔"
"مرتا ہوں تجھ پر شہزادی! دل لے لیا ہے تُو نے۔"
"اللہ کرے تم واقعی مر جاؤ۔" اس نے جلے دل سے کہا اور کال کاٹ دی مگر وہ بھی ڈھیٹ تھا پھر بیل آ گئی۔
"کل اکیلی آنا' اپنے گارڈ نہ لانا سمجھیں؟"
"کیوں؟"
"تجھے جی بھر کے دیکھے کافی دن ہو گئے ہیں ورنہ کوئی دوسرا راستہ نکالوں گا تیرے بھائی کی منت کرلوں گا کہ میری گرل فرینڈ ہے اور......" وہ جانے کیا کیا دھمکی دے رہا تھا ثانیہ نے فون اٹھا کر ٹیبل پر رکھ دیا۔ اس کا دماغ سائیں سائیں کر رہا تھا جانے کون تھا یہ لڑکا مگر اس کی زندگی اجیرن ہو گئی تھی۔
وہ مہرین کو روز بتاتی کہ وہ فون کرتا ہے' یہ بکواس کرتا ہے مگر وہ چپ کر کے سنتی رہتی۔
"میرا نمبر کہاں سے ملا اسے مہرین۔" وہ اب بھی چپ رہی۔
"مجھے لگتا ہے ایک دن میں مر جاؤں گی اس منحوس کی وجہ سے۔"
"اگنور کر دیا کر یا موبائل آف کر دیا کر۔"
"کیا تھا ایسے بھی' دھمکی دینے لگا کہ ابو کے فون پر کال کرے گا اگر اس نے ایسا کر دیا تو......"
"اس کے پاس تیرے ابو کا نمبر کہاں سے آئے گا۔"
"جہاں سے میرا لیا ہے ابو کا بھی لے لے گا' مجھے اس انسان سے کوئی بعید نہیں وہ کچھ بھی کر سکتا ہے۔"
"جانے کیسے ماں باپ ہوتے ہیں جن سے اپنی اولاد نہیں سنبھالی جاتی۔" مہرین نے حقارت سے کہا۔

''ضروری تو نہیں مہرین کہ اس کے ماں باپ بھی برے ہوں' کون سے ماں باپ چاہیں گے کہ ان کی اولاد اتنی بری نکلے۔''

''اولاد کی تربیت ماں باپ کا ہی فرض ہے ہمارے بھی تو بھائی ہیں مگر ہمارے ماں باپ کی تربیت نظر آتی ہے۔'' اسے مہرین کی بات سے اتفاق نہیں تھا۔ ماحول کا اثر زیادہ اثر کرتا ہے' خاص کر اس عمر میں' اسپیشلی لڑکوں پر اس لیے کہ خود کو نمایاں کرنے کے لیے لڑکے اس طرح کی حرکات کرتے ہیں۔

''آپی بھی پریشان ہیں اب تو اگر گھر والوں کو پتا چل گیا کہ کوئی لڑکا ہمیں کالز کرتا ہے تو...... جانے ان کا کیا ری ایکشن ہو۔''

''ثانیہ اس منحوس کو حواسوں پر سوار کرنے سے بہتر ہے تم پیپرز کی تیاری کرو۔'' مہرین نے مشورہ دیا۔

''کوشش تو یہی کرتی ہوں مگر میرے دماغ اور دل سے یہ خوف جاتا ہی نہیں ہے۔'' وہ بڑبڑائی تھی زور سے بولتی تو مہرین نے تقریر شروع کردینی تھی۔

❁......❁......❁

توقیر صاحب حمنا کی شادی کے فرض سے سبکدوش ہوگئے تھے مگر اب اکثر خاموش خاموش رہنے لگے تھے۔ آج بھی نماز پڑھ کر آئے تو باہر تخت پر لیٹ گئے۔ آمنہ بیگم نے ناشتا بناتے بناتے کئی بار انہیں دیکھا' انہیں مجازی خدا کی طبیعت اچھی نہیں لگ رہی تھی آخر صبر نہ ہوا اور اندر جا کے حیدر کو اٹھانے لگیں۔

''حیدر......''

''کیا ہے امی! سونے دو ناں۔''

''تیرے ابو کی طبیعت ٹھیک نہیں ہے' رات سے کہہ رہے ہیں دل گھبرا رہا ہے چل انہیں ہسپتال لے چلتے ہیں۔'' وہ بولیں تو حیدر فوراً اٹھ گیا' پیروں میں چپل ڈالی اور صحن میں بھاگا' ابو کا چہرہ زرد ہو رہا تھا۔

''ابو......'' اس نے پکارا پھر ان کے لیے پانی لایا' اپنے بازوؤں کے سہارے اٹھا کر پانی پلایا۔

''کیا ہوا ابو؟'' مگر ابو کی حالت بگڑی جارہی تھی وہ یوں ہی انہیں بانہوں میں اٹھا کر بھاگا تھا۔

گلی میں دو تین لوگ اسے یوں دیکھ کر اس کے ساتھ آگئے تھے' ابو کو فوراً ایمرجنسی روم میں لے گئے تھے اور باہر کھڑے حیدر کی حالت غیر ہو رہی تھی۔

''ایم سوری! وہ جانبر نہ ہوسکے۔ شدید ہارٹ اٹیک کے باعث ان کی موت ہوگئی۔'' ڈاکٹر کی آواز اسے آرہی تھی مگر آنکھوں کے آگے جیسے اندھیرا چھا گیا۔ وہ پاگل سا ہوگیا تھا' وہ تیزی سے اندر بھاگا تھا' اسے جیسے بالکل بھی ہوش نہ رہا تھا۔

اس کے سامنے کون کھڑا تھا' کیا کہہ رہا تھا اسے کچھ پتا نہیں تھا بس ابو اس کے سامنے ساکت لیٹے تھے اور وہ وہیں ڈھے گیا۔

حیدر توقیر بے یقین تھا اسے یوں لگ رہا تھا جیسے یہ کوئی برا خواب ہے اور جب آنکھ کھلے گی تو سب ٹھیک ہوگا۔ ابو بھی ٹھیک ہوں گے' انہیں اپنے ہاتھوں منوں مٹی تلے دبا کے وہ بے یقین تھا مگر اب جب خاندان کے بڑوں نے اس کے سر پر سربراہ کی پگڑی رکھی تو جیسے تڑپ کے امی سے لپٹ گیا۔

''امی...... میں کتنا بدنصیب ہوں' ابو سے معافی بھی طلب نہ کرسکا' میرے رب نے مجھے اتنی مہلت بھی نہ دی' ابو میرے بازوؤں میں تھے اور میں...... کاش میں ابو سے معافی مانگ سکتا میں نے ان کا دل دکھایا' ہمیشہ نافرمانی کی۔''

''صبر کرو بیٹا! جو گزر گیا اسے بھولنے کی کوشش کرو اور جو وقت تم پر آن پڑا ہے اسے ذمہ داری سے نبھانے کی کوشش کرو۔''

''اب تمہاری ماں اور بہنیں تمہاری ذمہ داری ہیں ان کے فرائض میں کوتاہی نہ برتنا۔ تم اپنے فرائض ذمہ داری سے نبھاؤ گے تو تمہارے ابو کی روح کو سکون ملے گا' اللہ پاک تم لوگوں کو صبر عطا کرے۔'' خاندان کے بزرگ اسے نصیحت بھی

کر گئے اور صبر کی تلقین بھی کر گئے تھے۔
وقت بھی بھر بھری مٹی کی طرح ہے ہاتھ میں کبھی نہیں آتا' پھسل جاتا ہے۔ جو گزر گیا تھا جو نقصان وقت ان کا کر گیا تھا' اس کا ازالہ تا حیات ممکن نہ تھا۔ وقت کی ایسی ٹھوکر لگی تھی کہ بائیس سالہ حیدر توقیر کی کایا پلٹ گئی۔
وہ حیدر جو بھی زندگی کو سنجیدہ نہیں لیتا تھا جسے امی ابو سمجھاتے تھے کہ اپنی ذمہ داری سمجھو اور وہ ہر بار کہتا ''ابو ہیں ناں'' مگر وقت نے اس کے ساتھ کیا ظلم کیا تھا۔
ماں اور بہنیں اس سے لپٹی رو رہی تھیں' تڑپ رہی تھیں اور انہیں صبر کی تلقین کرنے کے لیے جو حوصلہ درکار تھا ابھی تو اس کے اندر وہ حوصلہ نہ تھا۔ ابو یوں اچانک چلے جائیں گے اس کے ذہن و گمان میں بھی نہیں تھا۔

❀......❀......❀

ثانیہ اب خطرے سے باہر تھی' تین دن کی بے ہوشی کے بعد اسے ہوش آیا تو سب کی جان میں جان آئی تھی۔ امی شکرانے کے نفل ادا کرنے لگیں' آپی بار بار اس کی پیشانی چومتیں۔ مہرین کا آنسوؤں سے تر چہرہ اب مسکرا رہا تھا' ثانیہ کے ابو اور بھائی بھی جیسے جی اٹھے تھے ورنہ پچھلے تین دن سے ان میں سے ہر ایک سولی پر چڑھا تھا......
ثانیہ کا اچانک ہی نروس بریک ڈاؤن ہوا تھا وہ حسب معمول رات کے کھانے کے بعد اپنے پیپرز کی تیاری کر رہی تھی کہ یکدم ہی بے ہوش ہوگئی اور پھر جب ڈاکٹر نے نروس بریک ڈاؤن کا بتایا تو سب کی جان نکل گئی۔
''کیا ہوا تھا آپی!'' تین دن سے مہرین بھی ان کے ساتھ تھی۔
''پتا نہیں بس مجھے اتنا علم ہے کہ کسی نمبر سے کال آتی تھی اور وہ بہت پریشان تھی' شاید مہرین یہ اسی لڑکے کی کال تھی۔ اس دن بھی فون آیا تھا جسے سن کر وہ اپ سیٹ ہوئی تھی پھر بھائی نے اسے ایک کپ چائے بنانے کا کہا انہیں چائے دے کر وہ جیسے ہی کمرے میں آئی فوراً گر گئی۔'' مہرین لب کچلنے لگی اگر اس دن ڈر کی وجہ سے وہ نمبر نہ دیتی تو شاید ثانیہ کی یہ حالت نہ ہوتی۔ وہ بہت کمزور دل لڑکی تھی اور یہ ٹینشن نہ سہ پائی مزید دو دن ہسپتال میں گزار کر وہ گھر آ گئی تھی۔
گھر کے ہر فرد کی کوشش ہوتی کہ اسے خوش رکھا جائے' وہ اکیلی نہ رہے۔ آپی نے اپنے کمرے میں موبائل رکھنا ہی چھوڑ دیا' مہرین روز اس سے ملنے آتی تھی۔ ثانیہ بھی تیزی سے صحت مند ہو رہی تھی۔
''اے لڑکی! اب چار پائی چھوڑ کر کمر کس لو' پیپرز سر پر آ گئے ہیں۔'' مہرین روز اس کو وارن کرتی اور وہ مسکرا کے سر ہلا دیتی اس دن کے بعد فون دوبارہ نہیں بجا تھا۔ دھیرے دھیرے اس کے دل کو اطمینان سا ہو گیا۔
مہرین کے لبوں تک بات آتی کہ ثانیہ سے پوچھے کہ کیا ہوا تھا اس دن مگر ثانیہ کی طبیعت پھر سے نہ بگڑ جائے وہ چپ رہتی۔ اسے پکا یقین تھا کہ اب اس لڑکے کا فون کبھی نہیں آئے گا اس دن ہسپتال میں مہرین نے اس کی خوب بے عزتی کی تھی۔

❀......❀......❀

امی عدت کی مدت پوری کر رہی تھیں' ان کی بیٹیاں اس وقت ان کے ساتھ کھڑی تھیں مگر انہیں تو حیدر کی تبدیلیاں دیکھ کر توقیر احمد کی یاد شدت سے آتی تھی۔
ان کا یقین کیسے پورا ہوا تھا اور لفظ بھی کیسے قبولیت پا گئے تھے۔ وہ کہتے تھے حیدر ہماری تمام خواہشوں پر پورا اترے گا مگر شاید یہ وقت دیکھنے کے لیے وہ نہ رہیں۔ اور کیسے سچ ہوئے تھے ان کے الفاظ۔
آج حیدر اسی روپ میں ڈھل رہا تھا جیسے وہ دیکھنا چاہتے تھے مگر کاش...... توقیر احمد حیات ہوتے اور جس کاروبار کو دیکھتا تک نہ تھا کہ ابو ہیں ناں اب کیسے ان کی طرح اسی کاروبار کو دن رات ایک کر کے سنبھال رہا تھا۔
امی کے ساتھ اتنے ادب سے بات کرتا' شام کو گھر آ کر دو گھنٹے بیٹھ کر ان سے باتیں کرتا ان کے پاؤں

دباتا۔ جن بہنوں کو کبھی تمیز سے مخاطب نہیں کیا تھا اب نرم لہجے میں ان سے بات کرتا۔ بھانجے اور بھانجی سے محبت سے پیش آتا' سب کی ہر ضرورت کا خیال رکھتا۔

''آہ......ہا......'' وہ اب بھی ان کے پاس بیٹھا تھا کہ ان کی سرد آہ پر انہیں دیکھنے لگا۔

''کیا ہوا امی؟''

''کچھ نہیں بچے! بس سوچیں جینے نہیں دیتیں' تمہیں دیکھتی ہوں تو دل سے ہوک نکلتی ہے۔ یہ سب دیکھنے کے لیے وہ اب ہمارے ساتھ نہیں ہیں جنہیں یقین تھا کہ یہ وقت آئے گا۔''

''میں بہت گناہ گار ہوں امی اور بدنصیب بھی' اپنے ابو کو اپنی ذات سے کوئی سکھ نہ دے سکا۔ ہمیشہ نافرمانی کی ان کی شاید میری وجہ سے ہی وہ اتنی جلدی چلے گئے۔'' اس کے دل میں تو کہیں یہ بات کانٹے کی طرح گڑ گئی تھی کہ وہ اپنے ابو کی اچانک موت کا سبب ہے' ان کا دل دکھانے کا ذمہ دار ہے۔

''موت کا وقت مقرر ہے حیدر! تم یوں نہ سوچا کرو تم جیسے بھی تھے' ابو کے دل میں کبھی بھی تمہارے لیے ناراضگی نہیں تھی۔ وہ تو امی کو بھی سمجھاتے تھے۔'' چھوٹی بہن حمنا نے اس کے کندھے پر ہاتھ رکھ کر تسلی دی۔

''میرے دل کو سکون نہیں آتا حمنا! مجھے لگتا ہے ابو کی موت کا ذمہ دار میں ہوں۔''

''ایسا کبھی مت سوچنا حیدر!'' امی نے اسے خود سے لگالیا۔

''یہ تو قسمت کے کھیل ہیں' بس ان کا اور ہمارا اتنا ہی ساتھ لکھا تھا شاید......''

❀......❀......❀

لاسٹ پیپر کے بعد وہ گھر آئی تو بہت خوش تھی۔

''کیسا ہوا پیپر؟'' آپی نے پوچھا۔

''بہت اچھا اینڈ تھینک گاڈ پیپرز ختم ہوئے اور کم از کم میں پورے ارمان سے آپ کی شادی کی تیاریاں کروں گی۔'' ثوبیہ کی تاریخ طے پاگئی تھی مگر امتحانات کی وجہ سے ثانیہ یہ خوشی بھی انجوائے نہیں کر پارہی تھی مگر آج وہ آزاد ہوگئی تھی اس ٹینشن سے سو فل انجوائے کررہی تھی اب۔

مہرین بھی ان کے ساتھ مل کر تمام تر تیاریوں میں مدد کرارہی تھی۔

''ثانیہ ایک بات پوچھوں؟''

''ہاں بول۔''

''اس رات ایسا کیا ہوا تھا جب تیری طبیعت خراب ہوئی تھی۔''

دو ماہ گزر گئے تھے اب تو ثانیہ جیسے سب بھول بھی گئی تھی' مہرین کے پوچھنے پر وہ بُرا دن پھر سے یاد آ گیا۔

''روز کی طرح اس کی کال آئی تھی' میں نے سنی اور بند کردی پھر اس کا مسیج آیا کال اٹینڈ کرو ورنہ ابھی تمہارے بھائی کے نمبر پر فون کر کے انہیں بتاتا ہوں کہ میں تمہارا ابوائے فرینڈ ہوں۔ میں نے بالکل توجہ نہ دی تب ہی بھائی نے مجھے چائے بنانے کا کہا میں چائے بنا کر انہیں دینے گئی تو بھائی کسی سے فون پر بات کررہے تھے اور مسلسل بُرا بھلا کہہ رہے تھے کہ رانگ کالز والے اتنا ذلیل کرتے ہیں' وغیرہ وغیرہ۔ بس مجھے یقین ہوگیا کہ اسی کی کال ہوگی' میں بہت ڈر گئی اور جیسے ہی صحن میں آئی تو تخت پر یکدم پتھر آ کر گرا میں نے دیکھا تو اس پتھر میں کاغذ لپٹا تھا اور اس پر لکھا تھا۔

''ابھی صرف تمہارے بھائی کو تنگ کیا تھا اگلی دفعہ صاف بتادوں گا۔''

''میرے قدموں تلے زمین نکل گئی کچن میں جاکر میں نے وہ کاغذ جلایا میں کمرے میں گئی مجھے کچھ نہیں پتا' ہوش آیا تو ہسپتال میں تھی۔''

''یعنی اس رات وہ تمہارے گھر آ گیا تھا۔''

''ہاں اور یہ چیز مجھے مار گئی تھی' لیکن شکر ہے خدا کا' اللہ پاک عزت رکھنے والا ہے جب میں غلط نہیں تھی تو اس نے بھی میرے ساتھ غلط نہیں کیا۔''

''ایک بات بتاؤں ثانیہ!'' مہرین نے اس کا چہرہ

دیکھا۔

”جس رات تم ہسپتال گئی تھیں صبح میں نے اسے وہاں دیکھا تھا شاید اس کے کسی بہت قریبی عزیز کی حالت بہت سیریس تھی‘ میں نے اس دن اس کی بہت بے عزتی کی تھی اور حیرت ہے کہ وہ ایک لفظ نہیں بولا تھا۔“ ثانیہ نے حیرانگی سے آنکھیں پھیلائیں۔

”اور دیکھ اس کے بعد اس نے پھر نہ تیرا پیچھا کیا نہ فون اور اب تو وہ اس محلے میں نظر تک نہیں آتا۔“

”اچھا دفع کرو ناں میں تو اب برا خواب سمجھ کر بھول گئی ہوں سب‘ تُو نے پھر سے ذکر چھیڑ دیا۔“ ثانیہ نے ٹاپک کلوز کیا۔

”اتنی تیاریاں کرنی ہیں‘ دن ہی کتنے باقی رہ گئے ہیں‘ کل تم جلدی آجانا بازار جانا ہے۔“ وہ پھر سے شادی کی تیاریوں میں لگ گئیں۔

”ہاں مگر آج گھر جلدی جاؤں گی۔“

”میرا یہ سوٹ مکمل کر کے جانا کیونکہ مجھے بالکل ٹائم نہیں ہے اور امی نے آپی سے گھر کے تمام کام کروانا بند کر دیئے ہیں‘ میری اکیلی جان ہے اور اتنے کام۔“

”اچھا ہے ناں آپی کے جانے سے پہلے پریکٹس ہو جائے گی تمہیں گھر سنبھالنے کی۔“ مہرین نے ہنس کر کہا تھا۔

❀......❀......❀

وقت گزر جاتا ہے مگر زندگی کی کتاب میں نئے سبق رقم ہوتے جاتے ہیں۔ کچھ سنہری یادوں کے اور کچھ تلخ یادوں کے۔ سال بیت گیا مگر وہ آج بھی صحن میں پڑے تخت کو دیکھتا تو یوں لگتا جیسے ابھی بھی ابو اس کی بانہوں میں ہیں وہ لمحہ تازہ ہو جاتا۔

ویسے تو وہ تمام پل اسے ذہن سے محو ہی نہیں ہوتے تھے‘ ان تین سو پینسٹھ دنوں میں ہزاروں بتدیلیاں آئی تھیں کبھی سال کے دن نہیں گنے اور سال گزر جاتا تھا مگر اس بار ایک ایک دن جیسے گن کر گزرا۔ ہر روز نیا کچھ سیکھا‘ کچھ حالات سے اور کچھ لوگوں کے رویوں سے۔

امی کہتی تھیں تیرے آوارہ دوست صرف تیرے پیسے پر عیاشی کے لیے تیرے ساتھ ہیں اور وقت نے یہ سچ ثابت کیا‘ اس نے عیاشیاں چھوڑ دیں دوست خود چھوٹ گئے۔ اس نے دوستیاں چھوڑیں‘ رشتہ داروں نے اس کا ہاتھ تھام لیا گویا انسان کی مثبت تبدیلی اسے کتنے لوگوں میں معتبر کر دیتی ہے۔

خاندان کے وہ لوگ جو اس کی حرکتوں کی وجہ سے گھر نہیں آتے تھے‘ اب خوشدلی سے آتے۔ اس کی ہمت بڑھاتے اور اس کے فرائض بخوبی نبھانے پر حوصلہ افزائی کرتے‘ اس نے اپنا دل بدلا تو اس کا ظاہر خود بخود بدل گیا‘ حلیہ بدل گیا۔

وہ ماں باپ کے خوابوں کے روپ میں ڈھل گیا۔ آمنہ بی کی آنکھیں اکثر اپنے بیٹے کو دیکھ کر نم ہو جاتیں مگر شکرانے کے لیے لب ہلتے تو ہر دم رب کا شکر ادا کرنے کے لیے جس نے صحیح وقت پر ان کے بیٹے کو ہدایت دی ورنہ وہ خوف زدہ ہو گئی تھیں کہ اگر سر کے سائیں کے بعد بیٹے کے حالات نہ بدلے تو ان کا کیا ہوگا؟ مگر ان کا بیٹا ان کے لیے اب آنکھوں کی ٹھنڈک تھا۔

بس انہیں اس کی چپ پریشان کرتی تھی‘ یہ نہیں تھا کہ وہ بولتا نہیں تھا مگر جانے کیوں انہیں لگتا تھا کہ اس کے اندر کچھ ہے‘ کوئی خلش‘ کوئی بے کلی‘ انجانی سی بے چینی جو اسے بے کل رکھتی تھی۔

فارغ ہوتا تو جانے کن سوچوں میں گھرا رہتا تھا‘ آج بھی جانے کہاں سے آیا تو چہرے پر بہت عجیب سی بے چینی تھی انہوں نے پوچھا تو ٹال گیا۔

”کچھ نہیں امی! سر میں درد ہے۔“

”کھانا کھالے پھر سر درد کی گولی دے دوں گی۔“

اسے بھوک کا قطعی احساس نہ تھا مگر امی کی وجہ سے چند لقمے لے کر وہ اٹھ گیا‘ کمرے میں آکر لیٹ گیا۔

آج وہ کارخانے سے نکل کر بازار کی طرف جا رہا تھا کہ اس کی نظر اسی گرلز اسکول پر پڑی جہاں کبھی وہ اپنا

بیشتر حصہ گزارتا تھا۔ جانے یکدم اس کے ذہن میں کیا خیال آیا اسے بائیک چلانا مشکل ہوگیا اور وہ وہیں سے مڑ کر گھر آ گیا۔

اس نے سکون کی خاطر لیٹ کر آنکھیں بند کیں تو...... ذہن میں سال بھر پہلے کا منظر روشن ہوگیا' جو آج تک وہ بھولا ہوا تھا۔

''تم جیسے گھٹیا مرد ہوتے ہیں جو معصوم لڑکیوں کی خودکشیوں اور موت کی کشمکش کا سبب بنتے ہیں۔ میری دوست زندگی اور موت کی کشمکش میں صرف تمہاری وجہ سے ہے بے شرم انسان! اللہ کرے جس طرح تم نے اسے بے سکون کیا ہے تمہارے نصیب میں سکھ کا پل نہ آئے۔ تمہارے دل پر بھی کوئی ضرب لگے کیونکہ درد کا احساس جب ہی ہوتا ہے جب اپنے دل پر چوٹ پڑے۔ تمہارے دل پر بھی چوٹ پڑے گی تو احساس ہوگا۔''

اس وقت ابو ایمرجنسی میں تھے اسے یہ ہوش تک نہ تھا کہ وہ کیا کہہ رہی ہے مگر پھر کئی بار یہ لفظ اس کے کانوں میں گونجے تھے' اس کی آہ ایسی لگی ایسی چوٹ پڑی دل پر کہ زندگی ہی بدل گئی۔

''میری وجہ سے ایک بے قصور لڑکی زندگی اور موت کی کشمکش میں تھی؟'' یکدم وہ اٹھا۔

''یا اللہ میں گناہ گار ہوں' سیاہ کار ہوں مگر میری وجہ سے ایک لڑکی کی جان جائے یہ گناہ مجھے جیتے جی مار دے گا۔ مجھے تو یہ بھی علم نہیں کہ وہ لڑکی ہے بھی یا...... نہیں...... یہ سچ تھا کہ لڑکیوں کو تنگ کرنا ریمارکس دینا' گانے گانا ان کا محبوب مشغلہ تھا مگر ثانیہ کو تنگ کر کے اسے زیادہ مزہ آتا تھا اس کی وجہ ثانیہ کے چہرے پر آنا والا خوف تھا' وہ ڈرتی تھی اس کی جیسے مردانہ انا کو سکون ملتا تھا۔

اسے ثانیہ کی معصومیت پسند تھی شاید یہ ہی وجہ تھی جو وہ اس حد تک اس کے پیچھے گیا۔ ثانیہ کمزور دل تھی اس لیے وہ دل پہ لے گئی ورنہ حیدر کا مقصد اس کی جان لینا یا اسے اتنا خوفزدہ کرنا نہیں تھا۔ ثانیہ سے دوستی کی خواہش نے اسے جیسے اس حد تک جانے پر مجبور کر دیا تھا۔

''حیدر گولی کھالے۔'' امی کے پکارنے پر وہ ہڑبڑا کے اٹھا تھا' چہرہ پسینے سے تر تھا۔

''کیا ہوا تجھے؟'' امی پریشان ہوگئیں۔

''امی...... میں کیا کروں' میرا ماضی مجھے سکون نہیں لینے دیتا۔'' وہ یکدم امی کی گود میں بچوں کی طرح سر رکھ کر رو دیا تھا۔

❀......❀......❀

دروازہ زور سے بجا' وہ مشین سے کپڑے نکال رہی تھی امی ابھی ابھی خالہ کے گھر گئی تھیں ان کی عیادت کرنے' انہیں دو ہفتے سے بخار تھا۔

وہ کپڑے دھو رہی تھی ابو اور بھائی بھی جا چکے تھے' امی کی ہدایت پر اس نے دروازے کو اندر سے بند کر دیا تھا۔

''آتی ہوں۔'' دوسری دفعہ دروازہ بجنے پر وہ بولی اور ہاتھ دھوتی دروازہ کھولنے لگی مگر دروازہ کھولتے ہی قطعی اجنبی چہرہ اس کے سامنے تھا۔

''السلام علیکم۔'' وہ تو اجنبی صورت دیکھ کر سب بھول گئی تھی جبکہ آنے والی نے خود سلام کیا تو شرمندہ سی ہوگئی۔

''وعلیکم السلام! آنٹی میں نے آپ کو پہچانا نہیں۔'' امی بھی گھر پر نہیں تھیں اور انجانی سی عورت۔

''میں اندر آ کر بات کرسکتی ہوں۔'' فی زمانہ جو صورت حال تھی وہ خوف اسے انہیں اندر بلانے پر راضی نہ تھا مگر ان کی عمر کا لحاظ کر کے اس نے انہیں بلالیا۔

''جی آجائیں۔'' وہ صحن میں ہی بیٹھ گئیں' ثانیہ بھی ان کے سامنے ہی کرسی رکھ کر بیٹھ گئی۔

''جی آنٹی!''

''بیٹا میرا نام آمنہ ہے' میں سمن آباد سے آئی ہوں۔'' وہ بہت نرم لہجے میں بول رہی تھیں۔

''آنٹی مگر امی تو گھر پر نہیں ہیں اور مجھے یاد نہیں

آ رہا...... میرا مطلب میں نے آپ کو پہچانا نہیں۔'' وہ شرمندہ سی بولی۔

''کوئی بات نہیں بیٹا! دراصل میں آج پہلی بار ہی تم سے مل رہی ہوں۔''

''جی...... امی کی کزن سمن آباد میں رہتی ہیں' اسی لیے شاید امی آپ کو جانتی ہوں۔'' ثانیہ کو سمجھ نہیں آ رہا تھا کہ ان سے کیا بات کرے۔

''تمہارا نام۔''

''ثانیہ ہے۔'' وہ فوراً بولی آنٹی نے بہت پیار سے اسے دیکھا تھا وہ یہاں جس کام سے آئی تھیں وہ تو یاد نہ رہا مگر ثانیہ کو دیکھ کے ان کے من میں جو خیال اترا تھا وہ انہیں مسکرانے پر مجبور کر گیا اور وہ بنا کوئی بات کیے گھر آ گئیں' اپنے دل کا حال حیدر کو بتایا۔

''یہ کیسے ممکن ہے امی!'' اس نے فوراً منع کر دیا۔

''کیوں؟''

''آپ جانتی تو ہیں میری وجہ سے اس نے اتنی تکلیف سہی' یہ بھی شکر ہے اس کی جان بچ گئی ورنہ میں عمر بھر خود کو معاف نہ کر پاتا۔''

''جب میں اور اب میں بہت فرق ہے حیدر! اب تم وہ نہیں رہے۔''

''مگر امی اس کے ذہن میں میرا امیج اتنا برا ہے کہ وہ کبھی نہ مانے گی۔ میں مزید کسی کی تکلیف کا باعث نہیں بنا چاہتا بس میرے دل کے سکون کے لیے اتنا کافی ہے کہ وہ ٹھیک ہے۔''

'اگر اسے تمام سچائی بتا کر پھر بات کروں تو......'' امی کو ثانیہ بھا گئی تھی۔

وہ امی کو کیسے سمجھاتا کہ ثانیہ کے دل و دماغ میں ان کے بیٹے کے لیے صرف نفرت ہوگی جو خواب وہ دیکھ رہی تھیں اس کی تعبیر نہ تھی۔

''پتا نہیں امی! جو کرنا ہے کر لیں۔'' اس نے ٹالا مگر امی ٹلنے والی کہاں تھیں۔

❀......❀......❀

''اس نے اس سال کے ہر دن نیا سبق سیکھا ہے' میں مانتی ہوں اس کے باعث آپ کو اور ثانیہ کو بہت تکلیف اٹھانی پڑی وہ گناہ گار ہے آپ کی بیٹی کا' مگر میرا یقین کریں وہ ایک پل بھی سکون کا نہیں کاٹتا۔ یہ احساس اسے بے کل رکھتا ہے میں اس کی بے چینی کی گواہ ہوں میں اسی لیے آپ سے ہاتھ جوڑ کر معافی مانگتی ہوں اپنے بیٹے کی طرف سے' خدا کے لیے اس نے جو بھی کیا بہت برا کیا مگر وہ اتنا شرمندہ ہے اپنے فعل پر' اپنے اللہ سے وہ روز معافی مانگتا ہے مگر جب تک' آپ لوگ معاف نہیں کریں گے اسے سکون نہیں آئے گا۔''

آمنہ بی بی نے تمام کہانی ان کے سامنے بیان کر دی تھی جو انہیں حیدر سے پتا چلی تھی۔

وہ دونوں ماں بیٹی ششدر سی آمنہ بی بی کا آنسوؤں سے بھیگا چہرہ دیکھ رہی تھیں۔

''بہت مشکل سے ہم اس کے اندر سے یہ احساس نکالنے میں کامیاب ہوئے ہیں ورنہ وہ تو اپنے ابو کی موت کا ذمہ دار بھی خود کو سمجھتا تھا اور ثانیہ کی بیماری کا بھی مجرم وہ خود کو مانتا ہے۔''

''بہت بُرا ہوا آپ کے ساتھ' اللہ پاک آپ کے شوہر کے درجات بلند فرمائے' آمین۔ آج کل ماحول واقعی اتنا خراب ہو گیا ہے کہ بیٹیوں سے زیادہ بیٹوں کی حفاظت اور نگرانی کرنی پڑتی ہے مگر پھر ماحول اور دوستوں کی صحبت بچوں کو بگاڑ دیتی ہے۔ اللہ نے کرم کیا آپ پر کہ آپ کے بیٹے کو نیکی کی ہدایت دی ورنہ ایک بار اگر اولاد ہاتھ سے نکل جائے تو پھر کہاں قابو آتی ہے۔'' ثانیہ کی امی کو ان سے بہت ہمدردی محسوس ہوئی' ٹھیک ہے جو اُن کے بیٹے نے کیا بُرا کیا مگر شاید ان کے بیٹے کے جرم میں ان کا قصور نہ تھا۔

''ثانیہ بیٹا! تم بھی معاف کر دو۔'' وہ اب ثانیہ سے مخاطب تھیں جو اب تک ساکن بیٹھی تھی ان کے مخاطب کرنے پر بھی سمجھ نہ آیا کہ کیا کہے۔

''آئی ایم سوری آنٹی! مجھے اس وقت کچھ سمجھ نہیں

آ رہی کہ کیا کہوں' میں ایک عام انسان ہوں اتنی اعلیٰ ظرف بھی نہیں کہ یکدم کہہ دوں کہ میں نے آپ کے بیٹے کو معاف کیا کیونکہ وہ میرے ان لمحوں کا حساب نہیں دے سکتا جو میں نے خوف کے زیر اثر گزارے۔ اب اگر اللہ نے انہیں ہدایت دے دی ہے تو اللہ انہیں ثابت قدم رکھے مگر میں خود کو ابھی کچھ بھی کہنے کے لیے تیار نہیں کر پا رہی ہوں پلیز مجھے معاف کیجیے گا۔'' اس نے صاف گوئی سے کہا تھا اور وہ جانتی تھیں۔

اس کے دل سے وہ سب آسانی سے کہاں نکلے گا سو مایوس سی ہو کر لوٹ آئیں مگر ان کے دل میں خواہش اب بھی تھی۔

❁.......❁.......❁

توقیر احمد مرحوم کا گھر روشنیوں سے جگمگا رہا تھا ہر طرف جگمگاہٹیں تھیں' خوشیاں تھیں۔ ان کے بیٹے حیدر توقیر کی آج بارات تھی' آمنہ بی بی کی آنکھوں میں جہاں مجازی خدا کے نہ ہونے کے آنسو تھے وہاں اپنے فرض کی ادائیگی اپنے بیٹے کی شادی کی خواہش کی تکمیل پانے کی خوشی چہرے پر جگمگا رہی تھی۔

حیدر کو اپنے ابو کی کمی ہر قدم پر محسوس ہو رہی تھی مگر امی نے بہت بہادری سے' تمام امور انجام دیئے تھے اور امی ابو دونوں کا فرض نبھایا تھا۔

''توقیر احمد! جو خواب ہم نے مل کر دیکھے تھے اپنے بیٹے کے حوالے سے آج وہ تمام پورے ہو گئے ہیں مگر آپ تو قول کے پکے نکلے۔ خواب پورے ہونے کا یقین تھا اور اپنے نہ ہونے کا بھی علم تھا شاید...... آج ہمارا بیٹا بالکل ویسا ہے توقیر احمد جیسا آپ مجھے تسلیاں دیتے وقت کہا کرتے تھے۔ سچ کہتے تھے آپ وہ ہمارا خون ہے' راہ بھٹک ضرور گیا تھا مگر اس نے اپنا صحیح راستہ بہت جلد پہچان لیا ورنہ آپ کے بعد تو میں یہ سمجھ بیٹھی تھی کہ میرا بڑھاپا خوار ہو گیا۔

شکر ہے اس ذات کریم کا' جو دلوں کے حال جانتا ہے اور میرے دل کی بھی اس نے سن لی اور آج میں

یارب

یارب ان دریاؤں کو صحرا کر دے
اس سے پہلے کہ میری آنکھیں پتھر ہو جائیں
انہیں تو آنسوؤں سے بھر دے
مانگتی تو میں ہوں تجھ سے بہت کچھ
مگر میری چادر کو میرے پیروں کے برابر کر دے
دنیا کی رنگینیوں سے نکال کر میرا دل
اسے تُو اپنی یاد سے بے چین کر دے
بسا اپنی محبت کو اس قدر میری روح میں
میری دھڑکنوں کو تیرے نام کی عادت کر دے
میری آنکھیں' میرا دل' میری روح' میرا جسم ہے بے نور
اسے تُو اپنے نور سے پُر نور کر دے
تجھ سے مانگوں اس قابل تو نہیں ہوں میں
پر جب آؤں تیرے دربار میں آنسوؤں کی بارش میں فقیر کر دے
مداوا بن جاؤں ہر دکھی دل کا
میرے ظرف کو اتنا اونچا کر دے
آتی ہوں تیری دربار میں فقیروں کی طرح
میرے دامن کو اپنی رحمتوں سے بھر دے

صباء کنول

سرخرو ہوں' میں نے اپنا یہ فرض بھی ادا کر دیا۔'' بہو گھر لا کر وہ کمرے میں آ گئی تھیں اور شوہر کی تصویر سے مخاطب تھیں۔

چہرے پر جہاں فرض کی ادائیگی کا سکون تھا وہیں آنسوؤں سے تر چہرہ شوہر نہ ہونے کی کمی نمایاں کر رہا تھا۔ حیدر بہت خاموشی سے کمرے میں آیا تھا اور امی کے پیچھے کھڑا سب سن رہا تھا۔

''کتنے عرصے سے میں منتظر تھی ہر آنے والے سال پر امید لگا لیتی کہ شاید یہ سال ہمارے لیے خوشیاں لے آئے' ہمارے خوابوں کی تکمیل ہو پائے مگر ہر سال یوں

ہی گزر جاتا‘ آج یہ سال بھی مکمل ہوا۔‘‘
’’مگر امی! میرا وعدہ ہے آپ سے کہ یہ نیا آنے والا سال ہمارے لیے خوشیوں بھرا ہوگا ان شاء اللہ جو سال بیت گئے امی میں انہیں واپس تو نہیں لاسکتا مگر میں کوشش ضرور کرسکتا ہوں کہ ان تمام دکھوں کا ازالہ کرسکوں جو میرے باعث اتنے سالوں تک آپ نے اٹھائے۔‘‘ حیدر نے امی کے گرد بانہیں پھیلا کر انہیں یقین دلایا تھا۔
’’مجھے اپنے رب پر مکمل بھروسہ ہے حیدر! اس کا جتنا شکر ادا کروں کم ہے اس نے میرے من کی سنی۔ ہم انسان بے صبرے ہوتے ہیں بس چاہتے ہیں جو چیز چاہیے اسی وقت مل جائے مگر ہم غلط ہیں وہ بہتر جاننے والا ہے کہ کون سی چیز ہمارے لیے کب بہتر ہے۔ ہم دکھ اپنی بے صبری کے باعث اٹھاتے ہیں ورنہ اس کی رحمتوں میں کہیں کمی نہیں ہے۔‘‘
’’بے شک امی! دکھ ہم اپنی بے صبری اور ناشکری کے باعث اٹھاتے ہیں۔ وہ تو دل کے نہاں خانوں میں دبی خواہشیں بھی جانتا ہے اور ہمیں وہ عطا بھی کرتا ہے جس کی خواہش ہو‘ صحیح وقت پر وقت سے پہلے نہ بعد میں۔ ہمیں ہی مانگنے کا ڈھنگ نہیں آتا۔‘‘ اس نے امی کے کندھے پر سر رکھ کر کہا تھا‘ امی نے سر تھپکا۔
’’اللہ پاک میرے بچوں کو خوش رکھے‘ بس اب تو یہی دعا ہے کہ اس آنے والے نئے سال اور ہر آنے والا سال تمہارے لیے بے پناہ خوشیاں لائے‘ آمین۔ اچھا اب باہر چلو سب منتظر ہوں گے۔‘‘ انہوں نے چہرے سے آنسو صاف کیے اور حیدر کا سر تھپک کر حوصلہ دیا۔
’’چلیں۔‘‘ وہ انہیں اپنے بازوؤں کے گھیرے میں باہر لایا تھا‘ جہاں انہوں نے باقی رسمیں مکمل کیں۔

❁ ...... ❁ ...... ❁

وہ دونوں ایک دوسرے کے سامنے تھے اور مکمل خاموش تھے‘ دونوں ہی پہلی بار روبرو تھے اور پزل بھی۔ حیدر نے کمرے میں آ کر سلام کیا تھا جس کا جواب اسے مل گیا تھا مگر اب دونوں طرف خاموشی تھی‘ شاید بات کرنے کے لیے الفاظ کی ترتیب درکار تھی۔
’’نیا سال مبارک ہو۔‘‘ کئی لمحے گزر جانے کے بعد حیدر کی دھیمی سی آواز کمرے میں گونجی تھی۔
’’آپ کو بھی۔‘‘ پل بھر کو ثانیہ نے نظریں اٹھائی تھیں پھر جھکالیں‘ حیدر کے لبوں پر ہلکی سی مسکراہٹ اتری تھی۔
’’مجھے سمجھ نہیں آرہا کہ بات کا آغاز کیسے کروں‘ آپ کا شکریہ پہلے ادا کروں یا معافی مانگوں۔‘‘ حیدر نے شاید لفظ ترتیب دے لیے تھے تب ہی کتنی دیر بعد اس کی آواز نے کمرے میں چھائی خاموشی کو توڑا تھا۔
’’اگر ہم اجنبیت کی یہ دیوار بیچ سے اٹھا کر بات کریں تو شاید......‘‘ ثانیہ کے لب ہلے اس نے سر اٹھایا حیدر کی طرف دیکھا لمحے بھر ان کی نظریں ملی تھیں۔
’’میرا مطلب‘ آپ میرا نام لے سکتے ہیں‘ آپ جناب کا تکلف ہٹا کر۔‘‘ اس نے خود ہی اپنے لفظوں کی وضاحت کی اس کے لفظوں سے حیدر کو بھی ہمت ملی تھی ورنہ اب تک ہزاروں وہم اس کے من میں دبے بیٹھے تھے کہ جانے ثانیہ کیسے بی ہیو کرے۔
کتنے وسوسے تھے اس کے ذہن و دل میں پانچ منٹ پہلے تک مگر ثانیہ نے جو بات کی اس سے بہت سا حوصلہ ملا تھا حیدر کو اور مزید بات کرنے کی ہمت بھی۔
’’تھینک یو ثانیہ! میرا دل بہت ڈر رہا تھا‘ جانے تم نے اس رشتے کو اور مجھے دل سے قبول کیا بھی یا نہیں کیونکہ میں نے تمہارے ساتھ جو کچھ کیا اس کے بعد تمہارے ہر طرح کے رویہ کو میں حق بجانب سمجھتا ہوں۔‘‘
’’آپ کو نہیں لگتا حیدر کہ ہمیں نئی زندگی کا آغاز ہر گزری بات کو بھلا کر کرنا چاہیے۔‘‘ اب وہ قدرے ریلیکس ہو کر حیدر سے مخاطب تھی۔
’’یو آر رائٹ...... مگر بعض باتیں ایسی ہوتی ہیں ثانیہ! جن کی وضاحت ضروری ہوتی ہے۔ نئی زندگی کے

آغاز کے لیے خاص کر ہمارا تعلق جس طرح بنا بہت سے وہم میرے من میں ہیں، کئی خدشات تمہارے دل میں ہوں گے۔ میرا جو امیج تمہارے ذہن و دل پر تھا اس کو لے کر، ہر لڑکی کی خواہش ایک اچھے جیون ساتھی کی ہوتی ہے اور میرے ماضی کے امیج نے کہیں تم پر یہ تاثر نہیں چھوڑا ہوگا کہ تم میرے متعلق اچھی سوچ رکھو۔‘‘

’’آپ سچ کہتے ہیں بہت سے خدشات تھے میرے من میں آپ کے سامنے آنے سے پہلے جس شخص کو میں نے دیکھا تھا وہ قطعی مختلف تھا ظاہری طور پر بھی۔‘‘ ثانیہ نے حیدر کو دیکھا۔ اس حیدر کو جسے اس نے دیکھا تھا وہ تو اس شخص سے بالکل الگ تھا، ظاہری حلیہ میں ہی زمین و آسمان کا فرق آ گیا ہے وہ شخص جس کی آنکھوں سے وحشت ٹپکتی تھی۔

سرخ ہوتی آنکھیں بڑے بڑے بال اور پان سے بھرا منہ گہرے سرخ دانت، بے تکے بے ڈھنگے کپڑے...... اسے حیدر کو دیکھ کر خوف آتا تھا اور جو حیدر آج اس کے سامنے تھا وہ ایسا بالکل نہیں تھا، بالکل نئے شخص سے متعارف ہوئی تھی وہ۔

’’مگر جو شخص خود کو اوپر سے اتنا بدل سکتا ہے اس نے باطنی طور پر کتنا بدلا ہوگا خود کو۔‘‘

’’ایسا ضروری تو نہیں کہ بظاہر بدل جانے والا ہر شخص باطنی بھی بدل جائے۔‘‘ حیدر نے ٹوکا۔

’’ہوں، قطعی ضروری نہیں ہے مگر جس طرح آنٹی نے آپ کے بارے میں بتایا ہے کیا اس سے بڑھ کر کسی گواہی کی ضرورت ہے کیونکہ ان سے زیادہ تو کوئی محسوس نہیں کر سکتا آپ میں آنے والی تبدیلی کو۔‘‘ ثانیہ نے مسکرا کر اسے دیکھا جواباً وہ بھی مسکرایا تھا۔

’’اوکے جناب! ہم مان لیتے ہیں۔‘‘ حیدر نے گہری نگاہوں سے اسے دیکھا وہ جھینپ کر سر جھکا گئی۔

’’آپ سے ایک بات پوچھ سکتی ہوں۔‘‘ کتنے پل وہ چہرہ جھکائے بیٹھی رہی حیدر کی نگاہوں کی گرمی سے۔

’’ہوں ضرور پوچھو۔‘‘

’’میں آپ کے ابو سے مل تو نہیں پائی مگر جس طرح امی اور آپی بتاتی ہیں کہ وہ کتنے نائس تھے۔ آپ کی امی بھی بہت اچھی ہیں، پڑھی لکھی سلجھی ہوئی بہنیں ہیں۔ میرا مطلب اتنی اچھی فیملی سے ہیں آپ پھر بھی آپ بگڑ گئے مطلب......‘‘ وہ یکدم گڑبڑا گئی اپنے آخری لفظوں پر حیدر زور سے ہنس اٹھا۔

’’ڈونٹ وری، تم کہہ سکتی ہو میں واقعی بگڑ گیا تھا، کچھ اس ماحول کا اثر تھا جو ہمارے اردگرد موجود ہے اور شاید امی کی بے جا سختی نے بھی مجھے ضدی سا کر دیا تھا۔ جانتا تھا وہ میرے بھلے کے لیے مجھ پر اتنی زیادہ سختی کرتی تھیں مگر ثانیہ! میرے خیال سے ضرورت سے زیادہ سختی بعض اوقات بچوں کے چڑچڑے پن کا سبب بن جاتی ہے، میں اکلوتا بھائی تھا شاید ہم دو تین بھائی ہوتے تو میں نہ بگڑتا۔ میرے سامنے صرف ابو تھے یا محلے کے بچے اور میری عمر نے جو پک کیا میں وہ ہی بن گیا لیکن جب اچانک ابو گئے، ہمیں چھوڑ کر تو مجھے لگا میں ان کے ساتھ ہی ختم ہو گیا۔ میری بے فکری، میری عیاشی میرے آزادی سب ان کے ساتھ دفن ہو گئیں۔

ان کے سہارے ہی میں اتنی بے فکری کی زندگی گزار لیتا تھا کہ مجھے قطعی کوئی فکر نہ ہوتی کہ ابو ہیں، ابو کر لیں گے، سب سنبھال لیں گے، ان کے بعد جب سربراہ کی پگڑی میرے سر پر رکھی گئی بس اسی دن، اس حیدر تو قیر کا خاتمہ ہو گیا تھا۔ میرے سامنے ابو کی زندگی تھی، ان کی ذمہ داریاں تھیں۔‘‘ اس کے وجیہہ چہرے سے چھلکنے والا دکھ ثانیہ محسوس کر سکتی تھی۔

’’تمہاری خواہش بھی من میں انہی دنوں کی تھی، کتنی لڑکیوں کو ہم پریشان کرتے تھے مگر تمہارے چہرے کی معصومیت مجھے کہیں نظر نہ آئی جس راہ پر میں چل رہا تھا اس کے مطابق مجھے جو ٹھیک لگا وہ میں نے کیا، مقصد تمہیں پانا ہی تھا مگر ڈھنگ نہیں آتا تھا اور جب ڈھنگ آیا تب یہ امید بھی نہ تھی کہ کبھی تمہیں پا لوں گا مگر وہ ذات کریم ہے دلوں میں پوشیدہ خواہشیں جاننے والا،

اس نے سن لی اور میری امی کی کوششیں رنگ لے آئیں۔"
"آپ کو یقین نہیں تھا کہ میں مان جاؤں گی؟" وہ دھیرے سے مسکرائی۔
"بالکل سچ کہوں۔" حیدر نے اس کا سجا سنورا روپ دیکھا۔
"ہوں۔"
"ایک فیصد بھی یقین نہیں تھا۔" اس نے گہری سانس خارج کی۔ "جب امی نے مجھے بتایا ناں کہ تم نے مجھے معاف کرنے سے انکار کردیا ہے تب......"
"میں نے انکار نہیں کیا' مجھے لگا میں آنٹی کے آنسو دیکھ کر کمزور پڑجاؤں گی تو میں نے خود کو وقت دینے کا فیصلہ کیا۔ میں کسی جذباتی کمزوری کے تحت فیصلہ نہیں کرنا چاہتی تھی' اپنے ذہن و دل کے مکمل فیصلے جاننا چاہتی تھی۔ میں بھی عام سی انسان ہوں حیدر! کوئی فرشتہ نہیں اسی لیے یکدم اتنی اعلیٰ ظرفی کا مظاہرہ نہ کرسکی پھر دھیرے دھیرے جب مجھے لگا کہ انسان ہی انسان کی غلطیوں کو درگزر کرتا ہے' میں اپنے اللہ کو بھی ناراض نہیں کرسکتی اور میرے اللہ نے تو معاف کرنے والے کو پسند فرمایا ہے سو میں نے آپ کی وہ تمام باتیں درگزر کردیں اور جب آپ کا یہ پرپوزل آیا تو میں نے یہ سوچ کر قبول کیا تھا آپ میرے لیے قطعی ایک انجان شخص ہیں' ماضی کے وہ پل میرے ذہن میں نہ تھے۔"
"واقعی تمہیں وہ باتیں یاد نہیں آتیں۔"
"نہیں' بس صرف ایک الجھن مٹادیں۔" وہ معصومیت سے بولی۔
"آنٹی کو ہمارے گھر آپ نے ہی بھیجا تھا ناں' آنٹی نے ہمیشہ یہ ہی بتایا تھا کہ وہ اپنی مرضی سے آتی تھیں مگر جانے کیوں میرے دل میں تھا کہ آنٹی کو حیدر نے بھیجا ہے۔"
"ہاں کیوں کہ جس دن ابو کی ڈیتھ ہوئی تمہاری دوست نے میری خوب بے عزتی کی تھی کہ میری وجہ سے اس کی دوست یعنی تم زندگی اور موت کی کشمکش میں ہو جب میں سنبھلا' پہلا خیال یہ ہی آیا تھا کہیں میری وجہ سے تمہیں نہ کچھ ہوگیا ہو۔ بس یہ ہی تسلی کرنے کے لیے میں نے ان کو تمہارے گھر بھیجا تھا۔ آگے کا راستہ میرے رب نے خود بخود آسان کردیا۔"
"میرا دل کہتا تھا کہ آپ نے ہی بھیجا تھا آنٹی کو۔"
"گویا تمہارا دل گواہی دیتا تھا میری......" اس نے شوخی کی۔
"نہیں' مگر یہ طے ہے حیدر کہ میں نے اپنے دل کی تمام سچائی جان کرہاں کی تھی۔"
"اور میرا بھی تم سے وعدہ ہے ثانیہ! کہ تمہیں کبھی میری ذات سے مایوسی نہیں ہوگی جس حیدر پر تم نے اعتبار کیا ہے وہ اعتبار ان شاء اللہ کبھی نہیں ٹوٹے گا تمہارا۔ آج ہماری نئی زندگی کا پہلا دن ہے اور نئے سال کا بھی پہلا دن ہے اور ہماری زندگی میں ہر نیا سال ان شاء اللہ خوشیاں لے کر آئے گا۔" اس نے ثانیہ کے مہندی بھرے نرم ہاتھ اپنے مضبوط ہاتھوں میں تھام کر یقین دلایا تھا۔
"ان شاء اللہ مجھے آپ پر بھروسہ ہے۔" ثانیہ کے لہجے کا یقین حیدر توقیر کو سرشار کرگیا۔
ماضی میں کی گئی چھوٹی چھوٹی غلطیاں بعض دفعہ ہمیں بہت سی نظروں میں گرادیتی ہیں مگر حیدر توقیر مشکور تھا اپنے اللہ کا' جس نے بروقت اسے راہ دکھائی اور بہت سی نگاہوں میں اونچا کیا۔

خان ہاؤس میں ابرار خان اپنے دو بیٹوں جلال خان اور بہزاد خان کے ساتھ رہتے ہیں۔ جلال خان اپنی بیگم سائرہ اور اپنے بیٹے فائز کے ساتھ نچلے پورشن میں رہتے ہیں جبکہ چھوٹا بھائی ریحانہ بیگم اپنی بیٹی کے ساتھ اوپر کے حصے میں آباد ہیں۔ ابرار خان کی بیگم سکینہ خاتون دور اندیش انسان تھیں ان کی زندگی میں خان ہاؤس میں خوشیوں کی چہکار تھی لیکن ان کی وفات کے بعد گھر کا شیرازہ بکھرنے لگتا ہے جب ہی دونوں بہوؤں کے درمیان بھی روایتی چپقلش رہتی ہے۔ فائز اپنی کزن سفینہ کو پسند کرتا ہے اور اپنے والہانہ جذبات میں اسے بھی اپنا شریک سفر بنا چکا ہے لیکن سائرہ بیگم کو سفینہ ایک آنکھ نہیں بھاتی جب ہی وہ اپنے بیٹے پر کڑی نظر رکھتی ہیں۔ سائرہ کی ماں دلشاد بیگم اپنے بیٹے کے ہمراہ زندگی گزار رہی ہیں۔ ان کی بہو نرما کے ساتھ ان کے تعلقات روایتی ساس بہو والے تھے۔ آئے دن ان کے جھگڑوں کا فائدہ اٹھاتے ان کی نوکرانی دونوں طرف اپنی چرب زبانی کی بدولت ان کے مابین تعلقات کو مزید بگاڑ دیتی ہے۔ دلشاد بیگم کی غفلت کی وجہ سے ان کی بہو نرما اولاد کی نعمت سے محروم تھی جب ہی بیٹے کے دل میں بھی ماں کے لیے غفلت آجاتی ہے اور وہ نرما کے لیے اوپر کے پورشن میں بندوبست کر دیتا ہے، دلشاد بیگم کو بیٹے کی یہ جدائی برداشت نہیں تھی دوسری طرف یہ جان کر کہ بہو بیٹا دونوں جلد ہی بیرون ملک جانے کا ارادہ رکھتے ہیں مزید بدظن ہو جاتی ہے ایسے میں ان کی نوکرانی اپنے ذاتی مفاد کی خاطر انہیں کسی عامل بابا سے رابطہ کرنے کا مشورہ دیتی ہے۔ رانی کی باتوں میں آکر وہ اس کے آستانے پہنچتی ہیں اور اپنا تمام معاملہ بتا کر خوش و خرم لوٹ آتی ہیں ان کے تعویذ اثر دکھاتے ہیں اور شکیل ماں کا خیال کرتے ہوئے رات میں بھی دلشاد بیگم کے پاس ٹھہر جاتا ہے۔ اس طرح عامل بابا پر ان کا یقین خود بخود ہی بڑھ جاتا ہے۔ دوسری طرف سائرہ بیگم سفینہ اور فائز کو ایک ساتھ گاڑی سے اترتے دیکھ کر اشتعال میں آجاتی ہیں اور سفینہ پر الزامات کی بوچھاڑ کر دیتی ہیں جبکہ فائز کے لیے ماں کا یہ روپ نہایت حیران کن ہوتا ہے ایسے میں ابرار خان معاملہ کو سنبھالتے دونوں کو خاموش کرا دیتے ہیں لیکن مستقبل کا خیال انہیں پریشان کیے دیتا ہے۔

(اب آگے پڑھیے)

❁......❁......❁

"کون آگیا جو یہ ایسے بھاگی دوڑی چلی آرہی ہے؟" سائرہ پہلے تو ریحانہ کی نظروں سے بچنے کے لیے سائیڈ میں ہو کر منہ موڑ کر کھڑی ہو گئیں، پھر جھری سے جھانکا۔ دفعتاً دروازہ بڑی زور سے کھلنے اور بند ہونے کی آواز آئی۔ وہ نگاہیں گاڑ کر دیکھنے لگیں۔

"امی..... امی....." سفینہ اترا ہوا چہرہ لیے ریحانہ پر لدی جا رہی تھی،

"سفی بیٹا! کیا ہو گیا؟" ریحانہ کا پریشان کن گھبرایا ہوا لہجہ سائرہ کو بھی چونکا گیا۔

"اے اب کیا مصیبت آگئی۔" وہ کھڑکی سے مزید چپک کر باہر کا جائزہ لیتے ہوئے بڑبڑائیں، ایک دل نے کہا جا کر دیکھا تو جائے سفینہ کو ہوا کیا ہے؟ مگر انا ایک بار پھر آڑے آگئی، کونے میں دبکی کھڑی رہیں۔

"وہ امی وہ۔" سفینہ کی حالت عجیب سی ہو رہی تھی، پسینہ میں شرابور تھر تھر کانپتی ہوئی، انگلی سے باہر کی جانب اشارہ

کرنے لگی۔

"چلو اوپر چلو۔" ریحانہ نے بیٹی کی حالت پر گھبرا کر صحن میں ادھر ادھر نگاہیں دوڑائیں جٹھانی کو نہ پا کر سکھ کا سانس لیا اور تیزی سے بیٹی کو سہارا دیتی ہوئی اوپری منزل کی جانب بڑھ گئیں۔

"ہائے میرے اللہ۔ اس لڑکی کو کیا ہو گیا؟ عجیب عجیب سی حرکتیں کر رہی ہے۔" سائرہ نے گال پر ہاتھ رکھ کر حیرانی سے سوچا۔

"معاملہ گڑبڑ لگ رہا ہے۔" وہ، کچن سے نکل کر صحن میں چلی آئیں اور اوپر کی جانب کان لگا دیئے مگر کچھ خاص سمجھ میں نہیں آیا۔

"چھوڑو، مجھے کیا' ان ماں بیٹیوں نے ویسے ہی میرا جینا حرام کر رکھا ہے، پہلے جلال خان' سفی' سفی کرتے پھرتے تھے، اب فائز بھی مجھ سے سفینہ کے لیے لڑنے بیٹھ جاتا ہے۔" ان کا دماغ دوبارہ کل رات کے بحث مباحثہ میں جا اٹکا، جس کی وجہ سے بیٹا صبح سے کہیں غائب تھا دل کا عناد بڑھتا گیا۔

❁ .... ❁ .... ❁

"امی...... ! امی...... !" سفینہ ماں سے لپٹ گئی، اسے لگا جیسے گہری نیند کے بعد بیدار ہوئی ہو، وہ خوف سے تھر تھر کانپ رہی تھی۔

"کیا ہوا بیٹا! میں تمہارے پاس ہوں نا۔" سفینہ آنکھیں پھاڑ پھاڑ کر چاروں طرف دیکھ رہی تھی۔ اس کی حالت پر ریحانہ کے ہوش اڑ گئے، کچھ اور سمجھ میں نہیں آیا قرآن شریف کھول کر اس کے پاس بیٹھ گئیں، اور پڑھ پڑھ کر دم کرنے لگیں۔

"امی! آپ نے گیٹ اتنی دیر میں کیوں کھولا؟ اگر وہ مجھے کاٹ لیتا تو۔" اس نے بے قراری سے ماں کا ہاتھ زور سے پکڑ کر پوچھا۔

"بیٹا! وہاں کوئی نہیں تھا۔ تمہارا وہم ہوگا۔ جانے کس کو دیکھ لیا جو اتنا ڈر گئی ہو۔" انہوں بے قرار ہو کر بیٹی کی چوڑی پیشانی کو چوما، اس کی نگاہیں، کسی غیر مرئی چیز کو خلاؤں میں تلاش کر رہی تھیں۔ ماں کی بات کا جواب بھی نہیں دیا۔

"فکر نہ کرو' میں تمہارے پاس ہوں' وئی نہیں آئے گا۔" ریحانہ نے بیٹی کو بانہوں میں بھر کر خود سے چمٹایا۔

❁ .... ❁ .... ❁

کھنکتی ریشم سی ہنسی اس کے کانوں میں گونجی، فائز نے بے اختیار مڑ کر دیکھا، ایک لڑکی، اپنی ساتھی کولیگ کے ساتھ کھڑی ہنس ہنس کر باتوں میں مصروف تھی اس نے سر جھٹکا اور ارشد کو دیکھ کر ہاتھ ہلایا۔

"سفینہ تو اس وقت کالج سے گھر لوٹی ہوگی۔ میں ہر جگہ اسے ہی تلاش کرنے لگتا ہوں۔" فائز نے اپنے سر پر ہاتھ مار ا، تخیل کی کمزوری پر خود کو سمجھایا۔ وہ اپنے دوست ارشد کے آفس میں کسی کام سے آیا تو ہنسنے کی آواز پر ایسا لگا جیسے سفینہ بھی آس پاس موجود ہو۔

"یار! تم یہاں بیٹھ کر چائے پیو۔ میں زرا اپنے باس کے کمرے سے پانچ منٹ میں آتا ہوں۔" ارشد نے اس سے بڑی گرمجوشی سے ہاتھ ملایا اور ویٹنگ روم کی جانب اشارہ کیا۔ خود شیشے کے بنے کیبن کی طرف چلا گیا۔

"اگر سب مل کر بھی چاہیں تو سفینہ کو مجھ سے جدا نہیں کر سکتے، وہ جسمانی طور پر دور ہوتے ہوئے بھی کتنی قریب ہوتی ہے۔" فائز نے مسکرا کر سوچا۔ پیون اندر داخل ہوا اور بھاپ اڑاتی چائے رکھ کر باہر چلا گیا۔

"اس کی محبت میرے اندر اس حد تک سرائیت کر چکی ہے، کہ غیر موجودگی میں بھی، وہ ہی دکھائی دیتی ہے۔" فائز نے شیشے کی میز پر انگلی سے سفینہ کا نام لکھتے ہوئے کہا۔

''کوئی بھی اسے مجھ سے نہیں چھین سکتا۔ فائز بڑبڑایا، اور چائے کا سپ لیا محبت کی یہی خوب صورتی، اس کے دل میں بس گئی تھی۔

❁.......✹.......✡

''دیکھوں تو اوپر ہو کیا رہا ہے؟'' ریحانہ کی رونے کی آواز پر، سائرہ کو تشویش سے زیادہ تجسس نے ستا ڈالا تھوڑی دیر تک تو نیچے کھڑی سن گن لینے کی کوشش کی، مگر جب برداشت نہ ہوا تو گھٹنا پکڑتی سیڑھیاں چڑھ کر اوپر جا پہنچیں۔

''اسے کیا ہو گیا۔ ایک دم پیلی پھٹک ہو رہی ہے۔'' اندر کا منظر دیکھ کر ان کے بھی ہوش اڑ گئے۔

''پانی......ایک گھونٹ۔ پانی...... پلا دیں۔'' سفینہ کے حلق میں کانٹے سے چبھ رہے تھے اس نے ہاتھ پاؤں مارتے ہوئے پانی مانگا۔

''لاتی ہوں بیٹا! تم حوصلہ تو پکڑو۔'' ریحانہ نے اس کا سر اپنی گود سے اٹھا کر تکیہ پر رکھا اور بستر سے نیچے اتری تو سامنے سائرہ کو کھڑا دیکھ کر ہکا بکا رہ گئی۔

''ارے بھابھی! آپ...... آیئے نا۔'' وہ بیٹی کی ایسی حالت جٹھانی سے چھپانا چاہتی تھی، اب جبکہ وہ اوپر آ گئیں تو ریحانہ کو نہ چاہتے ہوئے بھی اخلاق دکھانا پڑا۔

''چھوٹی دلہن سفینہ کو کیا ہو گیا ہے؟'' انہوں نے اس کے نزدیک بستر پر بیٹھتے ہوئے حیرت کا اظہار کیا۔

''پتا نہیں جب سے کالج سے لوٹی ہے، اس کی ایسی ہی حالت ہے، شاید کسی چیز سے ڈر گئی ہے۔'' ریحانہ نے روتے ہوئے جٹھانی سے کہا۔

❁.......✹.......✡

''مما! سفینہ کے معاملے میں اس طرح کیوں سوچتی ہیں؟'' فائز ارشد کے آفس سے باہر نکلا تو اس کی سوچ کا سرا دوبارہ وہیں سے جڑ گیا جہاں سے ٹوٹا تھا۔

''وہ اتنی اچھی ہے پھر بھی مما اتنی ناراض رہتی ہیں۔'' اس نے ٹھنڈی سانس بھری اور لفٹ کا بٹن دبایا۔

وہ جب تک دوستوں کے ساتھ ہوتا تو ذہن دوسری طرف لگ جاتا، مگر تنہائی میں ایسی باتیں ہی دماغ کو اپنی گرفت میں لیے رہتیں۔

''مما کی بات مان کر خوش نہیں کر سکتا کیوں کہ اس کا صرف ایک ہی راستہ ہے، کہ میں شادی سے انکار کر دوں۔'' فائز رنجیدہ ہونے لگا۔

''ایک عجیب مخمصے میں پھنس گیا ہوں۔ خود سمجھ میں نہیں آتا کہ کیا ہوگا؟'' وہ ایک بار پھر سوچ سوچ کر تھک گیا۔

''ان مسئلوں سے نکلوں تو باہر جانے کا معاملہ سنجیدگی سے نمٹاؤں ڈر لگتا ہے کہ کہیں یہاں سے جاؤں اور پیچھے سے کوئی ایسی بات ہو جائے کہ سفینہ ہمیشہ کے لیے مجھ سے دور ہو جائے۔'' اس روز پہلی بار فائز نے اپنے مزاج کا جائزہ لیا۔

''مما کی ڈانٹ ڈپٹ اپنی ذات پر تو سہہ سکتا ہوں اس پر صبر بھی آ جاتا ہے مگر جب میری محبت کے پیچھے سفینہ کے بے داغ دامن پر بدنامی کے چھینٹے پڑتے ہیں۔ وہ برداشت نہیں ہوتا۔ ان مسائل کا حل کیسے ڈھونڈ نکالوں؟'' اس نے باہر نکل کر سر اٹھایا اور دیر تک آسمان کی طرف شکوہ کناں نگاہوں سے تکتا رہا۔

❁.......✹.......✡

''ہائے دیکھو تو کیسی پیلی ہو رہی ہے اور یہ بال کیوں بکھرائے ہوئے ہیں؟ آج کل لڑکیوں کے فیشن ہی ختم نہیں ہوتے۔'' سائرہ نے بظاہر ہمدردی جتاتے ہوئے سفینہ کے چہرے سے بال ہٹا کر کہا۔

''جی بھابھی! میں نے بھی اسے کتنی بار منع کیا ہے کہ لمبے بالوں کو باندھ کر رکھا کرو، مگر صبح صبح نہالیا اور بالوں کو دوپٹے سے ڈھانپ کر کالج چلی گئی، میں نے ٹوکا تو بولی ابھی گیلے ہیں، سوکھ جائیں گے تو باندھ لوں گی ورنہ سر میں درد ہوجائے گا، مجھے تو لگتا ہے میری بچی پر کسی کی بری نظر پڑ گئی ہے۔'' وہ اس وقت پریشانی کی جس کیفیت سے گزر رہی تھیں، بلا سوچے سمجھے بولے جارہی تھیں۔

''دلہن ایسا کرو، اس کے سر پر ٹھنڈے پانی کی پٹیاں رکھو، تاکہ بخار کی حدت کم ہو۔'' سائرہ نے گرم کلائی کو چھوتے ہوئے مشورہ دیا۔

''پانی...... پانی۔'' اس نے گلابی لرزتے ہونٹوں کو دوبارہ جنبش دی۔

ریحانہ جلدی سے کچن کی طرف پانی لینے دوڑیں، سائرہ نے بغور سفینہ کا جائزہ لیا۔

اب وہ تھوڑا ہوش میں تھی، ریحانہ نے پانی کا گلاس لاکر بیٹی کے ہونٹوں سے لگایا جسے وہ صحرا میں بھٹکتے پیاسے مسافر کی طرح پی گئی۔

''سفینہ! اب کیسی طبیعت ہے؟'' سائرہ نے آواز میں نرمی پیدا کرتے ہوئے پوچھا۔

''بس تائی اماں! میرے سر میں بہت درد ہے، پلکیں پتا نہیں کیوں اتنی بھاری ہورہی ہیں۔'' وہ اٹک اٹک کر اپنی کیفیت بتانے لگی۔

''اچھا تم سونے کی کوشش کرو۔'' سائرہ نے اسے تھپکتے ہوئے کہا۔

''دلہن! تم ایسا کرو سفینہ کو کوئی ٹیبلٹ دے دو، شام میں کوئی آتا ہے تو اسے ڈاکٹر کے پاس لے جانا، میں اب نیچے جاؤں گی اصل میں چولہے پر ہنڈیا پکنے رکھی ہے۔'' سائرہ نے گہری نگاہوں سے جائزہ لیتے ہوئے، ریحانہ کو ہدایت دی۔

سفینہ نے ماں اور تائی کو بہت کم اتنی اپنائیت سے ایک ساتھ باتیں کرتے دیکھا تھا، وہ دل ہی دل میں مسکرائی، اچانک اس کی آنکھیں بوجھل ہونے لگیں وہ نیند کی وادیوں میں کھوگئی۔

''بھابھی! اچھا ہوا آپ آگئیں، مجھے حوصلہ مل گیا، ورنہ سفینہ کی جو حالت تھی، ایک لمحے کو تو میرا دل بند ہونے لگا تھا۔'' ریحانہ نے مسکرا کر جٹھانی کا ہاتھ تھام کر کہا۔ سفینہ کی حالت نے دل کو گداز کردیا تھا۔

''یہ شاید کسی چیز سے ڈر گئی ہے خیر! اسے دوا ضرور کھلانا۔ اگر طبیعت ٹھیک نہ ہو تو مجھے بلا جھجک آواز دے دینا۔'' سائرہ نے ریحانہ کے کاندھے پر ہاتھ رکھ کر اخلاق دکھایا۔

واہ منکی بابا! میں آپ کو مان گئی ایسا زوردار عمل کیا کہ ان دونوں کے تو چھکے ہی چھوٹ گئے۔'' سیڑھیاں اترتے ہوئے، سائرہ کا چہرے پر عجیب سی مسکراہٹ چھاگئی۔

❁......❁......❁

وہ سائرہ تھیں اپنے آگے کسی کی نہ سننے والی، کیسے بیٹے کو اتنی رعایت دیتی کہ وہ ایک لڑکی کے لیے انہیں سمجھانے بیٹھ جائے، لڑکی بھی وہ، جس کی پیدائش سے پہلے سے ہی بیر باندھ لیا گیا، ساس نے ریحانہ کے امید سے ہونے کے بعد برادری والوں کے سامنے اعلان کردیا تھا۔

''اگر بہزاد کی بیٹی ہوئی تو، میرے فائز کی دلہن بنے گی۔'' سائرہ، پنگھوڑے کی منگنی کا سنتی تو آئی تھیں، مگر ان کے اپنے بیٹے کے ساتھ بھی ایسا ہوگا، یہ نہیں سوچا تھا، ابھی منگنی کے آنسو ہی صاف نہیں ہوئے تھے، کہ ریحانہ کی گود میں پریوں جیسی سفینہ چلی آئی، دادی نے سونے کی چھوٹی سی چوڑی بنوا کر فائز کے نام سے پوتی کے ہاتھ میں ڈال دی۔ سائرہ کا بس نہیں

چلتا، کہ وہ ریحانہ کی گود سے ہنستی کھلکھلاتی سفینہ کو چھین کر رلا دیں۔
ان کے لیے اپنا نظر انداز کیا جانا ناقابل برداشت تھا، جلال خان کو شروع سے بیٹی کی خواہش تھی، وہ جب امید سے ہوئیں تو، میاں ہر وقت بیٹی کی تمنا دل میں بسائے، گلابی اور آسمانی رنگ کی فراکوں کے ڈھیر لگاتے چلے گئے، سائرہ کے منع کرنے کے باوجود بے بی کے استعمال کی چیزوں سے نرسری کو بھر دیا، ڈھونڈ ڈھونڈ کر لڑکیوں کے نام جمع کر کے سائرہ کو بتاتے، وہ شوہر کی دیوانگی سے گھبرا جاتیں کچھ سمجھاتیں تو جلال بیوی کی بات کو ہنسی مذاق میں اڑا دیتے۔ اصل میں وہ دو بھائی تھے، بہن کوئی تھی نہیں، جلال کو شروع سے بہن کا ارمان تھا، جو پورا نہ ہوا تو، بیوی کے امید سے ہونے پر ان کی خواہشوں کا دھارا، اس طرف مڑ گیا۔
قدرت کو ایسا ہونا منظور نہ تھا، فائز کی پیدائش پر وہ خوش تو تھے مگر اتنے نہیں جتنا سائرہ ان کو دیکھنا چاہتی تھیں۔ دو سال بعد ہی جب ریحانہ کی گود میں سفینہ آئی تو ان کا جوش و خروش دیکھنے کے قابل تھا، پورے اسپتال میں مٹھائی اپنے ہاتھوں سے بانٹی، وہ ساری فراکیں اور دوسری اشیاء جو انہوں نے فائز کی دفع میں خریدی تھیں، سفینہ کو گفٹ کر دیں، سائرہ یہ سب دیکھ دیکھ کر اپنا بلڈ پریشر بڑھاتی رہیں، مگر شوہر کے آگے کیا بولتیں، بس سفینہ کے خلاف دل میں ایسی گرہ پڑی جو سالوں گزرنے کے بعد بھی نہ کھل سکی۔

❁......❁......❁

''بابا نے لگتا ہے اپنے موکلوں کے ذریعے عمل کروا دیا ہے۔'' سائرہ ایک ہی بات سوچتی ہوئی، سرخ ہوتے چہرے کے ساتھ کمرے میں داخل ہوئیں
''میرا کام تو ہو گیا ہے۔'' سائرہ دھم سے بستر پر بیٹھ گئیں، ان کا وجود پسینے میں بھیگ اٹھا۔
''بس بہت ہو گئیں، فضولیات اب میں مزید بابا سے کوئی رابطہ نہیں رکھوں گی۔'' وہ ماتھے پر ہاتھ رکھ کر بڑبڑائیں۔
''بابا نے عمل تو پکا ہی کیا ہے آگے کا کام خود ہی ہو جائے گا۔'' آج سفینہ کی جو حالت اپنی آنکھوں سے دیکھی، دل کو یقین آ گیا۔
''اف کیسی عجیب سی گھبراہٹ ہو رہی ہے۔'' سائرہ نے سائیڈ میں رکھے جگ سے پانی پیا، پھر بھی چین نہیں ملا۔
ایک دم واش روم کی طرف دوڑیں، چہرے پر پانی کے چھپاکے مارے، منہ پونچھا، پورے وجود پر جیسے چیونٹیاں سی رینگ رہی تھیں۔
''تم نے اس معصوم کے ساتھ اچھا نہیں کیا۔'' ان کا ضمیر ایک دم ملامت کرنے لگا۔
''مجھے بھی اس سے کوئی دشمنی نہیں مگر یہ لوگ سمجھ ہی نہیں رہے تھے تو میں کیا کرتی۔'' آئینے میں اپنی اتری صورت دیکھ کر خود کو صفائی دی۔
''جو ہونا تھا وہ ہو گیا مگر آئندہ کے لیے کان پکڑتی ہوں۔'' سائرہ نے اپنے کان پکڑ کر خود کو سرزنش کی اور واش روم سے باہر نکل آئیں۔
''اماں کو بھی منع کروں گی ان باباؤں کے چکروں سے ذرا دور رہیں۔'' سائرہ نے دل ہی دل میں خود کو مطمئن کرنے کی کوشش کی ذہن بٹانے کے لیے، ٹی وی کا ریموٹ اٹھا لیا۔

❁......❁......❁

سفینہ کی آنکھ شام میں کھلی تو ریحانہ بیٹی کے سرہانے بیٹھی کچھ پڑھ پڑھ کر اس پر پھونک رہی تھیں۔ اسے اٹھتا دیکھ کر انہوں نے لیٹے رہنے کا اشارہ کیا۔ وہ ماں کی سوجی ہوئی آنکھیں دیکھ کر سمجھ گئی کہ ریحانہ کافی دیر تک روتی رہی ہیں، وہ ماں

کے اصرار پر واپس لیٹ گئی۔
''امی! آپ پوری دوپہر جاگتی رہیں اور میرے سرہانے بیٹھ کر روتی رہی ہیں نا؟'' سفینہ نے ماں کا ہاتھ تھام کر چوم لیا۔
''میری بچی! تم نے تو مجھے ڈرا ہی دیا تھا۔'' انہوں نے اسے نارمل دیکھا تو شکر ادا کرتے ہوئے کہا۔
''بس اب میں بالکل ٹھیک ہوں' آپ تھوری دیر لیٹ جائیں۔'' اس نے بستر پر کھسک کر ماں کے لیے جگہ بنائی۔
''نہیں اب مغرب کی اذان ہونے والی ہے میں نماز پڑھ کر ہی لیٹوں گی۔ تمہارے ابو کا بھی کئی بار فون آچکا ہے۔'' انہوں نے بیٹی کے بال سنوارتے ہوئے بتایا۔
''انہیں کس نے بتایا؟'' سفینہ نے اپنے گھنے بالوں کو انگلیوں سے سلجھاتے ہوئے پوچھا۔
''میں نے ہی گھبرا کر فون کر دیا تھا، ان کی آج ضروری میٹنگ نہ ہوتی تو شاید اسی وقت اٹھ کر گھر آجاتے۔'' ریحانہ نے مسکرا کر جواب دیا۔
''اچھا اور کوئی نہیں آیا؟'' اس نے ایک امید سے پوچھا۔
''ہاں تمہاری تائی آئی تھی نا اور تھوڑی دیر پہلے ابا جان بھی تمہیں دیکھنے اوپر آئے تھے، کافی دیر تمہارے پاس بیٹھ کر دم کرتے رہے، مگر تم ایسی بے ہوش پڑی تھی کہ پتا ہی نہیں چلا پھر عصر کا ٹائم ہوا تو مسجد چلے گئے۔'' ریحانہ نے تسلی سے جواب دیا تو وہ تھوڑی مایوس ہوگئی۔
ریحانہ نے منہ ہی منہ میں کچھ پڑھا اور پھر بیٹی پر دم کیا اور اس کے بالوں میں ہاتھ پھیرنے کے بعد وہاں سے اٹھ گئیں۔ کمرے میں پھیلی ہوئی چیزوں کو ٹھکانے پر رکھنا شروع کیا، شام ڈھل رہی تھی، انہوں نے کھڑکی کے پردے سمیٹے تو تازہ ہوا کا جھونکا، سفینہ کے چہرے سے ٹکرایا، اسے تازگی محسوس ہوئی۔ وہ اپنے بالوں کو سمیٹ کر چٹیا کی شکل دیتے ہوئے فائز کو یاد کرنے لگی، تھوڑی ہی دیر میں کمزوری محسوس ہونے لگی تو تکیہ پر سر رکھ کر لیٹ گئی۔
''میں تمہارے لیے جوس کے ساتھ کچھ کھانے کو لاتی ہوں۔ دوپہر میں بھی کچھ نہیں کھایا، اب بھوک لگی رہی ہوگی نا۔'' ریحانہ نے بیٹی سے جھک کر پوچھا۔
''نہیں امی......! مجھے کچھ نہیں کھانا' سچ میں بالکل دل نہیں چاہ رہا' بس ایک کپ چائے دے دیں۔'' سفینہ نے منہ موڑ کر لیٹتے ہوئے اداسی سے کہا۔
''زیادہ نخرے نہیں ایک دن کے بخار میں کیسا منہ اتر گیا ہے میں سیب کا جوس نکال کر لاتی ہوں'' ریحانہ نے بیٹی پر کمبل ڈالا۔
''پلیز ممی! صرف ایک کپ چائے' جوس میں شام میں پی لوں گی سچ میں۔'' سفینہ نے اتنی لجاحت سے کہا کہ ریحانہ نے مجبوراً حامی بھری اور چل دیں۔

❁......❁......❁

''ٹن......ٹن......ٹن۔'' بہت دیر بیل بجتی رہی، آخر ریحانہ نے ہی زچ ہو کر اوپر سے نیچے اتر کر دروازہ کھولا۔
''بھئی آج دروازے کی چابی دکان پر ہی بھول آیا اس لیے یہ جلال خان تھے، جو آج تھوڑا جلدی لوٹ آئے۔
ریحانہ کا چہرہ اترا ہوا تھا اس نے اخلاقاً بھی منہ سے کچھ نہ کہا، صرف ہونٹ پھڑپھڑا کر رہ گئی۔
''سائرہ کہاں ہیں؟'' انہوں نے چھوٹی بھاوج کے انداز کو حیرت سے دیکھ کر پوچھا۔
''اندر اپنے کمرے میں ہوں گی۔'' ریحانہ نے ہاتھ اٹھا کر اندر کی طرف اشارہ کیا۔ خود واپس اوپر کی جانب

بڑھ گئیں۔
صحن میں داخل ہوتے ہی غیر معمولی خاموشی محسوس کی۔ یہاں وہاں نگاہیں گھما کر سائرہ کو تلاش کیا، جو اس وقت باورچی خانے میں کھڑی دکھائی دیتی تھیں، وہ بھی سنسان پڑا تھا۔
سائرہ بستر پر چت لیٹی کسی گہری سوچ میں گم تھیں، جلال خان چلتے ہوئے کمرے میں داخل ہوئے، انہیں پھر بھی پتا نہ چلا۔
''کب سے دروازہ بجا رہا ہوں کھولا کیوں نہیں؟'' بیوی کو مزے سے لیٹا دیکھ کر بری طرح سے چڑ گئے، ہاتھ میں پکڑا تھیلا کرسی پر رکھ کر پوچھا۔
''بس کیا کہوں سنائی ہی نہیں دیا۔'' وہ ایک دم ڈر کر اٹھ بیٹھیں۔
''کیوں عقل سے تو پہلے ہی فارغ تھیں، اب کیا سماعت سے بھی عاری ہوگئی ہو'' جلال چڑے ہوئے تھے۔
''آج میری طبیعت بہت خراب ہے۔'' بیوی نے جلدی سے پینترا بدل کر میاں کی ہمدردی حاصل کرنے کی کوشش کی۔
''یہ تو پرانی بات ہے ہر روز کی کہانی میں زرا ابا جان کو دیکھوں۔'' وہ بیزاری سے بولتے ہوئے باہر نکل گئے۔
''ہونہہ ان لوگوں کے یہ ہی تو ڈھکوسلے ہیں۔ بیوی بستر پر پڑی مر بھی رہی ہوگی تو انہیں کوئی فکر نہیں۔ اب دیکھو پوری بات سنی نہیں اور دوڑ گئے۔'' سائرہ نے دانت کچکچا کر کہا۔ ان کا دل آج بہت بھرا ہوا ہو رہا تھا۔ دن بھر خود کو ملامت کرتے گزر گئی، اب دو گھڑی شوہر کی توجہ چاہ رہی تھیں، وہ بھی نہ ملی تو اندر کی نفرت پھر جاگ اٹھی۔

❁ .... ❁ .... ❁

''السلام علیکم! دادا ابا آپ نے اوپر آنے کی زحمت کیوں کی، مجھے بلا لیا ہوتا؟'' ابرار خان ایک بار پھر پوتی کو دیکھنے اوپر چلے آئے، سفینہ نے جلدی سے دوپٹہ سر پر رکھ کر تمیز سے کہا اور ہاتھ میں تھامے ٹیڈی کو سائیڈ میں لٹایا۔
''وعلیکم سلام! جیتی رہو خوش رہو۔ اب کیسی طبیعت ہے ہماری بچی کی؟'' ابرار خان نے محبت سے پوتی کے سر کو چومنے کے بعد سامنے بچھی کرسی پر بیٹھتے ہوئے پوچھا۔
''جی اب تو کافی بہتر ہے، بخار بھی اتر گیا ہے۔'' سفینہ نے مسکرا کر جواب دیا۔
''تمہاری ممی کہاں ہیں؟'' انہوں نے چاروں جانب نگاہ گھما کر پوچھا۔
''امی اندر کام کر رہی ہیں۔'' اس نے دھیرے سے بتایا۔
''ہم نے سوچا، تمہیں دوبارہ دیکھ آئیں، پہلے آئے تو تم غنودگی میں تھی، شاید دوا کا اثر ہوگا۔'' انہوں نے بتایا تو سفینہ نے سر ہلا دیا۔
''جب سے تمہاری طبیعت خراب ہوئی ہمارا دل نیچے نہیں لگ رہا ہے۔'' انہوں نے پریشانی سے ہاتھ ملتے ہوئے کہا۔
''دادا ابا! میں ٹھیک ہوں آپ فکر مند نہ ہوں۔ یہ بتائیں اب طبیعت کیسی ہے؟ رات کو جو کھانسی ہو رہی تھی وہ ختم ہوئی یا نہیں؟'' سفینہ نے حد درجہ لگاوٹ سے پوچھا۔
''نہیں بیٹا! جانے کیسی کھانسی ہے جو جان کو لگ گئی ہے۔'' وہ سینے پر ہاتھ پھیرتے ہوئے کنکھار کر بولے۔
''اوہ مجھے پہلے کیوں نہیں بتایا' ایک منٹ رک جائیں۔'' سفینہ بیڈ سے نیچے اتری اور کارنس پر رکھا ہوا سیرپ اٹھا لائی۔

''منہ کھولیں جلدی سے بڑا والا۔'' سفینہ دوا میں موجود چمچے کو بھر کر اپنے دادا کے منہ کے قریب لے گئی اور پیار سے بولی۔
ابرار خان نے پوتی کی محبتوں پر نہال ہوتے ہوئے دوا پی کر جیب میں سے رومال نکال کر منہ پونچھا اور نم آنکھوں سے پوتی کو دیکھتے رہے۔
''کیا ہوا دادا ابا! آپ ایک دم سے چپ کیوں ہوگئے؟'' سفینہ نے گھبرا کر پوچھا۔
''کچھ نہیں ہم سوچ رہے تھے کہ تم بالکل اپنی دادی پر گئی ہو وہ بھی اسی طرح سب کا دھیان رکھتی تھیں۔ اچھا ہماری ایک بات یاد رکھنا، زندگی میں چاہے کتنی بھی مشکلات درپیش ہوں تم کبھی اپنے اندر کی اچھائی کو مرنے نہ دینا کیوں کہ چھوٹی سی چھوٹی نیکی بھی ہمیں بیچ منجھدار میں اکیلا نہیں چھوڑتی طوفان میں پھنسی ہوئی نیا کو ساحل تک ضرور پہنچاتی ہے۔'' انہوں نے پوتی کی جانب امید بھری نگاہوں سے دیکھتے ہوئے نصیحت کی۔
''میں اپنے دادا ابا سے وعدہ کرتی ہوں کہ ہمیشہ آپ کی امیدوں پر پورا اترنے کی کوشش کروں گی۔'' سفینہ نے ابرار خان کا ہاتھ تھام کر پیار سے اپنے گالوں سے لگاتے ہوئے کہا۔
''ارے ابا جان! آپ......؟'' ریحانہ سیب کا جوس تھامے اندر داخل ہوئی تو سر پر سلیقے سے دوپٹہ جما کر بولیں۔
''ممی! یہ جوس دادا ابا کو دے دیجیے۔ میرا ابھی موڈ نہیں ہے۔ میں بعد میں پی لوں گی۔'' سفینہ نے شرارتی انداز میں ماں سے کہا تو ریحانہ نے بیٹی کو گھورتے ہوئے گلاس سسر کی جانب بڑھا دیا۔

❁......✱......❁

سائرہ صوفے پر لیٹی ٹی وی دیکھنے میں مگن تھیں، اچانک چارجنگ پر لگا ان کا سیل فون بجنے لگا۔
''اس وقت کس کا فون آگیا؟'' انہوں نے بڑبڑاتے ہوئے ٹی وی کی آواز کم کر کے فون اٹھایا، نمبر دیکھ کر ان کی ہوائیاں اڑ گئیں۔
''ہیلو جی؟'' یس کا بٹن دبا کر سیل فون کانوں سے لگایا۔
''بی بی! ہم بول رہے ہیں آپ کے بابا۔'' دوسری طرف کی کھرکھراتی آواز اور مخصوص انداز گفتگو نے ان کے ہوش اڑا دیئے۔
''کو......کون سے بابا؟'' سائرہ نمبر دیکھ کر پہچان تو گئیں، مگر تصدیق ضروری تھی۔
''ہم ملنگی بابا بول رہے ہیں۔'' اس دفعہ لہجے میں ناگواری در آئی۔
''آپ نے کیوں فون کیا ہے؟'' وہ ایک دم گھبرا کر، آواز دھیمی اور گردن اونچی کر کے باہر نگاہ دوڑائی کوئی دکھائی نہ دیا تو سکون کا سانس لیا۔
''آپ نہ خود آ رہی تھیں، نہ ہی رانی کے ہاتھ باقی پیسے بھیجے تو ہم نے سوچا خود ہی رابطہ کر لیں۔'' انہوں نے بڑے اطمینان کے ساتھ جواب دیا۔
''مگر میں تو رانی کے ہاتھ سارے پیسے بھجوا چکی ہوں۔ جتنے آپ نے کہے تھے، رانی اس سے بھی کہیں زیادہ مانگ کر لے جا چکی ہے۔'' سائرہ پریشانی میں اٹھ کر بیٹھ گئیں۔
''رانی نے ہمیں سب بتا دیا تھا۔ وہ سارے پیسے آپ کے کام پر ہی خرچ ہو رہے ہیں۔ ہماری جیب میں تھوڑی جا رہے ہیں۔ آپ حاضری کروانے کے پیسے دے چکی ہیں، اب موکل نے آپ کو مشکل سے نکلنے کا حل بتایا ہے اس کو پورا کرنا ہے کہ نہیں؟'' بابا نے بڑی بے مروتی سے جواب دیا۔

"اچھا مزید کتنے پیسے خرچ ہوں گے؟" سائرہ نے سر پر ہاتھ مارتے ہوئے پوچھا، وہ اب اس چکر سے خوف محسوس کرنے لگی تھیں۔

"اس میں تقریباً تیس ہزار روپے کا خرچہ آرہا ہے" وہ بڑی رکھائی سے بات کررہے تھے۔

"اوہ میرے اللہ مگر میرے پاس تو اتنے سارے پیسے نہیں ہیں۔" سائرہ نے بھی صاف لہجے میں بتادیا۔

"آپ کو کوئی نہ کوئی انتظام کرنا ہی پڑے گا۔ اب تو میں اس عمل کی تیاری کرچکا ہوں۔" بابا نے دھمکی دی۔

"بابا! میری بات سنیں۔" "میں نے تو آپ سے جو عمل کروانا تھا وہ کروالیا، اب مزید کی ضرورت باقی نہیں ہے۔" سائرہ نے لہجے میں نرمی سموئی۔ وہ ان سے خوف زدہ بھی تھی۔

"بی بی! ہمیں پتا ہے کہ کیا کرنا ہے اور کیا نہیں آپ بس پیسوں کا انتظام کرکے رکھیں۔ اور لے کر علاج گاہ پہنچ جائیں، ہمیں دوبارہ کال کرنے کی زحمت نہ ہو۔" ان کا دھمکاتا لہجہ سائرہ کے ہوش اڑا لے گیا۔ لائن کٹ جانے کے باوجود وہ کافی دیر تک فون کو گھورتی رہیں۔

❁.......❁.......❁

"میرے مالک کیسی پتھر دل عورت سے واسطہ پڑا ہے۔" جلال خان کمرے میں داخل ہوتے ہی بیوی پر برس اٹھے۔ ان کے پیچھے فائز بھی کھڑا تھا، جس کی شکایتی نگاہیں ماں پر ٹکی ہوئی تھیں۔

"کیا ہوا اب میں نے کیا کردیا؟" سائرہ ہڑبڑا کر اٹھ کھڑی ہوئیں۔

"تم ایسا کیسے کرسکتی ہو؟" انہوں نے چیخ کر کہا تو سائرہ کے ہاتھ سے تھالی چھوٹ کر دور جاگری، جس میں وہ مونگ کی دال چن رہی تھیں۔

"اف کہیں ان دونوں کو کوملکی بابا والی بات تو پتا نہیں چل گئی۔" سائرہ اندر ہی اندر کپکپانے لگی۔

جلال! ک...... کیا...... ہوا...... ہے؟" انہوں نے اٹک اٹک کر پوچھا، دل کا چور بری سے طرح سے خوف زدہ ہوا۔

"کب سے سفی کی طبیعت خراب ہے، تم نے مجھے بتانے کی ضرورت بھی محسوس نہیں کی، وہ تو میں ابا جان کے پاس گیا تو انہوں نے بتایا کہ سفینہ کو کافی تیز بخار چڑھا ہوا ہے۔" انہوں نے غصے سے بیوی کو گھورا تو سائرہ کی جان میں جان آئی۔

"ویسے تو تم خود بھی بیمار تھی مگر اچانک ہی ایک دم ٹھیک ہوگئی ہو۔" جلال نے بظاہر ہمدردی سے زمین پر بیٹھ کر سائرہ کا ماتھا چھو کر کہا، جو گری ہوئی مونگ کی دال اٹھانے کی کوشش کررہی تھیں۔

"ہاں میں نے دوا لے لی تھی، اس لیے بہتر محسوس کررہی ہوں اور اس وقت سفی۔ کا بتانے والی ہی تھی مگر آپ فوراً ہی ابا جان کے کمرے میں چلے گئے۔" سائرہ نے اب اعتماد سے شوہر کی جانب دیکھ کر جواب دیا۔

"چھوڑو یہ فائز اٹھالے گا۔ جلال نے اپنی غلطی پر سرہلایا اور سہارا دے کر کھڑا کیا۔

"سفینہ کی طبیعت کا پتا بھی کیا؟" فائز نے دھیرے سے پوچھا۔

"میں کافی دیر دوپہر میں اوپر بیٹھ کر آئی ہوں، بچی کو بہت تیز بخار تھا، میں نے تو خود ہی ٹھنڈے پانی کی پٹیاں رکھیں۔" انہوں نے بلاوجہ کی صفائی دی، شاید اپنے دل کا چور تھا۔

"مما کو سفینہ سے اتنی ہمدردی۔ حیرت کا مقام ہے لگتا ہے میری مشکلیں ختم ہونے والی ہیں۔" فائز بھی ماں کے انداز پر چونکا۔

"آپ بھی جا کر اسے دیکھ آیئے۔" سائرہ نے شوہر کو مسلسل خود کو گھورتے پایا تو جلدی سے وہاں سے بھگانا چاہا، بابا کی کال آنے کے بعد سے ان کی جان نکلی ہوئی تھی۔

”ابھی تو میں اباجان کو مسجد چھوڑنے جارہا ہوں، واپسی میں اوپر جاؤں گا۔“ جلال خان نے اٹھتے ہوئے کہا اور کمرے سے باہر نکل گئے۔

”یہ دال تو اب استعمال کے قابل نہیں۔ میں چھت پر چڑیوں کو ڈال کر آتا ہوں؟“ فائز کا دل سفینہ کو دیکھنے کے لیے مچلے جارہا تھا، اسے بروقت بہانہ سوجھا۔

”ہاں ٹھیک ہے میں دوسری چن لوں گی یہ تم چھت پر ڈال آنا۔“ سائرہ نے بیٹے کو کھوئے کھوئے انداز میں جواب دیا۔

”ٹھیک ہے مما!“ وہ خوشی خوشی تھالی اٹھا کر باہر نکلنے لگا۔

”فائز! ایک منٹ بات سننا۔“ سائرہ نے شیریں لہجے میں پیچھے سے پکارا۔

”جی مما! کیا ہوا؟“ فائز نے سعادت مندی دکھائی۔

”یہ لو پیسے سفینہ کے لیے جلدی سے اچھا والا جوس اور کچھ فروٹ لے آؤ اور جا کر اپنی چاچی کو دے آنا۔“ سائرہ نے پیار سے اس کے بال بگاڑتے ہوئے پانچ سو کا نوٹ تھمایا۔

”جی مما!“ وہ حیرت سے مرجانے والا ہوا پھر جلدی سے باہر نکل گیا کہیں ماں کا ارادہ نہ بدل جائے۔

❁ .... ✹ .... ❁

”اماں! کیا یہاں رانی ہے ابھی یا کام کرکے چلی گئی؟“ سائرہ نے کمرہ بند کرکے ماں کو فون گھمایا۔

”واہ بیٹا! اتنے دنوں بعد فون کیا اور ماں کی خیریت پتا کرنے کی جگہ اس موئی نوکرانی کو پوچھ رہی ہو۔“ دلشاد بانو نے بیٹی کو چھوٹتے ہی جلی کٹی سنائی۔

”اماں جی! میری اس سے بات کروادیں، بہت ضروری کام ہے۔“ سائرہ نے اپنے لہجے میں نرمی سموتے ہوئے کہا، وہ ماں کو سب کچھ بتا کر پریشان نہیں کرنا چاہتی تھیں۔

”اچھا ٹھیک ہے اسے بلاتی ہوں مگر فون نہ رکھنا۔ مجھے تم سے بہت ساری باتیں کرنی ہیں۔“ دلشاد بانو نے بچوں کی طرح ضد کی اور اشارے سے نوکرانی کو پاس بلا کر فون پکڑایا۔

”جی باجی! خیر تو ہے؟“ رانی نے خوش اخلاقی دکھائی۔

”رانی، کمبخت ماری تم نے مجھے کہاں پھنسادیا ہے؟“ سائرہ اس کی آواز سنتے ہی گرج اٹھیں۔

”ہائے ایسا کیا ہوگیا جو مجھ پر برس رہی ہو۔“ رانی نے معصوم بن کر پوچھا، حالانکہ وہ سب کچھ جانتی تھی۔

”تمہارے اس بابا کا فون آیا تھا مجھے سے مزید تیس ہزار مانگ رہے ہیں۔ میرے پاس اب ایک روپیہ نہیں ہے۔ میں کہاں سے اتنے سارے پیسے دوں گی۔“ سائرہ رودینے کو ہوئیں۔

”باجی! یہ خرچ تو کرنا پڑے گا آخر تمہارا کام بھی تو ہو رہا ہے۔“ اُس نے ساری بات سن کر بے مروتی سے جواب دیا۔

”مگر مجھے مزید کوئی عمل نہیں کروانا ہے۔“ سائرہ زچ ہو کر بولیں۔

”بھئی عمل تو پورا کروانا ہوگا۔ بابا بیچ میں چھوڑ دیں گے تو الٹا ان پر بھی بھاری پڑے گا۔“ رانی نے پریشانی سے کہا۔

”عمل پورا ہونے تک جانے وہ مزید کتنا خرچہ مانگ لیں۔ میں پیسوں کا انتظام کہاں سے کروں؟“ سائرہ نے دانت پیس کر کہا، اگر رانی سامنے ہوتی تو وہ اسے ایک جھانپڑ رسید کرکے دل کی بھڑاس نکال لیتیں۔

”باجی جی یہ تمہارا اپنا مسئلہ ہے اچھا تم اماں سے بات کرو وہ بار بار فون چھیننے جارہی ہیں۔“ رانی دلشاد کو فون تھما کر وہاں سے اٹھ کے چل دی۔

”اس سے تو اماں کے گھر جا کر نمٹوں کی کمینی عورت۔“ سائرہ نے دانت پیس کر سوچا۔

سائرہ کو پہلے ملکی بابا نے عمل کرانے کے لیے کم پیسے بتا کر دانہ ڈالا، جب وہ دام میں گرفتار ہوگئیں تو، کچھ عرصے میں بہانے بہانے سے رانی کے ذریعے مزید پیسے کھینچتے رہے۔ سائرہ نے شوہر سے چھپ چھپ کر ماں کے یہاں جا کر یہ پیسے رانی کے ذریعے بابا کو بھجوائے۔

رانی پہلے ہی لوگوں کا سارا مسئلہ پتا کر کے بابا کو آ کر بتا دیتی پھر جب وہ ان بے وقوف عورتوں کو وہاں لے کر جاتی تو بابا کے منہ سے اپنے مسائل کا سن کر جھوم اٹھتی اسے ان کی کرامات سمجھتیں، اسی وجہ سے بابا کو اپنا اعتقاد قائم کرنے میں آسانی رہتی، سائرہ اور دلشاد بھی ایک ایسا ہی شکار تھیں۔ بشیر احمد۔ لوگوں کی نفسیات سے کھیلتا تھا اور لوگ اس کے ہاتھوں کا مہرہ بنے رہتے۔

ملکی بابا نے اپنے آستانے کا اتنا بھاری بھرکم نام بھی، لوگوں کو متاثر کرنے کے لیے رکھا تھا' وہاں ہر کام بڑے سائنٹفک طریقے سے ہوتا، وہاں جانے والے ہر کلائنٹ کا نام، پتا اور کیس ہسٹری ایک رجسٹر میں باقاعدہ نوٹ کی جاتی، ان لوگوں کے ایڈریس اور کانٹیکٹ نمبر بھی لکھ کر رکھ لیے جاتے جس کے ذریعے گھر بیٹھ جانے والوں یا دوبارہ آستانے پر نہ آنے والوں سے خود ہی رابطہ کرلیا جاتا۔ یہ ہی سائرہ بانو کے ساتھ ہوا۔

ریحانہ کچن میں رات کے کھانے کی تیاری میں مصروف تھیں، سفینہ کی طبیعت کی وجہ سے سارے کام ادھورے پڑے رہ گئے۔

فائز نے اندر جا کر پہلے چاچی کو پھلوں کا شاپر پکڑایا پھر جوس کے پیکٹ لے کر سفینہ کے روم میں چلا گیا۔

''ہیلو میما! ایک دن میں کیا حال بنالیا ہے؟'' فائز اندر داخل ہوا اور اس کی اتری صورت دیکھ کر پریشانی سے کہا۔

''کیا ہوگیا ہے' میں بالکل ٹھیک ہوں لگتا ہے آپ سب مل کر مجھے بیمار کردیں گے۔'' وہ ایک ہی قسم کی باتیں سن سن کر اب بیزار ہوگئی۔

''سچ سچ بتاؤ سفینہ......! تمہیں ہوا کیا تھا؟ کیا کسی چیز سے ڈر گئی تھی؟'' فائز نے اس کے غصے کو نظر انداز کیا۔

''اسے کیا بولوں مجھے تو خود نہیں پتا کہ دوپہر میں کیا ہوا تھا؟ وہ سب خواب تھا یا حقیقت۔'' فائز کی فکر مند شکل دیکھ کر وہ سوچ میں پڑ گئی۔

''تم کچھ بولتی کیوں نہیں ہو؟'' فائز نے سے کھویا کھویا سا دیکھا تو بستر پر نزدیک بیٹھ کر محبت سے ہاتھ تھام کر بولا۔

''سفینہ! اگر تم نے مجھے سب کچھ نہیں بتایا تو میں تمہیں ابھی گود میں اٹھا کر گاڑی میں ڈال کر ہاسپٹل لے جاؤں گا اور ڈاکٹر سے کہوں گا اس لڑکی کو سب سے موٹا والا انجکشن لگادیں یہ بیمار پڑ کر میری جان نکالے دے رہی ہے'' فائز نے شرارتی انداز اپنانا چاہا، مگر ناکام رہا، اس کی نم آنکھیں فکر مند چہرہ سفینہ کے دل کو چھو ہوا۔

''کیسی باتیں کر رہے ہو۔ میں کس چیز سے ڈروں گی؟ مجھے کچھ نہیں ہوا ہے۔ بس کالج میں ایک دم تیز بخار چڑھ گیا، سر چکرانے لگا۔ اتفاق سے وین بھی راستے میں خراب ہوگئی تو تھوڑا فاصلہ بھری ہوئی بس میں۔ طے کرنا پڑا۔ گھر آنے کی بہت جلدی تھی اس لیے ذرا تیز چل رہی تھی اس لیے سانس پھول گیا اور مجھے عجیب طرح کے۔ وہم ستانے لگے......'' سفینہ نے اس کا ہاتھ مضبوطی سے تھام کر جواب دیا۔

''سچ بولو تو اس کے علاوہ کوئی بات نہیں؟'' فائز اس کی رگ رگ سے واقف تھا، مشکوک نظروں سے گھور کر بولا۔

''فائز! وہ رات میں دوبارہ ایک ہارر موومی دیکھ لی تھی نا'' اس نے نظریں چراتے ہوئے جرم کا اقرار کیا۔

’’سفی! میں نے کتنی بار منع کیا ہے مگر تم سنتی ہی نہیں ہو۔ بلاوجہ ڈراؤنی فلمیں دیکھ لیتی ہو اور پھر خود پر سوار کرلیتی ہو۔ پہلے بھی تم ایک بار ایسے ہی خوف زدہ ہوچکی ہو۔‘‘
فائز نے دانت کچکچا کر سفینہ کے ہاتھ پر اپنا دباؤ بڑھایا۔
’’پلیز، پرامس کرو۔ کسی کو یہ بات بتاؤ گے نہیں ورنہ میری خیر نہیں ہوگی۔‘‘ سفینہ نے اتنی معصومیت سے آنکھیں پٹ پٹا کر کہا کہ فائز کا دل اس پر ایک دم فدا ہوگیا، مسکرا کر اس کی چھوٹی سی ناک کو انگلی سے چھوا۔
’’کوئی آرہا ہے۔ شاید۔‘‘ اتنے میں قدموں کی چاپ سنائی دی تو سفینہ نے گھبرا کر دروازے کی جانب دیکھا، فائز تھوڑا سنبھل کر سائیڈ میں رکھی کرسی پر جا بیٹھا۔

❋ ❋ ❋

ملکی بابا جن کا اصل نام بشیر احمد تھا، زندگی نے اب تک جو کچھ بھی اس کے ساتھ کیا، اس میں بس یہ ایک کسر باقی رہ گئی تھی کہ وہ سڑکوں پر لوگوں کے سامنے ہاتھ پھیلا پھیلا کر بھیک مانگنے لگے، وہ غربت زدہ علاقے کا رہائشی تھا، ایک فیکٹری میں کام کرتا، جس سے بڑی مشکل سے گھر کا دو وقت کا چولہا جل پاتا، اس پر یہ آفت ٹوٹ پڑی، کہ ایک دن بغیر کوئی وجہ بتائے اسے نوکری سے نکال دیا گیا۔ وہ سر پکڑ کر بیٹھ گیا، اسے فکر ہوئی کہ اب اپنے ساتھ پانچ دوسری جانوں کا پیٹ بھرنے کا سامان کیسے کرے؟ ان حالات میں، بشیر کی بیوی شہزادی نے بڑے بنگلوں میں جا کر کام کرنا شروع کردیا، جس پر بشیر کا دل خون کے آنسو روتا۔
بہت سوچ بچار کے بعد بشیر نے بڑی مشکلوں سے قرض ادھار پکڑ کر گھر کے بیرونی کمرے کا دروازہ کھول کر وہاں روزانہ استعمال کی اشیاء خرید و فروخت کی چھوٹی سی ایک دکان جمائی، بشیر کے اچھے اخلاق کی وجہ سے دکان چند دنوں میں ہی چلنے لگی، معاملات سدھرنے لگے، گھر میں خوشحالی آنے لگی، اب شہزادی دھیرے دھیرے قرض اتارنے لگی، بشیر نے بھی ساتھ ساتھ دکان میں مزید سامان ڈلوا کر کام بڑھایا۔ مگر اسی محلے میں قائم ایک اور پرانی دکان کے مالک فضل خان کو یہ ترقی ایک آنکھ نہ بھائی، کیوں کہ اب پورا محلہ اور اس کے پرانے گاہک بشیر احمد کی دکان سے سامان خریدنے لگے تھے، تو وہ مکھیاں مارتا رہتا۔ اس نے ایک ہیروئنچی کو پیسے دے کر بشیر کے خلاف ایک سازش کی۔
چار دن کی چاندنی پھر اندھیری رات کے مصداق ایک رات دکان میں ایسی آگ لگی کہ سارا سامان جل گیا ساتھ ہی آگ کے شعلے اس کے گھر میں بھی داخل ہوگئے، جس کی لپیٹ میں اس کی بڑی لڑکی نوشابہ جو سولہ سال کی تھی بری طرح سے جل گئی، اور چار دن کے صحیح علاج معالجہ نہ ہونے کی وجہ سے مرگئی۔
اس کی سوچوں میں پہلی بار یہ بات اچھل کے سامنے آئی کہ۔ غریب آدمی کی زندگی بھی کوئی زندگی ہے، اس سے بہت بہتر ہے کہ۔ انسان یا تو مرجائے۔ یا پھر غربت کو کسی بھی طرح مٹادے۔
وہ کچھ سوچ کر ایک بنگالی عامل کے پاس جانے لگا، چار سال اس کے ہر عمل کا باریک بینی سے جائزہ لیا۔ بنگالی بابا، بشیر کی خدمت سے بہت خوش ہوا اور اسے اپنا بیٹا ماننے لگا، ایک دن جب اچانک ہارٹ اٹیک کی وجہ سے عامل مرگیا تو بشیر نے اس کے آستانے پر قبضہ جمالیا اور ملکی والا بابا بن کر بیٹھ گیا۔ اس کا کام چل پڑا۔ وہ عورتوں کی نفسیات سمجھتے ہوئے ان کے ساتھ اسی انداز میں معاملات طے کرتا۔ اب اس کے پاس اپنا گھر گاڑی سب کچھ تھا، بچے اچھے اسکولوں میں زیر تعلیم تھے۔ مگر آستانے پر وہ ایک نئے بہروپ کے ساتھ بیٹھتا۔

❋ ❋ ❋

’’ارے بھئی ہماری بیٹی کو کیا ہوگیا؟‘‘ بہزاد اور جلال دونوں بھائی ایک ساتھ کمرے میں داخل ہوئے۔ جلال خان نے

سفینہ کا ماتھا چوم کر محبت سے پوچھا، وہ نقاہت سے مسکرادی۔
"بھائی جان! یہ لڑکی بالکل کچھ نہیں کھاتی ہے اسی لیے تو ایک دم چکرا گئی۔" ریحانہ نے جیٹھ سے بیٹی کی شکایت لگائی۔
"جی بھائی! آپ ذرا، اپنی لاڈلی کی صحیح سے خبر لیں۔" بہزاد نے مسکرا کر کہا۔
"ہونہہ تو یہ بات ہے، بس اب میں تمہاری کوئی شکایت نہ سنوں، تم روزانہ رات کا کھانا میرے ساتھ کھاؤ گی۔" جلال خان نے بھتیجی کو پیار بھری جھاڑ پلانے کے بعد تاکید کی۔
سفینہ اتنی خالص محبتیں وصول کرتے ہوئے خوش ہوگئی۔

❁.........❁.........❁

ایک طویل عرصے جلال خان نے بیوی کو خود سے لے جا کر ان کی من پسند ڈھیر ساری شاپنگ کروائی،، شوہر کی اتنی سی توجہ پا کر وہ کھل اٹھیں،، ایسا لگا جیسے تپتے صحرا میں چاندنی کی نرمی پھیل گئی ہو اپنی خوشیوں میں مگن ہو کر وہ بابا والی بات بھول چکی تھیں، اتفاق سے ماں کی طرف جانا بھی نہیں ہو پایا کہ رانی سے کوئی بات ہو پاتی،
"ابھی تو یہ آسمانی اور سرمئی سوٹ سلوا لیتی ہوں باقی بعد میں سلنے دوں گی۔" سائرہ نے مسرور ہو کر اپنے سامنے پھیلے ہوئے چار قیمتی شیفون کے جوڑوں میں سے دو کا انتخاب کیا، باقی تہہ کر کے وارڈروب میں رکھ دیے۔ ان کا آج شام کو درزی کی طرف جانے کا ارادہ تھا۔ اچانک بیگ میں رکھا سیل فون بجا، انہوں نے جلدی سے فون نکالا۔
"ہیلو۔" نمبر دیکھے بناء بے فکری سے کال ریسیو کی۔
"ہاں بی بی! ہم بات کر رہے ہیں، ملکی بابا، تم نے جواب نہیں دیا نہ ہی پیسے بھجوائے۔" وہ ہی کھرکھراتا ہوا لہجہ، ان کا دل ڈوب گیا۔
"جی بابا! میں نے بتایا تو تھا کہ اب کوئی عمل نہیں کرانا۔" سائرہ تھوڑا چڑ گئیں۔
"اچھی زبردستی ہے بھئی یہ تو پیچھے ہی پڑ گئے ہیں۔" انہوں نے دل ہی دل میں بابا کو کوسا۔
"اب کچھ نہیں ہو سکتا یہ عمل تو مکمل کروانا ہی ہوگا۔ جتنی دیر ہوگی، سمجھو کام اتنا خراب ہوتا جائے گا۔" ان کا لہجہ سخت اور دھمکی دیتا ہوا سا تھا۔
"بابا! میرے پاس پھوٹی کوڑی نہیں ہے، میں آپ کو تیس ہزار کہاں سے دوں۔" وہ گھبرا کر بولیں۔
"تمہارے کانوں میں جو سونے کے جھمکے اور ہاتھوں میں کنگن ہیں وہ بیچ کر ہمارے پیسے ادا کر دو۔ زیور کا کیا ہے۔ پھر بن جائے گا مگر یہ عمل بیچ میں ادھورا چھوڑ دیا تو بہت تباہی مچے گی۔" بابا نے اس انداز میں کہا کہ سائرہ کپکپا کر رہ گئیں......
"جی......" پریشانی کے مارے ان کے منہ سے آواز نہ نکلی۔
"امید ہے کہ پیسے پہنچ جائیں گے۔ اب ہمیں دوبارہ فون نہیں کرنا پڑے۔" بابا نے قطعیت سے بولتے ہوئے لائن کاٹ دی۔
سائرہ سر پکڑ کر بیٹھ گئیں۔ انہیں اب صورتِ حال کی سنگینی کا کچھ اندازہ ہوا۔ وہ سمجھ گئیں کہ انہوں نے خود سے ایک بڑی مصیبت کو دعوت دی ہے۔

❁.........❁.........❁

سائرہ ایک نئی پریشانی اور خوف میں مبتلا ہوگئیں۔ انہیں لگا جس بات کو وہ اتنا آسان سمجھ رہی تھیں وہ اتنی بھی آسان

نہیں، بری طرح سے اس بابا کے چکر میں پھنس چکی تھیں مگر کہتیں بھی تو کس سے۔
نہ جائے ماندن نہ پائے رفتن کے مصداق وہ عامل اور ان کے موکلوں کے چکر میں الجھتی چلی گئیں۔ چاہے ملکی بابا سے کوئی فائدہ نہ پہنچا ہو مگر سائرہ کو وہاں سے اس قسم کی یقین دہانیاں کرائی جاتی رہی کہ جو بھی وقوع پزیر ہوتا ہے۔ بابا کے موکلوں کی طاقت سے۔ آہستہ آہستہ اسی وجہ سے سائرہ کا ذہن اس طرح کا بن گیا کہ انہیں لگتا کہ یہ سب بابا کے عملیات کی مرہون منت ہے۔ رانی بھی اس معاملے میں بڑھ چڑھ کر باتیں بناتی اور ہر دفعہ ایک نئی امید باندھ کر مزید پیسے نکلوالتی، سائرہ نے ایک بار پھر ماں کے گھر جا کر رانی سے بات کرنے کا سوچا، اچانک دلشاد کا روتا دھوتا فون آ گیا۔ سائرہ دل تھام کر بیٹھ گئی۔

❁......❁......❁

''کیا ہوا اماں! اچانک اتنی ایمرجنسی میں کیوں بلوایا خیر تو ہے؟'' سائرہ نے گھر میں گھستے ہی ماں کے کمرے کی جانب دوڑ لگا دی۔
''سب مجھے چھوڑ کر چلے گئے۔ ہائے رے میں اکیلی رہ گئی۔'' دلشاد بانو جو اپنے بیڈ پر سر پیہواڑے چپ چاپ بیٹھی تھیں بیٹی اور نواسے کو دیکھتے ہی بلک بلک کر روتے ہوئے بولیں۔
''نانی! کیا ہو گیا کیوں اتنا رو رہی ہیں اب کون چھوڑ کر چلا گیا؟'' فائز نے خود سے چمٹ کر روتی ہوئی دلشاد بانو کے آنسو پونچھتے ہوئے پریشانی سے پوچھا۔
مگر وہ کوئی جواب دیئے بغیر روئے جا رہی تھیں۔ ماں کی حالت پر سائرہ کا ماتھا ٹھنکا،
''رانی..... اے..... رانی کہاں ہو؟'' سائرہ نے پورے گھر میں گھوم گھوم کر نوکرانی کو آواز دے ڈالی، مگر وہ کہیں دکھائی نہ دی۔
''اچھا ہوا آپ آ گئیں کل سے اماں کی حالت بہت خراب ہے''۔ بتول نے سائرہ کے برابر میں کھڑے ہوتے ہوئے بتایا، انہوں نے اوپر سے فائز کی گاڑی گھر کے باہر کھڑی دیکھی تو اندر والی سیڑھی سے اتر کر صحن میں داخل ہو گئیں۔
''کیا ہوا، آپا! سب خیریت تو ہے اماں نے صبح صبح روتے ہوئے ایسے فون کیا کہ میری جان ہی نکل گئی، فوراً فائز کو گاڑی نکالنے کا کہا اور بھاگتی دوڑتی یہاں چلی آئی۔'' سائرہ نے بتول کو دیکھ کر پریشانی سے پوچھا۔ فائز نانی کو تھامے باہر نکل آیا اور تخت پر بٹھا دیا۔
''پتا نہیں آپ کی نوکرانی ایک ہفتے کی چھٹی لے کر گئی تھی، اسے کل آنا تھا مگر وہ لوٹی ہی نہیں۔'' بتول نے رسانیت سے کہا۔
''او مجھے کیوں نہیں بتایا اب اکیلے کیسے رہ رہی ہوں گی۔'' سائرہ نے ماں سے شکوہ کیا۔
''خیر خالہ کو ایک دن بھی اکیلا تو نہیں چھوڑا۔ دن بھر ہم سب چکر لگاتے رہتے، رات کو میری چھوٹی والی اماں کے ساتھ سو رہی تھی۔'' بتول نے بتایا تو سائرہ نے سکون کی سانس لی۔ فائز نانی کے کاندھے دبانے میں لگ گیا۔ دلشاد بانو اب خاموش ہو کر سب کو ٹکر ٹکر دیکھ رہی تھیں۔

❁......❁......❁

''ممی! میرا سوٹ سل گیا یا نہیں؟'' سفینہ نے پیار سے ماں سے پوچھا، جو سلائی مشین کے سامنے تخت پر کپڑا پھیلائے کسی سوچ میں گم تھیں۔
''بیٹا! قمیص سی تو دی ہے مگر جانے کیوں مجھے لگ رہا ہے تم نے میگزین سے ڈھونڈ کر جو ڈیزائن دکھایا تھا یہ ویسا نہیں

بن سکا ہے۔" ریحانہ کی نگاہیں تخت پر پھیلی ڈیپ ریڈ شرٹ پر تھیں، جس پر بلیک یوک لگایا گیا تھا، بیچ میں بلیک بٹن ٹانکے گئے تھے۔

"ارے، نہیں آپ نے تو میرے بتائے ہوئے ڈیزائن سے بھی زیادہ اچھی شرٹ سی دی ہے۔" سفینہ نے ماں کے گلے میں بانہیں ڈال کر کہا۔

"میں جانتی ہوں تم صرف میرا دل رکھنے کے لیے یہ بات کہہ رہی ہو۔" ریحانہ نے متفکر انداز میں بیٹی کے چہرے کو دیکھا۔

"ایسی کوئی بات نہیں، میں اپنے کالج کے فنکشن میں یہ سوٹ ہی پہنوں گی۔" سفینہ نے ماں کے برابر میں بیٹھ کر کہا۔

"چلو ٹھیک ہے تم ایسا کرو جا کر فٹنگ چیک کرو، میں اس کا پاجامہ سی دیتی ہوں۔" انہوں نے رسان سے کہتے ہوئے شرٹ بیٹی کو تھمائی۔

اوکے میں ابھی چیک کر کے بتاتی ہوں۔" سفینہ ہنستی ہوئی اندر کی جانب دوڑی۔

"میرے اللہ یہ سفینہ والا مسئلہ تو میرے گلے میں ہی اٹک گیا، ہر وقت دماغ ادھر ہی لگا رہتا ہے اب کوئی ایسی بات نہ ہو جائے کہ بھابھی کو باتیں بنانے کا موقع مل جائے اسی لیے آج کل سارے کام الٹے ہو رہے ہیں۔" ریحانہ سر تھام کر بیٹھ گئیں۔

❁ .... ✹ .... ❁

"آپا! سچ کہوں، اس نفسا نفسی کے دور میں آپ جیسے لوگوں نے ہی انسانیت پر یقین قائم رکھا ہے۔" سائرہ نے نم آنکھوں سے بتول کو دیکھ کر کہا۔

"توبہ کرو میں تو بہت گناہ گار ہوں، بس اماں خود میری بچیوں سے اتنا پیار کرتی ہیں۔ میں بھی اسکول میں ہوتی ہوں تو پیچھے سے ان تینوں کی فکر نہیں رہتی کہ اکیلی ہوں گی، اماں کی وجہ سے بہت سہارا مل گیا ہے۔" بتول نے مسکرا کر سائرہ کا ہاتھ تھام کر بتایا۔

"افوہ جذباتی خواتین، رانی والی بات تو پوری کر دیں۔" فائز نے ان دونوں کو افسردہ دیکھا تو ذہن بٹانے کے لیے کہا۔

"جہاں دنیا میں برے لوگ ہیں، وہیں اچھے لوگوں کی بھی کمی نہیں۔" فائز نے مسکرا کر بتول خالہ کو دیکھ کر سوچا۔ جن کی وجہ سے اس کی نانی کو کتنا سہارا مل گیا۔

"چائے......گرم چائے گرم۔" بتول کی چھوٹی بیٹی منیرہ شور مچاتی اوپر سے ٹرے میں چائے بسکٹ لے کر آ گئی۔

"میں کل سے نانی کے دیئے ہوئے نمبر پر ٹرائی کر رہی ہوں مگر سیل سوئچ آف جا رہا ہے۔" منیرہ نے ان لوگوں کو چائے پیش کرتے ہوئے تفصیل بتائی۔

"اماں کو جب یہ بات پتا چلی، بیچاری روئے جا رہی ہیں، کہتی ہیں کہ سب مجھے چھوڑ کر چل گئے۔" بتول نے دلشاد کو ہمدردی سے دیکھتے ہوئے کہا جو چائے میں بسکٹ ڈبو کر کھا رہی تھیں، ان کی حالت اب پہلے سے کافی بہتر تھی۔

"گڑیا! چائے تو بہت اچھی بنائی ہے۔" فائز نے پندرہ سالہ منیرہ کے سر پر ہاتھ رکھ کر تعریف کی۔

"شکریہ بھائی! مگر یہ چائے میں نے نہیں، بلکہ شرمیلا آپی نے بنائی ہے۔" منیرہ نے معتبر بنتے ہوئے سر اٹھا کر کہا۔ فائز کی ہنسی چھوٹ گئی۔

"اے بتول! شرمیلا کو تو بلاؤ اتنی پیاری بچی ہے، میری ایک آواز پر دوڑی چلی آتی ہے۔" دلشاد نے پہلے پاس کھڑی کرائے داری کو دیکھ کر کہا پھر بیٹی کی طرف رخ پھیر کر تعریف کی۔

''منیرہ جاکر زرا آپی کو تو بلا لاؤ۔'' بتول نے چھوٹی بیٹی کو کہا تو وہ اٹھ کر اوپر کی جانب چل دی۔
''رانی کا کوئی پتا ہے میں اس کے گھر چلا جاتا ہوں۔'' فائز نے تجویز پیش کرتے ہوئے چوڑی پیشانی پر انگلی پھیری۔
''ہاں یہ بات ٹھیک ہے آپ لوگوں کے پاس اس کا شناختی کارڈ تو ہوگا؟'' بتول نے فائز کی بات سے اتفاق کرتے ہوئے پوچھا۔
''لو وہ اتنے سالوں سے یہاں کام کر رہی تھی، ہم نے کبھی کچھ مانگا ہی نہیں۔'' دلشاد نے ناگواری سے جواب دیا۔
''یہ تو غلط بات ہے آج کل جس طرح کے حالات ہیں۔ گھر میں کام کرنے والے ملازم کا شناختی کارڈ یا مکمل نام پتا لکھ کر رکھنا چاہیے۔'' بتول نے چائے کی چسکی لیتے ہوئے کہا۔
''مجھے تو بس یہ پتا ہے کہ وہ پرلی طرف جو غریبوں کی بستی آباد ہے، وہیں سے آتی تھی۔'' دلشاد بانو نے لاچاری ظاہر کی۔
''او وہاں تو ہزاروں گھر ہوں گے ایسے کیسے ڈھونڈا جائے، خیر آپ پریشان نہ ہو میرا ایک دوست پولیس میں ہے۔ اس سے بات کرتا ہوں۔'' فائز نے نانی کو اپنے ساتھ لگا کر تسلی دی۔ سائرہ نے پریشان کن نگاہوں سے بیٹے کو دیکھا۔
''آداب۔'' شرمیلا نے اندر داخل ہوتے ہی ماتھے تک ہاتھ لے جا کر کہا۔
''تسلیم۔'' فائز نے شرارتی انداز میں جواب دیا۔
''یہ آپ کی بڑی بیٹی ہے ماشاءاللہ چاند کا ٹکڑا ہے۔'' سائرہ شرمیلا کو دیکھتی رہ گئیں، انہیں امید نہیں تھی کہ عام سی شکل و صورت رکھنے والی بتول کی بیٹی اتنی حسین و جمیل ہوگی، گھنے سیاہ بالوں کی موٹی چوٹی، سرخ و سفید رنگ، ستواں ناک، پنکھڑی جیسے لب، نرم اور لچکیلا جسم اس پر سرمئی سحر انگیز آنکھیں وہ اسے ایک ٹک دیکھے چلی گئیں۔ فائز البتہ نارمل رہا، اس نے پہلی نگاہ کے بعد دوسری نظر بھی نہ ڈالی بلکہ منیرہ کے ساتھ باتوں میں لگ گیا۔

❁ ❁ ❁

''کیوں بھئی آج ہماری بیٹی کا موڈ کچھ خراب لگ رہا ہے۔'' بہزاد خان نے خاموشی سے سر جھکائے نوٹس بناتی سفینہ کو دیکھ کر پوچھا۔
''کچھ نہیں بابا! کل ٹیسٹ ہے۔ بس تیاری کر رہی ہوں۔'' اس نے آہستگی سے باپ کو جواب دیتے ہوئے بک پر نگاہیں ٹکا دیں۔
''بیٹا! ٹیسٹ تو آپ کے پہلے بھی ہوتے رہے ہیں مگر چہرے پر پھیلی اداسی بتا رہی ہے کہ کوئی اور بات ہے۔'' بہزاد خان نے نرمی سے کہا، وہ خاموش طبع مگر نرم مزاج رکھتے تھے۔ صرف اپنے گھر والوں سے ہی نہیں بلکہ ہر ایک سے محبت کرنے والے انسان تھے۔
ریحانہ کمرے میں داخل ہوئیں تو، بہزاد نے بیٹی کے موڈ آف ہونے کا ذکر ان سے بھی کیا تو وہ پھٹ پڑیں۔
''تو کیا کروں مہارانی اپنے گھر سے زیادہ نیچے والوں کے لیے ہلکان ہوتی رہتی ہیں۔'' بیٹی کو گھورتے ہوئے بولیں۔
''ممی! میں نے کیا کہا ہے؟'' سفینہ کا چہرہ مزید اتر گیا، اس نے دھیرے سے کہا۔
''کوئی مجھے بھی بتائے گا کہ ہوا کیا ہے؟'' بہزاد نے باری باری دونوں کو گھورا پھر چڑ کر بولے۔
''منہ نہ پھلاؤ، جاؤ کچن میں جا کر اپنے تایا ابا کے لیے جو دل چاہے بناؤ اور دے آؤ۔'' ریحانہ کمر پر ہاتھ رکھ کر بیٹی کو گھورتے ہوئے بولیں۔
''بس اب تم دونوں میں سے کوئی کچھ نہیں بولے گا، پہلے مجھے بتاؤ کہ کیا بات ہے؟'' بہزاد نے ان دونوں کے بیچ میں

کھڑے ہو کر سیز فائر کرنا چاہا۔
"نہیں بابا! کوئی خاص بات نہیں بس ایسے ہی۔" سفینہ زبردستی مسکرائی۔
"لیکن بیٹا' کچھ تو بات ہوئی ہے؟" وہ تھوڑا پریشان ہو کر بولے۔
"آج بڑے کا گوشت بنایا ہے۔ اتفاق سے بھابھی بھی میکے گئی ہوئی ہیں۔ اب سفی کو بھائی جان کے کھانے کی فکر ہو رہی ہے کہ انہیں تو گائے کا گوشت کھانا منع ہے اب کیا کھائیں گے؟ بس بہت دیر سے میرا سر کھا رہی تھی۔ میں نے ڈانٹ لگادی تو منہ پھول گیا۔" ریحانہ نے چڑ کر تفصیل بتائی۔
"یہ بات تو سچ ہے سفی! آپ کچھ اور بنا کر نیچے دے آتیں......" انہوں نے سرہلا کر بیٹی کی جانب دیکھا۔
"بابا! ممی جب کھانا بنا رہی تھی تو میں نے اسی وقت یہ بات کہی کہ آج کچھ اور بنائیں تائی اماں نانی کی طرف گئی ہوئی ہیں شاید دیر ہو جائے مگر......" سفینہ نے ماں کو شکوہ کناں نگاہوں سے دیکھتے ہوئے بات ادھوری چھوڑ دی۔
"ہوں تو یہ بات ہے ریحانہ آپ کبھی کبھی بہت زیادہ زیادتی کر جاتی ہیں۔" بہزاد ساری بات سمجھ کر بیوی کو گھورتے ہوئے افسوس سے سرہلانے لگے۔
"تو بہ باپ بیٹی کی سوئی ایک ہی جگہ پر اٹک گئی ہے۔ اب مجھے کیا پتا تھا کہ ایسا ہو جائے گا۔" وہ ماتھا پیٹ کر بولیں۔
"بیٹا! ایسا کرو۔ آپ جلدی سے بھائی جان کے لیے کچھ اور بنا لو انہیں کہیں بھوک نہ لگ رہی ہو۔" بہزاد کو ایک دم بھائی کی فکر ہوئی، عجلت میں مشورہ دیا۔
"بابا! آپ اتنا پریشان نہ ہوں میں نے دادا ابا کی فرمائش پر مونگ کی دال بنائی ہے، تایا کو اس کے ساتھ انڈہ بنا کر دے آئی ہوں۔" سفینہ نے مسکراتے ہوئے کہا اور کتابیں سمیٹتے ہوئے اٹھ گئی۔
"بیٹیاں بھی کتنی میٹھی ہوتی ہیں۔ ان کا خمیر ہی محبتوں سے گندھا ہوتا ہے۔ یا اللہ! تیرا شکر ہے کہ تو نے مجھے اتنی پیاری بیٹی عطا کی"۔ بہزاد نے دل ہی دل میں سوچا اور مسکرا دیے، ریحانہ منہ بنا کر وہاں سے اٹھ گئیں۔

❁......❁......❁

وہ لوگ رات گئے تک وہیں رکے تو دلشاد بانو کا دل بھی بہل گیا۔ بتول نے ان لوگوں کا رات کا کھانا بھی اوپر سے بھیجا، شرمیلا نے بہت مزے دار یخنی پلاؤ اور کھیر بنا تھی۔ سائرہ تو اس کی گرویدہ ہو گئیں۔ کافی دیر بعد انہوں نے گھر جانے کی ٹھانی۔
"نانی! اب آپ چل کر ہمارے گھر پر رہیں۔" فائز نے ان کا پیچھا لے لیا مگر دلشاد نے ہمیشہ کی طرح انکار کر دیا۔ وہ بیٹی کے گھر جا کر رہنے کے حق میں نہیں تھیں۔
"اماں! فائز ٹھیک کہہ رہا ہے۔ آپ میرے ساتھ چلی چلیں، ورنہ میرا دل یہاں اٹکا رہے گا۔" سائرہ نے ماں کے گلے لگتے ہوئے اصرار کیا۔ دلشاد نواسے اور بیٹی کو دروازے پر رخصت کرنے کھڑی تھیں۔
"پریشانی کی کوئی بات نہیں ہے۔ بتول بہت اچھی عورت ہے۔ میرا بہت خیال رکھتی ہے۔ میں نے بتول سے کہہ کر اندر والا راستہ کھلوا دیا تھا، اس طرح ان کی بچیوں کا ہر وقت آنا جانا لگا رہتا ہے، کھانا بھی یہ لوگ آکر پکا جاتی ہیں، یا اوپر سے بھیج دیتی ہیں۔ مجھے یہاں کوئی تکلیف نہیں ہے، ہو سکتا ہے ایک دو دن میں وہ نگوڑ ماری رانی بھی واپس آجائے۔" دلشاد نے تفصیل سے بتایا۔
"بیٹا! تم ذرا اپنے پولیس والے دوست سے پتا کرنا۔" دلشاد بانو نے فائز کی طرف بڑی آس سے دیکھ کر کہا۔
"نانی! فکر ہی نہ کریں میں پوری کوشش کرتا ہوں۔" فائز نے سرہلا کر تسلی دی۔

"فائز! تم چلو میں آتی ہوں۔" سائرہ نے متذبذب ہو کر ماں کو دیکھا اور بیٹے کو وہاں سے ٹالا۔
"او کے مما! مگر جلدی آیئے گاڈ" فائز کی رنگ انگلی میں گھماتے ہوئے بولا۔ وہ جیسے ہی باہر نکلا۔ سائرہ نے مڑ کر ماں کا ہاتھ تھام لیا۔
"اماں! مجھے لگتا ہے رانی ملکی بابا کی وجہ سے کہیں جا چھپی ہیں میں نے اسے پچھلی دفعہ جھاڑ پلائی تھی نا۔" سائرہ نے دھیرے سے کہا۔
"اس بات سے بابا کا کیا تعلق؟" دلشاد نے الجھی نگاہوں سے دیکھا۔
"اماں! کہیں ایسا تو نہیں وہ دونوں آپس میں ملے ہوئے ہوں۔ ادھر ملکی بابا مجھے مزید پیسوں کے لیے بلیک میل کررہے ہیں۔ ادھر رانی غائب۔" سائرہ نے پریشانی سے ماں کو بتایا۔
"بلیک میل......! وہ کیوں ملکی بابا کا دماغ تو ٹھیک ہے۔" دلشاد بانو سینے پر ہاتھ مار کر چلائیں، فائز جو ماں کو بلانے اندر آرہا تھا، ان دونوں کی باتیں سن کر الجھن میں پڑ گیا۔

❁......✵......❁

اس نے دیوار کی منڈیر پر کہنی ٹکائی اور اپنے سامنے پھیلی ہریالی کو دیکھا۔ چھٹی کا دن ہونے کی وجہ سے پارک میں کافی رونق تھی، بچے ایک بڑی سی بال کو ٹھوکر مارتے ہوئے کھیل میں مگن تھے، دور قدرے ویران حصے میں ایک لڑکا اور لڑکی باتوں میں مصروف تھے، ایک انکل آنٹی پارک کے ٹریک پر تیز تیز چل رہے تھے، مگر اسے کوئی بھی بات اس وقت متاثر نہیں کررہی تھی، وہ جیسے کسی سوچ میں گم تھا معاً اسے نے اپنی داہنی جانب آہٹ سنائی دی۔
"فائز! یہاں کیوں اکیلے بیٹھے ہیں؟ میں آپ کو پورے گھر میں ڈھونڈتی پھر رہی تھی پھر سمجھ گئی پارک میں آئے ہوں گے۔ وہ اس کی پشت پر آ کر زور زور سے بولتی چلی گئی۔ پھر قدم بڑھائے اور اس کے برابر میں دیوار سے ٹک کر کھڑی ہوگئی۔
"کیوں تم مجھے کیوں ڈھونڈ رہی تھی۔" وہ سفینہ کی فکرمندی پر مسکرایا اور اس پر اپنی گہری نگاہیں ٹکا دیں۔
"بس یاد آرہی تھی نا۔" اس نے بڑے پیار اور معصومیت سے کہا، مگر فائز گم صم اسے دیکھتا رہا۔
"کیا بات ہے فائز؟ آپ کچھ پریشان لگ رہے ہیں؟" سفینہ نے فکرمندی سے پوچھا۔
"نہیں پریشان کیوں ہوں گا۔" وہ بے پروائی سے شانے اچکاتے ہوئے بولا۔
فائز اپنی پریشانی سفینہ پر ظاہر نہیں کرنا چاہتا تھا، مگر وہ اسے مشکوک نظروں سے یک ٹک دیکھتی چلی گئی تو تھوڑا کسمسایا۔
"دیکھو سچ سچ بتادو ورنہ لڑائی ہوجائے گی۔" سفینہ نے اس کی آنکھوں میں جھانکنے کی کوشش کی وہ کچھ کھوجنے میں کوشاں رہی۔
فائز کا چہرہ بظاہر بے تاثر رہا۔ مگر یہ وہی جانتا تھا۔ اس کے دل میں کتنے طوفان پوشیدہ ہیں۔

❁......✵......❁

سائرہ کو یہ بات بہت دیر سے سمجھ میں آئی، رانی "روحانی علاج گاہ کی خاص چیلی تھی، اس کا کام یہ ہی تھا، لوگوں کے گھروں میں کام کرتے ہوئے عورتوں کی ضعیف الاعتقادی کا فائدہ اٹھائے، اور گھیر گھار کر روحانی علاج گاہ تک لے جائے، رانی اور اس جیسی دوسری عورتوں کا آستانے سے باقاعدہ کمیشن بندھا ہوا تھا۔ وہ گھروں میں کام کرنے کے دوران دکھی اور پریشان حال لوگوں کو ان کے موکلوں اور تعویزوں کے ذریعے سے ملنے والی کامیابیوں اور خوشیوں کے ایسے من

گھڑت قصے سناتیں کہ وہ بھی کہ ایک بار ان بابا سے ملاقات کرنے کے لیے تیار ہو جاتیں۔ جس طرح پہلے دلشاد اور پھر سائرہ رانی کے دباؤ میں آ کر اپنے میاں سے چھپ کر ''روحانی علاج گاہ'' پہنچ گئیں۔

ایک بات کہوں اگر سنتی ہو تم مجھ کو اچھی لگتی ہو اب بتاؤ کیوں؟'' فائز نے سفینہ کی تصویر کو مخاطب کر کے پوچھا اور جواب نہ ملنے پر مسکرا دیا۔

''میری سفی کتنی پیاری ہے ہر حال میں، کچھ بھی پہن اوڑھ لے اس پر جچتا ہے، گھر میں اجڑے ہوئے حلیے میں پھرے تب بھی سوہنی لگتی ہے، سیدھی سادی سی' ہر حال میں خوش رہنے والی کتنی اچھی اور دلکش لگتی ہے'' اس نے بستر پر دراز ہو کر سوچا۔

''اس کے نقوش میں کتنا بھولا پن ہے' کتنی جاذبیت ہے، کھنکھتی ہنسی میں کیسا نرالا پن' جب بولتی ہے تو اس کی باتوں سے رس ٹپکتا ہے' لہجے میں کتنی حلاوت۔'' فائز نے تصویر پر انگلیاں پھیرتے ہوئے سوچا۔

''ان سب باتوں سے قطع نگاہ، یہ اس لیے بھی اچھی لگتی ہے کہ اس کی سیرت میں چار چاند لگے ہیں، وہ گھر کے فرد کی پسند ناپسند سے واقف ہے، مما اسے کتنا بھی برا بھلا کہہ دیں وہ کبھی بدزبانی نہیں کرتی، پاپا کا اتنا خیال رکھتی ہے۔'' فائز نے تصویر تکیہ کے نیچے رکھی اور آنکھیں موند کر سونے کی کوشش کرنے لگا۔

محبت صرف شکل وصورت کی محتاج نہیں بلکہ روح کی خوب صورتی بھی انسان کو اپنے سحر میں جکڑ لیتی ہے۔

ایک اور خوشگوار صبح فائز کو خوش آمدید کہہ رہی تھی، وہ تر و تازہ ہو کر ناشتے کی میز پر پہنچا۔

''پاپا! ناشتہ نہیں کریں گے؟'' اس نے باپ کی کرسی خالی دیکھی تو ماں سے پوچھا۔

''انہیں آج ذرا جلدی نکلنا تھا، اس لیے ناشتہ کر کے چلے گئے۔'' سائرہ نے تھوڑی غائب دماغی سے جواب دیا، پوری رات سوچنے کے بعد ان کے ذہن میں ایک نئی بات پیدا ہوئی، جو بیٹے سے کرنے کے لیے بے قرار ہوئیں۔

''تمہیں شرمیلا کیسی لگی؟'' انہوں نے پراٹھا، اس کی پلیٹ میں رکھتے ہوئے پوچھا۔

''ہاں اچھی ہے۔'' اس نے بڑی' سادگی سے جواب دیا اور آملیٹ کا پیس کانٹے سے اٹھایا۔

''اماں بتا رہی تھیں کہ بہت سلیقہ مند لڑکی ہے، ان کا بہت خیال رکھتی ہے؟'' وہ پرجوش ہو کر بولیں۔

''ہونہہ میں نے سنا تھا۔'' بے نیازی سے کہا۔

''تم میری بات غور سے کیوں نہیں سن رہے؟'' سائرہ نے اس کے پاس چائے کا کپ رکھ کر بیٹھتے ہوئے پوچھا۔

''مجھے لگتا ہے، وہ جس گھر بھی جائے گی، اسے جنت کا نمونہ بنا دے گی۔'' انہوں نے بریڈ کا پیس اٹھاتے ہوئے اپنا تجزیہ پیش کیا۔

''آپ ٹھیک کہہ رہی ہوں گی! لیکن مجھے اس بارے میں سوچنے کی کیا ضرورت ہے؟'' اس کی پوری توجہ کھانے کی طرف تھی بے توجہی سے بولا۔

''شرمیلا بے انتہا حسین ہونے کے ساتھ ساتھ خوش اخلاق اور سگھڑ بھی ہے۔'' سائرہ نے ملائمت سے اپنی بات پر زور دیا۔

''آخر آپ کہنا کیا چاہتی ہیں؟'' ماں کی بے جا تعریفوں پر وہ اب کی بار چونکا، ناشتہ چھوڑ کر انہیں بغور دیکھا۔

''میں تم سے شرمیلا کے بارے میں اس لیے بات کر رہی ہوں۔ کہ۔ مجھے وہ لڑکی بہت اچھی لگی ہے۔'' سائرہ نے

بیٹے کو پیار سے دیکھ کر کہا۔
''مما ایک ہی ملاقات میں کسی کے بارے میں حتمی رائے نہیں دیا کریں۔'' اس کی آواز گمبھیر ہونے لگی۔
''میں اس کے ساتھ تمہاری شادی کا سوچ رہی ہوں۔'' انہوں نے فائز کی بات سنی نہیں اور خوش خوش اپنی تجویز سامنے رکھ دی۔
''ارے مما! آپ کو کیا ہوگیا ہے؟'' وہ ایک دم چیخ اٹھا۔
''دیکھو اگر تم اس بات کے لیے راضی ہو جاؤ میں تمہارے پاپا کو منالوں گی۔'' سائرہ نے ایک الٹی پٹی پڑھائی، انہیں لگا کہ شاید، شرمیلا کے حسن کا جادو، فائز پر چل جائے۔
''مما! پلیز یہ نہیں ہوسکتا' میں سفینہ کے ساتھ کبھی بھی دھوکا نہیں کرسکتا۔'' فائز ایک دم ناشتہ ادھورا چھوڑ کر کھڑا ہوگیا اور چلانے لگا۔ سائرہ ایک دم سفید پڑ گئیں۔ فائز کا انداز ان پر بہت شاق گزرا۔
جنہیں ہم پیدا کر کے اس دنیا میں لاتے ہیں، بڑی مشقتوں سے پالتے پوستے ہیں، انہیں بولنا سکھاتے ہیں اور جب وہ کسی قابل ہوجاتے ہیں تو کتنے مزے سے ماں کو انکار کر دیتے ہیں؟'' وہ آنکھوں میں آنسو بھر کر سوچنے لگیں۔
''کیا مصیبت ہے۔'' فائز پاؤں پٹختا ہوا، مزید کوئی بات کیے، جلدی سے باہر نکل گیا اور دن بھر ادھر ادھر بھٹکتا ہوا سوچتا رہا۔

❁ .... ❁ .... ❁

''افوہ شازیہ کے نوٹس کہاں رکھ کر بھول گئی۔'' سفینہ نے ایک ایک کونا چھان مارا مگر مل کر نہیں دیئے وہ سر پر ہاتھ رکھ کر بیٹھ گئی، تھوڑی دیر پہلے ہی اس کی کالج فرینڈ نے ٹیکسٹ کیا تھا کہ کل کالج آتے ہوئے نوٹس واپس لیتی آنا۔
دو تین روز بیماری کی نذر ہوگئے، وہ کالج نہ جاسکی، اب جو ڈھونڈنے بیٹھی تو مل کر نہیں دے رہے تھے۔
''اب کہاں سے لاؤں؟ شازیہ تو مجھے کچا چبا جائے گی۔'' وہ بڑبڑ کرتی ہوئی، ادھر ادھر اٹھا پٹخ میں لگ گئی۔
''سفی! یہ کیا اتھل پتھل مچا رکھی ہے؟'' ریحانہ کسی کام سے اس طرف آئیں تو پورے کمرے کا برا حال دیکھا۔
''ممی! وہ اکنامکس کے نوٹس نہیں مل رہے ہیں۔'' اس نے جھنجلا کر بالوں کی لٹ پیچھے کرتے ہوئے جواب دیا۔
''اوہ! میں جب یہاں کی صفائی کر رہی تھی تو شاید تمہاری پرانی کتابوں کے ریک میں رکھ دیا تھا، وہاں دیکھ لو۔'' ریحانہ نے کہا تو اس کی جان میں جان آئی۔
سفینہ اپنی پرانی کتابوں کو ایک طرف رکھ رہی تھی، بیچ میں وہ نوٹس بھی مل گئے، اس نے شکر ادا کیا اور جلدی سے نکالا، ایک دم سے بہت ساری کتابیں نیچے گر گئیں۔ وہ وہیں زمین پر بیٹھ کر دوبارہ کتابیں رکھنے لگی، اچانک ہی اس کے ہاتھ میں پرانی براؤن کور والی ڈائری آگئی۔ آنکھوں میں ایک خوب صورت یاد جھل مل کرنے لگی، ہاتھ بڑھا کر ڈائری اٹھائی اور اپنے دوپٹے سے صاف کرنے کے بعد اسے احتیاط سے کھولا، کچھ گلاب کی سوکھی پتیاں اس کے دامن میں گر گئیں۔ یہ ڈائری فائز نے پچھلے سال نیو ایئر کے موقع پر اسے تحفتاً دی تھی، اس میں رکھا تازہ گلاب کا پھول ایک سال گزرنے کے بعد سوکھ چکا تھا، مگر اس میں سے اب بھی ہلکی ہلکی خوشبو آرہی تھی، اس نے ناک کے قریب لے جا کر سونگھا اور تازہ دم ہوگئی۔
پھول ہی سوکھا تھا، مگر ان دونوں کے محبت بھرے جذبات تو آج بھی ہرے بھرے تھے۔
سفینہ ساری چیزیں ایسے ہی چھوڑ کر، وہاں سے اٹھ گئی اور پاس پڑی کرسی پر بیٹھنے کے بعد اپنے ٹیڈی کو اٹھا کر گود میں رکھا اور کسی قیمتی شے کی طرح ڈائری کا پہلا صفحہ احتیاط سے کھولا،

فائز نے نئے سال کے حوالے سے اپنی خوب صورت لکھائی میں ناصر کاظمی کے کلیات میں سے ایک خوب صورت انتخاب تحریر کیا تھا جسے پڑھتے ہوئے آج بھی سفینہ کے چہرے پر روشنیاں سی پھیلتی چلی گئی۔

عشق میں جیت ہوئی یا مات
آج کی رات نہ چھیڑ یہ بات

یوں آیا وہ جان بہار......
جیسے جگ میں پھیلے بات
کچھ نہ کہا اور کچھ نہ سنا
دل میں رہ گئی، دل کی بات
یار کی نگری کوسوں دور
کیسے کٹے گی بھاری رات
سناٹوں میں سنتے ہیں
سنی سنائی کوئی بات
پھر جاڑے کی رت آئی
چھوٹے دن اور لمبی رات

دو تین دن کی خاموشی کے بعد ایک دن پھر ملنگی بابا کا فون آ گیا، وہ نمبر دیکھ کر ہی زرد پڑ گئیں، فون اٹھانے کی ہمت ہی نہیں ہوئی، جب بیل کئی بار بجی تو مجبوراً فون پک کیا۔

''ہیلو۔'' حلق سے پھنسی پھنسی آواز نکلی۔

''بی بی......! آپ سے کہا تھا کہ کال کر کے بتایئے گا خیر یہ بتائیں کہ پیسوں کا انتظام ہو گیا؟'' وہ ہی کھرکھراتی ہوئی آواز جس کے کانوں میں پڑتے ہی سائرہ کی جان نکل جاتی۔

''میں اتنے پیسوں کا انتظام نہیں کر سکتی۔'' سائرہ نے صاف جواب دے کر جان چھڑانا چاہی۔

''سائرہ! بی بی اب کچھ نہیں ہو سکتا۔ عمل تو مکمل کروانا پڑے گا ورنہ موکل۔ ہم سب کو پریشان کریں گے۔'' بابا نے تھوڑا تیز لہجے میں جتایا۔

''مگر میرے لیے مزید کچھ کرنا مشکل ہوگا۔'' وہ بری طرح سے اس بابا کے جال میں پھنس گئی تھیں، کسی طرح جان ہی نہیں چھوڑ رہا تھا

''دیکھیں......! کچھ نہ کچھ تو کرنا پڑے گا آپ عمل کو بیچ میں ادھورا نہ چھوڑیں ورنہ......'' اب کی بار وہ دھمکی دینے پر اتر آیا۔

''بس بابا! میں نے کہہ دیا نا مجھے کچھ نہیں کروانا۔'' سائرہ کا صبر جواب دے گیا۔ انہوں نے بے اختیار چیخ کر کہا۔

''مما! مجھے دیں۔'' فائز جو کافی دیر سے پیچھے کھڑا ساری باتیں سن رہا تھا ماں کے کاندھے پر ہاتھ رکھ کر سختی سے بول پڑا۔

''وہ بیٹا! یہ۔'' سائرہ ایک دم فق ہو گئیں۔ انہیں امید نہیں تھی کہ فائز ساری باتیں سن لے گا۔

''ادھر دکھائیں میں پہلے تو اس ناپاک انسان سے بات کروں، جو میری ماں کو سیدھی راہ سے بھٹکا رہا ہے، اس کے

بعد آپ کی بات سنوں گا۔" فائز نے سرخ آنکھوں سے ماں کو گھورتے ہوئے زبردستی فون چھین لیا۔
"آپ اللہ والے بابا ہیں یا کوئی جعلساز انسان؟ میری ماں کو بہت دن پریشان کرلیا اب ایسا نہیں ہوگا۔" وہ گرجنے لگا۔
"ہم عمل شروع کرنے کے بعد ادھورا نہیں چھوڑ سکتے بیٹا! اس طرح سے آپ لوگوں کو نقصان پہنچ سکتا ہے......" فون سے ایک مردانہ آواز سن کر، بابا نے لہجے میں نرمی سموئی۔
"کسی کو بھی فائدہ یا نقصان پہنچانا صرف اللہ کے ہاتھ میں ہے۔ آپ یا ہم کس قابل ہیں۔ ایک بات کان کھول کر سن لیں۔ ہمیں آپ سے کوئی کام نہیں کروانا' بس اب یہ معاملہ ختم کردیں......" فائز غصے سے پھٹ پڑا۔ سائرہ کے ہاتھ خوف سے کانپ اٹھے۔
"بیٹا! سنو تم جس ماں کے لیے لڑ رہے ہو وہ تمہاری اس لڑکی سے شادی ختم کروانے کے لیے یہ عمل کروا رہی تھی اگر تم مجھ سے آکر ملو تو میں تمہیں محبوب سے ملوانے کا ایسا تعویز دوں گا کہ ساری رسیاں کٹ جائیں گی۔" فائز کے چیخنے چلانے پر بابا کا انداز ہی بدل گیا، فوراً ہی اس کی چاپلوسی میں لگ گئے۔
"جسٹ شٹ اپ اگر دوبارہ اس نمبر پر فون کیا تو میں آپ کے خلاف پولیس میں رپورٹ درج کروادوں گا' پھر وہی لوگ آپ سے نمٹیں گے۔" فائز نے سخت انداز میں کہہ کر لائن کاٹ دی۔ وہ ایک شاک کے عالم میں ماں کو گھورتا چلا گیا پھر سامنے پڑی کرسی کو لات مار کر باہر نکل گیا۔
سائرہ نے ٹھنڈی سانس بھری بیٹے کو باہر جاتا دیکھا کف افسوس ملا، وہ تو اس بات پر بھی شکر ادا کرنے لگی کہ اگر فائز کی جگہ یہاں جلال خان ہوتے تو پتہ نہیں کیا سے کیا ہوجاتا۔

❁ .... ✹ .... ❁

جلال خان کے فرشتوں کو بھی خبر نہیں تھی کہ ان کی بیگم صاحبہ کس قسم کے چکر میں پڑ چکی ہے، رانی نے یہ بات سمجھ لی تھی کہ سائرہ اور دلشاد ساری باتیں گھر کے مردوں سے چھپاتی ہیں اس لیے ان کو بلیک میل کرکے رقم بٹورنا آسان ہوگا۔
مگر جب سائرہ کا غصے سے بھرا ہوا فون آیا تو وہ احتیاط کے طور پر بشیر کے مشورے پر دلشاد کا گھر چھوڑ کر غائب ہوگئی، اس طرح، اب وہ بلاواسطہ طور پر ان لوگوں کی ناراضگی کا شکار نہیں بن پائی۔
بشیر نے رانی کے کہنے پر ہی بابا کو مشورہ دیا کہ وہ رجسٹر میں لکھے سائرہ کے فون پر کال کرکے اسے ڈرائے دھمکائے اور مزید پیسے منگوائیں۔
ان لوگوں نے سوچا تھا کہ سائرہ یقیناً بات کھلنے کے ڈر سے بلیک میل ہوتی رہے گی، کہ کہیں اس کا بسا بسایا گھر نہ اجڑ جائے، کیونکہ جلال خان تو ایسے عاملوں کے شدید ترین مخالف تھے ان کے لیے یہ ناقابلِ معافی غلطی ہوتی' خاص طور پر بھتیجی کی بات سن کر وہ بیوی کو کبھی معاف نہیں کرتے۔ مگر فائز کی دخل اندازی سے ان کا منصوبہ دھرا کا دھرا رہ گیا۔ بشیر کو نئے ٹھکانے میں جا کر اپنی یہ دکان چمکانی تھی جہاں مزید لوگوں کو شکار بنانا آسان رہتا، آبادی سے دور ویران علاقوں میں کرائے پر اس طرح کے گھر با آسانی اور کم کرائے پر مل جاتے تھے، اسی وجہ سے وہ ٹھکانے بدلتا رہتا، اور اب تک قانون کی گرفت سے بچا ہوا تھا مگر یہ اس کی بھول تھی، اوپر والے کی پکڑ بہت شدید ہے، جس دن ایسا ہوا، وہ بچ نہیں پائے گا۔

❁ .... ✹ .... ❁

"فائز! سنو مجھے یہ سامان لادو گے پلیز۔" سفینہ نے اسے گیٹ کی جانب بڑھتے ہوئے دیکھا تو پیچھے سے آواز لگائی، وہ سنی ان سنی کیے بڑھتا چلا گیا۔

''او ہیلو کیا ہوا سنو تو۔'' سفینہ کو لگا وہ اس وقت نارمل نہیں ہے اس کے پیچھے دوڑی، مگر وہ دھڑ سے گیٹ بند کرتا باہر نکل گیا۔ وہ ہکا بکا سی اس کی چوڑی پشت تکتی رہ گئی۔

ڈھونگی بابا سے ساری بات جاننے کے بعد فائز کے چہرے پر کرب اور اشتعال آمیز تاثرات اُبھر آئے۔ اِس وقت خود کو کڑے امتحان سے گزرتا ہوا محسوس کیا، اسی لیے ماں کے سامنے سے ہٹ گیا، سفینہ بھی پیچھے بھاگی، مگر اس سے نگاہیں ملانا بھی بہت مشکل لگا، وہ اپنی زندگی کے عجیب دوراہے میں آ کر کھڑا ہو گیا۔

''سفینہ کالنگ'' بیل بجی، جینز کی جیب سے فون نکال کر نمبر دیکھا، وہ پریشان ہو کر کال کر رہی تھی، لائن کاٹ دی، بیل پھر تواتر سے بج اٹھی تو اس نے موبائل سوئچ آف کر کے جیب میں رکھ لیا۔

''مما! میں سوچ بھی نہیں سکتا تھا۔ آپ اس حد تک بھی جا سکتی ہیں۔'' آخر جب اس کے صبر کی طنابیں ٹوٹ گئیں تو وہ اپنے بالوں کو نوچتے ہوئے بڑبڑانے لگا۔

مما! یہ آپ نے کیا کر دیا نہیں، ایسا کبھی نہیں ہو سکتا۔ میرے لیے سفینہ سے دست بردار ہونے کا مطلب زندگی سے پیچھا چھڑانا۔ ہوگا۔'' بے اختیار جھرجھری لی اور کسی ہارے ہوئے جواری کی مانند شکستہ قدموں سے چلتا ہوا سڑک کے کنارے پیدل چلتا چلا گیا۔

''اے محبت تیرے انجام پر رونا آیا۔'' سامنے والی دکان پر بجنے والے ریڈیو سے مغنیہ کی دل کو چیرتی صدا ابھری اس نے کانوں پر ہاتھ رکھ لیا، اسے لگا گویا محبت دور کھڑی اس کی بیچارگی پر آنسو بہا رہی ہو۔ ایک آنسو، آنکھ سے ٹپکا، اس نے خود سے بھی نگاہ چرا لی۔

❁ .... ❁ .... ❁

''مما کی سوچ اتنی منفی کیوں ہو گئی ہے؟ وہ کبھی مجھ سے ناراض اور رنجیدہ ہو جاتی ہیں؟ کبھی شرمیلا سے شادی کے لیے ہاتھ دھو کر پیچھے پڑ جاتی ہیں، اب تو حد ہو گئی ہے ایک، جنون میں آ کر ڈھونگی عاملوں کے چکر میں جا پھنسی ہیں۔ مجھے سفی بہت عزیز ہے، مگر میں مما سے بھی تو حد سے زیادہ محبت کرتا ہوں۔ کیا ماں کی خاطر میں سفینہ سے کنارہ کشی اختیار کر لوں؟'' وہ سر جھکائے سوچتا ہوا، گھر کے دروازے تک آ پہنچا۔

''فائز بیٹا! رات کے دو بج رہے ہیں تم کہاں تھے؟'' سائرہ نے گیٹ کھلنے کی آواز سنی تو چونک کر باہر کی جانب لپکی، بیٹا، ٹوٹا پھوٹا سا سر جھکائے، اندر داخل ہوا۔

''مما! یہ آپ نے اچھا نہیں کیا۔'' فائز ماں کی طرف مڑا۔ اس کے چہرے پر یہ الفاظ لکھے دکھائی دیئے۔ سائرہ کو ایک دم تھرتھری سی محسوس ہوئی۔

''بیٹا! مجھ سے غلطی ہو گئی جو میں رانی کے بہکائے میں آ کر اس منحوس ٹھگ کے چکر میں پھنس گئی۔'' سائرہ نے سر جھکا کر کہا۔

''ایک بات کہوں، مجھے پتا نہیں تھا کہ آپ سفینہ کی مخالفت میں خود سیدھی راہ سے ہٹ جائیں گی، پڑھی لکھی ہو کر ان جیسوں کے ہاتھوں میں کٹھ پتلی بن گئیں۔'' فائز نے پہلی بار ماں سے اس انداز میں بات کی۔

''مجھے یہ سوچ کر ڈر لگ رہا تھا کہ عمل پورا نہ کروانے پر ہمارے ساتھ کچھ برا نہ ہو جائے۔'' سائرہ نے جھجکتے ہوئے پوچھا۔

''جو کچھ اس گھر میں ہو رہا ہے۔ کیا۔ اس سے زیادہ بھی برا ہو سکتا ہے؟'' اس نے الٹا۔ ماں سے سوال کیا۔

''تم نہیں جانتے وہ اس دن جو سفینہ کی طبیعت خراب ہوئی، وہ بھی۔ بابا کے عمل......'' جوش میں بتاتے بتاتے انہوں

نے شرمندگی سے بات ادھوری چھوڑ دی۔
''مما! مجھے یہ سب سن کر ندامت ہوتی ہے۔ آپ کو کرتے ہوئے۔'' وہ جوش میں بولتے بولتے خود پر قابو پا گیا۔ ماں کا احترام تھا جس نے زبان کو روک دیا۔
''بس بھول ہوگئی۔'' سائرہ کے چہرے پر ندامت کی سیاہی پھیلی۔
''مما! یہ بابا، ڈھونگی، ٹھگ اور عامل لوگ ہماری وجہ سے پھلتے پھولتے ہیں ہماری ضعیف الاعتقادی ہی ان کے کاروبار کو چمکانے کی وجہ بنتی ہے۔ اور سفینہ کی حالت کے پیچھے بابا کے تعویز کی کرامات نہیں بلکہ بخار کی شدت تھی، اتفاق سے وہ رات کو ایک ڈراؤنی مووی دیکھ کر سوئی تھی اور دماغ میں وہ ہی واقعات گردش کرتے رہے بس ڈر گئی۔'' فائز نے ماں کی غلط فہمی دور کی تو، بابا کے فریب کا پردہ چاک ہوا، سائرہ کے دماغ نے بھی کام کرنا شروع کردیا۔
''بیٹا! مجھے معاف کردو۔'' وہ اتنا کہنے کے بعد چپکی کھڑی رہ گئیں۔
''مما! مجھ سے نہیں نماز پڑھ کر اللہ کے سامنے توبہ کریں اور اس کا شکر ادا کریں جس نے کسی بڑے نقصان سے بچالیا'' وہ تاکید کرتا ہوا افسوس سے سر ہلاتا باہر نکل گیا۔
۔انسان بھی کتنا بے وقوف ہے اپنے جیسے عام انسان سے توقعات باندھ لیتا ہے کہ وہ تقدیر بدل سکتا ہے۔
سچ بات تو یہ ہے کہ رب کائنات کے اختیار سے باہر کچھ نہیں۔ بس وہ اپنے بندے کو آزماتا ہے، کبھی لے کر اور کبھی دے کر اسی لیے انسان کو چاہیے کہ وہ اللہ کی آزمائش پر پورا اترنے کی کوشش کرے تو پھر شاید بات بن جائے۔
اس کے رحمتوں کا سمندر اتنا وسیع ہے کہ اس میں کبھی بھی کمی واقع نہیں ہوتی۔ مگر انسان بہت عجلت پسند ہے، اپنی ناعقلی کی وجہ سے بھٹک جاتا ہے، ضعیف الاعتقادی میں پڑ کر اپنے جیسے انسانوں کے در پر مانگنے چلا جاتا ہے۔

وہ بستر پر کروٹیں بدلتا رہا مگر نیند آنکھوں سے کوسوں دور تھی، اس کے کان میں جعلی بابا کے الفاظ گونجتے تو پورے جسم میں جیسے آگ بھر جاتی۔ وہ بستر سے اٹھ کھڑا ہوا، کھڑکی سے باہر جھانکا، تیز بارش ہو رہی تھی، بے اختیار باہر نکل گیا۔ برستی بارش سے بے گانہ ہو کر سبزلان پہ ننگے پیر چلتا چلا گیا۔
''جانے حالات کب ٹھیک ہوں گے۔'' اس نے برستی بارش کو مٹھی میں بند کرنا چاہا، مگر ناکام رہا۔
''کیا یہ دوریاں کبھی ختم نہیں ہوں گی؟'' فائز کے سر میں ٹیس سی اٹھی، وہ ایک دم زمین پر بیٹھتا چلا گیا۔
''مما! آپ کس راہ پر چل پڑی ہیں ایک بیٹے کی حیثیت سے میرے لیے یہ بات کتنی شرمندگی کا باعث ہے۔'' وہ ماں کے کمرے کی کھڑکی کی جانب دیکھ کر بولا جہاں اب اندھیرا چھایا ہوا تھا۔
میں اس رشتے سے انکار کردیتا ہوں مگر کس کس کا مان توڑوں، دادا ابا جن کے جینے کی وجہ سفینہ ہے چچا جان جن کی محبت کے دریا مجھے بچپن سے سیراب کرتے آئے ہیں اور سفینہ وہ تو میرا سب کچھ ہے اسے دل سے کیسے نکال پاؤں گا۔ اس سے بہتر تھا کہ مرنے کا حکم دے دیا ہوتا۔'' وہ خزاں رسیدہ پتے کی طرح سردی میں ہولے ہولے کانپتا رہا۔ پوری رات۔ سوچیں اس کے گرد منڈلاتی رہیں ٹھنڈک سے پیڑ پودے مرجھائے سے ہوگئے، مگر وہ اپنی دھن میں موسم کی شدت سے بے نیاز ماتم کناں بکھرتا چلا گیا۔
''سفینہ میری زندگی کا حاصل ہے اس سے الگ ہونے کا فیصلہ کرنے سے بہتر میں خود کو ہی مارلوں۔'' اس نے نیلے ہوتے ہوئے ہونٹوں پر زبان پھیری، بند ہوتی آنکھوں سے ہاتھوں کی لکیروں میں اسے تلاشا اور لان میں نیم بے ہوشی کے عالم میں گر گیا۔

فائز آئی سی یو میں زندگی اور موت کی کشمکش میں گھرا ہوا تھا، ڈاکٹر نے بتایا کہ اس کو شدید قسم کا نروس بریک ڈاؤن ہوا ہے، اس کے علاوہ بارش میں رات بھر بھیگنے کی وجہ سے نمونیا کے اٹیک کا بھی خدشہ ہے۔ ابرار خان شدید پریشانی کی حالت میں ٹہل رہے تھے، سائرہ کا رو رو کر برا حال تھا، احساس جرم اور پریشانی بڑھتی چلی جا رہی تھی، فائز کو موت کے منہ میں جاتا دیکھ کر ان کا سارا طنطنہ دور ہو گیا۔

جلال خان الگ پریشان تھے کہ ایسی کیا بات ہوگئی جس کی وجہ سے اکلوتے بیٹے کا یہ حال ہوا۔ وہ بیوی سے پوچھ پوچھ کر تھک گئے، مگر سائرہ نے ڈر کے مارے زبان نہیں کھولی۔ اسی لیے وہ سارے قصے سے لاعلم تھے۔

''ہمارے پوتے کو اچانک کیا ہو گیا؟'' ابرار خان کا چہرہ شدتِ ضبط سے سرخ ہو گیا۔

''ابا جان! پلیز آپ تھوڑی دیر بیٹھ جائیں۔'' جلال باپ کا ہاتھ تھام کر کونے میں رکھی ہوئی بنچ کی جانب بڑھ گیا۔

''بیٹا! اس گھر کو کسی کی نظر لگ گئی ہے، پے در پے دکھوں نے ہماری کمر توڑ کر رکھ دی ہے۔ اب مزید برداشت نہیں ہوتا۔'' ابرار خان بیٹے کا ہاتھ تھام کر بچوں کی طرح ایک ہی بات رٹنے لگے۔ جلال خان بھی اپنا غم بھلا کر باپ کو تسلی دینے لگ گئے۔

سفینہ نے جب سے فائز کی حالت کا سنا شدتِ غم سے بے آواز آنسو بہائے چلی جا رہی تھی۔ وہ اس سے ملنے کے لیے بے قرار ہو گئی۔ ریحانہ نے ایک اچٹتی نگاہ بیٹی کے چہرے پہ ڈالی۔ تو اسے بھی ساتھ چلنے کا عندیہ دے دیا، سفینہ کی زردی مائل صورت دیکھ کر انہیں افسوس ہونے لگا۔

بھائی سے بات کرتے ہی بہزاد خان اپنی فیملی کے ساتھ فوراً اسپتال پہنچے انہوں نے بیٹی کو یوں لمحوں میں نچڑتے دیکھا تو مضطرب ہو گئے۔

''کہیں ایسا تو نہیں کہ فائز نے سفینہ کو سب کچھ بتا دیا ہو، اگر اس نے سب کے سامنے سچ بول دیا تو جلال میرا ہاتھ پکڑ کر گھر سے باہر کا راستہ دکھانے میں دیر نہیں کریں گے'' سائرہ نے سفینہ کی طرف دیکھا تو دل کا چور اندر ہی اندر شور مچانے لگا۔ وہ اپنے والدین کے ساتھ اندر داخل ہوئی۔

''تائی اماں! آپ نے ٹھیک نہیں کیا آپ ہی فائز کو اس حال تک پہنچانے کی ذمہ دار ہیں۔'' سائرہ کو سفینہ کی نگاہیں بولتی ہوئی محسوس ہوئیں، جو ابرار خان سے ملنے کے بعد ان کی طرف آ رہی تھی۔ وہ اپنے آپ میں سکڑنے لگیں۔

''اگر اس نے ماں سے ساری باتوں کا تذکرہ کر دیا ہوگا تو، وہ اس بات کا پورا فائدہ اٹھا کر مجھے سب کی نظروں سے گرا سکتی ہے۔'' سائرہ نے ہاتھ ملتے ہوئے ریحانہ کو دیکھا، جو سفینہ کے ساتھ ہی ان کی طرف بڑھ رہی تھیں۔ خود ساختہ اندیشوں نے ان کے دل میں پکڑ دھکڑ مچا رکھی تھی۔

وہ وقتی طور پر بیٹے کی بیماری بھول گئیں، مگر جب وہ دونوں ماں بیٹی ان سے نارمل انداز میں آ کر ملیں تو ان کی پریشانی کم ہوئی۔

ریحانہ جٹھانی کے برابر میں بیٹھ کر تسلی دینے کی کوشش کرنے لگیں، مگر سائرہ نے خاموشی اختیار کر لی اور ہاتھ میں تھامی تسبیح کے دانے تیز تیز گرانے شروع کر دیئے۔ ریحانہ بھی منہ موڑ کر دوسری طرف دیکھنے لگیں۔ سفینہ دادا ابا کے پاس بیٹھ گئی۔

”فائز کی طبیعت کیسی ہے؟“ ڈاکٹر علوی کو باہر آتا دیکھ کر سائرہ نے بے قراری سے ان کی طرف جا کر پوچھا۔
”شکر ادا کریں اب مریض کی حالت بہتر ہے اور وہ کافی بہتر کنڈیشن میں ہے۔“ ڈاکٹر علوی نے سر ہلا کر انہیں تسلی دی، ان کے چہرے پر پھیلے اطمینان نے وہاں موجود تمام نفوس کو سکون کا سانس لینے پر مجبور کیا۔ وہ۔سب ڈاکٹر کو گھیر کر فائز کے بارے میں سوال جواب کرنے لگے۔
”کیا میں اس سے مل سکتی ہوں؟“ سائرہ نے ہاتھوں کی لرزش پر قابو پاتے ہوئے پوچھا
”جی ہاں انہیں ہوش آ گیا ہے آپ ان سے مل سکتی ہیں لیکن ابھی کیوں کہ وہ نیم غنودگی میں ہیں تو پلیز تھوڑی دیر کے لیے جایئے گا......اور پلیز، زیادہ لوگ نہیں۔“ ڈاکٹر پیشہ ورانہ انداز میں تنبیہہ کرتے ہوئے آگے بڑھ گئے۔
”اللہ! تیرا شکر ہے۔ میرے بیٹے کو ہوش آ گیا۔“ وہ رب کا شکر ادا کرتی ہوئی آئی سی یو کی جانب بڑھی۔
بیڈ پر لیٹے فائز کا زرد چہرہ دیکھ کر سائرہ دل گرفتہ ہونے لگیں۔ وہ بے اختیار اس کی جانب بڑھیں۔
”فائز! میری جان! تم نے اپنی یہ کیا حالت بنالی ہے......“ اس کے اوپر قدرے جھک کر انہوں نے نم لہجے میں اسے پکارا۔
”کیا سچی محبت واقعی اتنا بڑا جرم ہے جس کی سزا یوں بھگتنی پڑ رہی ہے؟“ ماں کو دیکھ کر فائز کے اندر دکھوں کی لہریں دور تک بہتی چلی گئیں۔
فائز نے سرخ آنکھوں سے ماں کو دیکھا اور پھر بند کر کے منہ دوسری طرف پھیر لیا۔ اس کا ناراضگی کا اظہار سائرہ کے دل پر قیامت ڈھا گیا۔ وہ خود کو ملامت کرتی ہوئی باہر نکل گئیں۔

❋......❋......❋

”کیا میں فائز سے ملنے اندر جا سکتا ہوں؟“ ابرار خان نے آگے بڑھ کر بے تابی سے شیشے کی دیوار کے پار جھانکتے ہوئے بیٹے سے پوچھا۔
”ڈاکٹر کہہ رہے ہیں کہ وہ تھوڑی دیر میں اسے روم میں شفٹ کر دیں گے، پھر ہم سب مل سکتے ہیں۔“ جلال خان نے ابرار خان کا کاندھا تھپتھپا کر تسلی دیتے ہوئے کہا۔
بیٹے کی بات سن کر انہوں نے شکرانہ ادا کیا، سفینہ کی جان میں جان آئی۔ بہزاد خان نے بھی سکون کا سانس لیا، ورنہ ایک لمحے کو تو وہ سب بہت ڈر گئے تھے۔ اسے وارڈ میں شفٹ کر دیا گیا تو سفینہ تیزی سے کمرے کی جانب بڑھی۔

❋......❋......❋

تھوڑی دیر بعد سب اس کے بیڈ کے گرد جمع ہو گئے، مگر فائز سب سے بے نیاز آنکھیں بند کیے پڑا رہا۔
ابرار خان نے کمرے کے کونے میں کھڑی سفینہ کو اپنے پاس بلایا سر پہ پیار دیا۔ وہ ایک دم دوبارہ بے آواز آنسوؤں سے رونے لگی۔ جلال خان نے ایک نظر بھتیجی کے معصوم سے چہرے کی طرف دیکھا اور اس کو ساتھ لگا کر کھڑے ہو گئے، سائرہ جو بیٹے کے پاس جا کر بیٹھ گئی تھیں، یہ منظر برداشت نہ کر سکیں۔
”بیٹا! کیسے ہو؟“ ابرار خان نے پوتے کے قریب کھڑے ہو کر فکرمندی سے پوچھا تو وہ ایک دم اٹھنے لگا، مگر نقاہت کی وجہ سے نہیں اٹھ سکا۔
”ارے لیٹے رہو ابھی تمہاری حالت ٹھیک نہیں ہے۔“ بہزاد خان نے بڑھ کر بھتیجے کے سر کے نیچے تکیہ لگایا۔ سفینہ کونے میں کھڑی چپکے چپکے اسے ہی تکے جا رہی تھی، آنسو ایک روانی کے ساتھ آنکھوں سے بہے چلے جا رہے تھے۔
”جیسا تم چاہو گے ویسا ہی ہوگا۔ بس جلدی سے طبیعت ٹھیک کر لو۔“ جلال خان نے جھک کر اس کی پیشانی چومتے

ہوئے اپنی بات کا پختہ یقین دلایا۔
"مگر مما......! اس بار تو......" وہ کچھ کہتے کہتے چپ ہوگیا اور استفہامیہ نظروں سے ان کی طرف دیکھا۔
"نہیں بچے! ایسا کچھ نہیں ہوگا۔ جیسا تم چاہو گے ویسا ہی ہوگا۔" جلال نے اس کے ادھورے فقرے میں چھپے خدشات کو محسوس کرتے ہوئے یقین دہانی کروائی۔

✿......✿......✿

ایک ہفتہ اسپتال میں رہنے کے بعد فائز گھر آیا تو اس کی حالت کافی بہتر تھی۔ وہ دوبارہ سے معمولات زندگی میں مشغول ہوگیا، مگر جانے کیوں اب وہ سفینہ سے چھپتا پھرتا۔ سفینہ اس کو ڈھونڈتی پھرتی مگر وہ ہتھے ہی نہیں چڑھتا۔ رات کے کھانے کے بعد، بہت دنوں بعد فائز ٹیرس پر آیا تو سفینہ کو خاموشی سے کسی گہری سوچ میں گم پایا، ٹیرس میں پھیلی چاندنی کی روشنی میں وہ چاندنی کا حصہ بنی ہوئی تھی۔ فائز بے اختیار اس کے پاس جا کر کھڑا ہوگیا۔ چند لمحے اس نے اپنی محبت کو دیکھا اور پھر اس کے چہرے کے سامنے چٹکی بجا کر چونکایا۔
"کن خیالوں میں گم ہو۔" فائز نے زبردستی مسکرا کر پوچھا۔
"شکر آپ کو بھی میرا خیال آیا۔" سفینہ نے سر اٹھا کر اسے دیکھا اور شکوہ لبوں پر مچل اٹھا۔
"آپ کے خیال سے بے خبر کب ہوئے؟" فائز کی آنکھوں میں پیار بھری ملائمت دکھائی دی، اس نے قدرے جھک کر سفی کا ناراض ناراض سا چہرہ تکا۔
"ایک بات میرے ذہن میں کھٹک رہی ہے......" اس نے نرم لب کھولے۔
"ایسی کون سی بات ہے؟" فائز نے حیرت سے کہہ کر دیوار سے کمر ٹکائی۔
"مجھے لگتا ہے آپ کی بیماری کے پیچھے کوئی اور وجہ تھی۔" اس کی آنکھوں میں تشکیک کے سائے لرزے۔
"کیا مطلب......؟" فائز کو صحیح اندازے پر قدرے حیرت ہوئی۔
"بس میرا دل کہہ رہا ہے کوئی ایسی بات ہے جس سے آپ اندر ہی اندر لڑ رہے ہیں۔" وہ فائز کو بڑی گہری نگاہوں سے دیکھتے ہوئے بولی۔
"چھوڑو نا تم بھی کن باتوں میں الجھ رہی ہو۔" فائز یہ کہتے ہی اُٹھ گیا اور نیچے جانے لگا، سفینہ نے بڑھ کر اس کے مضبوط بازوؤں کو تھام کر جانے سے روکا۔
"سنیں شاید یہ پہلی بار ہوا ہے کہ آپ مجھ سے کچھ چھپا رہے ہیں۔" وہ اتنے پیار اور اپنائیت سے بولی کہ فائز کے لیے اس سے نگاہیں ملانا مشکل ہونے لگا۔
"سفی! کچھ باتوں کو چھپا رہنے دو اگر وہ کھل گئیں تو شاید ہم دونوں کے رشتے میں دراڑیں پڑ جائیں۔" اس کا انداز بہت دکھی کر دینے والا تھا۔
"مگر وہ......" سفینہ نے ہونٹ ہلائے تو فائز نے اس کے لبوں پر اپنی ہتھیلی رکھ دی۔
"پلیز اگر تم مجھ سے سچی محبت کرتی ہو تو آئندہ کچھ نہیں پوچھو گی۔" فائز نے اس کی آنکھوں میں جھانکتے ہوئے یوں کہا کہ سفینہ سن سی کھڑی اسے دیکھتی رہ گئی۔

اریشہ غزل

"عبدالمعیز آیا ہے تم سے ملنے۔" سیمیں بھابی کی آمد اور لفظوں پر وہ ڈسٹرب ہو کر رہ گئی۔ برابر سوئے عبدالہادی پر ایک نظر ڈالتی وہ اٹھ بیٹھی۔ لاؤنج میں آئی تو وہ وہیں صابرہ بیگم کے پاس براجمان تھا۔ بلیک پینٹ اور وائٹ اینڈ بلیک لائننگ کی شرٹ میں ملبوس وہ کہیں سے بھی پریشان اور ڈسٹرب دکھائی نہیں دیتا تھا یوں جیسے اس کے چلے آنے سے بہت مطمئن ہو وہ تیوریوں پر بل ڈالے اندر آئی تھی۔

"لو.....حوریہ آ گئی تم اس سے بات کرو میں مغرب کی نماز ادا کر کے آتی ہوں اور غائب نہ ہو جانا رات کا کھانا یہیں کھا کر جانا۔" وہ اسے تاکید کرتی اندر کمرے کی طرف بڑھی تھیں۔ ڈیڑھ ماہ پہلے حوریہ ناراض ہو کر اپنے میکے چلے آئی تھی اس کے اپنے شوہر کے ساتھ اختلافات ہو گئے تھے وہ چاہتی تھیں معاملات میانہ روی نرمی اور سمجھ داری کے ساتھ سلجھ جائیں مگر حوریہ کی ہٹ دھرمی اور ضد مسئلہ بنی ہوئی تھی۔ وہ ان کے معاملات میں نہیں بولتی تھیں یہیں چاہتی تھیں کہ دونوں مل بیٹھ کر اپنی پریشانی اور ٹینشن کا بہتر طور پر حل نکال لیں۔

اس وقت بھی وہ وہاں سے اٹھ آئی تھیں مگر دل وہی پڑا تھا کہ نجانے حوریہ کیا کہتی' صابرہ بیگم کے جاتے ہی حوریہ نے اس سے پوچھا تھا۔

"کیوں آئے ہو یہاں؟ تم جانتے ہو میں واپس جانے کے لیے نہیں آئی ہوں۔"

"تم سے ملنے' تمہیں دیکھنے کہ تمہارا غصہ ٹھنڈا ہوا یا نہیں۔" وہ مسکرا رہا تھا۔

"یہ قطعی غصہ نہیں ہے اور نہ ہی جذباتی فیصلہ ان چھ سالوں میں میں اچھی طرح سمجھ چکی ہوں کہ تم ایک غیر ذمہ دار اور بے پروا انسان ہو۔ بیوی اور بچوں کے لیے مرد نجانے کیا کچھ نہیں کر لیتا اور تم ہر سال نوکری بدل کر بیٹھ جاتے ہو' مستقل لگ کر کام ہوتا ہی نہیں یا تو وہاں تمہارے اختلافات شروع ہو جاتے یا پھر سینئرز تم سے ناراض ہو جاتے ہیں' تم نے زندگی کو مذاق بنا رکھا ہے۔" وہ تلخی سے کہہ رہی تھی۔

"اگر میں نوکری چھوڑ دیتا ہوں تو کر بھی لیتا ہوں۔ کبھی ایسا ہوا کہ میں نے بے کاری میں مہینوں گزارے ہوں اور تمہیں گھر کے اخراجات کی سلسلے میں تنگ کیا ہو۔ ذرا سوچو یہ اتار چڑھاؤ ہر انسان کی زندگی میں آتے ہیں' اس کا یہ مطلب نہیں ہوتا کہ اپنا گھر چھوڑ کر بیٹھ جاؤ۔" وہ نرمی سے کہہ رہا تھا۔

"ہنہہ.......اس کے لیے بھی مجھے تم نے اور تمہارے رویے نے ہی مجبور کیا ہے' اپنے آپ کو دیکھو اور اپنے بھائی کے اسٹینڈرڈ کو دیکھو تمہیں فرق محسوس ہو جائے گا۔" وہ جتا رہی تھی۔

"دیکھو حور! انسان میں کئی کمزوریاں ہوتی ہیں' مجھ میں بھی ہیں اگر تم یقین کرو تو میں اپنے آپ کو بدلنے کی کوشش کر رہا ہوں اور پھر میرے اختلافات سے تمہیں کوئی نقصان نہیں پہنچتا اگر میں نوکری چھوڑ بھی دیتا ہوں تو تمہیں یا عبدالہادی کو بھوکا نہیں رکھتا۔ زندگی کی ہر آسائش مہیا کرنے کی کوشش کرتا ہوں۔" وہ نرمی سے اسے سمجھاتے ہوئے بولا۔

"زندگی میں کھانا پینا اور چند سوٹ بنا دینا زندگی نہیں ہے۔ انسان اپنی اولاد کے لیے اتنا تو کرے کہ بڑا ہو کر اسے سروائیو نہ کرنا پڑے مگر تم کہاں سمجھو گے تم تو معمولی ضرورتوں کے پورا ہونے کو ہی زندگی سمجھتے ہو۔" وہ تلخی سے سر جھٹکتے ہوئے بولی۔

"حور! زندگی میں پیسہ اہمیت نہیں رکھتا دل کی خوشی اہمیت رکھتی ہے۔ کیا تم میرے ساتھ خوش نہیں ہو؟" وہ

بڑے مان کے ساتھ پوچھ رہا تھا۔

''اگر تم سسک سسک کر زندگی گزارنے کو ہی جینا سمجھتے ہو تو میں اس زندگی سے خوش نہیں ہوں۔ ہر ماں کے لیے اس کا بچہ خاص ہوتا ہے اور وہ اس کے لیے دنیا کی ہر آسائش چاہتی ہے اس کے مانگنے سے پہلے دینا چاہتی ہے مگر تم نے خود ترسی ہوئی زندگی گزاری ہے اس لیے ان باتوں کو نہیں سمجھتے مگر میں ایسی زندگی نہیں گزار سکتی۔ میں پہلے بھی جاب کر رہی تھی تم سے علیحدہ رہ کر بھی کر سکتی ہوں۔ کم از کم مجھے اتنا دکھ نہیں ہوگا جتنا اب ہوتا ہے۔ تمہارے ہوتے ہوئے ہر شے کو ترستی رہوں۔'' وہ برہمی سے کہہ رہی تھی۔

یہ وہی حوریہ تھی جو اس سے بہت محبت کرتی تھی جس نے ان چھ سالوں میں اس کا ہر پل ساتھ دیا تھا۔ اچھے برے وقت میں اس کے برابر کھڑی رہی تھی مگر اب پچھلے چھ ماہ سے اس کے رویوں میں فرق آنے لگا تھا۔ بگڑا وہ پہلے بھی کرتی تھی مگر اب تو وہ برہم ہوجاتی تھی بالکل اجنبیوں کی طرح بات کرتی تھی اس کی آنکھوں میں اتنی بے گانگی ہوتی تھی کہ وہ اس کے حوریہ ہونے پر حیران ہونے لگتا تھا جیسے اس وقت ہو رہا تھا۔ اسے اپنے میکے آئے ڈیڑھ ماہ ہو چکا تھا' ڈیڑھ ماہ پہلے اس کی جاب جاتی رہی تھی کام نہ ہونے کے باعث ورکرز نکالے جارہے تھے۔ اسے بھی کئی لوگوں کے ساتھ فارغ کر دیا گیا تھا اس بار نہ تو اس کا کسی کے ساتھ کوئی اختلاف رہا تھا اور نہ ہی ناراضگی اس کے باوجود وہ جاب سے نکال دیا گیا تھا۔ اس بات کو ایشو بنا کر حوریہ اپنے گھر چلی آئی تھی۔ پہلے وہ یہی سمجھا وقتی غصہ ہے ناراضگی ہے مگر...... اس بار اس کے ارادے اور تھے وہ اس سے علیحدگی چاہتی تھی۔

''میں جاب ڈھونڈ رہا ہوں' جلد ہی مل جائے گی۔ تم اس طرح ناراض مت ہو کوئی ایسا قدم مت اٹھاؤ کہ میں ہمیشہ کے لیے تمہیں کھو دوں۔'' وہ بے تابی سے اسے مناتے ہوئے بولا۔

''سوری عبدالمعیز! تمہاری جذباتی باتوں سے اب میں متاثر ہونے والی نہیں ہوں' میں نے فیصلہ کرلیا ہے میں اکیلے خوش رہ سکتی ہوں تو پھر خوامخواہ کا جھگڑا کیوں' تم عبدالہادی سے ملنے آتے رہنا میں تمہیں اس سے الگ نہیں کرنا چاہتی اور نہ ہی ملنے سے روکنا چاہتی ہوں' میں خودغرض نہیں ہوں۔'' وہ شانوں سے اس کے ہاتھ ہٹاتے ہوئے سرد مہری سے بولی۔

''اس طرح مت کرو حوریہ! میں تم دونوں کے بغیر کس طرح رہوں گا اگر تم لوگ میری زندگی سے نکل گئے تو پھر میرے پاس کیا رہ جائے گا پلیز حور! میری طرف دیکھو ایک بار' صرف ایک موقعہ دے دو مجھے۔ میں ثابت کردوں گا کہ میں تم سے کتنی محبت کرتا ہوں' میں وہی کروں گا جو تم کہو گی مگر...... صرف ایک بار......'' وہ گڑگڑا رہا تھا' اسے منانے کی کوشش کر رہا تھا وہ سرد نظروں سے اسے دیکھتی رہی پھر اجنبی لہجے میں بولی۔

''سوری عبدالمعیز! اب ان باتوں میں کچھ نہیں رکھا ہے' میں بہت دور آچکی ہوں۔'' اس کے لہجے کے ساتھ اس کا چہرہ بھی سپاٹ تھا اس کے ہاتھ ڈھیلے ہو کر اپنے پہلو سے آلگے۔ وہ ساکت نظروں سے مڑ کر اندر غائب ہوئی حوریہ آج صاف لفظوں میں اس کی ذات کی نفی کر گئی تھی۔

''کیا میری اتنی بڑی سزا ہے کہ تم مجھ سے ہمیشہ کے لیے روٹھ جاؤ' اجنبی ہو جاؤ نہیں...... نہیں میں ایسا ہرگز نہیں ہونے دوں گا' میں تمہیں منالوں گا۔ میں آتا رہوں گا کبھی تو تمہارا دل موم ہوگا۔'' وہ اپنے آپ کو سمجھا رہا تھا پھر شکستہ قدموں سے چلتا ہوا بیرونی دروازہ پار کر کے باہر نکل گیا۔

لاؤنج سے کمرے تک کا فاصلہ زیادہ نہیں تھا مگر اسے لگا جیسے وہ صدیوں کا فاصلہ طے کر آئی ہو۔ اس سے علیحدگی کا فیصلہ آسان نہیں تھا مگر وہ کیا کرتی اس کی غیر ذمہ دارانہ طبیعت اور بے پروائی نے اسے عبدالمعیز سے بدظن کر ڈالا تھا۔ آج عبدالہادی چھوٹا تھا کل جب وہ اسکول کے قابل ہوگا تب وہ اخراجات کہاں سے ادا ہوں گے' وہ اس کے اور اپنے لائق ہی نہیں کما پاتا تھا ہر ماہ چھ سے آٹھ چھٹیاں اس کی آفس سے ہوتی تھیں۔ اتنی تنخواہ نہیں بنتی تھی کہ کرائے

کی ادائیگی اور اوپر کے خرچوں کے بعد کچھ بچتا' گھر کا خرچ حوریہ کی سیلری سے پورا ہوتا تھا۔ یہ سب شادی کے بعد تک سہی تھا مگر جونہی عبدالہادی ان کی زندگی میں آیا اس کے اخراجات بڑھے' زندگی تنگ ہونے لگی تو اسے بات بے بات غصہ آنے لگا۔ بچے کے لیے نئی چیزوں کی ضرورت پڑنے لگی مگر عبدالمعیز کی تنخواہ نہ ہونے کے برابر تھی اور اس کی تنخواہ گھر میں اٹھ جاتی تھی وہ اس تنگی اور پریشانی سے بے زار ہونے لگی۔ عبدالمعیز پر بگڑنے لگی جو کبھی جاب چھوڑ کر بیٹھ جاتا تھا اور کبھی خوامخواہ چھٹیاں کرلیا کرتا تھا۔ جس سے ہاتھ میں اتنے پیسے نہیں آتے تھے کہ عبدالہادی کے لیے کھلونے اور کپڑے لیے جاسکیں۔ اس کی والدہ اپنے طور پر اس کی بہت سپورٹ کرتی تھیں مگر کب تک ان کے آگے بھی دو بیٹے شادی شدہ تھے۔

عبدالہادی کے زندگی میں آنے کے بعد اس کی ترجیحات اپنے بچے کے لیے بدلنے لگیں پہلے وہ اس کی بے پروائی اور غیر ذمہ داری پر برہم نہیں ہوتی تھی' پیار سے سمجھاتی تھی۔ بچت کے راستے دکھاتی تھی کہ وہ اتنے مہینوں میں اتنا جوڑ سکتے تھے اگر عبدالمعیز اپنی غیر ذمہ داری ترک کردے تو وہ اتنے سالوں میں اپنے فلیٹ کے مالک بھی ہوسکتے تھے مگر...... عبدالمعیز اس کی پلاننگ پر ہنستا اور ٹال جاتا تھا۔ وہ کہتا تھا زندگی سکون سے گزر رہی ہے کوئی مسئلہ نہیں ہے پھر اپنے سر پر فلیٹ کا بوجھ ڈالنے کا فائدہ' خوامخواہ پیسے جوڑتے رہو زندگی کا کیا بھروسہ...... اس کی منطق نرالی تھی۔

"ہم نہیں ہوں گے یہ سب ہمارے بچوں کے کام آئے۔" حوریہ مایوس ہوتی۔

"ابھی تو بچے بھی نہیں ہیں پھر اتنا سوچنے کا مقصد کیا تمہیں یہ تین کمرے کا فلیٹ کم پڑتا ہے۔" وہ حیران ہوتا۔

"تم سمجھتے کیوں نہیں ہو اپنا گھر ہی اپنا ہوتا ہے۔ آج تمہارا گھر اپنا ہوتا تو ہمیں مہینے کے مہینے ایک خطیر رقم کرائے میں نہیں ادا کرنی پڑتی۔" اس کا موڈ آف ہوجاتا۔

"دنیا میں کتنے لوگ ایسے ہیں جن کے پاس کچھ بھی اپنا نہیں ہوتا۔ میرے پاس اپنی بائیک ہے تم ہو اور خوب صورت زندگی جس میں ہم جی رہے ہیں۔" وہ اس کو شانوں سے تھامتے ہوئے محبت سے بولتا تو وہ چند لمحوں کے لیے اس کی باتوں کے سحر میں گم ہوجاتی ویسے بھی عبدالمعیز ارسلان سے شادی کا فیصلہ اس کا اپنا تھا۔ فیملی بیک گراؤنڈ سے بھی اس کے کئی رشتے آئے تھے مگر اسے عبدالمعیز ارسلان سے محبت ہوگئی تھی جو آفس آتے جاتے اسے ملتا تھا یوں اس کی زندگی سے جڑ گیا۔ رشتے کی بات چلی تو عبدالمعیز کی طرف سے اس کی والدہ رشتہ لے کر آئیں ان کے والد بہت پہلے ان کی والدہ سے الگ ہوچکے تھے۔ ان کی والدہ نے ہی اسے اور ان کے بڑے بھائی کو پالا تھا۔ بظاہر فیملی میں سب ہی اس کے گھر والوں کو پسند آئے تھے اور یوں وہ عبدالمعیز کی زندگی میں چلی آئی۔

شروع کی زندگی ویسے بھی خوابوں کی زندگی ہوتی ہے ہر بات ہر لمحہ ہر پل اچھا لگ رہا ہوتا ہے۔ گزرتے وقت کے ساتھ اسے عبدالمعیز کی کمزوریوں کا احساس ہوا اور یہ بھی کہ ان کی ساس ان کے ساتھ کیوں نہیں رہتی تھیں۔ وہ بھی عبدالمعیز کی غیر ذمہ دارانہ فطرت اور بے پروائیوں سے نالاں تھیں۔ عبدالمعیز اپنے بڑے بھائی کی نسبت مالی طور پر کمزور تھا نہ تو اس کا فلیٹ اپنا تھا اور نہ ہی اس کی نوکری پکی تھی جبکہ اس کے بڑے بھائی اپنے ذاتی مکان میں رہتے تھے اور کسی ملٹی نیشنل کمپنی میں اچھی جاب پر تعین تھے۔ ان کے تین بچے تھے اور تینوں اچھے اسٹینڈرڈ کے اسکول میں تعلیم پارہے تھے۔ ان کی زندگی سے ان کے اسٹینڈرڈ کا پتا چلتا تھا۔

وہ جب بھی اپنی ساس سے ملنے ان کے گھر جاتی' واپسی میں بہت افسردہ اور خاموش ہوتی' اسے حیرت ہوتی تھی عبدالمعیز اپنے بھائی سے اس قدر مختلف کیوں تھا اور ایک دن باتوں باتوں میں اس نے یہ بات اس سے کہہ ڈالی تو وہ ہنس دیا۔

"ممی بھی یہی کہتی ہیں کہ میں اپنے پاپا کی طرح ہوں وہ بھی ایسے ہی تھے۔ زندگی میں کچھ بھی بنانے اور بن

جانے کے قائل نہیں تھے۔ وہ زندگی کی چھوٹی چھوٹی باتوں اور خوشیوں سے خوش ہوا کرتے تھے۔ لمبی لمبی پلاننگ کے عادی نہیں تھے' کچھ جوڑنے اور جمع کرنے کا انہیں قطعی شوق نہیں تھا۔ وہ کہا کرتے تھے کہ ''میں اتنا کما لیتا ہوں کہ وہ ہم سب کے لیے کافی ہے' انہی باتوں کو لے کر ممی اور ان میں اختلافات بڑھتے گئے اور پھر وہ ایک دوسرے سے علیحدہ ہو گئے۔ بڑے ہونے کے بعد میں ان سے ملا کرتا تھا' وہ ہمیشہ یہی کہتے تھے تمہاری ماں ایک اچھی عورت ہے میں اس کی قدر نہیں کر سکا۔''

''اتنی محبت کے باوجود وہ اپنے آپ کو بدل کیوں نہیں سکے؟'' حوریہ نے افسوس سے کہا۔

''معلوم نہیں' ممی کہتی ہیں ہمارے مزاج نہیں ملتے تھے لیکن اس کے باوجود ہم ایک دوسرے سے بہت محبت کرتے تھے اور آج بھی کرتے ہیں۔ عبدالمعیز نے مزید کہا۔ ''یہ کیسی محبت تھی جس نے انہیں ایک دوسرے سے کمپرومائز نہیں کرنے دیا' محبت تو انسان سے سب کچھ کروا لیتی ہے۔'' حوریہ بولی۔

''رئیلی تم میرے لیے کیا کیا کر سکتی ہو؟'' وہ شریر ہوا۔

''تمہارے ساتھ ہوں کیا یہ کافی نہیں ہے۔'' وہ ہنسی تھی۔

خوشبو جیسے دن تھے جو ان کی زندگی میں آ کر جلدی گزر گئے وہ ایک دوسرے میں مگن تھے جب عبدالہادی ان کی زندگی کی زنجیر مضبوط کرنے دنیا میں چلا آیا۔ اس کے آنے سے حوریہ کی جاب متاثر ہوئی اس نے وقتی طور پر سب کچھ چھوڑ کر بچے اور گھر کو اپنا مسکن بنا لیا مگر چھ مہینوں میں ہی حوریہ کو بے پناہ مالی مسائل کا سامنا کرنا پڑا حتیٰ کہ اپنے بھائی سے رقم تک لینی پڑ گئی' عبدالمعیز سے چھپا کر جو رقم اس نے عبدالہادی کے لیے جمع کی تھی وہ ان دنوں بہت کام آئی۔

اس کا آپریشن ہوا کچھ رقم ہسپتال میں خرچ ہوئی کچھ گھر آنے کے بعد پھر عبدالمعیز کی سیلری نہ ہونے کے برابر تھی۔ کچھ گھر کے اخراجات میں اٹھ گئی۔ عبدالہادی کی خوشی نے اس وقت تو اسے کچھ بھی سوچنے نہیں دیا مگر گزرتا وقت اسے سمجھانے لگا کہ اسے جاب کی ضرورت تھی چاہے عبدالہادی کو صابرہ بیگم (اماں) کے پاس ہی کیوں نہ چھوڑنا پڑے کیونکہ اس کی جاب کے بغیر عبدالمعیز کی تنخواہ پر گزارہ ناممکن تھا۔

ہونا یہ چاہیے تھا کہ عبدالہادی کے بعد عبدالمعیز اپنی غیر ذمہ دارانہ فطرت کو بدلتا وہ اپنی روٹین پر چلتا رہا' حوریہ کے ساتھ مسائل سلجھانے کے بجائے ان کی آپس میں تو تو میں میں ہونے لگی۔ چھوٹے چھوٹے مسائل پر وہ ایک دوسرے سے الجھنے لگے۔ ان سب میں اکثر قصور حوریہ کا ہوتا جس کا اسے بعد میں احساس بھی ہوتا تھا مگر وہ بھی کیا کرتی وسائل کم تھے اور مسئلے زیادہ۔

وہ آفس میں بھی ڈسٹرب رہنے لگی' اس کے مزاج میں تلخی اور بدمزاجی کا رنگ بڑھنے لگا وہ چاہتی تھی جس طرح عبدالمعیز کے بڑے بھائی اپنی ذمہ داریوں کے ساتھ سنجیدہ تھے وہ بھی ہو جاتے اس کے لیے نہ سہی کم از کم عبدالہادی کے لیے اپنے آپ کو بدل لے مگر وہ اس کے خیالات اور سوچوں سے بے خبر ہو کر اپنی زندگی جی رہا تھا حتیٰ کہ عبدالہادی کے بعد جب اس نے جاب کرنی چاہی تو عبدالمعیز نے ایک بار بھی یہ نہیں کہا کہ ''تم عبدالہادی کو سنبھالو ابھی وہ بہت چھوٹا ہے اسے تمہاری ضرورت ہے۔ جاب کرنے کی کیا ضرورت ہے' میں ہوں نا۔'' مگر وہ سوچتی رہی کلستی رہی اور پھر وہی روٹین شروع ہو گئی صبح عبدالہادی کو اپنی امی کے پاس چھوڑتی ہوئی وہ آفس جاتی پھر وہاں سے شام میں عبدالمعیز اسے لیتا ہوا گھر آتا تھا۔

عبدالہادی کو اپنے گھر سے لے کر وہاں اپنے گھر آتے کبھی وہ کھانا بنا لیتی کبھی عبدالمعیز باہر سے لے آتا۔ گھر کی کئی اور ذمہ داریاں تھیں جنہیں پہلے وہ خوش اسلوبی سے نمٹا لیتی تھی مگر اب ایک چڑچڑا پن اس کے اندر پیدا ہوتا جا رہا تھا۔ اسے بات بے بات عبدالمعیز پر غصہ آتا رہتا وہ اس سے الجھتی رہتی یہاں تک کہ عبدالمعیز ناراض ہو کر یا تو اپنے دوستوں کی طرف نکل جاتا یا پھر منہ سر لپیٹ کر سو جاتا جس سے وہ اور کلستی تھی۔

ساڑھے تین سال بعد اللہ نے اولاد جیسی نعمت سے نوازا تھا وہ دونوں جتنے خوش ہوتے' اتنا کم تھا مگر وہ سوچتی شاید عبدالہادی کے آنے کا فیصلہ غلط تھا۔ ان کے اتنے وسائل نہیں تھے کہ وہ اولاد کی خوشی افورڈ کرتے اس کی ضرورتیں پوری کرسکتے یا پھر اس کے ساتھ خوش رہ سکتے اور یہ سب عبدالمعیز کی غیر ذمہ دارانہ فطرت اور عادتوں کے سبب تھا۔ اس کے بھی دو بھائی تھے ان کے بھی دو دو بچے تھے اس کی بھابیاں کون سا جاب کررہی تھیں یا کسی سے رقم مانگتی پھررہی تھیں وہ خوش اسلوبی کے ساتھ ان کی ذمہ داریاں اور خرچے پورے کررہے تھے اسے اکثر اپنے فیصلے پر رونا آتا' غصہ آتا۔ اس نے عبدالمعیز میں کیا دیکھا تھا شاید محبت اور عورت ایک اسی چیز کے سامنے ہار جاتی ہے اس فریب سے ٹھوکر کھاتی ہے ورنہ اس کے رشتے تو بہت آئے تھے ان کے فیملی بیک گراؤنڈ میں سبھی خوشحال رہ رہے تھے اگر وہ ہاں کردیتی تو شاید اس کے آج یہ سب مسئلے نہ ہوتے مگر بات قسمت کی بھی تھی جو عبدالمعیز کے ساتھ جڑی ہوئی تھی۔

یونہی وقت گزرتا رہا' عبدالہادی بڑا ہوتا گیا ان کے اختلافات بڑھتے گئے۔ دونوں کو اس سے شدید محبت تھی اور دونوں ہی اس کے بغیر نہیں رہ سکتے تھے ان کے آپس کے رویوں کو کتنی ہی بار ان کی ساس نے بھی نوٹ کیا تھا وہ عبدالمعیز سے ملنے کم آتی تھیں اکثر عبدالمعیز ہی ان کی طرف جاتا رہتا تھا۔ مگر اس بار انہوں نے حوریہ کا کھنچاؤ اور ناراضگی کو نوٹ کیا اور اپنے طور پر عبدالمعیز کو سمجھایا۔

''جو غلطی تمہارے والد نے کی تھی وہ تم نہ کرو' اپنی غلطیوں سے سبق سیکھو بیٹے!''

''آپ کیا کہہ رہی ہیں ممی! میں سمجھا نہیں۔'' وہ انجان بن گیا۔

''میں تمہاری ماں ہوں' تم نہ بھی کہو تب بھی تمہارے دل کی بات کو سمجھ سکتی ہوں۔ مجھے حوریہ میں اپنا عکس نظر آرہا ہے میں بھی اس کی طرح تمہارے پاپا سے ناراض رہنے لگی تھی اس امید پر کہ وہ مجھے منالیں۔ میری خاطر بچوں کے لیے اپنے آپ کو بدل لیں مگر......'' وہ کہتے کہتے چپ ہوگئیں ان کی خالی اداس آنکھوں میں ویرانی سی تھی۔

''پھر وہ سب کچھ ہوگیا جو میں نہیں چاہتی تھی اور شاید تمہارے پاپا بھی مگر ہم ایک دوسرے کو منا نہ سکے۔ ایک دوسرے سے محبت رکھتے ہوئے بھی اپنے آپ کو بدل نہ سکے اور آج مجھے وہی سب کچھ تمہاری زندگی میں بھی نظر آرہا ہے' تم وہ غلطی مت دہرانا بیٹے! اولاد بہت قیمتی شے ہوتی ہے اس سے دوری انسان کو توڑ ڈالتی ہے۔ انسان بہت جلد مٹی ہوجاتا ہے۔'' وہ کہتے کہتے چپ ہوگئیں۔ یہ حقیقت تھی اولاد اور ان سے دوری کے چند سالوں بعد ہی ارسلان احمد بیماری میں اپنے خالق حقیقی سے جاملے تھے جس کا انہیں بہت دکھ تھا' آج بھی اس کا رنج ان کی آنکھیں بھگوتا تھا۔

''ممی! ایسا کچھ نہیں ہے عبدالہادی کے بعد حوریہ تھوڑی بدمزاج ہوگئی ہے شاید اس لیے کہ ذمہ داری بڑھ گئی ہے' آفس جاتی ہے وہاں سے آکر گھر اور بچے کو سنبھالتی ہے مگر ہم آج بھی ایک دوسرے سے بہت محبت کرتے ہیں' آپ میری فکر نہ کریں۔'' وہ انہیں تسلی دیتے ہوئے بولا تو وہ مسکرادیں۔

''عبدالہادی ابھی چھوٹا بھی بہت ہے تمہیں چاہیے تھا حوریہ کو جاب کے لیے منع کردیتے اس کی پرابلمز کو حل کرتے وہ یونہی بدمزاج نہیں ہوئی انسان کے رویوں میں منفی تبدیلی جب آتی ہے جب وہ بہت مایوس ہوجاتا ہے۔''

''میں اس کے ساتھ سب کچھ شیئر کرنا چاہتا ہوں مگر وہ لڑنے لگتی ہے' غصہ ہونے لگتی ہے۔ بھائی کے حوالے دیتی ہے کہ وہ ایک کامیاب انسان ہیں اور اپنی زندگی مجھ سے بہتر اور اچھے طور پر گزار رہے ہیں۔ اس کی انہی باتوں سے مجھے چڑ ہونے لگی ہے کیا محبت' جذبات' احساسات کچھ نہیں سب کچھ پیسہ ہی ہے۔ بڑا گھر' بہت سا بینک بیلنس ہی انسان کو خوش رکھ سکتا ہے۔'' وہ شکوہ کررہا تھا۔

''زندگی گزارنے کے لیے سب چیزوں کی ضرورت ہے اور جب انسان کی اولاد ہوجاتی ہے تو وہ اپنے بچے کے

لیے دنیا کی ہر آسائش حاصل کرنا چاہتا ہے۔ اسے ہر خوشی دینا چاہتا ہے' حوریہ اگر تمہارا موزانہ زبیر سے کرتی ہے تو تمہیں خود سوچنا چاہیے۔ زبیر تمہارا ہی بڑا بھائی ہے وہ اتنا کامیاب ہے تو کیوں؟ اس کے پاس سب کچھ ہے اور تمہارے پاس اپنا فلیٹ تک نہیں تو اس کی کیا وجہ ہے؟" وہ اس کی خامیاں اس کے آگے لا رہی تھیں۔

"زبیر بھائی کی ایجوکیشن مجھ سے زیادہ ہے پھر وہ ایک مستقل مزاج انسان ہیں اور مجھ سے کہیں بھی مستقل مزاجی سے جاب نہیں ہوتی۔" وہ اپنی کمزوریوں سے آگاہ تھا۔

"کیا تم حوریہ اور عبدالہادی کے لیے اپنی کمزوریوں کو دور نہیں کرسکتے' انسان اشرف المخلوقات ہے وہ اپنے آپ کو بدلنا چاہے اور اپنی کمزوریوں پر قابو پانا چاہے تو کیا نہیں کرسکتا۔ بیٹے زندگی کی خوشیاں اس کے رنگ بیوی اور بچوں سے ہی ہوتے ہیں۔ تم بھی اپنی خوشیوں کی حفاظت کرنا سیکھ لو ناراضگی اور لاتعلقی سے زندگی کے حسن کو غرق مت کرو۔" وہ نرمی سے اس کے بالوں پر ہاتھ پھیرتے ہوئے محبت سے بولیں تو وہ سر ہلانے لگا اور اس نے یہی سوچا تھا کہ وہ جو بلاوجہ جاب چھوڑ کر بیٹھ جاتا تھا' ایسی حرکت نہیں کرے گا' چھٹیاں بھی نہیں کرے گا۔ اس نے اپنے اندر تبدیلی لانے کی کوشش شروع کردی تھی مگر واہ ری قسمت اس بار وہ اسے دغا دے گئی تھی' ان کی فیکٹری میں ورکرز نکالے جا رہے تھے اور اس کا نام ابھی اس فہرست میں آ گیا تھا وہ یہ خبر سن کر چپ چاپ گھر چلا آیا۔

اس مہینے سے اسے جاب سے فارغ ہونے کا عندیہ دے دیا گیا تھا وہ یہ خبر کس طرح' کس منہ سے حوریہ کو سناتا۔ وہ کب سے عبدالہادی کی سالگرہ منانے کی ضد کررہی تھی' بچے کی پہلی سالگرہ بھی اسی طرح خاموشی کی نذر ہوگئی تھی۔ اس کی امی اور بھائی کی طرف سے گفٹ آگئے تھے اسی طرح حوریہ کے گھر والے بھی خاموشی کے ساتھ تحائف دے گئے تھے مگر اس بار حوریہ گھر میں تقریب رکھنا چاہ رہی تھی چھوٹی سی پارٹی ہوجاتی اور مل بیٹھنے کا سب کو موقع مل جاتا مگر اس وقت یہ آفت سر پر آن پڑی تھی وہ کس طرح اسے افسردہ چہرہ دکھاتا' کس طرح اسے یہ بُری خبر سناتا۔

آج سے پہلے اسے کبھی جاب کے جانے اور اس کے نہ ہونے کا قلق نہ ہوا تھا جتنا اس بار ہوا اس نے اپنے طور پر اپنے دوستوں اور بھائی سے کہا کہ وہ فوری طور پر اس کے لیے جاب ڈھونڈے اسے فوری ضرورت ہے۔ اس نے جاب سے فارغ ہونے کی بات حوریہ سے چھپالی تھی۔ بلاوجہ کی تلخی اور گھر میں بدمزگی وہ پسند نہیں کرتا تھا مگر بُرا ہو قسمت کا جو کہیں بھی اس کا ساتھ نہیں دے رہی تھی۔

حوریہ کے پاس بڑی بھابی کا فون آیا تو حوریہ نے باتوں کے دوران عبدالہادی کی سالگرہ کی بھی بات چھیڑ دی' بڑی بھابی اس بات سے بے خبر تھیں کہ حوریہ کو عبدالمعیز کی جاب چلے جانے کی خبر نہیں ہے انہوں نے تعجب سے یہی بات اس کے سامنے کہہ دی کہ "عبدالمعیز کی جاب چلی گئی ہے اور تم سالگرہ منانے کی بات کررہی ہو' اتنی رقم اس سلسلے میں اٹھ جائے گی۔ بہتر ہے یہ تقریب پھر رکھ لینا جب اسے جاب مل جائے ابھی رقم فضول ضائع نہ کرو۔"

"آپ سے کس نے کہا کہ عبدالمعیز کی جاب نہیں رہی۔" وہ کافی دیر کے بعد صدمے سے سنبھلتے ہوئے بولی تھی۔

"کون کہے گا بھلا پچھلے ہفتے عبدالمعیز اپنی فیکٹری سے یہیں آیا تھا اور اپنے بھائی سے جاب کی بات کرکے گیا ہے' ان شاء اللہ جلد ہی کوئی نہ کوئی جاب مل ہی جائے گی۔" وہ اسے تسلی دے رہی تھیں مگر اس کے دل پر تو مایوسی کی برف سی آن گری تھی جس نے اس کے تمام احساسات و جذبات کو سرد کرڈالا تھا۔ عبدالمعیز اپنے دوستوں کی طرف سے آیا تو اسے غیر معمولی طور پر خاموش پایا ورنہ وہ عبدالہادی سے باتیں کرتی ملتی تھی۔

"کیا بات ہے' بڑی خاموشی ہے؟" اس نے کچن میں کام کرتی حوریہ کو ٹوکا جو کپڑے سے سلیب خشک کررہی تھی۔

"مجھ سے بات مت کرو۔" وہ بگڑ گئی۔

"کیوں؟ تم سے بات نہیں کروں گا تو کیا محلے والوں سے بات کروں گا' ساڑھے چار سو لوگوں میں پرمیشن لی

ہے بات کرنے کی۔'' وہ ہنوز مذاق کے موڈ میں تھا۔
''تمہارے جاب ختم ہوگئی ہے تم نے سب کو بتایا سوائے میرے' کیوں؟'' وہ سرد مہری سے پوچھ رہی تھی' اس کے چہرے سے چھلکتی برہمی اور ناراضگی پر وہ ایک لمحے کو چپ سا ہوگیا پر اس کے ہاتھ تھامتے ہوئے نرمی سے بولا۔
''میں تمہیں پریشان نہیں کرنا چاہتا تھا' تم ٹینشن لیتی ہو غصہ ہوتی اور اپنا بی پی بڑھا لیتی ہو صرف اس لیے۔'' وہ کہتے کہتے رکا اور اس کا چہرہ دیکھا جہاں بے اعتباری و بے یقینی رقم تھی۔
''ہنہہ...... اگر میری ناراضگی اور خفگی کا تمہیں اتنا احساس ہوتو تم یوں جاب چھوڑ کر نہ بیٹھو مگر تمہیں تو عادت ہوگئی ہے مجھے ستانے کی' پریشان کرنے اور جلانے کی۔'' وہ تلخی سے اپنے ہاتھ چھڑاتے ہوئے پیچھے ہٹی اور بولی تھی۔
''یقین کرو اس بار ایسا کچھ نہیں ہے کمپنی کو نقصان ہو رہا تھا صرف اس وجہ سے ورکرز فارغ کیے گئے ہیں اور میرا نام بھی اسی فہرست میں شامل تھا۔'' وہ دکھ سے اسے دیکھتے ہوئے سمجھانے کی کوشش کرنے لگا۔
''بس رہنے دو یہ صفائیاں چھ سال ہو چکے ہیں سب دیکھتے ہوئے' برداشت کرتے ہوئے کہ شاید تم بدل جاؤ میرے لیے...... عبدالہادی کے لیے مگر تم وہ انسان ہو جسے صرف اپنی ذات سے محبت ہے اپنے آرام سے محبت ہے۔ میں ہی بے وقوف تم سے امیدیں وابستہ کر لیتی ہوں' پاگل ہوں میں۔'' وہ اب باقاعدہ زور زور سے کہتے ہوئے رو رہی تھی اور عبدالمعیز جانتا تھا اس لیے اسے یہ سب نہیں بتانا چاہتا تھا مگر نجانے کہاں سے اسے یہ خبر مل گئی تھی اور اب وہ اپنا غصہ اس پر نکال رہی تھی۔
''حوریہ اس طرح مت روؤ پلیز...... میں جاب ڈھونڈ رہا ہوں مل جائے گی ان شاءاللہ۔'' وہ اسے مناتے ہوئے عاجزی سے بولا۔
''مل جائے گی کتنے دن کے لیے...... کتنے ہفتوں اور مہینوں کے لیے۔ تمہیں تو عادت ہوگئی ہے ہر بار نئی جاب کرنے اور خواری اٹھانے کی اور اپنے ساتھ تم نے ہمیں بھی خوار کر رکھا ہے۔ میں بے زار آ چکی ہوں تمہاری عادتوں سے اس زندگی سے۔ سوائے پریشانی اور تنگی کے کیا دیا ہے تم نے مجھے ان چھ سالوں میں۔'' اس کی آنکھوں کے آنسو تیزی سے گالوں پر بہہ رہے تھے۔ چہرہ سرخ ہو رہا تھا عبدالہادی اس کی آواز اور رونے سے پریشان ہو کر رونے لگا تھا۔ عبدالمعیز نے اس کی برہمی دیکھی اور پھر عبدالہادی کو لے کر گھر سے باہر آ گیا۔ بچہ تو باہر آ کر بہل گیا تھا مگر اس کا دل حوریہ کی ناراضگی اور تلخی سے خراب ہو چکا تھا۔
''عجیب عورت ہے اپنا بھی دماغ خراب کرتی ہے اور میرا بھی۔'' وہ سگریٹ پھونکتا رہا اور سوچتا رہا۔ ''میرا حوصلہ بڑھانے کے بجائے کمزور کر رہی ہے میری غلطیوں کو گنوا رہی ہے۔ ٹھیک ہے میری غلطی تھی مگر اب...... اب تو میں اپنے آپ کو بدلنے کی کوشش کر رہا تھا۔'' وہ اداسی سے سوچتے ہوئے گھر کے راستوں پر چل دیا۔ حوریہ لائٹس آف کیے بیڈ پر لیٹی تھی' عبدالہادی اس عرصے میں باہر ہی سو چکا تھا۔ اسے بیڈ پر لٹا کر وہ خاموشی سے اپنی جگہ پر آ لیٹا۔ ان چھ سالوں میں پہلی بار ایسا ہوا تھا کہ وہ ناراض ہو کر سو رہے تھے' ایک دوسرے سے خفا خفا سے تھے ورنہ کتنی ہی بار ان کا آپس میں جھگڑا ہوتا تھا کبھی عبدالمعیز اسے منا لیتا تھا اور کبھی حوریہ بڑھ کر پہل کر لیتی تھی۔
مگر اس بار دلوں میں دوریاں آ چکی تھیں اور یہ وہ دوریاں تھیں جنہوں نے بڑھتے بڑھتے دلوں میں خاصی جگہ بنالی تھی' ان کے دلوں کو تنگ کر ڈالا تھا۔ دوسرے روز عبدالمعیز نے ہی بڑھ کر اسے منا لینا چاہا مگر وہ خاموش' چپ رہی اس کی گمبھیر خاموشی سے گھبرا کر وہ بھی چپ ہوگیا۔ اسے آفس چھوڑ تا وہ پھر جاب کی تلاش میں نکل گیا' اسے جاب کی ضرورت تھی اور اسے معلوم تھا جاب مل جانے کے بعد صورتحال ٹھیک ہو جائے گی۔ حوریہ مان جائے گی سب ٹھیک ہو جائے گا مگر حالات اس کے برعکس جا رہے تھے۔ ہر جگہ سے مایوسی اور انکار سننے کو مل رہا تھا۔
وہ شام گئے گھر آیا تو خبر ہوئی حوریہ اپنے گھر جا چکی تھی اس نے اپنے طور پر یہی سوچا اچھا ہے کچھ دن وہاں رہے

گی تو اس کا دماغ بھی ٹھنڈا ہو جائے گا مگر...... یہ اس کی بھول تھی وہ چلتے چلتے اس سے بہت دور نکل آئی تھی اتنی دور کہ اب اس کی صدا پر بھی لوٹنا نہیں چاہتی تھی۔ اس کے انکار اور سرد رویے کے باوجود وہ اس کے اور عبدالہادی کے لیے وہاں جاتا رہا۔

ہفتہ...... دو ہفتے بعد وہ اسے منانا چاہتا تھا کہ شاید وہ مان جائے اس کا پتھر دل پگھل جائے کوئی تو لمحہ ایسا ہو کہ وہ مان جائے۔ اس بھروسے اور امید پر وہ آج بھی گیا تھا مگر اس نے آنے سے انکار کر دیا تھا وہ اس سے علیحدگی چاہتی تھی۔ یہ سب اس کے لیے کتنا آسان تھا مگر وہ کس طرح اپنی موت کے کاغذ پر دستخط کر دیتا۔ عبدالہادی اور اس سے جدائی اس کی موت ہی تھی وہ کس طرح اس کی غلط فہمی اور بدگمانی کو دور کرتا۔ کیسے بتایا کہ اب وہ بدل گیا ہے پہلے والا عبدالمعیز نہیں رہا' ان ڈیڑھ ماہ کی دوری نے اسے اندر سے بدل دیا تھا' اس نے اپنی بے پروائی اور غیر ذمہ دارانہ روش کو ختم کر دیا تھا۔

مگر وہ یہ سب سننا نہیں چاہتی تھی اس کے لفظوں پر یقین نہیں کرتی تھی اس کی آنکھوں میں رچی بے اعتباری کتنی گہری تھی ان حسین آنکھوں میں محبت کا عکس تک نہ تھا۔ اس کے بغیر دل اداس تھا اس سے مل کر وہ اور غمگین ہو گیا تھا' گھر لوٹا تو وہی ویرانی اور خاموشی گھر کا احاطہ کیے ہوئے تھی وہ تھکے تھکے قدموں سے بیڈ روم میں آ گیا' سائیڈ میز پر اس کی اور حوریہ کی شادی کی فوٹو فریم تصویر رکھی تھی۔ کتنے خوب صورت اور حسین دن تھے جو خاموشی اور چپکے سے ان کی زندگی سے گزر گئے تھے۔ اس تصویر میں دونوں ہی مسکراتے بے انتہا اچھا لگ رہے تھے وہ ان کے خوب صورت دنوں کی ایک یادگار تھی۔

''کیا میں تمہیں یاد نہیں آتا حور! مگر تم تو مجھے بے پناہ یاد آتی ہو' کوئی بھی پل تمہارے تصور سے خالی نہیں ہوتا لوٹ آؤ حور......!'' اس نے تصویر پر پیار سے ہاتھ پھیرتے ہوئے دلگیری سے کہا تھا۔

❀......❀......❀

''تم نے کیا سوچ رکھا ہے بیٹا! عبدالمعیز آج بھی تمہیں لینے آیا تھا اور تم......'' وہ تاسف سے اسے دیکھتے ہوئے چپ ہو گئیں۔

''میں اب اس کے ساتھ نہیں رہ سکتی اور یہ بات میں نے واضح طور پر آپ سے تب ہی کہہ دی تھی جب ڈیڑھ ماہ پہلے گھر آئی تھی مگر شاید آپ یہ سوچے بیٹھی تھیں کہ وقتی غصہ ہے' ابال ہے جلدی اتر جائے گا مگر یہ جذباتی فیصلہ نہیں ہے میں نے بہت سوچ سمجھ کر دکھ کے ساتھ یہ فیصلہ کیا ہے میں اب عبدالمعیز کے ساتھ نہیں رہ سکتی۔ اس کی غیر ذمہ دار فطرت بے پروائیاں مجھ سے اب مزید برداشت نہیں ہوتیں ایک مرد کو کم از کم اتنا تو ذمہ دار اور سمجھ دار ہونا چاہیے کہ اپنی ڈیوٹی سمجھ کے جس ذمہ داری کو اٹھانے کا اس نے عہد لیا ہے اسے سنبھال سکے' نبھا سکے۔ آج عبدالہادی چھوٹا ہے کل بڑا ہوگا' ضرورتیں بھی بڑھیں گی اور مسائل بھی۔ عبدالمعیز نہ آج بدلا ہے اور نہ ہی کل اس کے بدلنے کی مجھے امید ہے' میں اتنا کما لیتی ہوں کہ اپنا اور بیٹے کا بوجھ اٹھا سکوں پھر خوامخواہ کا جھگڑا...... اس لیے میں نے آج عبدالمعیز کو واضح طور پر بتا دیا ہے میں اس کے ساتھ نہیں رہنا چاہتی۔ وہ پتھر بنی اپنا فیصلہ سنا رہی تھی صابرہ بیگم ہک دک بیٹھی افسوس سے اس کی صورت دیکھ رہی تھیں۔

''وہ جاب چھوڑ دیتا ہے تو کر بھی تو لیتا ہے اس میں اتنا بگڑنے کی کیا ضرورت ہے۔ مرد عموماً ایسے ہی ہوتے ہیں ان کے اپنے مزاج ہوتے ہیں اس کا یہ مطلب تھوڑی ہے کہ انسان اپنی ازدواجی زندگی ختم کر دے' تمہیں اپنی خالہ کی طرف دیکھنا چاہیے کس طرح اپنے بچوں کو سمیٹ کر ایسے شخص کے ساتھ زندگی گزار رہی ہیں جس نے زندگی میں کبھی کما کر ایک پائی اس کے ہاتھ پر نہیں رکھی جب تک ساس' سسر زندہ تھے وہ اسے سپورٹ کرتے رہے اب گھر بیٹھے سلائی کرتی ہے' بچوں کو پڑھاتی ہے' عزت کے ساتھ اس شوہر سے بندھی ہے جسے اس کی قدر تک نہیں۔''

''یہاں اس مثال کی کیا ضرورت ہے امی؟'' حوریہ جزبز ہوئی۔

’’ضرورت ہے‘ عورتیں ایسی بھی ہوتی ہیں صابر‘ قناعت پسند‘ شکر گزار جو کچھ نہ ہوتے ہوئے بھی کبھی اُف نہیں کرتیں‘ شکوہ نہیں کرتیں نہ شوہر سے نہ زندگی سے اور نہ ہی قسمت سے۔ تمہیں اپنا اور اس کا موازنہ کرنا چاہیے تم اس سے لاکھوں میں بہتر ہو۔ عبدالمعیز نے کبھی تم پر اکیلے کوئی لوڈ نہیں ڈالا کہ صرف تم کماؤ اور وہ بیٹھ کر کھائے۔ جاب کرنا تمہاری خواہش اور پسند تھی اس نے تمہیں نہیں ٹوکا‘ اب تمہیں وہی جاب آزار لگنے لگی ہے۔ اولاد کو صرف ماں کی ضرورت نہیں ہوتی باپ کے پیار اور توجہ کی بھی اتنی ہی ضرورت اور طلب ہوتی ہے۔ تم عبدالہادی کو اپنے طور پر سب دے سکتی ہو مگر باپ کی شفقت اور محبت نہیں دے سکتیں۔ اسے گرم و سرد ماحول اور لوگوں سے نہیں بچا سکتیں‘ ایک باپ ہی بیٹے کو صحیح ماحول فراہم کرتا ہے۔ وہی ہر جگہ اس کا رکھوالا اور رہنمائی کرنے والا ہوتا ہے‘ ماں تو گھر بیٹھ کر اس کا انتظار اور اس سے پیار کرسکتی ہے اس کو کیا معلوم وہ گھر سے باہر کن لوگوں میں اور کس قسم کے ماحول کا حصہ بن رہا ہے۔ آج عبدالہادی چھوٹا ہے کل بڑا ہوگا اپنے آج کی نہیں کل کی فکر کرو۔ اس سے باپ نما دوست مت چھینو‘ کل وہ اس کا تمہیں ذمہ دار ٹھہرائے گا یہ کمی اس کی زندگی کی سب سے بڑی کمی ہوگی۔‘‘ وہ نرمی سے اسے سمجھا رہی تھیں‘ زندگی کا ایک رخ یہ بھی تو تھا جو وہ اسے دکھا رہی تھیں جس سے وہ آنکھیں بند کیے بیٹھی تھی۔

’’میں کیا کروں امی! میں کب چاہتی ہوں یہ سب ہو مگر میری برداشت ختم ہوتی جارہی ہے۔ چھ سال ہوچکے ہیں انسان کہیں تو کسی کے لیے تو بدلتا ہے مگر یہ شخص...... یہ بالکل اپنے والد کی طرح ہے‘ وہ بھی ایسے ہی تھے بیوی بچوں سے دوری منظور کرلی مگر ان کی خاطر بدلنا منظور نہیں کیا وہ بھی ان کی ذمہ داری سے بھاگتے تھے اور یہ شخص بھی ایسا ہی ہے۔‘‘ وہ آزردگی سے کہتے ہوئے آنسو پینے لگی۔

’’تم یہ کیوں نہیں سوچتیں کم میں ہی سہی گزارا تو ہر حال میں ہو ہی رہا ہے پھر کل کی فکر سوار کرنے کا فائدہ‘ جس نے پیدا کیا ہے وہ رازق ہے ہم کیا کسی کو دے سکتے ہیں۔ عبدالہادی بڑا ہوگا تو اس کے اسکول کے اخراجات سب وہی کروائے گا محض ذرا ذرا سی باتوں کو ایشو بنا کر اپنی زندگی گرداب حوالے مت کرو ابھی وہ آرہا ہے کل اگر وہ نہیں آیا اور تم نے جانا چاہا سوچو تب کیا ہوگا؟ کیا تم اس مان اور عزت کے ساتھ واپس لوٹ سکوں گی جو آج تمہیں مل رہی ہے۔‘‘ وہ اسے روشنی دکھا رہی تھیں۔

’’امی...... میں بہت تھک گئی ہوں‘ میں کچھ وقت چاہتی ہوں سوچنے اور سمجھنے کے لیے۔‘‘ وہ دونوں ہاتھوں میں سر تھامتے ہوئے تھکے لہجے میں بولی تو وہ مسکرادیں۔ پتھر میں ضرب پڑچکی تھی انہیں معلوم تھا ان کی باتوں نے اس کے اندر رستہ بنالیا تھا وہ اس کے سر پر ہاتھ پھیرتیں کمرے سے باہر آگئیں۔ شام میں بڑے بھائی اس سے پوچھ رہے تھے۔

’’پھر کیا ارادے ہیں تمہارے؟‘‘ وہ کیس فائل کرنے سے متعلق پوچھ رہے تھے۔

’’میں کچھ وقت چاہتی ہوں بھائی۔‘‘ وہ تذبذب کا شکار تھی پہلے وہ ہر فیصلہ کرنے کے لیے تیار تھی مگر صابرہ بیگم کی باتوں نے اسے الجھا دیا تھا۔ آنے والے وقت سے سہما دیا تھا نجانے مستقبل کیا ہو؟ وہ کبھی عبدالہادی کے سلسلے میں مایوسی کا شکار نہیں ہونا چاہتی تھی اور نہ ہی یہ چاہتی تھی کہ عبدالہادی بڑا ہوکر اسے الزام دیتا پھرے اس سے نفرت کرے۔

’’اگر تم عبدالمعیز سے فیصلہ چاہتی ہو تو میں تمہیں روکوں گا نہیں‘ مگر یہ سوچ لینا میں تمہیں یونہی تنہا زندگی نہیں گزارنے دوں گا۔ کل وقت نجانے کیسا ہو عورت کے لیے مرد کا سائبان ضروری ہوتا ہے۔‘‘ وہ بند لفظوں میں اسے دوسری شادی کی خبر سنا رہے تھے اس کا دل دھک سے رہ گیا اس طرف تو اس نے کبھی سوچا ہی نہیں تھا اور کس طرح سوچ سکتی تھی وہ تو عبدالمعیز کے علاوہ کسی کے بارے میں کبھی نہیں سوچ سکتی تھی۔ عبدالمعیز اس کی زندگی کا اس کی سانسوں کا امین تھا۔ وہ اتنے اختلافات کے باوجود اس سے ازحد محبت کرتی تھی اب بھی اس کے لیے دل میں نرم

گوشہ پاتی تھی وہ کیونکر ایسا کرسکتی تھی۔

''مگر بھائی...... میں ایسا نہیں چاہتی میں عبدالمعیز سے فیصلے کے بعد عبدالہادی کے سہارے اپنی زندگی کاٹ لوں گا میرا بچہ میرا سائبان ہوگا۔''

''میں تمہیں اس حماقت کی اجازت نہیں دوں گا ابھی تمہارے بڑے بیٹھے ہیں تمہارا فیصلہ کرنے کے لیے کل نجانے کون کہاں ہو؟ بہنیں اپنے گھروں کی ہی اچھی لگتی ہیں اور پھر یہ کوئی انوکھا کام نہیں ہوگا کتنی عورتیں ایسی ہوتی ہیں جو مجبوری میں بچوں کی خاطر اور کبھی محض تحفظ کے لیے شادی کرتی ہیں ہمارا مذہب اس کی اجازت دیتا ہے۔'' وہ اپنا حکم سنا رہے تھے حوریہ بے بسی محسوس کرنے لگی۔

شروع سے گھر میں بڑے بھائی کا حکم چلتا آیا تھا والد کے انتقال کے بعد انہوں نے ہی سب کو سنبھالا تھا اور بڑا ابن کر دکھایا تھا اس لیے ان کی بات حکم کا درجہ رکھتی تھی۔ وہ ان کے کسی بھی فیصلے سے اختلاف نہیں کرسکتی تھی۔ زندگی ایسے موڑ پر لے آئی تھی جہاں نہ آگے رستہ دکھائی دے رہا تھا اور نہ ہی پیچھے وہ عبدالمعیز کی طرف بڑھتی تھی تو پھر وہی اختلافات وہی اس کی بے پروائیاں زندگی کی اس تنگی و پریشانی سے وہ تنگ آچکی تھی بےزار ہوگئی تھی ایسی زندگی سے بہتر یہ ہی تھا کہ وہ تنہا رہ لے مگر یہاں بھی اس کی مرضی نہیں چلنی تھی۔ بھائی کچھ اور ہی سوچے بیٹھے تھے اور ان کی سوچ پر وہ عمل نہیں کرسکتی تھی یہ ناممکن تھا اس کی زندگی میں عبدالمعیز کے بعد کوئی اور نہیں آسکتا تھا کوئی اور عبدالمعیز نہیں ہوسکتا تھا۔ عبدالمعیز کا حوالہ دل کو دکھ دیتا تھا وہ جتنا یہ سب بھولنا چاہتی تھی کوئی نہ کوئی بات ایسی ہوجایا کرتی تھی کہ اسے نئے سرے سے اپنی زندگی اپنے فیصلے پر دکھ ہوتا تھا۔

''میں تم پر کوئی جبر نہیں کرنا چاہتا اور نہ ہی زبردستی اپنے فیصلے تم پر تھوپنا چاہتا ہوں تمہاری خوشی میں ہی ہماری خوشی ہے اگر ایک فیصلہ غلط ہوجائے تو اس کا یہ مطلب ہرگز نہیں ہے کہ زندگی کی گاڑی رک گئی اور باقی فیصلے بھی غلط ہوں گے تمہارے آگے پوری زندگی پڑی ہے۔ آج عبدالہادی چھوٹا ہے کل بڑا ہوگا تمہیں اپنے ساتھ اس کا بھی سوچنا چاہیے۔'' وہ اس کی چپ سے اس کے دلی تاثرات کا اندازہ کرگئے تھے۔

''جی بھائی!'' وہ بمشکل یہی کہہ سکی اور کارپٹ پر کھیلتے عبدالہادی کو دیکھنے لگی جو اپنے کھلونوں میں لگا ہوا تھا۔ وہ حوریہ کے ساتھ عبدالمعیز سے بھی اٹیچ تھا اور یہاں (امی کے گھر) آنے کے بعد کتنی ہی بار وہ روز اپنے پاپا کے سلسلے میں اس سے سوال کرتا تھا۔

''پاپا کہاں ہیں...... ہم یہاں کیوں رہ رہے ہیں اور ہم گھر کب جائیں گے......؟'' اس قسم کے سوالات کرنے کی جیسے اسے عادت سی ہوگئی تھی۔ اس وقت بھی وہ کھیلتے ہوئے اٹھا اور حوریہ کے پاس آن کھڑا ہوا۔

''مما...... پاپا ہم سے ملنے کیوں نہیں آتے۔''

''وہ کل آئے تھے بیٹا! آپ سو رہے تھے۔'' اس نے ضبط پر بند باندھتے ہوئے نرمی سے اس کے بال سنوارتے ہوئے کہا۔

''آپ مجھے اٹھا دیتیں؟'' وہ معصومیت سے بولا تو وہ مسکرا دی۔

''اب آئیں گے تو اٹھا دوں گی۔'' اس نے کہتے ہوئے بڑے بھائی کی طرف دیکھا جو اس کی باتیں سن رہے تھے ان کے چہرے پر تفکرات پھیلے ہوئے تھے وہ یقیناً اس کے اور عبدالمعیز کے مسئلے پر سوچ رہے تھے اس نے دانستہ ان کی جانب سے نظر چرائی تھی۔

❀......❀......❀

''دو ماہ ہوچکے ہیں حوریہ کو اپنے گھر گئے اور تم مجھے آج بتا رہے ہو؟'' فائزہ بیگم حیران و پریشان عبدالمعیز سے سوال کر رہی تھیں۔

''ممی! میں آپ کو پریشان نہیں کرنا چاہتا تھا میں اپنے اختلافات خود ہی نمٹانا چاہتا تھا۔ مجھے کیا معلوم تھا کہ بات اس قدر بڑھ جائے گی۔'' وہ پریشانی سے گویا ہوا۔

''میں نے تمہیں پہلے ہی سمجھایا تھا بیٹا اپنے آپ کو بدلنے کی کوشش کرو اپنے بیوی بچے کے لیے۔ کیا تم نے ہماری کہانی سے کوئی سبق نہیں سیکھا۔'' وہ اداسی سے اسے

ٹوک رہی تھیں۔
''بظاہر تو سب ٹھیک تھا ممی! اس بار حوریہ زیادہ ناراض ہوگئی۔'' وہ اپنی غلطی مان رہا تھا۔
''کچھ بھی ٹھیک نہیں تھا اس کا کھنچاؤ اور تلخ رویہ مجھے نظر آرہا تھا اور تم آنکھیں بند کیے حالات سے نظریں چرائے بیٹھے تھے اب سوچا ہے کیا کرنا ہے؟'' وہ اس سے پوچھنے لگیں جو ازحد فکر مند اور پریشان دکھائی دے رہا تھا۔ نجانے کب سے اس نے اپنے کپڑے نہیں بدلے تھے میلے اور سلوٹ زدہ کپڑوں میں ان کی یہ حالت اس کا دل تڑپا گئی تھی۔
''تم کہو تو میں جاؤں اس کے گھر اس سے ملنے۔''
''ممی! کچھ بھی کریں اسے واپس لے آئیں، میں اپنے آپ کو بدل لوں گا میں ان کے بغیر نہیں رہ سکتا۔ وہ یہ سب نہیں سمجھتی وہ میرے لفظوں پر یقین نہیں کرتی اسے سب جھوٹ لگتا ہے پلیز ممی! کسی طرح...... کسی بھی طرح مجھے اس منجدھار سے نکال لیں۔'' وہ بچوں کی طرح ان کی گود میں منہ چھپائے ہوئے اداسی سے بولا تو ان کی آنکھوں میں آنسو آگئے۔
کبھی وہ بھی حوریہ کی طرح پتھر دل ہوگئی تھیں ارسلان احمد کے بار بار بلانے پر بھی واپس نہیں گئی تھیں پھر انہوں نے خاموشی اختیار کرلی تھی اور وہ اپنے من میں یہی سمجھیں شاید اب ان کے دل میں ان کے لیے کوئی جگہ نہیں ہے یا بچوں کی ضرورت نہیں ہے کل جو غلطی انہوں نے کی تھی وہ آج حوریہ دہرانے جارہی تھی اور ان سے عبدالمعیز کا بکھرنا برداشت نہیں ہورہا تھا۔
''ممی! اسے کسی طرح واپس بلالیں وہ بہت ضدی ہے میرے کہنے سے نہیں آئے گی۔ ہوسکتا ہے آپ کی بات مان لے۔'' عبدالمعیز امید بھری نظروں سے انہیں دیکھتے ہوئے بولا تبھی صائمہ بھابی بھی چائے لیے اندر کمرے میں آگئیں وہ ٹرے رکھتے ہوئے بولیں۔
''حوریہ دل کی بہت اچھی ہے اور کچھ غلطی تو بہرحال تمہاری بھی ہے۔ مرد تو گھر سے باہر رہتا ہے عورت کو ہی گھر چلانا اور مہینے کے اخراجات سنبھالنے ہوتے ہیں۔ مرد سے زیادہ عورت اس معاملے میں پریشان ہوتی ہے یہ اچھی بات ہے کہ تم اپنی غلطیوں اور کمزوریوں کو دور کرنا چاہتے ہو اور کررہے ہو۔ رہ گئی ممی کے وہاں جانے کی بات تو میرا نہیں خیال کہ ایسا ہونا چاہیے بڑوں کی ضرورت وہاں ہوتی ہے جہاں اللہ نہ کرے آخری حد ہو۔ تم حوریہ کے پاس جاتے رہو عورت کا دل اتنا سخت نہیں ہوتا کہ وہ بار بار کی دستک کو نظر انداز کردے۔'' وہ اسے مشورہ دے رہی تھیں۔
''بھابی وہ بہت ناراض ہے ان دو ماہ میں کتنی ہی بار میں اسے منانے گیا ہوں گھر پر بھی اور آفس میں بھی، وہ ضد پکڑے بیٹھی ہے واپس نہیں آنا چاہتی۔''
''عورت کا غصہ وقتی ہوتا ہے صابن کے جھاگ کی طرح، تم جارہے ہو اس لیے وہ ضد دکھارہی ہے۔ کچھ ہفتوں کے لیے اسے اس کے حال پر چھوڑ دو نہ فون کرو اور نہ ہی ملنے جاؤ، پھر دیکھو۔'' وہ مسکرارہی تھیں۔
''اس سے تو وہ اور خفا ہوجائے گی۔'' عبدالمعیز کو یہ مشورہ مناسب نہیں لگا۔
''نہیں ہوگی، ایک عورت ہی دوسری عورت کے جذبات بہتر طور پر سمجھ سکتی ہے۔ تم نہیں جاؤ گے تو اسے بے چینی اور اضطراب گھیر لے گا زندگی میں کسی کے نہ ہونے کا شدت سے احساس ہوگا وہ صحیح فیصلہ کرسکے گی۔'' فائزہ بیگم نے اس کے شانے پر ہاتھ رکھتے تسلی دیتے ہوئے کہا تو اس کے چہرے پر بھی مسکراہٹ آگئی۔
''میرے کام کیا بنا دو ماہ ہوچکے ہیں میں اب خود بھی اس بے کاری سے تنگ آچکا ہوں؟'' عبدالمعیز نے صائمہ بھابی سے پوچھا۔
''وہ ہوگیا ہے یہ خوش خبری دینا تو یاد ہی نہیں رہی۔'' وہ مسکراتی اٹھیں اور اندر سے ایک سنہری کارڈ لاکر عبدالمعیز کو تھمادیا۔ ''اس ایڈریس پر چلے جانا سبحان رضوی ملیں گے وہ تمہیں جاب پر رکھ لیں گے۔''
''اوہ بھابی کتنا بڑا مسئلہ آپ نے حل کردیا ہے، ایک

بھاری بوجھ ذہن سے ہلکا ہوگیا۔" وہ شکر ادا کررہا تھا۔
"میں نے کہاں کیا' یہ سب کرنے والے تمہارے بھائی ہیں اور وہ کہہ رہے تھے کہ اس کمپنی میں اچھی پروگریس پر ورکرز کو بیرون ملک بھی بھیجا جاتا ہے اور سیلری کے ساتھ دیگر مراعات بھی ملتی ہیں۔" وہ اسے نئے خواب دکھارہی تھیں بیرون ملک جانے کا اس کا بڑا خواب تھا اور اب اس کمپنی کی استطاعت سے وہ پورا ہوسکتا تھا۔ وہ اپنے ساتھ حوریہ کے بھی سارے خواب پورے کرسکتا تھا' اس کے سارے گلے شکوے دور ہوجائیں گے؟
"کیا کھلی آنکھوں سے خواب دیکھ رہے ہو؟" بھابی شرارت سے مسکراتے ہوئے بولیں تو وہ ہنس دیا۔
"آپ نے خبر ہی ایسی سنائی ہے' دل چاہ رہا ہے کہ جھوم لوں۔" وہ چائے کا کپ ہونٹوں سے لگاتے ہوئے کہہ رہا تھا' جس قدر وہ پریشان اور فکر مند یہاں آیا تھا ساری فکریں' خدشات' وسوسے دور جا سوئے تھے۔ وحید' نوید اور کائنات ٹیوشن پڑھ کر آئے تو اسے دیکھ خوش ہواٹھے۔
"چاچو آئے ہیں..... عبدالہادی بھی آیا ہوگا پھر تو پارک چلیں گے۔" وہ اپنے تئیں پروگرام ڈیسائیڈ کررہے تھے۔
"عبدالہادی گھر پر ہے..... وہ نہیں ہے تو کیا ہوا پھر بھی پارک چلیں گے' جہاں تم لوگ کہوگے۔" عبدالمعیز کی ساری تھکن انہیں دیکھ کر جاتی رہی تھی' وہ بچے اس سے ایسی ہی محبت کرتے تھے۔
"آپ عبدالہادی کو کیوں نہیں لائے..... کتنے دن ہوچکے ہیں چچی بھی نہیں آئیں۔" سات سالہ کائنات شکوے کررہی تھی۔
"جلد ہی انہیں بھی لے کر آؤں گا' ابھی تم لوگ تیار ہوجاؤ پھر پارک چلتے ہیں۔" اس نے انہیں بہلایا تھا۔
"عبدالمعیز رات کھانا یہیں کھانا' تمہارے بھائی کو کوئی ضروری بات کرنی ہے۔" صائمہ بھابی نے عبدالمعیز سے کہا۔

"ٹھیک ہے میں بچوں کے ساتھ شام تک ہی آؤں گا' چلو ساحل سمندر چلتے ہیں۔" وہ بچوں سے کہہ رہا تھا۔ فائزہ بیگم کا دل اسے یوں بات کرتے دیکھ کر ہلکا پھلکا ہوگیا ورنہ جب وہ یہاں آیا تھا چپ چاپ اور اداس تھا۔ اس کی پریشانی چہرے سے ہویدا تھی' جاب کی خوشی نے اسے وقتی طور پر بہلا دیا تھا مگر حوریہ کے سلسلے میں وہ ہنوز فکر مند تھیں۔ نجانے وہ وہاں کیا سوچے بیٹھی تھی۔
عورت کی ساری کائنات اس کا گھر' اس کا شوہر ہی ہوا کرتا ہے اور اگر خدانخواستہ یہ کائنات عورت سے چھن جائے تو وہ تمام عمر کے لیے منجدھار میں جا گرتی ہے۔ وہ بھی ارسلان احمد سے جدائی کے بعد بہت بکھر گئی تھیں کس طرح انہوں نے اپنے دونوں بیٹوں کو پالا تھا ان کی والدہ حیات نہیں تھیں ان کے والد نے انہیں پورا پورا سپورٹ کیا تھا اگر ایسا نہیں ہوتا تو آج نجانے ان کے بچے اور وہ خود کہاں کھڑی ہوتیں۔
وہ جلد از جلد اس مسئلے کو حل کرنا چاہتی تھیں اس کے لیے چاہے انہیں صابرہ بیگم سے ہی کیوں نہ بات کرنا پڑتی' انہیں گوارا تھا وہ اس مسئلے کا فوری حل چاہتی تھیں اور یہ بھی کہ ان کے کیا ارادے تھے؟ حوریہ کی اس حماقت میں کون کون اس کے ساتھ شامل تھا' اس کا بھی اندازہ ہوجاتا۔

❁......❁......❁

"تمہیں کام نہیں کرنا تو سیدھی طرح بتادو میں کسی اور کو رکھ لوں گی' جب دیکھو چھٹیاں کرکے بیٹھ جاتی ہو۔ کبھی تمہارا بچہ بیمار ہوتا ہے کبھی تم..... کبھی کوئی اور..... تنگ آچکی ہوں میں تمہاری ان ڈرامے بازیوں سے۔" زرینہ بھابی چڑے انداز میں خیراں (ملازمہ) کی خبر لے رہی تھیں جو دو دن بعد آ کر شکل دکھا رہی تھی۔
"بی بی جی آپ کو کیا معلوم دو دن بخار میں جلتی رہی ہوں' بچوں کی بھوک برداشت سے باہر ہوئی تو کس طرح وجود کو سمیٹ کر آئی ہوں۔ یہ میرا ہی دل جانتا ہے مجھے ابھی بھی بہت سخت بخار ہے۔" گہرے سانولے چہرے پر بے بسی اور ترحم رقم تھا' چہرے سے ہی معلوم ہوتا تھا اس

کی طبیعت خراب ہے ڈائننگ ٹیبل کے قریب اخبار پڑھتی حوریہ نے ایک نظر اس پر ڈالی تھی آج چھٹی کا دن تھا اور آفس آف ہونے کے باعث وہ گھر پر تھی۔

''بخار تھا تو زحمت کرنے کی کیا ضرورت تھی مت آتیں اب تم سے کام بھلا کیا ہوگا۔ مفت میں پیسے اور کھانا لے جاؤ گی۔'' بھابی نے ناگواری سے اسے ٹوکا۔

''نا بی بی! مفت میں کھانے کی عادت ہوتی تو کام کرنے کی کیا ضرورت تھی' شہر میں بھیک دینے والے ہزاروں ہیں آپ فکر نہ کریں میں ہمت کرکے آگئی ہوں تو تمام کام کرکے ہی جاؤں گی۔'' وہ عاجزی سے بولی اس کے سانولے چہرے پر بڑا حوصلہ اور برداشت نظر آرہی تھی۔ حوریہ کو اس عورت سے ہمدردی محسوس ہونے لگی' بھابی کی تیکھی باتیں اسے بھی اچھی نہیں لگ رہی تھیں مگر ان کے معاملہ میں بولنا بے عزتی کروانے کے مترادف تھا۔

وہ مقابل کو شرمندہ کیے بغیر نہیں رہتی تھیں اور جب سے حوریہ میکے سے آکر ٹھہری تھی تب سے ہی وہ کچھ زیادہ تلخ مزاج اور غصہ ور ہوتی جارہی تھیں۔ بات بے بات ایسے جملے کہہ جانا جو مقابل کو تکلیف دیں' شرمندہ کریں' بولنے سے باز نہیں آتی تھیں۔ بڑے بھائی فراز کی نسبت چھوٹے بھائی نواز اپنی بیگم سے دبتے بھی تھے اس لیے وہ ہروقت لڑائی کے وقت میں دکھائی دیتی تھیں۔ زرینہ بھابی بھی خیراں کو کام سمجھا کر کچن سے نکلیں تو وہ خاموشی سے اس کا جائزہ لینے لگی۔ بخار کے باوجود سب سے پہلے اس نے صفائی مکمل کی پھر کچن کا کام نمٹانے لگی اس کے دبلے پتلے وجود میں ایسی طاقت بھری تھی کہ طبیعت کی خرابی کے باوجود جلد ہی اس نے اپنا کام ختم کرڈالا تھا۔

''بات سنو خیراں! کیا تمہارے گھر میں کوئی مرد نہیں ہے؟'' اس نے سرسری سا پوچھ لیا تھا۔

''ہا..... بی بی مرد تو ہے پر نام کا ہے' کام وام نہیں کرتا سارا دن نشہ کرتا رہتا ہے۔'' وہ تھکے تھکے لہجے میں کہہ رہی تھی۔

''تم ایسے شخص کو چھوڑ کیوں نہیں دیتیں' کیا فائدہ جب سب رائض تم نے پورے کرنے ہیں۔'' وہ اسے مشورہ دے رہی تھی۔

''نا بی بی! میں تو ایسا سوچ بھی نہیں سکتی' میری چار بیٹیاں ہیں' مرد کا سایہ سر پر نہ ہو تو دنیا دشمن ہوجاتی ہے عورت کی' بھلے سے نشہ کرتا ہے مگر رہتا تو گھر پر ہے اپنی بیٹیوں کے پاس' یہاں آنے کے بعد مجھے پیچھے فکر نہیں ہوتی ان کی۔'' وہ حیران ہوکر بولی تھی۔

''پھر بھی...... کام تو سارے تمہیں کرنے پڑتے ہیں اگر تمہارا مرد کچھ کرتا تو آج تمہیں یوں خواری نہ اٹھانی پڑتی۔'' وہ اس کے انکار پر بددل ہوکر بولی۔

''خواری کیسی...... مرد کمائے یا عورت کرتے تو دونوں بچوں کے لیے ہیں اور اولاد تو دونوں کی ہوتی ہے تو ذمہ داری بھی دونوں کی ہی ہوئی ناں۔'' وہ جاہل اجڈ عورت اسے عقل دے رہی تھی۔

''کتنے سال ہوگئے نشہ کرتے ہوئے؟'' اس نے ہمدردی سے پوچھا۔

''دو سال ہوگئے جی' پہلے مستری کا کام کیا کرتا تھا' انہی لوگوں میں بیٹھنے سے نشے کی لت لگ گئی۔ نشے میں ہوتا ہے تو مجھ سے اور بیٹیوں سے غافل ہوتا ہے' نشہ اترتے ہی معافی تلافی کرنے لگتا ہے۔ اپنی زندگی پر افسوس کرتا ہے' کوستا ہے کہ وہ مرجائے مگر مجھے تو اس کی زندگی عزیز ہے ایسے ہی جیتا رہے کم از کم نظروں کے سامنے تو ہے' دل بھرا ہے خالی نہیں۔'' وہ آسودگی سے مسکرا رہی تھی۔ حوریہ مارے حیرت کے چپ بیٹھی رہ گئی' اسے نہ تو ایسے مرد سے بے زارگی ہوتی تھی اور نہ ہی غصہ آتا تھا۔ عجیب سا سکون تھا اس کے چہرے پر وہ عورت کیونکر اتنی مطمئن اور آسودہ تھی' کیا یہ صرف محبت کا کمال تھا۔

''تمہیں ایسے مرد پر غصہ نہیں آتا؟'' اس کا لہجہ عجیب سا ہوگیا۔

''غصہ کیوں...... بی بی مجھے تو رحم آتا ہے ترس آتا ہے جب وہ اپنے جسم کو نوچتا کھسوٹتا ہے۔ غصہ تو مجھے ان مردوں

پڑ آتا ہے جن کی وجہ سے میرا مرد اس تباہی کا شکار ہوا اور جو لوگ ناحق معصوم نوجوانوں کو اس نشے کی لت سے برباد کررہے ہیں۔ غصہ تو ان پر آنا چاہیے ناں۔" وہ جتارہی تھی احساس دلارہی تھی' حوریہ خاموشی سے اسے دیکھنے لگی۔

"لو تم یہاں بیٹھیں گپیں لڑا رہی ہو اور میں وہاں واش روم میں تمہارا انتظار کررہی ہوں۔ آ گئی ہو تو کپڑے بھی نمٹا جاؤ بہت سارے ہیں۔" زرینہ بھابی نے اچانک ہی تھانے داروں کی طرح چھاپہ مارا تھا' حوریہ بھی چونک گئی اور خیراں بھی خجل سی شرمندہ ہوتی اٹھ کھڑی ہوئی۔

"میں تو بی بی جی کے سوالوں کے جواب دے رہی تھی۔" خیراں نے صفائی دینی چاہی۔

"ان کے سوالوں میں تو شام ہوجائے گی ابھی تمہیں کام نمٹا کر گھر بھی پہنچنا ہے۔" وہ تخی سے بولی تھیں۔ "فالتو باتوں سے پرہیز کیا کرو۔" وہ اسے ٹوک رہی تھیں' حوریہ نے اپنے چہرے کے آگے اخبار پھیلایا تھا۔ اپنی جگہ وہ چور سی بن گئی تھی۔ نجانے کس قسم کی عورت تھی ہمہ وقت زبان سے گولہ بارود ہی نکلتا رہتا تھا مجال ہے جو کبھی مسکرا کر میٹھے لہجے میں کسی سے بات کرلیں۔ وہ بے زارگی سے سوچنے لگی' خیراں شرمندہ ہوئی زرینہ بھابی کے پیچھے کچن سے نکلی تو وہ اٹھ کر اپنے لیے چائے بنانے لگی۔

اپنے گھر کا آرام اپنے گھر کا سکھ دل میں اداسی کے پر پھیلانے لگا کس طرح وہ ایک ایک شے کو صاف ستھرا کرکے رکھتی تھی۔ نجانے اتنے دنوں میں عبدالمعیز نے گھر کو کس طرح رکھا ہوگا' صفائی کس طرح کی ہوگی۔ کپڑے دھلوائے ہوں گے یا یونہی جمع کرکے ڈالے ہوں گے۔ کچن صاف کرتا ہوگا یا یونہی' اس کی سوچیں اس کے اندر اودھم مچانے لگیں جب سے فراز بھائی نے عبدالمعیز سے فیصلہ لینے اور دوسری شادی کی بات کی تھی اسے ایک ان دیکھے خوف نے اپنی گرفت میں جکڑ لیا تھا۔ وہ کب چاہتی تھی ایسا ہو کہ دوریاں انہیں پھر ملنے نہ دیں وہ تو غصے کی شدت میں ناراض ہوکر گھر آ بیٹھی تھی وگرنہ..... شاید دل سے ہرگز یہ سب نہیں چاہتی تھی اگر ایسا ہوتا تو وہ کب کا عبدالمعیز کو طلاق کا نوٹس بھجوا چکی ہوتی۔ وہ تو اسے احساس دلانا چاہتی تھی ذمہ داری پیدا کرنا چاہتی تھی مگر ان سب میں وہ اس سے جدا ہو بیٹھی تھی اور یہ جدائی کسی زہریلے ناگ کی طرح ان کے درمیان پھن پھیلائے بیٹھی تھی۔ اسے احساس بھی نہ ہوا اس کے دونوں گال آنسوؤں سے تر ہوگئے تھے۔

کتنے دن ہوگئے تھے اسے اپنے میکے آئے' شروع شروع میں صابرہ بیگم نے اپنے طور پر اسے بہت سمجھایا تھا۔ اس وقت اسے غصہ زیادہ تھا اس لیے ان کی ہر نصیحت اور بات دل کو بری لگتی تھی مگر اب وہ سوچتی تھی اس کی ماں جہاندیدہ عورت تھی زمانے کی اونچ نیچ اور سرد گرم کو سمجھتی تھی وہ اس کا اچھا ہی چاہتی تھی۔ کل بھی آفس میں عبدالمعیز اس سے ملنے آیا تھا اور اس نے اپنی کولیگ سے کہہ کر اسے باہر ہی رخصت کرڈالا تھا سومیہ (کولیگ) بھی ان کے اختلافات سے واقف تھی اور اس نے بھی اپنے طور پر عبدالمعیز سے اس کی صلح کرانی چاہی تھی۔

کل سے اسے بھیج کر وہ دل گرفتہ تھی بہت اداسی اپنے اندر اترتی محسوس کررہی تھی اسے اچھی طرح احساس ہوچکا تھا کہ وہ عبدالمعیز کے بغیر ادھوری تھی' نامکمل تھی اور وہ نہیں چاہتی تھی کہ عبدالمعیز اس کے چہرے اور آنکھوں سے اس راز کو پڑھ لیتا' وہ نا چاہتے ہوئے بھی اس کا انتظار دیکھ رہی تھی کہ وہ چھٹی والے روز عبدالہادی سے ضرور ملنے آتا تھا۔ وہ چاہتی تھی آج بھی وہ آجائے اور ایک بار کہہ دے "حوریہ چلو..... گھر چلتے ہیں" صرف چند الفاظ ہی تو تھے اگر وہ آج ادا کردیتا تو وہ اٹھ کر چل دیتی مگر نجانے وہ کہاں تھا؟ کل کے اس کے رویے سے مایوس ہوا تھا یا اس سے بد دل ہوکر نہیں آیا تھا' کچھ تو تھا۔ صبح سے شام ہونے کو آئی اس نے آکر نہیں دیکھا تھا۔ دوپہر میں بھی اس سے کچھ کھایا نہیں گیا تھا۔ شام میں بھی اس کی بھوک مرگئی تھی اسے اب رہ رہ کر سومیہ (کولیگ) کے الفاظ یاد آتے رہے جس نے عبدالمعیز کے جانے کے بعد بحیثیت دوست اور کولیگ اسے سمجھانے کی کوشش کی تھی۔

''اس طرح مت کرو ورنہ اس سے فیصلہ لینا ہے تو کھل کر سامنے آؤ اس کے منہ پر کہو تم اس سے علیحدگی چاہتی ہو مزید ساتھ نہیں چل سکتیں۔ منہ چھپا کر بیٹھنے سے زندگی کے فیصلے نہیں ہوتے اگر اس کے بغیر نہیں رہ سکتیں تو پھر اس کے پاس لوٹ جاؤ کہیں بہت دیر نہ ہوجائے۔ مرد عورت کا زیادہ انتظار نہیں دیکھتا' یاد رکھنا اور مجھے کہنے دو حوریہ تم بہت کمزور ہو نہ تم اس کے بغیر رہ پارہی ہو اور نہ ہی اس سے علیحدہ ہوکر رہ پاؤ گی۔ لوٹ جاؤ یار! کہیں فضول سی ضد اور انا کی نذر تم دونوں کی زندگی نہ ہوجائے۔'' وہ اس کے شانے پر ہاتھ رکھ کر بڑی ہمدردی سے سمجھا رہی تھی' جب سے اب تک اس کے دل میں اتھل پتھل سی ہو رہی تھی۔

وہ کہاں رہ گیا تھا' آج آیا کیوں نہیں تھا؟ کہیں طبیعت خراب نہ ہو اس کے اندر کوئی بولا تھا۔

''اگر ایسا ہوتا تو وہ فون کردیتا' وہ روز تو فون کیا کرتا تھا۔ عبدالہادی سے بات کیا کرتا تھا پھر...... آج کیا ہوا؟'' آج ایسی کیا انہونی پیش آگئی تھی کہ اس نے پلٹ کر دیکھا تک نہیں تھا کہیں کل کے اس کے رویے سے وہ ناراض نہ ہو اس کی سوچیں اس کے اندر شور مچا رہی تھیں۔

❀......❀......❀

''بھئی دو ماہ سے زائد ہوچکے ہیں' حوریہ کو گھر آئے اگر اسے عبدالمعیز سے فیصلہ لینا ہے تو آپ لوگ ہاتھ پر ہاتھ دھرے کیوں بیٹھے ہیں جلد از جلد فیصلہ کروائیں اور کہے دیتی ہوں حوریہ سے آپ خود بات کیجیے گا' فیضان بھائی کے سلسلے میں' پندرہ سال بڑے ہیں تو کیا ہوا اسے تو اپنے بچے کے لیے گھر اور آسرا چاہتے پر مالی طور پر کسی سے کم نہیں۔ روما بھابی ان سے طلاق نہ لیتیں تو وہ کبھی دوسری شادی کا نہ سوچتے مگر کیا کریں بے چارے؟ دو بچوں کا مسئلہ ہے ماں ہی گھر اور بچوں کو سنبھالتی ہے۔'' بھابی اپنے اکلوتے بھائی کی طرفداری کررہی تھیں وہ جو انہیں بلانے آئی تھی دروازے پر ہی رک گئی۔ وہ لاشعوری طور پر بھائی کے جواب کی منتظر تھی کہ وہ کیا کہتے ہیں۔

''پہلی بات تو یہ کہ تمہارے بھائی کے بچے اب اتنے چھوٹے نہیں ہیں کہ انہیں ماں کی ضرورت ہو ماشاء اللہ چودہ' پندرہ سال کے ہیں' دوسری بات میں تم سے پہلے ہی کہہ چکا ہوں آخری فیصلہ وہی ہوگا جو حوریہ چاہے گی میں اس کے ساتھ زبردستی نہیں کرسکتا اگر وہ عبدالمعیز سے فیصلہ لے لیتی ہے تو میں اپنے طور پر یہ کوشش کروں گا کہ وہ فیضان کے لیے مان جائے جس کے آثار کم ہی ہیں کیونکہ آپ کے بھائی کی گرم مزاجی اور شکی عادات سے بھی واقف ہیں۔'' وہ کہہ رہے تھے حوریہ کے ڈوبتے دل کو اطمینان ہوا' بھائی کم از کم اس کی طرف تھے مگر بھابی کے دماغ کو کیا ہوا؟ وہ بدمزہ سی ہوکر لوٹی تھی ان کے وہی بھائی تشریف لائے تھے اس نے زویا (بھتیجی) کو ماموں کی آمد کا بتایا وہ مما کو بلانے کمرے کی طرف آئی پھر خالی الذہنی کی کیفیت میں عبدالہادی کے پاس کارپٹ پر ہی ٹک گئی۔ اسے خدشہ تھا کہیں اسے وہاں بلوایا نہ جائے' بھابی کے عزائم سن کر اسے سب سے بے زاری ہو رہی تھی اس کی زندگی طوفانوں کی زد پر تھی اور وہ اپنے مفاد دیکھ رہی تھیں' اسے حقیقتاً دکھ ہوا تھا۔

''اپنی زندگی تم نے خود طوفانوں کے حوالے کی ہے ورگزر برداشت کا یوں ہی حکم نہیں دیا گیا۔'' کوئی چپکے سے اس کے اندر بولا تھا۔

''میں کیا کرتی' اتنی تنگی اور کم پیسوں میں کس طرح گزارا کرتی' زندگی وہاں مشکل ہوگئی تھی۔'' اس نے اپنے آپ کو تسلی دینی چاہی۔

''ہنہہ...... یہاں تم بڑے سکھ سمیٹ رہی ہو' بھابیوں کے طنز اور ان کی چبھتی باتیں بھی برداشت کررہی ہو۔ تمہاری آدھی تنخواہ تو بھتیجا' بھتیجیوں کی ناز برداری کی نذر ہوجاتی ہے' یہاں تم نے کتنا جوڑ لیا۔'' کوئی اس کے اندر طنز سے ہنسا تھا۔

''عبدالمعیز ہماری خاطر خود کو بدل بھی سکتا تھا' اپنی غیر ذمہ دارانہ روش چھوڑ سکتا تھا اگر وہ کوشش کرتا تو آج میں یہاں نہیں ہوتی۔'' وہ اپنی سوچوں کو جھٹلاتے ہوئے خود کو

مطمئن کرنے لگی۔

''محبت تو تم بھی اس سے کرتی تھیں، تم نے اپنے آپ کو کتنا بدل لیا' اس کے لیے چند سال نہ گزار سکیں۔ سمجھوتہ نہ کرسکیں اس کی عادتوں سے۔'' وہ اپنے اندر سے اٹھتے سوالوں سے گھبرا گئی تھی۔

''میں نے کوشش تو کی تھی مگر......'' اس کے آگے اس کے حوصلے جواب دے گئے وہ ان سوالوں سے گھبرا گئی تھی جو اس کے اندر شور مچا رہے تھے۔ اس کے ذہن میں کہرام بپا کیے ہوئے تھے۔ درحقیقت یہیں آ کر اسے شدت سے احساس ہوا تھا کہ وہ اپنی جگہ کتنی غلط تھی اس کی سگی خالہ مینا کی مثال اس کی نظروں کے سامنے تھی اور پھر دنیا میں وہ ایک مثال نہیں تھیں ان کے علاوہ بھی ایسی متعدد عورتیں تھیں جو سب کچھ قربان کر کے بھی کچھ صلہ نہیں پاتی تھیں نہ شکوہ' گلہ ان کی زبانوں کو چھوتا تھا ایسی ایثار پرست اور قناعت پسند صابر و شاکر عورتوں کے دم سے ہی انسانیت قائم تھی۔

ایسی ہی خاص عورتوں کے وجود سے معاشرہ قائم تھا اور وہ خود کیا تھی نہ سمجھداری اور نرمی نہ قناعت اور نہ ہی ایثار جیسی کوئی بھی تو خوبی اس میں نہیں تھی۔ ذرا ذرا سی بات پر بگڑ جانا' عبدالمعیز کو برملا برا بھلا کہہ دینا۔ رونا پیٹنا' غلطیاں گنوانا اس کے نزدیک کتنا آسان تھا' کبھی اس نے اپنی غلطیوں اور کوتاہیوں کو شمار کرنے کی کوشش نہیں کی تھی۔ وہ عام لوگوں میں سے ایک تھی جو کسی گنتی میں شمار نہیں ہوتے جو کسی کے لیے بھی خاص نہیں ہوتے۔ اس کا وجود بھی کسی کے لیے باعث رحمت نہیں تھا وہ تو زحمت بنی ہوئی تھی اس کے باوجود وہ اس سے محبت رکھتا تھا اس کی قدر کرتا تھا۔ اس کے لیے آ رہا تھا اور وہ سمجھتی رہی یہ اس کا حق تھا۔ وہ اپنی غلطی اور کوتاہی کو سمجھ ہی نہ سکی تھی اگر کچھ کوتاہیاں اس کی جانب سے ہوئی تھیں تو کچھ کی وہ بھی ذمہ دار تھی وہ دل سے اپنی غلطوں پر نادم و پشیمان تھی۔

تین روز ہو چکے تھے اسے دیکھے ہوئے اس کی آواز سنے ہوئے اس کا دل کس قدر اداس اور ویران تھا یہ وہی جانتی تھی جب تک وہ آتا رہا اسے پکارتا رہا وہ پتھر بنی رہی اسے نظرانداز کرتی رہی اور اب جب اس نے خاموشی اختیار کرلی تھی تو دل میں انتظار کے الاؤ جل رہے تھے۔ اس کی ساری ناراضگیوں پر پانی پڑ گیا تھا وہ کہاں تھا' کن حالوں میں زندہ تھا وہ اسے دیکھنا چاہتی تھی واپس اپنی جنت میں لوٹ جانا چاہتی تھی۔

''مما...... آپ رو رہی ہیں؟'' عبدالہادی نے اس کے گالوں پر آتے آنسوؤں کو ہاتھ سے صاف کرتے ہوئے پوچھا۔

''نہیں...... شاید آنکھ میں کچھ گر گیا ہے۔'' وہ اس کے گال پر پیار کرتی بولی تھی۔

''تم یہاں ہو ذرا خیراں کے ساتھ کچن کا انتظام سنبھال لو' بھائی آتے ہوں گے مجھے انہیں کمپنی دینی ہوگی۔ تمہیں فراز کا تو پتا ہے زیادہ دیر کسی کے پاس بیٹھتے نہیں ہیں' گھر آئے مہمان بھی شرمندہ ہو جائیں۔'' سیمیں بھابی اپنے طور پر بھائی کی کوتاہیوں کا ذکر کرتے ہوئے آرڈرز دیتی اپنے روم کی طرف گئی تھیں۔ وہی ہوا تھا جس کا خدشہ تھا اب اسے چائے کے بہانے وہاں جانا تھا' ان لوگوں سے ملنا تھا۔ ساری رواداری اور مروت بالائے طاق رکھ کر اس کا دل چاہ رہا تھا بھابی کو منع کر دے مگر وہ ایسا نہیں کرسکتی تھی۔ کچن میں آ کر اس نے چائے کا پانی رکھا اور باقی کے انتظامات دیکھنے لگی' خیراں نے خاصا کام کر کے رکھا ہوا تھا۔

''بی بی جی! موسم کتنا اچھا ہو رہا ہے' سچی ایسے موسم میں پانی پر جانے کو دل چاہتا ہے۔'' وہ سمندر کی بات کر رہی تھی پھیکی سی مسکراہٹ نے اس کے لبوں کو چھوا تھا۔ عبدالمعیز بھی ایسے موسم اور بارش کا دیوانہ تھا جبکہ وہ بھیگنے سے چڑتی تھی اسے صرف اپنے ہاتھ گیلے کرنے اچھے لگتے تھے اور کھڑکی سے آتی پانی کی پھوار چہرے کو چھوتی تھی صرف وہ اچھی لگتی تھی۔ وہ چند لمحوں کے لیے کھو سی گئی' کچن کی کھڑکی لان میں کھلتی تھی وہاں سے لان میں کھیلتے بچے نظر آ رہے تھے۔

پھوار شروع ہوچکی تھی وہ خوش ہو چکے تھے چیخ چلا کر اپنی خوشی کا اظہار کررہے تھے۔ عبدالہادی بھی انہی کے ساتھ تھا مگر وہ ان کی طرح خوش نہیں ہورہا تھا بلکہ چپ کھڑا انہیں اچھلتے کودتے دیکھ رہا تھا۔ اس کی اداسی وہ اتنی دوری کے باوجود محسوس کرسکتی تھی اس کا دل اداس ہوگیا۔ وہ کیسی ظالم ماں تھی اس نے اپنے دل کے ساتھ اپنے بچے کے دل کو بھی ویران کرڈالا تھا۔ اس نے مصمم ارادہ کرلیا تھا وہ عبدالمعیز کو کال کرے گی چاہے اس کے لیے اسے جھکنا کیوں نہ پڑے۔ اسے اپنے بچے کی خوشی کے لیے یہ بھی گوارا تھا تب ہی کسی بچے کی ٹکر سے عبدالہادی گرا تھا اسے یوں گرتے دیکھ کر وہ ہک دک کچن سے لان کی طرف دوڑی تھی مگر عبدالہادی تک پہنچنے سے پہلے اس کے قدم رک گئے تھے عبدالمعیز نے عبدالہادی کو گود میں لے رکھا تھا اس کے آنسو پونچھ رہا تھا اس کے سینے میں پھڑ پھڑاتا دل ایک لمحے کے ہزارویں حصے میں دھڑک کر رکا تھا ابھی وہ اس کو یاد کررہی تھی اور وہ بنا کہے چلا آیا تھا۔

''کیا ارادے ہیں......؟'' وہ اس کے قریب چلا آیا تھا عبدالہادی اس کے سینے سے چمٹا ہوا تھا۔

''ٹھیک ہی ہیں آپ کو تین روز بعد خیال آگیا؟'' اس کے لبوں پر شکوہ آگیا تھا۔

''آہم...... یاد کیا جارہا تھا۔'' اس کے لبوں پر شریر مسکراہٹ تھی۔

''میں کیوں یاد کرتی؟'' اس کا دل چاہا کہہ دے مگر وہ پلٹ کر بنا کہے چل دی تو وہ اس کے پیچھے چلا آیا۔

''چلو نا حور! بہت دن ہوچکے ہیں ناراضی کو ختم بھی کرو۔ تمہارے اور عبدالہادی کے بغیر ہر چیز ویران و اداس ہے اور......'' وہ رکا تھا۔ ''میرا دل بھی......'' وہ اس کے کانوں میں سحر پھونک رہا تھا تبھی سیمیں بھابی اپنے روم سے نکل کر اس طرف آئی تھیں اور حوریہ کے ساتھ عبدالمعیز کو دیکھ کر معنی خیزی سے مسکرائی تھیں ان کا یہی خیال تھا کہ حوریہ جلد ہی اس شخص سے فیصلہ لے کر فراز کے دباؤ میں آکر ان کے بھائی کے حق میں فیصلہ دے دی گی مگر اس وقت ان کی آنکھیں مارے حیرت و صدمے سے پھیل گئیں جب حوریہ نے لاؤنج میں بیٹھی صابرہ بیگم سے کہا تھا۔

''امی میں گھر جارہی ہوں۔'' اس کے لفظوں پر صابرہ بیگم کا چہرہ خوشی و مسرت سے تمتما اٹھا تھا انہوں نے فائزہ بیگم کو اپنے تئیں یقین دلایا تھا کہ اس بار عبدالمعیز اسے لینے آئے گا تو حوریہ اس کے ساتھ ضرور جائے گی اور حوریہ نے ان کے یقین اور اعتبار کو ٹوٹنے سے بچالیا تھا۔ انہوں نے اٹھ کر اسے اپنے سینے سے لگالیا عبدالمعیز اس کے لفظوں کو سننے کے باوجود بے یقینی کی کیفیت میں حیران کھڑا تھا۔ سیمیں بھابی بنا کہے وہاں سے غائب ہوچکی تھیں ان کے سارے ارمان ٹھنڈے ہوچکے تھے۔

''کیا چلنا نہیں ہے؟'' وہ اس کے قریب آکر پوچھ رہی تھی۔

''چلیں نا پاپا...... گھر چلیں۔'' عبدالہادی بھی ضد کرنے لگا۔

''مگر...... ابھی تو بارش ہورہی ہے۔'' اس کے دانت نکل آئے تھے وہ کھل کر ہنس رہا تھا مسکرا رہا تھا اسے یقین ہوگیا تھا کہ اس کی قسمت سے اندھیرے چھٹ گئے تھے خوش بختی نے اس کے در پر دستک دے ڈالی تھی۔

''بقول تمہارے بارش کا مزہ تو بھیگنے میں ہی ہے۔'' حوریہ نے اسے یاد دلایا۔

''اور تمہارا سامان......'' عبدالمعیز کو اچانک یاد آیا۔

''میرا اصل سامان تم تھے جسے میں وہی بھول آئی تھی۔'' حوریہ نے کہتے ہوئے اس کا بازو تھاما تھا اور اس کے ساتھ بیرونی دروازے سے باہر نکل آئی۔

باہر بارش کی رم جھم شروع ہوچکی تھی اور اس کے اندر بھی...... موسم کی پہلی بارش اس کے لیے ان گنت خوشیاں لے کر آئی تھی جس سے وہ جلد از جلد اپنا دامن بھر لینا چاہتی تھی ہمیشہ کے لیے۔

❀

فصیحہ آصف خان

''امی...... امی...... میرے کپڑے کتنے میلے ہورہے ہیں' دیکھیں تو۔'' دس سالہ منزہ نے قمیص کے دامن پر لگے گندگی کے داغ دیکھ کرماں کے سامنے آ کر دامن پھیلا کراسے دکھا کرقائل کرنے کی کوشش کی۔اس کے لہجے میں بھی عجیب کراہیت سی لگی جو ظاہر ہوکراس کے اندرونی کرب کا اظہار بھی کررہی تھی' سلیمہ جو پہلے ہی غصے سے بھری تھی' انتہائی تلخی سے بولی۔

''ہاں' تیرے باپ کی صابن کی فیکٹری ہے ناں' بھر بھر کے بورے لاتا ہے' تو میلے کیے جا' میں دھوئے جاؤں۔''سلیمہ نے حسب عادت زہریلے انداز میں جواب دیا' منزہ منہ بسورتی' اپنا بستہ کھول کر بیٹھ گئی۔

سب سے بڑا ناصر تھا جو ساتویں کلاس میں تھا۔منزہ پانچویں' اس سے چھوٹی شمسہ' تیسری جماعت میں اور سب سے چھوٹی سدرہ ابھی ڈھائی تین سال کی تھی۔

اسحاق ان کا باپ ایک کاٹن فیکٹری میں ملازم تھا' چند ہزار کما کرلاتا مگر وہ تنخواہ اونٹ کے منہ میں زیرہ ثابت ہوتی۔

منزہ نے کاپی پر لکھتے ہوئے یونہی اردگرد نگاہ دوڑائی' ذرا سے فاصلے پر بنے نل کے نیچے صبح اور دوپہر کے جھوٹے برتنوں کا ڈھیر دھرا تھا' صحن میں جابجا کاغذ' چیزیں اور گند بکھرا تھا' سامان الگ بے ترتیبی دکھا رہا تھا۔

سلیمہ صحت مند تھی' کوئی بیماری نہ تھی مگر سستی' بے پروائی' بے ڈھنگی زندگی گزار رہی تھی۔کوئی سلیقہ' قرینہ نہ تھا' دو کمروں پر مشتمل چار مرلے کا گھر بھی اس سے صاف نہ ہوتا تھا۔

اسحاق کے کام پر جانے کے بعد محلے کی چند عورتوں کا مجمع اکٹھا ہوجاتا جو ادھر اُدھر کی سنا' بتا کر دو چار گھنٹے آرام سے غیبت کی بھرپور کلاس لینے کے بعد گھر کی راہ لیتیں تب سلیمہ کو دوپہر کے کھانے کی فکر ہونے لگتی' الٹا سیدھا پکا کر وہ تھکن کا بہانہ کرکے لیٹ جاتی۔شمسہ ہو بہو ماں پر گئی تھی' بے حد غلیظ' ہفتہ ہفتہ نہ نہاتی' یہی حال ناصر کا تھا اس کی وردی پھٹی رہتی کبھی بٹن غائب' بستہ الگ گندگی سے اٹا رہتا۔

ایک وہی تھی جو صفائی ستھرائی کی رسیا تھی' اپنی عمر کے برعکس' وہ خاموش طبع تھی۔ پڑھائی میں بھی ذہین تھی' اسے شوق بھی تھا۔اسکول کا کام ختم کرکے اس نے چٹائی اٹھا کر اپنی جگہ پر رکھی' شمسہ چیز لینے باہر نکل گئی' سلیمہ اب سدرہ کے ساتھ لیٹی تھی' اس کی آنکھ لگ گئی۔

تب منزہ نے جھاڑو اٹھائی اور صفائی کرنے لگی' ننھے ننھے ہاتھ پھر بھی اپنی بساط سے بڑھ کر اس نے صحن قدرے صاف کردیا' بکھری چیزیں سمیٹی۔کھٹ پٹ سے سلیمہ کی آنکھ کھل گئی' وہ آنکھیں مسلتے ہوئے اٹھنے لگی اور کافی حد تک صفائی ہوجانے پر دل ہی دل میں خوش تھی۔

اس کے کپڑوں کی حالت اب اور زیادہ خراب ہورہی تھی' اس نے اندر جا کر الماری میں سے اپنا ایک پرانا مگر صاف جوڑا نکالا اور نہانے چلی گئی۔

نہا کر آئی تو ناصر حسب عادت باہر سے آ کر جھگڑ رہا تھا' اس کی اور شمسہ کی لڑائی عروج پر تھی۔وہ اسے خوب مار رہا تھا' جواب میں شمسہ بھی کم نہ تھی۔

''بس کر منحوس بڑے بھائی سے جھگڑتی ہے۔'' اماں نے شمسہ کو دھمو کا جڑا۔

''اس نے بھی تو مجھے مارا ہے' بال نوچے ہیں۔'' شمسہ بال درست کرتی ماں کو بتانے لگی۔

''بند کر اپنی بکواس۔'' ساتویں کلاس میں پڑھتے ناصر کے منہ سے گالی سن کر منزہ ہکابکا رہ گئی' اس کے اندر

تک کڑواہٹ اتر آئی تھی۔ پر حیران کیوں تھی‘ اس کا باپ اسحاق خود بات بے بات گالی گلوچ کرنا اپنا فرض اولین سمجھتا تھا‘ کون سا دن تھا جب گھر میں امن وسکون کی فاختہ چہچہاتی ہو۔ جتنی دیر اسحاق گھر میں ہوتا‘ سلیمہ سے اس کا جھگڑا‘ تو تو‘ میں میں‘ بک بک چلتی رہتی۔ سلیمہ الگ بکتی جھکتی‘ کبھی کبھار تو اسحاق اسے ایک دو ہاتھ بھی لگا دیتا پھر ناصر کیوں ناں اس ماحول سے بھرپور فائدہ اٹھاتا۔

”اماں! ناصر نے مجھے گالی دی ہے۔“ ناصر کے گھر سے باہر جاتے ہی شمسہ نے کمزور احتجاج کیا‘ سلیمہ ”اونہہ“ کر کے رہ گئی۔

”باپ پر گیا ہے۔“ وہ کہتے ہوئے روتی سدرہ کو اٹھا کر اندر لے گئی۔ شمسہ اندر سے اپنے ٹوٹے پھوٹے کھلونے اٹھا لائی اور کھیلنے لگی۔

شام کے سائے صبح کی سفیدی پر قابض ہو رہے تھے‘ سلیمہ آٹا گوندھنے لگی۔ اسحاق کے آنے کا وقت ہو رہا تھا۔ منزہ چھوٹی سی تو تھی مگر اس کا ذہن بہت وسیع تھا۔ ہر چیز کا بغور مشاہدہ کرتی‘ مطالعہ کی عادت بھی تھی۔ منزہ اپنی سہیلی راحیلہ سے بچوں کے اخبار اور رسالے لے آتی تھی‘ گھر آ کر اپنے کام ختم کر کے وہ پڑھنے بیٹھ جاتی۔ جیسے ہی اخبار ختم ہوتا‘ تشنگی بڑھ جاتی‘ دل چاہتا کہ پڑھتی جائے‘ نہ اماں کو اعتراض تھا نہ ابا بُرا مانتے۔ ناصر ویسے ہی نالائق تھا‘ سرکاری اسکول میں توجہ نہ ہونے کے برابر یوں وہ پڑھائی سے جی چرانے لگا۔

❁.......❁.......❁

”بے غیرت...... یہ سالن بنایا ہے یا نمک کا پہاڑ ڈال دیا ہے؟“ اسحاق نے غصے سے آلو مٹر کے سالن کی پلیٹ دیوار پر دے ماری۔

واقعی آج نمک زیادہ ہو گیا تھا‘ سدرہ کو کل سے بخار تھا‘ سلیمہ اس کی دیکھ بھال میں لگی تھی۔ بے خیالی میں چمچ بھر کے ڈال دیا‘ پھر کیا تھا اسحاق کے منہ سے پہلا نوالہ جاتے ہی مغلظات کا غلیظ طوفان برآمد ہو گیا‘ منزہ کا دل کانپ گیا۔

”کرتی کیا ہے تو سارا دن‘ ایک ہانڈی تجھ سے نہیں بنتی۔“ سلیمہ کو غلطی کا احساس تو تھا مگر اسحاق کے اس قدر شدید ردعمل پر سدرہ کی بیماری پر وہ بھی چڑچڑی سی ہوئی بیٹھی تھی۔ دوبدو‘ بک بک شروع‘ نتیجہ کیا نکلتا حسب معمول دو جھانپڑ لگا کر وہ گالیاں بکتا گھر سے باہر چلا گیا‘ ناصر زور زور سے ہنس رہا تھا‘ منزہ اسے دیکھ کر حیرت سے بولی۔

”اس میں ہنسنے کی کیا بات ہے؟“ منزہ اب آٹھویں جماعت میں تھی جبکہ ناصر دو سال پہلے آٹھویں پاس نہ کرنے کے بعد پڑھائی چھوڑ چکا تھا تب سے اسحاق نے اسے ایک ورکشاپ میں ڈال دیا تھا۔ ”اس نے پڑھ کر کون سا بابو بن جانا تھا‘ ہنر تو سیکھ لے گا کوئی۔“ کے مصداق وہ مزید آوارہ ہو گیا تھا‘ چوری چھپے سگریٹ بھی

پینے لگا تھا۔ شمسہ کو منزہ نے کسی حد تک اپنے قابو میں کر رکھا تھا' سدرہ ابھی نرسری میں تھی۔

❀......❀......❀

وقت کا پہیہ کب رکا ہے' لمحوں کا چابک کھا کر گھنٹوں' مہینوں اور سالوں میں دوڑنے لگا۔ منزہ اب دسویں جماعت کی تیاری کررہی تھی' اسحاق وقت گزرنے کے ساتھ ساتھ مزید چڑچڑا اور بدمزاج ہوگیا تھا۔ طاقت بھی وہ نہ رہی تھی دگرگوں حالات اور مہنگائی نے اسے عجیب مزاج کا کردیا تھا' سلیمہ کو اب دو جوان بیٹیوں کی فکریں تھیں۔

اسحاق جو کچھ کما کرلاتا' وہ کب بچت کے زمرے میں آتا تھا' ناصر خودغرض تھا جو کماتا خود کھاتا' اڑاتا۔

''اماں میں پڑھ کر نوکری کروں گی۔'' منزہ ماں کو تسلی دیتی تو سلیمہ پھیکی ہنسی ہنس دیتی۔ منزہ نے اچھے نمبروں سے دسویں پاس کرلی۔

''بس کافی ہے' اب گھر سنبھال۔'' سلیمہ تھکن سے بولی۔

''نہیں اماں! میں اور پڑھوں گی' بی اے تو کرنے دیں اماں!'' منزہ ماں کے پژمردہ چہرے پر امید بھری نگاہیں دوڑا کر بولی۔

''باپ سے بات کرنا۔'' سلیمہ کروٹ بدل کر بولی۔

اسحاق تھوڑی سی حیل و حجت کے بعد مان گیا' منزہ کے تو دن رات ہی بدل گئے۔ کالج آ کر اس نے پڑھائی کو سب سے مقدم جانا۔

لائبریری اس کی دوست تھی اور کتابیں ساتھی' الفاظ راہنما۔ اسے پڑھنے سے عشق تھا۔ صاف ستھرا ذہن' معصوم بے ضرر خواہشیں' قناعت پسندی' گھر کے ماحول نے اسے بے حد حساس بنا دیا تھا۔

ماں باپ کے جھگڑے' حالات کی بے اعتنائی' مہنگائی' ناصر کی بے راہ روی' غلیظ گالیاں' بُری صحبت' بہن بھائیوں کے اختلافات...... منزہ ان سب سے کوسوں دور رہتی۔ اسے اپنے گھر سے پیار تھا' اسے امن و آشتی کا گہوارہ بنانا چاہتی تھی مگر اب ایسا ممکن نہ تھا جو ماں باپ نے فسادات کا بیج بویا تھا وہ اب تناور درخت بن چکا تھا عادات پختہ ہوچکی تھیں۔

ناصر کی سرگرمیاں اسحاق سے چھپی ہوئی نہ تھیں' مگر اب وہ بے قابو ہوچکا تھا۔ لڑائی' دنگا فساد اور عشق کے چکر اس کے لیے عام سی باتیں تھیں۔ بجائے گھر میں چار پیسے دینے کے وہ کھا' اڑا کر فارغ ہوجاتا اور گھر آتے ہی اس کی بکواس شروع ہوجاتی' رعب و دبدبہ جماتا۔ منزہ اس کے منہ کم ہی لگتی تھی' اس کا زیادہ غصہ شمسہ اور سدرہ پر نکلتا' یوں اپنی مردانگی جھاڑ کر وہ گھر سے نکل جاتا۔

❀......❀......❀

کالج میں منزہ کی وہی سہیلیاں تھیں جو اسکول میں تھیں۔ وہ ان کے لاکھ کہنے پر بھی انہیں گھر نہ بلا سکتی تھی' مبادا ناصر آ جائے اور اس کی سہیلیوں کے سامنے اس کی بے عزتی ہوجائے۔ کالج سے آ کر وہ محلے کے بچوں کو ٹیوشن پڑھانے لگی تھی یوں کچھ پیسے آ جاتے' گزر بسر ہونے لگی۔

''کوئی لڑکا دیکھو اب منزہ کے لیے۔'' سلیمہ رات اسحاق کے سامنے تشویش سے بولی۔

''کیا دیکھنا' آپا صدیقہ کی بات تم بھول گئی ہو۔'' اسحاق خالی گلاس رکھتے ہوئے اطمینان سے بولا۔

''رہنے دو وہ نکھٹو مظہر' چار سال میں دس جماعتیں پاس کی ہیں اور کریانہ کی دکان کھول بیٹھا۔ میں تو اس کو اپنی بیٹی نہ دوں۔'' سلیمہ کی بات پر ایک اور جھگڑے کا آغاز۔

''ہاں ہاں تیری بیٹیوں کے لیے وزیروں' مشیروں کے رشتے آئیں گے ناں۔'' اسحاق تپ کر بولا۔ ''آپا کی زبان کی لاج رکھنی ہے مجھے۔'' اسحاق حتمی انداز میں بولا تو سلیمہ سلگ اٹھی۔

''منزہ بھی نہ مانے گی' ہماری پڑھی لکھی بیٹی اس جاہل کے لیے نہیں رہ گئی۔ دس بندوں کا بھرا گھرانہ ساری عمر پورے خاندان کو بیاہتے گزر جائے گی اس کی'

کیا سکھ پائے گی۔''

''وہ کون سا پڑھ لکھ کر میڈم بن جائیں گی' اری جاہل' ان پڑھ ہم جیسوں کے خواب بھی ہمارے مقدر کی طرح پھٹے پرانے ہوتے ہیں۔ من کی چھید سے خوشیاں' آرزوئیں پل بھر میں گر کر غائب ہو جاتی ہیں' جیسے ہم ہیں ویسے ہی ہمیں رشتے ملیں گے۔ ٹاٹ میں مخمل کا پیوند لگا ہے اور نہ ہی جھونپڑے سے محل میں جانے کے خواب دیکھ پاگل عورت! زمین پر ہے تو زمین پر پیر رکھ' آسمان پر جائے گی تو منہ کے بل گرے گی۔'' اسحاق کی حقیقت سے پُر تقریر پر سلیمہ شش و پنج میں پڑ گئی اور معاملہ خدا کے سپرد کر کے سو گئی۔

❁ .... ❁ .... ❁
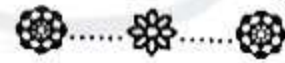
منزہ نے سنا تو اسے اسحاق کے فیصلے پر شدید اختلاف ہوا۔

''امی مجھے نہیں کرنی پھوپو کے گھر شادی۔'' وہ نرمی سے صدائے احتجاج بلند کرنے لگی' سلیمہ کو اس کا احتجاج کرنا اچھا لگا۔

اس کی صدیقہ سے آج تک نہ بنی تھی وہی روایتی نند بھاوج کے جھگڑے' اب اسحاق نیا رشتہ استوار کر کے جلتی پر تیل کا کام کرنا چاہتا تھا یا اپنے تئیں رشتے مضبوط کرنا۔

''مجھے نہ پھوپو کا گھر پسند ہے' نہ مظہر بس مجھے پڑھنا ہے اور فی الحال کہیں بھی شادی نہیں کرنی۔''

منزہ پیر پٹختی اندر چلی گئی' سلیمہ نے اس کا روپ پہلی بار دیکھا تھا۔ منزہ تو بے حد صابر' قناعت پسند اور سیدھی سادی تھی۔ سلیمہ کو بیٹی کی عادات اور صدیقہ کے گھر کے ماحول میں زمین و آسمان کا واضح فرق دکھائی دے رہا تھا۔

اس نے رات اسحاق کو منزہ کا پیغام دے دیا تو وہ بہت ناراض ہوا' غصے سے بولا۔

''اور پڑھاؤ اسے' خودسری سیکھ لی ہے اس نے۔ بجائے یہ کہ بہن بھائیوں کے تعلقات اچھے ہوں اب تو

اور بگڑیں گے۔'' اسحاق اپنی سوچ کے مطابق بولتا رہا' سلیمہ نے اس سے کوئی بحث نہ کی۔ یوں بات دو چار مرتبہ ہونے کے بعد ختم ہوگئی' منزہ نے بھی سکھ کا سانس لیا۔

اس روز وہ کالج سے آئی تو ایک نہایت بردبار اور پردہ دار خاتون کو ماں سے باتیں کرتے پایا' وہ ان کو سلام کر کے اندر جانے لگی تو سلیمہ نے اسے بیٹھنے کو کہا۔ وہ خاتون منزہ کو اچھی طرح دیکھ رہی تھیں' ان کے چہرے کی ملائمت اور ملاحت نے منزہ کو بیٹھنے پر مجبور کردیا۔

''بیٹا! رحیم صاحب کا جو مکان بک رہا تھا انہوں نے خریدا ہے' یہ صالحہ خاتون ہیں۔'' منزہ ان کی شخصیت سے مرعوب ہو رہی تھی۔ وہ خاتون اب منزہ سے اس کی تعلیم و مشاغل کے بارے میں پوچھ رہی تھیں۔ منزہ کو ان کا اندازِ بیان بے حد نفاست آمیز لگ رہا تھا' ایک کشش تھی ان کی گفتگو میں کہ وہ گرویدہ ہوتی جا رہی تھی۔

''بہن! میں یہ کہنے آئی تھی کہ بچیوں کو قرآن پاک' احادیث و تفسیر پڑھانی ہو تو میرے پاس بھیجیں۔'' انہوں نے چائے کا خالی کپ رکھتے ہوئے متانت سے سلیمہ سے کہا۔

''کیوں نہیں اس سے اچھی اور کیا بات ہوگی کہ یہ نیکی کا کام سیکھ لیں' دو قدم پر تو گھر ہے اور آپ جیسی خاتون ان کو آخرت کی تعلیم دیں میں تو اپنی بچیوں کو ضرور بھیجوں گی ویسے انہوں نے قرآن پاک تو پڑھ رکھا ہے' اس کو اچھی طرح سمجھ لیں تو دنیا و آخرت کے معاملات کی سوجھ بوجھ کے قابل ہو جائیں گی۔'' سلیمہ خوشی سے بولیں تو ان خاتون نے بھی مسرت سے اثبات میں سر ہلا دیا۔

❀......❀......❀

کالج سے آنے کے بعد وہ گھر کے کچھ کام کر کے روزانہ ایک گھنٹہ صالحہ خاتون کے پاس جانے لگی۔

ان کا اندازِ تخاطب اس قدر دلنشین تھا کہ منزہ بہت جلد ان سے گھل مل گئی' ان کے کاموں میں بھی سلیقہ تھا اور نفاست تھی۔ ان کی دو بیٹے تھے' بڑا بیٹا دبئی میں رہتا تھا' چھوٹا ساتویں کلاس میں تھا۔ شوہر کسی سرکاری ادارے میں کام کرتے تھے' منزہ کے لیے صالحہ خاتون کا گھر کسی آئیڈیل سے کم نہ تھا۔

نیک' حسین' پڑھی لکھی' سلیقہ شعار' اطاعت شعار صالحہ خاتون' منزہ اٹھتے بیٹھتے ان کی تعریف میں رطب اللسان رہتی۔ وہ ہر کام میں طاق تھیں' منزہ اکثر سوچتی کہ ان کا شوہر کتنا خوش نصیب انسان ہے جسے صالحہ خاتون جیسی پاکباز' ہمہ جہت بیوی ملی۔ کھانا پکاتی تو لذت سے بندہ انگلیاں چاٹتا رہتا۔ صفائی ایسی کہ ذرا سی بھی گرد نہ دکھائی دیتی۔ کپڑے سلائی کرتیں تو ریڈی میڈ کو مات دے دیتیں۔ ان کے پاس اب محلے کی بچیوں' لڑکیوں کے علاوہ خواتین بھی آنے لگی تھیں' جو ان کے سلیقے سے فائدہ اٹھا رہی تھیں۔

عصر سے مغرب کا وقت درس کے لیے مخصوص تھا' اس روز بھی منزہ اور دو چار لڑکیاں ان سے تفسیر سمجھ رہی تھیں پتا چلا کہ ان کے شوہر ناسازی طبع کی بنا پر اندر سو رہے ہیں' صالحہ خاتون ان کو کام دے کر کچن میں تھیں کہ ایک بدمزاج مرد کی آواز سنائی دی۔

''او جاہل عورت...... صبح سے سوپ تیار کر رہی ہے' لے بھی آ' مر گئی ہے کیا......؟'' اس زہریلی آواز نے اس اندازِ تخاطب اور خطابات نے منزہ کی سماعتوں میں جیسے لاوا انڈیل دیا ہو۔ صالحہ خاتون کے بارے میں ایسے ریمارکس منزہ کا دل یکدم پڑھائی سے اچاٹ ہوگیا۔

ایسی نفیس خاتون کے بارے میں ایسے القابات جبکہ اس کا قصور کوئی نہ ہو منزہ تو تھی ہی ایسی حساس' مسلسل دماغ چکرا رہا تھا۔ تھوڑی دیر گزری صالحہ خاتون اسی ازلی مسکان کو چہرے پر سجائے' نرمی سے انہیں پڑھا رہی تھیں جیسے کچھ ہوا ہی نہ ہو۔ کسی بات سے انہوں نے کچھ ظاہر ہی نہ ہونے دیا ہو' صابر و شاکر' صبر کا مجسمہ' قناعت کا پیکر' منزہ ان کی چہرے سے دکھ کھوجتی رہی مگر کچھ ہاتھ نہ آیا۔

❀......❀......❀

''اُف...... کس قدر گھٹیا اور عامیانہ اندازِ تخاطب تھا۔'' گھر آ کر بھی وہ صالحہ باجی کے شوہر کے بارے میں نہ چاہتے ہوئے بھی سوچ گئی ابھی اس کی آنکھ لگی تھی کہ شور سے یکدم ہڑبڑا کر اٹھ بیٹھی۔ ناصر حسب معمول ماں سے الجھ رہا تھا' دو تین جگہوں پر اسحاق نے اسے کام پر بٹھایا مگر اپنی بے پروائی اور غیر مستقل مزاجی کی وجہ سے' آوارہ دوستوں کی صحبت میں رہ رہ کر وہ نہ صرف خودغرض بلکہ بے حد بدتمیز اور بدلحاظ ہوگیا تھا۔ بجائے کما کے لانے کے الٹا ماں سے پیسے بٹورتا تھا' منزہ اس کی حرکت پر کڑھتی تھی' بڑا تھا تو بڑے پن کا مظاہرہ کرتا مگر وہ تو جیسے ہر چیز پر اپنی ملکیت ظاہر کرتا تھا۔

اب بھی سلیمہ نے اسے پچاس کا نوٹ تھمایا تب کہیں جا کر منہ بند ہوا اور وہ بڑبڑاتا ہوا گھر سے باہر چلا گیا۔ منزہ کو ماں پر بے حد غصہ آیا' جو اسے سمجھانے کے بجائے الٹا اس کی ضروریات پوری کردیتی تھیں۔

''کیوں دیئے آپ نے اسے پیسے' خود کیوں نہیں کماتا۔ اپاہج تو نہیں ہے۔'' منزہ ماں کے سامنے آ کر بولی' غصے سے چہرہ لال ہورہا تھا۔

''جاتا تو ہے کام پر۔'' سلیمہ آلو کاٹتے ہوئے نرمی سے بولی' سدرہ اور شمسہ مزے سے ٹی وی دیکھ رہی تھیں۔

''چلو تم دونوں میرے پاس آؤ' کتابیں لے کر' بہت دیکھ لیا ٹی وی۔'' منزہ نے انہیں غصے سے دبا لہجہ اختیار کرتے ہوئے کہا۔

یہ بھی شکر تھا کہ دونوں اس کا کہنا مانتی تھیں' منزہ کمرے میں آ گئی ہاتھ منہ دھو کر اپنی کتابیں نکالیں' اتنے میں شمسہ اور سدرہ بھی آ گئیں' تینوں خاموشی سے اپنا کام کرنے لگیں۔

❁......❁......❁

عجیب سے رات دن گزر رہے تھے' منزہ بے حد حساس ہوگئی تھی' شمسہ دسویں اور سدرہ ساتویں جماعت میں تھی۔ منزہ کا ان پر خاصا رعب تھا اور یہ بات ان کے مستقبل کے لیے بے حد ضروری بھی تھی' دونوں پڑھائی میں اچھی تھیں۔ منزہ بھی انہیں محنت کروا رہی تھی' ایک ناصر ہی تھا جو ہاتھ سے نکل گیا تھا اور بے راہ روی کا شکار ہوگیا تھا۔ جیسے ہی منزہ کے بی اے کے پیپرز ختم ہوئے اس نے سکھ کا سانس لیا' ادھر ناصر کا محلے کی لڑکی فیروزہ سے معاشقہ اونچی اڑانوں پر تھا۔

''بس مجھے فیروزہ سے ہی شادی کرنی ہے' جا کر رشتہ جوڑ آئیں۔'' سلیمہ کی آنکھیں پھٹی کی پھٹی رہ گئیں' ناصر کی عمر ہی کیا تھی وہ تو منزہ کے لیے تھوڑا بہت جوڑ کر بیٹھی تھی کہ ناصر نے افتاد ڈال دی۔

''پاگل تو نہیں ہوگیا' گھر میں جوان بہنیں ہیں' پہلے ان کی فکر کرتا نہ کہ تجھے اپنی پڑگئی۔'' سلیمہ نے انتہائی غصے سے اسے گھور کر دیکھا اور بولی۔

''وہ میری ذمہ داری نہیں ہیں' میں اپنا کماتا ہوں' چلا لوں گا گھر۔'' ناصر کی خودغرضی انتہا پر تھی اور سفا کی عروج پر' اسحاق نے سنا تو دم بخود رہ گیا۔

''خودکشی کی دھمکی دے رکھی ہے اس نے۔'' سلیمہ سسک کر بولی تو اسحاق چپ چاپ رہ گیا۔

''فیروزہ کا گھر معمولی حیثیت کا تھا' باپ اور بھائی کا شرفاء میں شمار نہ ہوتا تھا۔ محلے والے بھی انہیں اچھی نگاہ سے نہ دیکھتے تھے' جانے ناصر کو ان میں کیا نظر آیا یا پھر عشق ہوتا ہی اندھا ہے۔

اس کا مطالبہ دن بہ دن زور پکڑتا جارہا تھا تب منزہ نے باپ کو سمجھایا کہ ناصر کی بات مان لیں' کہیں ایسا نہ ہو کہ معاملہ اور بگڑ جائے۔ مرتے کیا نہ کرتے کے مصداق چاروناچار رشتہ جوڑنا پڑا' تیز طرار فیروزہ اور اس کی ماں انہیں ایک آنکھ نہ بھائی مگر مجبوری میں اور کیا کیا جاسکتا تھا' دل پر پتھر رکھ کر وہ معاملات طے کر آئے۔

❁......❁......❁
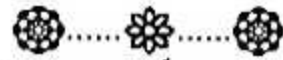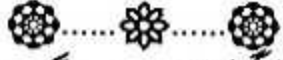
ابھی ناصر کی منگنی کو ایک ہفتہ ہی گزرا تھا کہ اس رات اسحاق کے سینے میں اچانک درد اٹھا اور وہ طبی امداد ملنے سے پہلے ہی خالق حقیقی سے جاملا۔ سلیمہ کی دنیا اجڑ گئی تھی' بیٹیاں حواس باختہ ہو کر رہ گئیں' چھت سر سے غائب

ہوئی تو موسموں کی شدت کا اندازہ ہوا۔ ایسے میں منزہ نے سب کو ڈھارس دی، ناصر باہر کے کام نمٹا رہا تھا گھر اور دل پر سوگواری کی گھٹا چھائی ہوئی تھی۔ سلیمہ چپ چاپ آنسو بہاتی یا لیٹی رہتی، تین بیٹیوں کا ساتھ تھا اور بیٹا غرض کا بندہ، اسے ہر طرف اندھیرا ہی اندھیرا دکھائی دے رہا تھا۔

منزہ ہی تھی جو ماں کا حوصلہ بڑھاتی، کچھ دنوں پر سب کچھ معمول پر آ گیا۔ منزہ کا رزلٹ آ گیا، بہت اچھے نمبروں سے پاس ہوگئی ایسے میں اسے باپ شدت سے یاد آیا، وہ ہوتا تو کتنا خوش ہوتا۔ اس نے جو امید ناصر سے لگائی تھی وہ منزہ نے پوری کردی تھی، منزہ صالحہ باجی کو بتانے ان کے پاس چلی آئی۔

ان کی آنکھیں بے حد سرخ ہورہی تھیں، منزہ کو دیکھ کر ازلی مسکراہٹ ان کی ہونٹوں پر اتر آئی۔ منزہ کو وہ بے حد اداس لگیں شاید کافی دیر روتی رہی تھیں۔

''آؤ آؤ بیٹا...... بہت مبارک ہو۔'' انہوں نے منزہ کو گلے سے لگا کر کہا۔

''آپ کیسی ہیں؟'' منزہ ان کے قریب بیٹھتے ہوئے احترام سے بولی۔

''اللہ کا کرم ہے تم سناؤ، آئندہ کیا کرنے کا ارادہ ہے؟'' وہ پیار بھرے انداز میں مخاطب ہوئی تھیں۔

''بی ایڈ اور ساتھ ساتھ پرائیوٹ ایم اے کی تیاری کروں گی۔'' منزہ کی خواہش پر وہ بے حد خوش ہوئیں۔

''ہاں بیٹا! محنت میں عظمت ہے، اللہ تمہیں تمہارے مقاصد میں کامیاب کرے۔'' وہ کہتے ہوئے اٹھیں اور اندر سے پانچ سو کا نوٹ نکال لائیں اور منزہ کو زبردستی تھمادیا۔ منزہ نے شکریہ کہہ کر سر جھکالیا۔ آج کل لڑکیاں سالانہ امتحانات کی وجہ سے ان کے پاس نہیں آرہی تھیں، اس لیے وہ اکیلی بیٹھی تھیں چھوٹا بیٹا بھی حسن ابدال چلا گیا تھا، منزہ کچھ دیر وہاں بیٹھ کر واپس گھر آ گئی۔

❁......❁......❁

اسحاق کے چالیسویں کے بعد ناصر نے شادی کا مطالبہ کردیا۔

''میرے پلّے ایک روپیہ بھی نہیں ہے جو کرنا ہے خود کر۔'' سلیمہ نے روکھائی سے صاف جواب دے دیا تو ناصر سر ہلا کر باہر چلا گیا۔ سلیمہ حیران تھی کہ وہ بغیر بحث کیے خاموش کیسے ہوگیا۔ ایک ہفتے بعد یہ عقدہ بھی کھل گیا۔

''میری بارات لے کر جانی ہے کہ نہیں۔'' ناصر کی دھمکی آمیز آواز پر منزہ دونوں بہنوں کو پڑھاتے ہوئے چونکی اور آہستہ آہستہ چلتی ماں کے کمرے کی طرف آ گئی۔

سلیمہ خاموش بیٹھی تھی، ناصر غصے سے کمرے میں ٹہل رہا تھا گویا کسی نتیجہ خیز بات پر پہنچنے کی کوشش کررہا ہو۔ اتنے میں منزہ اندر آ کر ماں کے پاس بیٹھ گئی، ایک لمحے کو اس نے غور سے ناصر کی طرف دیکھا۔

اونچا لمبا، مضبوط قد وکاٹھ والا، طاقت ور سہارا بن سکتا تھا، بہنوں کا محافظ کہلا سکتا تھا مگر وہ تو جیسے زندگی اپنے طریقے سے جینا چاہتا تھا۔ صرف اپنے لیے احساس سے عاری، نفس وغرض کا پجاری۔

''خدا کا خوف کر، کچھ تو عقل سے کام لے، بہنوں کی فکر کرنہ کہ تجھے اپنی پڑگئی۔ میرے پاس تو پھوٹی کوڑی بھی نہیں، کہاں سے تیری شادی کے اخراجات پورے کروں۔'' سلیمہ روہانسی ہوکر بولی تو منزہ نے اس کے کندھے پر ہاتھ رکھ کر گویا تسلی دی۔

''تو ٹھیک ہے رہو تم اور تمہاری بیٹیاں، مجھے تو فیروزہ کے گھر والے گھر داماد رکھنے کو تیار ہیں۔ میں کل آ کر اپنا سامان لے جاؤں گا، تم کرو اس گھر میں مزے۔ مجھے اپنی گزارنے کا پورا حق حاصل ہے۔'' تن فن کرتا وہ فیصلہ سنا کر گویا ایک دھماکہ کرکے چلتا بنا۔ سلیمہ کی آنکھوں سے اشک نہ تھم رہے تھے اکلوتا بیٹا بے سہارا کر گیا۔ منزہ نے اسے تسلی دی پھر جیسے تیسے اس بحران پر قابو پایا۔

سلیمہ کی طبیعت بہت خراب رہنے لگی تھی، ناصر نے نہ

صرف اس کا مان توڑا تھا بلکہ ہمیشہ کے لیے ناطہ بھی توڑ لیا تھا۔ یہ دکھ سلیمہ کو دیمک کی طرح چاٹ رہا تھا۔

❁......❁......❁

منزہ کو وقت نے بے حد بردبار اور سنجیدہ بنادیا تھا' بی ایڈ کرتے ہی اسے اچھے اسکول میں سرکاری نوکری مل گئی مگر سلیمہ کو اب اس کی بے حد فکر تھی' اس روز بھی وہ اپنی ایک رشتہ دار کے پاس گئی اور منزہ کے رشتے کی بات کی' دور پار کی رشتہ دار عورت نے حامی بھرلی۔

''مجھے اب اس کی شادی کرنی ہے' شمسہ ٹیوشن پڑھانے لگی ہے اور سدرہ بھی' ہوجائے گا گزارا' بہن بس تم اس کے لیے کوئی مناسب رشتہ دیکھو۔ میں جلد از جلد اس کی شادی کرنا چاہتی ہوں' اسے کماؤ پوت نہیں بنانا۔ سال میں اس کی تنخواہ جوڑ کر تھوڑا بہت جہیز دے کر رخصت کردوں گی۔'' سلیمہ کی آواز میں بے حد بے چارگی تھی' منزہ نے سنا تو سخت ناراض ہوئی۔ حالات اس کے سامنے تھے کیسے دلہن بننے کے خواب دیکھتی۔

''مجھے شادی نہیں کرنی اماں! آپ شمسہ اور سدرہ کی فکر کریں۔'' وہ قطعی لہجے میں بولی تو سلیمہ بھڑک اٹھی' اسے بھی غصہ آ گیا۔

''بس بہت کرلی تم نے اپنی مان مانی' مجھے جو ٹھیک لگے گا وہی کروں گی۔'' سلیمہ نے فیصلہ سنا کر بحث کا دروازہ ہی بند کردیا۔

❁......❁......❁

سلیمہ کی خالہ کی سسرال میں جاننے والوں میں سے کسی نے ایک رشتہ بتایا' سلیمہ کی خالہ کی سسرالی عزیزہ ایک دو خواتین کے ساتھ آ کر منزہ کو پسند کرگئیں۔ لڑکے کی عمر پینتیس سال سے زائد تھی' دو سال پہلے اس کی بیوی وفات پاگئی تھی' بچہ کوئی نہ تھا۔ خلیل کی دکان تھی' گھر اپنا تھا۔ اماں نے سب کچھ طے کرلیا' چاروناچار منزہ کو حامی بھرنا پڑی کہ عمر کے ڈھلتے احساس نے خواہشات کو دفن کردیا تھا' یوں نسبت طے ہوگئی۔

منزہ کی ایک کولیگ نے شمسہ کو اپنے دیور کے لیے پسند کرلیا' لڑکا باہر جارہا تھا سوچٹ منگنی پٹ بیاہ والا معاملہ ہوا' پندرہ دنوں میں ہی شمسہ باسط کے ساتھ مسقط چلی گئی۔

ناصر غیروں کی طرح آیا' لحظہ بھر رکا اور چلا گیا' فیروزہ آخری دنوں سے بھی وہ نہ آسکی۔ منزہ کو خلیل میں کوئی دلچسپی محسوس نہ ہوئی تھی بس ماں کا حکم تھا یا حالات کا

عارفہ.....مری

السلام علیکم! میرا نام عارفہ ہے اور عائشہ مجھ سے پورے ایک سال انیس دن بڑی ہے۔ ہم دونوں میں بہنوں سے زیادہ دوستی اور لڑائی کا رشتہ ہے۔ میں 29 اکتوبر کو بروز جمعہ بی ہی میں پیدا ہوئی' میرا ذاتی خیال ہے محبت دو محبت لو۔ بہن بھائیوں میں ساتویں نمبر پر ہوں۔ طبیعت اور مزاج کی تھوڑی تیز ہوں' غصہ بھی آتا ہے پر کنٹرول کرنے کی کوشش کرتی ہوں۔ جمعے کا دن پسند ہے۔ کھانے میں بریانی' پالک اور دالیں پسند ہیں' میٹھے کا خاص شوق نہیں' بقول عائشہ کہ میں فرمانبردار لڑکی ہوں اور اکثر لوگوں کے نزدیک میرے سر پر ہمیشہ اسکارف باندھنا بھی میری خوبی ہے۔ خامیاں تو ہر انسان میں ہوتی ہیں۔ جیسے میرا غصہ' فضول خرچی علاوہ ازیں ماہ رخ کہتی ہے میں بدتمیز اور منہ پھٹ ہوں' ٹیچر میں مس ملکہ جیسا کبھی نہ ملا' پسندیدہ رائٹرز میں فرحت اشتیاق' راحت جبیں' ثروت نذیر' عفت سحر طاہر' فائزہ افتخار اچھی لگتی ہیں۔ ویسے بہت بولنا میری مجبوری ہے' مجھے سب کلرز خاص طور پر اورنج' سرخ اور یلو جیسے برائٹ کلرز پسند ہیں۔ میرا ریاضی میں ماسٹرز کا ارادہ ہے۔ دنیا میں سب سے زیادہ پیار اپنے والدین اور ان کے بھی والدین سے کرتی ہوں۔ مجھے رنگز جمع کرنا اچھا لگتا ہے۔ جیولری سے خاص لگاؤ نہیں اور نماز میرے نزدیک بہترین عبادت ہے۔ اپنی نماز قائم رکھیں۔ آخر میں آپ سے اجازت چاہوں گی مگر پہلے سب کے لیے دعا اور آنچل کے لیے خاص خاص دعا کہ اللہ اسے ترقی دے آمین۔

تقاضا، وہ چپ تھی۔
خلیل گھر میں تنہا رہتا تھا، اس نے شادی کا مطالبہ کردیا۔ ماں باپ تھے نہیں بہن دوسرے شہر میں رہتی تھی، اکلوتی تھی وہ آئی اور اگلے ماہ کی تاریخ رکھ دی گئی۔
سلیمہ نے مناسب چیزیں اکٹھی کرکے جہیز تیار کیا اور یوں منزہ کی رخصتی کا دن آ گیا، ماں کی دعاؤں تلے وہ پیا گھر سدھار گئی۔ جب دو سانولے ہاتھوں نے اس کا گھونگھٹ الٹا تو منزہ کے دل کو عجیب سا لگا۔
''اے آنکھیں تو کھول......'' عجیب بساند بھرا لہجہ۔ منزہ کو ابکائی سی آئی، آنکھیں کھولیں تو ایک کمزور، بیمار زرد چہرہ اندر کو دھنسی آنکھیں، جامنی ہونٹ۔
''کیا دیکھ رہی ہے، بخار ہے مجھے۔'' یہ کہتا ہوا وہ دھم سے گرنے کے انداز میں بستر پہ آ گرا۔
منزہ سسکیاں دباتی رات گزارنے لگی، قسمت نے عجیب کھیل کھیلا تھا۔ اماں کو جانے کیا نظر آیا تھا خلیل میں یا وہ بوجھ تھی۔ منزہ کا دماغ الٹ سا گیا، انہی سوچوں میں غلطاں تھی کہ تہجد کا وقت ہوگیا، وہ جائے نماز پر سر رکھ کر سسکیاں لینے لگی۔
خلیل آڑا ترچھا لیٹا تھا، صوفے پر جاکر وہ سکون کی غرض سے لیٹ گئی کہ یک دم ایک نامانوس سے شور سے آنکھ کھل گئی۔
''چل اٹھ...... ناشتا بنا۔ میری بہن تو گئی اپنے گھر، ملازمہ نہیں یہاں کوئی تیری......'' اکھڑا انداز، نہ تمیز نہ تہذیب، نہ یہ خیال کہ وہ ایک دن کی دلہن ہے۔ بے ہودہ انداز میں اسے مخاطب کرتا انتہا کا جاہل لگا۔ منزہ کی ساری ڈگریوں اور تعلیم پر اس کی جہالت حاوی تھی، گھر میں کوئی اور تھا نہیں وہ خاموشی سے اٹھی اور باہر کا جائزہ لینے لگی۔
گھر کیا تھا ایک ڈربہ تھا، کونے میں ایک چھوٹا سا باورچی خانہ تھا، گندگی سے اٹا ہوا، وہ چکرا کر گرنے کو تھی۔ کیا یہ شادی ہے یا شادی کے نام پر دھوکا، فریب، اماں نے دیکھا تو کیا دیکھا تھا۔
''یہ لے انڈے، ڈبل روٹی، جلدی سے بنا دو دن بخار کی وجہ سے کچھ کھا ہی نہیں سکا۔'' انجانا مرد، انجانی جگہ نہ کوئی ذی روح، نہ شادی والا گھر۔
''کھڑی کھڑی منہ کیا دیکھ رہی ہے، چل ہاتھ چلا۔ استانی بن کے کھڑی نہ ہو، اسکول نہیں ہے یہ تیرا۔'' استہزائیہ ہنسی، مکروہ انداز، پیلے دانتوں کی نمائش کرتا وہ کمرے میں غائب ہوگیا۔ ناشتا کیا کرتا تھا، وہ آنسو حلق میں اتارتی رہی۔
''آج سے تیری نوکری بند، میں باہر سے تالا لگا کر جاؤں گا۔'' دو دن بعد صبح اس کا حکم نامہ جاری ہوگیا۔
''مجھے نوکری کرنے والی عورتوں پر بھروسہ نہیں، سمجھی تو......'' وہ آنکھیں نکال کر فرعون کا روپ دھارے کھڑا تھا۔
''مگر اماں نے تو کہا تھا کہ وہ کہہ چکی ہیں میں شادی کے بعد بھی نوکری کرتی رہوں گی۔'' منزہ نے اس کو جتانا چاہا۔
''یہ تیرے باپ کا گھر نہیں ہے جو تیری آنا کانی چلے گی۔'' وہ غصے سے گھور کر بولا۔ ''میں دکان پر جارہا ہوں، گھرداری سنبھال، شام کو تیری ماں سے ملانے لے جاؤں گا۔''
شادی کے چار دن بعد وہ باہر سے تالا لگا کر اسے قید کرکے چلتا بنا۔ منزہ اس روز جتنا رو سکتی تھی روئی، کسی زنداں میں کال کوٹھڑی میں رہ رہی تھی، خلیل ایک حرف نہ پڑھا ہوا تھا جاہل، بدزبان، بدتہذیب، بے دین کوئی اچھائی منزہ کو اس میں دکھائی نہ دے رہی تھی۔ یونہی روتے روتے اس کی آنکھ کھل گئی کہ خلیل کی دہاڑ پر جاگی، ہڑبڑا کر اٹھی۔
''یہ تُو سونے اور عیش کرنے کے لیے اس گھر میں آئی ہے روٹی دے۔'' کھانا تو اس نے بنایا ہی نہیں تھا اندر تک کانپ گئی۔
جب خلیل کو پتا چلا تو اس نے آؤ دیکھا نہ تاؤ، ہاتھ منہ کا پورا استعمال کررہا تھا۔ گالیاں، طعنے، گھونسے، منزہ بے

دم ہو کر گر سی گئی۔ بے بسی ولا چاری کا احساس روح تک پہ زخم آ گئے تھے۔

پھر تو جیسے خلیل نے روز مرہ کا معمول بنالیا' بلا سوچے سمجھے گالیاں بکنا' مارنا اپنا فرض اولین سمجھتے ہوئے وہ فرائض پورے کر رہا تھا۔

منزہ ایک ماہ میں ہی برسوں کی بیمار لگنے لگی تھی' خلیل کی زبانی ہی اس پر راز کھلا کہ اس کی پہلی بیوی سائرہ نے اس کی حرکتوں کی وجہ سے اس سے خلع لی تھی۔ خلیل جیسے مرد کے ساتھ گزارا کرنا ناممکن تھا۔ وہ اکیلا تھا' کسی دوست کی بہن کو اپنی بہن بنا کر رشتہ کروایا' دھوکہ جھوٹ سے شادی کر لی' نفسیاتی مریض تھا۔

منزہ بھی دل میں فیصلہ کر چکی تھی کہ اسے بھی خلیل کے ساتھ نہیں رہنا' اس کا نہ باپ نہ بھائی جو محافظ بنتا۔ وہ جلد از جلد اس سے پیچھا چھڑانا چاہتی تھی اور خلیل اسے اپنی ملکیت بلکہ جاگیر سمجھتا تھا' دوبارہ وہ ماں سے ملنے گئی زخموں کو چھپا کر' زبان کو تالا لگا کر' مگر اب نہیں اب اسے اس درندے کی چنگل سے نکلنا ہی تھا۔

❀......❀......❀

اگلے دن جب وہ شام کو سلیمہ سے ملنے گئی تو اڑ گئی' واپس نہ جانے کے لیے' ماں کو خلیل کے ایک ایک ظلم سے آگاہ کیا۔ خلیل اس کی ضد پر طیش میں آ گیا اور وہیں کھڑے کھڑے طلاق کے تین حرف بول کر اسے مزید بے توقیر کر گیا' وہ رات منزہ کو اپنی تقدیر سے بھی زیادہ کالی لگی' تینوں نے سسک سسک کر رات گزری' تین ماہ بعد ہی وہ مطلقہ ہو گئی تھی۔

''اماں تم چھان بین تو کرتیں۔'' منزہ ہچکیاں لے کر بولی۔

''مجھے تو صفیہ نے پورا یقین دلایا تھا کہ اکیلا گھر ہے منزہ راج کرے گی۔ مجھے کیا خبر تھی تیرا باپ اور بھائی ہوتے تو سارا پتا کرتے۔''

''بھائی......؟'' منزہ کے دل پر گھونسا لگا۔

ناصر کو پتا چلا تو طنز کے تیر چلانے آ گیا' منزہ خاموشی

سے سنتی رہی۔
"میں شارجہ جارہا ہوں دو سال بعد واپسی ہوگی۔ فیروزہ کے بھائی کمال نے ویزا لگوایا ہے تمہارا دل چاہے تو فیروزہ اور ماہ نور سے جا کر مل آنا۔ اگلے ہفتے میں جارہا ہوں۔" ناصر ڈھٹائی اور بے حیائی کی ساری حدیں پار کر کے گھر کی دہلیز پار کر گیا۔

❀......❀......❀

عدت کے دن پورے کر کے منزہ نے دوبارہ اسکول جانا شروع کردیا' سلیمہ کی حالت دن بہ دن بگڑتی جارہی تھی' پے درپے صدموں نے اسے نڈھال کردیا تھا۔ منزہ جہاں ٹیوشن پڑھانے جاتی تھی' وہیں پر سدرہ کے رشتے کی بات کی' تھوڑے دنوں بعد اس کا رشتہ ہوگیا۔ لڑکا پرائیوٹ نوکری کرتا تھا' بھلے لوگ تھے یوں سدرہ اپنے گھر کی ہوگئی۔
منزہ نے بہت اچھے طریقے سے اس کی شادی کی اور یہ فرض بھی بخوبی انجام پاگیا۔ خود کو دیکھتی تو ترس سا آتا' اتنی آزمائشوں کے بعد وہ کندن بن گئی تھی۔ صبح سے شام اور رات سے صبح کرنا ہی زندگی کا مقصد بن کر رہ گیا تھا۔
سلیمہ اس کی حالت اور مخدوش مستقبل کے بارے میں سوچ سوچ کر پریشان رہتی' اللہ سے دعا کرتی کہ اس کی بیٹی کی مشکلات اور آزمائشیں ختم ہوجائیں۔ اس کا صبر اور قربانیاں بہت عظیم تھیں وہ ماں تھی اور اسے منزہ کا گھر آباد دیکھنے کی اشد خواہش تھی۔ اس روز منزہ اسکول سے آئی تو سلیمہ کی خاموش نظریں اور اداس چہرہ اسے پریشان کر گیا۔
"تو اپنے گھر کی ہوجا تو میں سکون سے مرسکوں۔"
سلیمہ اس کے سامنے رو پڑی' منزہ کا دل تھم سا گیا۔
"ماں میں اب کوئی تجربہ نہیں کروں گی' ابھی تو میرے زخموں سے لہو رس رہا ہے۔ میرے اندر نہ خواہش ہے نہ کسی اور صدمے کو سہنے کی ہمت۔"
"تیری سب باتیں سچی ہیں پر میری چندا! پانچوں انگلیاں برابر نہیں ہوتیں۔ میں صالحہ بہن سے بات کروں گی' وہ ضرور کوئی نہ کوئی حل نکال کر مدد کریں گی۔"
منزہ سرد آہ بھر کر اٹھ کھڑی ہوئی۔
بے دلی سے کھانا کھایا' کچھ دیر آرام کر کے ٹیوشن پڑھانے چلی گئی۔

❀......❀......❀

"منزہ بہت صابر بچی ہے' مجھے خود اس پر ترس آتا ہے' اللہ اسے اب اور کسی آزمائش میں نہ ڈالے۔" صالحہ باجی نے سلیمہ سے وعدہ کیا کہ وہ منزہ کے لیے دعا کے ساتھ ساتھ کوئی نہ کوئی مثبت قدم ضرور اٹھائیں گی' شاید یہ قبولیت کی گھڑی ہی تھی۔
ہفتہ دس دن گزرے صالحہ کے چچا زاد طارق کی جوان بیوی دوسرے بچے کی پیدائش پر اللہ کو پیاری ہوگئی۔ بچہ بھی دو دن بعد فوت ہوگیا' طارق کی تو جیسے دنیا ہی اجڑ گئی' صالحہ باجی روزانہ وہاں جاتیں' جوان مرگی پر سبھی اشکبار تھے۔
سلیمہ بھی افسوس کرنے صالحہ کے پاس چلی آئیں۔ طارق کا پہلا بیٹا ڈیڑھ سال کا تھا' اکلوتا بیٹا تھا' ماں تھی' وہ بھی بیمار رہتی تھیں۔ بچہ کون سنبھالتا' مہینے بعد ہی سب نے طارق کو دوسری شادی کا مشورہ دیا۔ خود صالحہ کو اپنا یہ کزن بھائیوں کی طرح عزیز تھا' ایسے میں انہوں نے نجمہ چچی سے بات کی' منزہ کے بارے میں' وہ چپ ہوگئیں طارق کو منانا بھی ایک مسئلہ تھا۔
بیمار دادی کب تک بچے کو سنبھالتی' صالحہ نے خود طارق سے بات کرنے کی ٹھانی۔
"میں منزہ کی گارنٹی دیتی ہوں' وہ مون کو ماں بن کر بہت طریقے سے سنبھالے گی' اللہ کی مصلحت اسی میں تھی۔" طارق چپ چاپ ان کی باتیں سنتا رہا' آخرکار دو چار مرتبہ پھر بات کرتے' سمجھانے اور دلائل دینے پر وہ مان گیا۔
سادگی سے نکاح ہوا اور منزہ دل میں خوف' امید اور آس کے جگنو جگائے' طارق کے سنگ اس کے گھر

آ گئی۔ ساس نے محبت سے استقبال کیا۔ طارق کمرے میں آیا' سلام کے بعد ڈیڑھ سالہ مون کو منزہ کی گود میں ڈال دیا' منزہ خود کو تیار کر چکی تھی۔ اس نے شفقت سے مون کو بانہوں میں بھرلیا' معصوم بچہ اس کی آغوش میں آ کر اس کا ممتا بھرا لمس پا کر پرسکون نیند سو گیا۔ اسے لٹا کر وہ آنچل سنبھالتی آہستہ آہستہ قدم اٹھاتی صوفے پر بیٹھے طارق کے پاس آ گئی اور نظریں جھکا کر بولی۔

''آپ مجھے اپنی توقع سے بڑھ کر پائیں گے۔'' اس نے طارق کے ہاتھ پر اپنا ہاتھ رکھ کر پُرعزم لہجے میں کہا تو طارق کے چہرے پر چھائے اداسی کے بادل رفتہ رفتہ چھٹنے لگے۔ منزہ کے اندر بھی سکون اتر آیا۔ سکون کے لمحات اور طویل تر ہو گئے جب ایک دن طارق نے اسے نوکری سے استعفیٰ دینے کو کہا۔ منزہ نے فوراً سے بیشتر اس کی بات مان لی۔

اسے ایسا لگتا تھا جیسے صحرا سے نخلستان میں آ گئی ہو' طارق بے حد سلجھا ہوا نرم مزاج' تہذیب یافتہ' معاملہ فہم سمجھ دار اور سب سے بڑھ کر بے حد محبت کرنے والا انسان ثابت ہوا۔ خود منزہ بھی اس کی خدمت میں' اطاعت میں کوئی کسر نہ اٹھا رکھتی۔ نجمہ چچی اس سے خوش تھیں' بیٹے کا گھر بس گیا۔ مون کی پرورش میں اس نے خود کو بھلا دیا تھا کہ وہ ماں کی کمی محسوس نہ کر سکے۔

سلیمہ اور سدرہ کبھی کبھار آ جاتیں' سلیمہ نے طارق سے مشورہ کر کے اور اس کی مدد سے گھر کرائے پر چڑھا دیا تھا کیونکہ سدرہ سلیمہ کو اپنے گھر لے گئی تھی۔ اللہ تعالیٰ نے آخر کار اندھیری کالی رات کے بعد روشن اجالا کر دیا تھا اور زندگی مسکرانے لگی تھی' وقت رفتہ رفتہ پرسکون ندی کی مانند ہلکورے لیتا گزرنے لگا' یہاں تک کہ مون کی دوسری سالگرہ آ گئی۔

❁......❁......❁

رات مون کو فیڈر دے کر اس نے سلا دیا' دو روز بعد اس کی سالگرہ تھی۔ طارق نے بہت اچھے پیمانے پر انتظام کیا تھا' سب کاموں میں منزہ کے مشوروں کو اولیت دی تھی۔ کچن سمیٹ کر اس نے صبح کے لیے طارق کا سوٹ نکالا اور استری کرنے لگی' طارق خاموشی سے لیپ ٹاپ پر کام کر رہا تھا۔ درحقیقت اس کا سارا دھیان منزہ اور اس کی سرگرمیوں پر تھا' لیپ ٹاپ بند کر کے اس نے چیزیں سمیٹ کر ایک طرف رکھیں' چائے کا آخری گھونٹ بھر کر کپ رکھا اور کھڑا ہو گیا۔

منزہ الماری میں طارق کا سوٹ ہینگر کر کے لٹکا کر پیچھے مڑی تو طارق سے ٹکرا گئی۔ طارق نے اسے احتیاط سے تھام لیا اور اس کی آنکھوں میں جھانکنے لگا۔ منزہ نے شرما کر پلکیں جھکائیں تو طارق نے بے خود ہو کر اسے خود میں سمو لیا' منزہ کے اندر تک پیار کی پھوار برس اٹھی اور تن من بھگونے لگی۔

یہ رات اس کے لیے نئی خوشیوں کے در وا کیے کھڑی تھی اور آنے والے خوشگوار دنوں کی نوید سنا رہی تھی۔ سنگریزوں کا سفر تمام ہوا اب راستہ پھولوں بھرا تھا۔

منزہ نے سر اٹھا کر طارق کی آنکھوں میں دیکھا جہاں محبت' عقیدت' الفت اور چاہت کے سبھی رنگ نمایاں تھے۔ یہ منزہ کی زندگی کے سب سے پُرکیف و سکون آمیز لمحات تھے۔ ایسے خوش کن لمحات و احساسات جنھوں نے منزہ پر خوشیوں کے بند دروازے کھول دیئے تھے اب وہ ان میں بلا جھجک داخل ہو کر اپنے لیے خوشیاں حاصل کر سکتی تھی' اک طویل آبلہ پائی کے بعد۔

❁

(گزشتہ اقساط کا خلاصہ)

تورہا ایک بزنس مین ہے اور اپنے اصول و وقت کا سخت پابند ہے اور یہی اس کے بزنس کی کامیابی کی وجہ بھی ہے اسے اپنے اسٹاف کا دیر سے آنا سخت ناپسند ہے۔ ظعیعہ یونیورسٹی میں پڑھنے کے ساتھ تورہا کے آفس میں کام بھی کر رہی ہے لیکن اس کی طبیعت میں بے پروائی اور لاابالی پن ہے اس لیے وہ ہمیشہ ہی دیر سے آفس آ کر تورہا کے غصہ کا شکار ہوتی ہے۔ لیکن اس کی ذہانت اور محنت کو دیکھتے ہوئے تورہا اسے آفس میں برداشت کر رہا ہے۔ آغا مینا ظعیعہ کی یونیورسٹی فیلو ہونے کے ساتھ بہترین دوست بھی ہے۔ آغا مینا خوب صورت ہونے کے ساتھ سلجھی ہوئی لڑکی ہے جبکہ ظعیعہ غصہ کی تیز ہے اس لیے آغا مینا کے ایکسیڈنٹ پر وہ مقابل کو سخت سست سنا کر اپنے غصہ کا اظہار کرتی ہے جبکہ آغا مینا اسے سمجھا کر ارقام کو وہاں سے جانے کا اشارہ کرتی ہے۔ ارقام کی گاڑی سے ہی آغا مینا کا ایکسیڈنٹ ہوا تھا۔ زاویار اور ارقام گہرے دوست ہیں اور ساتھ یونیورسٹی میں پڑھتے ہیں ارقام زاویار کو اس کی فاختہ کے بارے میں بتا کر گاڑی رکواتا ہے اور ساتھ ہی آغا مینا کو گاڑی میں بیٹھنے کی آفر بھی کرتا ہے جبکہ زاویار اس کی اس پیشکش پر غصہ سے پیچ و تاب کھا کر رہ جاتا ہے۔ آغا مینا یونیورسٹی سے دیر ہو جانے کی وجہ سے مجبوراً گاڑی میں سوار ہو جاتی ہے۔ تورہا اپنے احساسات کسی پر آشکار نہیں کرنا چاہتا یہاں تک کہ وہ خود سے بھی دل کی بات چھپا کر رکھتا ہے اس لیے اپنی ازدواجی زندگی کو بھی وہ بزنس ڈیل کے طور پر گزار رہا ہے۔ ارقام شاپنگ کے دوران ظعینہ کو دیکھ کر اسے اپنی شاپنگ میں مدد کے لیے کہتا ہے لیکن وہ وقت کی کمی اور اپنی مجبوری بتا کر معذرت کر لیتی ہے۔ آغا مینا اپنی امی کی خراب طبیعت کا سن کر پریشان ہو جاتی ہے اور ڈاکٹر صاحب کو ان کا خیال رکھنے اور اپنے جلدی پہنچنے کا بتا کر یونیورسٹی سے نکل جاتی ہے۔ آغا مینا کو اپنی امی سے بے حد محبت ہے اس لیے ان کی ذرا سی خراب طبیعت پر پریشان ہو گئی تھی۔ تورہا نے پاپا کے طبیعت کو نظر انداز کرتے شیرازی انکل کو فون کر دیا جس پر ظعیعہ اس سے سوال کرتی ہے تو وہ غصہ میں کچھ کہتے ہوئے خاموش ہو گیا تھا۔ زاویار کو شروع دن سے آغا مینا پسند نہیں تھی۔ اس کے خیال میں وہ لڑکوں سے جلدی فرینک ہو جاتی ہے اور ارقام سے پہلی ملاقات میں ہی اس کی بے تکلیف اسے ذرا نہیں پسند آئی تھی اس لیے یونیورسٹی میں جب آغا مینا ظعیعہ کے انتظار میں زاویار سے ٹکرائی تو وہ آغا مینا کو سخت سست سنا کر چلا گیا تھا۔ تورہا کام میں بے حد مصروف تھا کہ اچانک سالار کی آمد نے اسے خوش گوار حیرت میں ڈال دیا تھا۔ سالار تورہا کا بہترین دوست ہونے کے ساتھ اس کا رازدار بھی ہے سالار زری کے حوالے سے تورہا سے پوچھتا ہے جس پر وہ لاعلمی کا اظہار کرتا ہے۔ آغا مینا کی امی جاب کرنا چاہتی ہیں لیکن آغا مینا نے ان کی طبیعت کی وجہ سے انہیں منع کر دیا تھا لیکن وہ اپنی باتوں سے اسے قائل کر لیتی ہیں۔ آغا مینا بھی گھر کے اخراجات کی وجہ سے پریشان ہے وہ پڑھائی کے ساتھ ایک جگہ جاب کر رہی تھی۔ ظعیعہ کا سامنا یونیورسٹی میں زاویار سے ہو جاتا ہے وہ کترا کر جانا چاہتی ہے کہ زاویار اسے مخاطب کر کے رکنے پر مجبور کر دیتا ہے جس پر ظعیعہ تلملا کر رہ جاتی ہے۔ آغا مینا کو مارکیٹ میں ایک خاتون (ذروہ) پسند کرتے اس سے موبائل نمبر ایکسچینج کرتی ہے۔

(اب آگے پڑھیے)
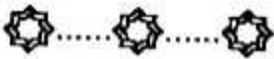
پکارنے والی کو دیکھ کر اس کے ماتھے پر شکنیں پڑنے

لگی تھیں۔
"جی فرمائیے؟ کیا پرابلم ہے آپ کو؟" کسی قدر طنزیہ انداز میں استفسار کیا تھا۔
"اگر یہی بات میں آپ سے پوچھوں تو؟" اس نے بھی تیکھے چتونوں سے قدرے استہزائیہ انداز میں کہا تھا۔
"کیا مطلب ہے آپ کا؟" بنا اس کی جانب دیکھے ناگواری سے پوچھا تھا۔
"مطلب یہ کہ مسٹر زادیار احمد شیرازی' آپ ازخود ایک بہت بڑی پرابلم ہیں۔ خصوصاً میرے لیے' جان بوجھ کر پرابلمز کری ایٹ کرتے ہیں' مجھے یہ جاننا ہے کہ آخر آپ کو مجھ سے کیا پرابلم ہے؟" گھور کر دیکھتے ہوئے غصے سے استفسار کیا تھا۔
"واٹ؟ میں' میں آپ کے لیے پرابلمز کری ایٹ کرتا ہوں۔ ہوش میں تو ہیں محترمہ؟ نہ میں آپ کو جانتا ہوں اور نہ آپ مجھے' تو پھر میں آپ کے لیے پرابلمز کری ایٹ کیوں کروں گا؟" اسے ازحد حیرت ہوئی تھی۔
"یہ تو آپ خود بہتر جانتے ہیں۔"
"کیا مطلب ہے آپ کا اس بات سے؟" اس کی تیوری پر بل پڑ گئے تھے۔
"میرا مطلب یہ ہے کہ مسٹر جب آپ دوسروں پر بنا بات کے الزام لگا سکتے ہیں تو پھر دوسروں کو بھی حق ہے کہ وہ آپ کی صحیح' غلطی کی نشان دہی کرسکیں' جو دوسروں کو غلط کہتے ہیں وہ خود بھی غلط ہوسکتے ہیں۔" انداز میں سراسر طنز تھا۔ زادیار کے ماتھے کی شکنیں بڑھتی ہی جارہی تھیں۔ اسے پہلے دن سے ہی یہ لڑکی اور اس کی حرکتیں کھل رہی تھیں' جانے کیوں وہ اس سے خار کھاتا تھا' اس کا پہلا امپریشن ہی اس پر بہت برا پڑا تھا' یہی وجہ تھی جہاں بھی وہ اسے نظر آتی اس کے ماتھے پر بل پڑجاتے تھے۔ چہرے پر ناگواریت در آتی اور خود بخود اس سے بات کرتے وقت اس کے لہجے اور انداز میں سختی در آتی تھی۔
"دیکھیے مجھے آپ سے یا آپ کے کسی مطلب مطالب سے کوئی سروکار نہیں ہے۔ مجھے آپ اتنا بتائیں آپ نے مجھے کیوں روکا ہے؟ فضول میں ہر کسی کی فضول گوئی سننا میری عادت نہیں ہے۔"
"مجھے بھی کوئی شوق نہیں ہے' ہر کسی سے فضول بات سننا' اینی ویز' یہ آپ کی میڈیسنز' آپ نے کاؤنٹر سے اپنی میڈیسنز کی بجائے میری میڈیسنز اٹھالی تھیں' یہی لوٹانے کے لیے میں اتنی دور سے پاگلوں کی طرح آپ کے پیچھے آوازیں لگاتے ہوئے دوڑتی ہوئی آئی ہوں' لیکن آپ غالباً چلتے ہوئے کان بند رکھتے ہیں تبھی تو دوسروں کی پرابلمز نظر نہیں آتیں آپ کو۔" استہزائیہ انداز میں اپنی بات پر زور دیتے ہوئے طنزیہ اس کی جانب دیکھا تھا۔ زادیار نے حیرت سے اپنے ہاتھ میں پکڑے ہوئے میڈیسنز کے پیکٹ کو دیکھا تھا۔ وہ حقیقتاً اس کا پیکٹ نہیں تھا' جلدی میں شاید وہ اپنے پیکٹ کی جگہ دوسرا پیکٹ اٹھا کر لے آیا تھا۔
اسے ایک پل کو شرمندگی ضرور ہوئی مگر اظہار اس کے لیے ازحد ناگوار تھا۔ شرمساری کے تاثرات سے مبرا چہرہ لیے اس نے سامنے کھڑی آغا مینا کو دیکھا اور پیکٹ اس کی جانب بڑھا دیا۔ آغا مینا نے جھپٹ کر اپنا پیکٹ لیا اور اس کا پیکٹ اسے تھما کر بنا کچھ کہے تیزی سے واپس مڑ گئی۔
ایک پل کو زادیار نے اس سے معذرت کرنے کا سوچا تھا مگر اس کے انداز پر لب بھینچ کر رہ گیا اور سر جھٹکتے ہوئے اپنے راستے چل پڑا۔

❂……❂……❂

سالار نے گھر پر پارٹی دی تھی۔
تورع کی بہت اہم میٹنگ تھی۔ نہ وہ سالار کو منع کرسکتا تھا اور نہ ہی میٹنگ پوس پون کرسکتا تھا۔ اسی لیے اس نے سوچا تھا کہ میٹنگ اٹینڈ کرنے کے بعد پارٹی میں چلا جائے گا۔ سالار کو اس نے فون کرکے بتادیا تھا۔
سالار نے پہلے تو اسے بے بھاؤ کی سنائیں تھیں پھر اس کی مجبوری جان کر بہت مشکل سے مانا تھا۔ اس کے لیے یہ بھی غنیمت تھا۔
میٹنگ میں کافی دیر ہوگئی تھی۔ جونہی میٹنگ ختم ہوئی وہ سیدھا سالار کی طرف چلا آیا۔ وہ تو جیسے اسی کا انتظار

کررہا تھا۔ باہر ہی ٹہلتا ہوا مل گیا۔ ''اوہ آ گئے جناب' تورع حسن بخاری صاحب' خیر سے ٹائم مل گیا آپ کو؟'' اسے دیکھتے ہی وہ طنزاً گویا ہوا تھا۔ تورع اس کے انداز پر دھیرے سے مسکرا دیا تھا۔

''ایم سوری یار' میں واقعی میں کچھ لیٹ ہو گیا۔''

''کچھ' کچھ نہیں بہت زیادہ کہو۔'' وہ کسی قدر ناراضگی سے گویا ہوا تھا۔

''کہا ناں یار سوری۔''

''ہنہ سوری' اینی ویز چل اندر چلتے ہیں' تیرے نہ ہونے سے چراغوں کی روشنی بجھی ہوئی تھی۔'' سالار نے معنی خیزی سے کہا تھا۔ تورع اس کے ساتھ چلتے ہوئے ٹھٹک کر رکا تھا' اور چونک کر اس کی جانب دیکھا تھا۔

''کیا مطلب ہے تیرا اس بات سے؟'' اس نے مشکوک سے انداز میں پوچھا تھا۔ وہ ایک پل کے لیے گڑبڑا سا گیا۔

''کوئی مطلب وطلب نہیں ہے یار' تو تو جب سے بزنس مین بنا ہے' چھوٹی سے چھوٹی بات میں مطلب مطالب ڈھونڈنے لگا ہے۔ میں نے تو بس یونہی کہہ دیا تھا۔ تیرے بغیر دل نہیں لگ رہا تھا' اس لیے۔'' کسی قدر برا مانتے ہوئے مصنوعی خفگی سے دیکھا تھا۔

''تو آج کل بات ہی اس انداز میں کرتا ہے کہ مجھے شک سا گزرا کہ......''

''کہ کوئی گڑبڑ ہے' ہے ناں؟''

''نہیں یار' بس ایسے ہی۔ اچھا چل چھوڑ اندر چلتے ہیں۔'' اندر داخل ہوتے ہوئے اس نے چونک کر اردگرد دیکھا تھا۔

''تو تو کہہ رہا تھا پارٹی ہے' لیکن یہاں تو کسی پارٹی کے آثار دکھائی نہیں دے رہے۔'' حیرت سے سالار کی جانب دیکھتے ہوئے استفسار کیا تھا۔

''ہاں' تو پارٹی ہے ناں' میں نے کب کہا کہ پارٹی نہیں ہے۔''

''میں بھی تو یہی پوچھ رہا ہوں' اگر پارٹی ہے تو کوئی دکھائی کیوں نہیں دے رہا؟ یا صرف میرے لیے ہی پارٹی

اریخ کی ہے تونے؟" اس نے کسی قدر تمسخرانہ نظروں سے دیکھتے ہوئے کہا تھا۔

"ہاں یہی سمجھ لے۔" معنی خیزی سے کہا گیا تھا۔

تورع نے استفہامیہ نظروں سے دیکھا تھا۔

"آئی مین ٹو سے کہ یہ پارٹی میں نے اپنے فرینڈز کے لیے دی ہے۔"

"فرینڈز کے لیے۔" اس نے جانچتی ہوئی نظروں سے سالار کو دیکھا تھا۔ اس نے اثبات میں سر ہلایا۔

"جان سکتا ہوں کس خوشی میں؟"

"یار فرینڈز کے ساتھ مل بیٹھنے سے' ان کے لیے پارٹی اریخ کرنے کے لیے کسی 'خوشی' کا وقوع پذیر ہونا ضروری ہے کیا؟" وہ جھنجلایا۔

"نہیں۔"

"پھر اس ساری فضول گوئی کا مطلب۔" برا مانتے ہوئے کہا گیا تھا۔

"نہیں خیر یہ ایسی فضول گوئی بھی نہیں' خود سے اور خاص طور پر مجھ سے آگاہ تو ہے ناں تو۔" اس کی بات پر سالار نے نظریں چرائی ہیں۔ اب کے وہ خاموش ہی رہا۔ کوئی جواب نہ بن پڑا تھا اس سے۔

"اوکے فائن' تیری اس پارٹی میں صرف میں ہی انوائیٹڈ نہیں' تیرے اور بھی فرینڈز آرہے ہیں بقول سالار سادات کے' بائی دا وے کیا میں جان سکتا ہوں' کون کون آرہا ہے تیری اس پارٹی میں' جو تو نے بقول تیرے میرے لیے اریخ کی ہے۔" اس کے نظریں چرانے پر تورع نے مشکوک سے انداز میں اس کی جانب دیکھتے ہوئے استفسار کیا۔

"یار آج کل تو کچھ زیادہ ہی شکی نہیں ہو رہا؟" اس کی جانب دیکھتے ہوئے مصنوعی ناراضگی سے کہا تھا۔ غالباً اسے موضوع سے ہٹانے کی کوشش کی گئی تھی۔

"اب کیا کیا جائے' تیری حرکتیں ہی اتنی مشکوک سی ہیں تو میرا شک کرنا کوئی اتنا قابل گرفت بھی نہیں۔" سالار اس کی بات پر گڑبڑا سا گیا۔

"چل چھوڑ نا یار یہ بیکار کی بحث' اندر چلتے ہیں سب منتظر ہیں۔"

"کس کے؟ تیرے یا میرے؟"

"میرے منتظر ہیں میرے بھائی' اب تو چل۔" دانت کچکچاتے ہوئے اس کے آگے ہاتھ جوڑے تھے۔ تورع نے بمشکل مسکراہٹ ضبط کی تھی اور اس کے ساتھ اندر کی جانب قدم بڑھا دیے۔

تورع جان بوجھ کر اسے چڑا رہا تھا ورنہ اسے کیا غرض تھی کہ اس نے کس کو بلایا ہے اور کس کو نہیں؟ اس پل وہ بھول چکا تھا کہ اس کی فرینڈز کی لسٹ میں کوئی بہت خاص بھی ہے سر فہرست۔

لاؤنج کی جانب بڑھتے ہوئے کسی کی نسوانی مانوس سی ہنسی نے اسے ٹھٹک کر رکنے پر مجبور کر دیا تھا۔ اس کے پاؤں یکلخت تھمے تھے اسے لگا جیسے وہ اب آگے قدم بڑھا نہیں پائے گا۔

"کیا ہوا تورع؟ چلو ناں۔" تبھی سالار نے اس کے کندھے کو تھپکا۔ اس نے چونک کر اس کی جانب دیکھا تھا' اور پھر نفی میں سر ہلاتے ہوئے آگے بڑھا۔

لاؤنج میں قدم رکھتے ہی اس کی نظر بے تحاشہ ہنستی ہوئی ذری پر پڑی تھی یہ وہ ہستی تھی جسے نا چاہتے ہوئے بھی وہ ہمیشہ اپنی نظروں کے سامنے دیکھنا چاہتا تھا۔ جسے چاہتے ہوئے بھی اگنور نہیں کر پاتا تھا۔ جس سے چاہتے ہوئے بھی غافل نہیں ہو پاتا تھا۔

ہنستے ہوئے بالکل اچانک ذری کی نگاہ سامنے ایستادہ تورع حسن بخاری پر پڑی تھی۔ اس کے مسکراتے ہوئے لب یکلخت بھینچ سے گئے تھے۔ چند ثانیے اس کی جانب دیکھتے رہنے کے بعد اس نے دانستہ نظریں چرائی تھیں۔ مگر تورع ابھی تک ساکت سا کھڑا اسی کی جانب دیکھے جا رہا تھا۔ سب کے یوں ایک دم خاموش ہو جانے پر ذری نے ٹپٹا کر اور کسی قدر کنفیوز ہوتے ہوئے تورع کی جانب دیکھا تھا۔ چند پل دیکھنے جانے کے باوجود جب یونہی وہ دیکھتا رہا تو ذری نے نظریں چرالیں۔

"ہوں' ہوں' تورع۔" ذری کے چہرے پر کنفیوژن دیکھ

کر سالار نے تورع کا کندھا ہلایا تو وہ بری طرح چونکا تھا۔ سب پر طائرانہ نگاہ ڈالتے ہوئے اپنے ساتھ کھڑے سالار کی جانب دیکھا تھا اور خود پر جمی اس کی نظروں کا مفہوم جان کر اس نے بے ساختہ نظریں چرائی تھیں۔

''یہ اتنا مصروف و معروف سا بندہ تجھے کہاں سے مل گیا سالار؟ ہمیں تو ہمیشہ یہ چکما دے جاتا ہے۔'' عظیم نے موجودہ صورت حال کو دیکھتے ہوئے بالکل غیر محسوس انداز میں قدرے اونچی آواز میں شکوہ کرتے ہوئے تورع کی جانب قدم بڑھائے تھے اور اس سے مصافحہ کرنے لگا' تورع نے اس کے شکوے پر اس کے کندھے پر ایک دھپ رسید کی تھی۔

''یہی بات تجھ پر بھی لاگو ہوتی ہے۔'' تورع نے کچھ یاد دلانا چاہا تھا۔ وہ ایک لمحے کو گڑبڑا سا گیا۔

''مجھ پر کیوں بھئی؟ کتنی دفعہ تجھ سے ملنے آیا' تجھے فنکشن پر انوائٹ کیا' مگر تجھ پر تو جیسے مصروفیت کا دورہ پڑا ہوا ہے۔''

''اچھا بائی داوے کتنی دفعہ بلایا ہے تو نے؟' ذرا انگلیوں پر گن کے بتا' ایک بار کے علاوہ جب بھی تو مجھ سے ملنے آیا' کسی فنکشن میں مجھے انوائٹ کیا' کیا میں نے منع کیا؟ بس اسی ایک بات کو لے کر بیٹھا ہے' حالانکہ تو جانتا ہے ان دنوں میں آؤٹ آف سٹی تھا۔ پھر بھی جہاں ملتے ہو شکوے شکایات کا دفتر کھول لیتے ہو۔ دس از ناٹ فیئر عظیم۔'' خود کو نارمل کرتے ہوئے بظاہر بشاش سے انداز میں گویا ہوا تھا اور قدم آگے بڑھا دیے تھے۔

''ہائے تابی' ہاؤ آر یو؟'' دوسری جانب بیٹھی ذری کو دانستہ نظر انداز کرتے ہوئے اس نے تاباں سے پوچھا تھا۔

''فائن تھینکس' تم سناؤ۔''

''آئم گڈ۔'' دھیرے سے کہہ کر وہ عظیم کے ساتھ کچھ اس انداز میں براجمان ہوا کہ ذری پر نظر نہ پڑ سکے۔

''یہ بہت غلط بات ہے تورع' تو نے سب کی خیریت دریافت کی لیکن ذری کو بھول گئے۔'' سالار نے جان بوجھ کر آنکھوں میں شرارت لیے بظاہر گہری سنجیدگی سے قدرے اونچی آواز میں تورع سے کہا تھا' جہاں ذری نے سٹپٹا کر اس

چلتے چلتے

چلتے چلتے طویل راہ پر
پلٹ کر جو دیکھا زندگی میں
تو میں نے مانا
کہ جتنے گزرے تمام لمحے
ہیں واجبی سے مگر وہ لمحے جو سنگ تمہارے
گزر گئے ہیں......
تمام لمحوں میں......
معتبر ہیں......

رشک وفا...... برنالی

کی جانب دیکھا تھا وہیں تورع نے گھور کر سالار کو دیکھا تھا۔ جس کے چہرے پر دبی دبی مسکراہٹ رقصاں تھی۔ عظیم اور تاباں کے چہروں پر بھی کچھ ایسے ہی تاثرات تھے۔ تورع کے دیکھنے پر انہوں نے سرعت سے اپنے لب بھینچے تھے۔

تورع نے ایک پل کو ذری کی جانب دیکھا تھا وہ بھی اسی کی جانب دیکھ رہی تھی۔ تورع کے دیکھنے پر فوراً نظریں چرائی تھیں۔ لاؤنج میں بہت دیر تک معنی خیز خاموشی چھائی رہی تھی۔ جسے سالار کی آواز نے توڑا تھا۔

''آئی تھنک اب کھانا لگ جانا چاہیے۔ خالی پیٹ جانے کیسے کیسے خیال آرہے ہیں۔'' سالار نے کسی قدر مضحکہ خیز انداز میں مسکراہٹ دباتے ہوئے کہا تھا۔

تورع نے گھورتے ہوئے ملامتی نظروں سے دیکھا تھا۔ صاف اشارہ تھا کہ اس کی اس اچانک پارٹی کا پس منظر وہ جان گیا تھا۔ سالار نے گڑبڑاتے ہوئے نظریں چرائی تھیں۔ اور ملازمہ کو آواز دینے لگا۔

''اب کھانا لگا دو قیصرہ۔ یہاں خیالات اور جذبات میں بھونچال آرہے ہیں۔'' اس کے معنی خیز انداز پر تورع نے پاس پڑا ہوا کشن زور سے اس کی جانب اچھالا تھا۔ جسے اس نے مسکراتے ہوئے باآسانی کیچ کرلیا تھا اور قہقہہ لگا کر ہنس دیا۔

''کھانا لگا دیا ہے صاحب۔''

''اوکے' تھینکس قیصرہ۔ چلو یار کھانا کھاتے ہیں۔ کھانے کے بعد ذری ہمیں اپنے ہاتھ کی ویسی ہی چائے پلائے گی جیسی ذری نے یونیورسٹی کے دنوں میں پلائی تھی۔ کیوں تورع؟'' اس نے اب بھی جان بوجھ کر صرف تورع کو ہی مخاطب کیا تھا۔

تورع نے گھور کر دیکھا اور اٹھ کھڑا ہوا۔

''آئی تھنک کھانا کھالینا چاہیے۔'' اس کی بات پر بنا کوئی تبصرہ کیے تورع نے کہا اور ان کا انتظار کیے بنا ڈائننگ روم کی جانب بڑھ گیا۔

دوسری جانب ذری کو اس کا یہ لیا دیا سا انداز دکھی کر رہا تھا۔ باوجود اس کے کہ وہ یہی تو چاہتی تھی' اس کے سرد سے انداز پر اس نے اپنے لب بھینچے تھے۔

''کیا خیال ہے ذری چائے پلاؤ گی ناں؟'' سالار نے اس کے تاثرات بغور نوٹ کیے تھے۔

''یا شیور۔ وائے ناٹ۔'' دھیرے سے مسکرانے کی کوشش کی تھی۔ اس کے چہرے کی پھیکی سی مسکراہٹ سالار سے قطعی چھپی نہ رہ سکی تھی لیکن یہ وقت اظہار کا نہیں تھا' اسی لیے اس نے نظر انداز کر دیا۔

کھانے کے دوران تورع اور ذری کے علاوہ سبھی باتیں کرتے رہے تھے۔ تورع ان سب سے لاتعلق بیٹھا کھانے میں مصروف تھا۔ جبکہ ذری کبھی کبھی ان کی باتوں پر ہلکی سی مسکراہٹ پاس کر دیتی تھی۔

کھانے کے بعد ذری چائے بنا لائی تھی۔ تاباں بھی اس کے ساتھ ہی تھی۔ ''دس از ناٹ فیئر تابی' ذری چائے بنا کر لائی ہے تم ایٹ لیسٹ اس کی ہیلپ کرتے ہوئے چائے تو سرو کر دو۔'' عظیم نے تاباں کو یوں صوفے پر براجمان ہونے پر شرم دلائی تھی۔

''کی تو ہے ہیلپ' ٹرالی گھسیٹ کر میں ہی تو لائی ہوں۔ یہ کیا کم ہے؟''

''کہہ تو ایسے رہی ہو جیسے ماؤنٹ ایوریسٹ سر کر کے آئی ہو؟''

''اس سے کم بھی نہیں ہے۔'' ڈھٹائی سے گویا ہوئی تھی۔

''اٹس اوکے عظیم۔ میں سرو کرتی ہوں۔'' اس سے پہلے کہ عظیم کچھ کہتا ذری بول اٹھی تھی۔

سب کو کپ تھما کر وہ تورع کی جانب آئی تھی مگر وہ اس کی جانب متوجہ نہیں تھا۔ ایک پل کو اس کے متوجہ ہونے کا انتظار کیا تھا مگر وہ ہنوز اسے نظر انداز کیے رہا۔ مجبوراً اسے بولنا پڑا۔

''یہ چائے۔'' آہستگی سے کہا تھا' اس نے چونک کر اس کی جانب دیکھا تھا۔

''تھینکس۔'' اس کے ہاتھ سے کپ لے کر ٹیبل پر رکھ دیا تھا۔

''چائے بہت مزے کی ہے ذری۔ پرانے دن یاد کروا دیے تم نے۔'' چائے کا سپ لیتے ہوئے سالار نے تعریفی انداز میں کہا تھا۔ وہ محض مسکرا ہی سکی۔ دزدیدہ نظروں سے تورع کی جانب دیکھا تھا' جو شاید کپ ٹیبل پر رکھ کر بھول چکا تھا۔ اسی پل تورع نے بھی اس کی جانب نگاہ کی تھی۔ ذری نے سرعت سے نظروں کا زاویہ بدلا تھا۔

''اوکے گائز۔ میں اب چلتا ہوں۔'' تورع ایک دم کھڑا ہو گیا تھا۔

''ارے اتنی جلدی؟''

''جلدی کہاں یار بہت دیر ہو گئی ہے۔'' ایک ہی جملے کے دو مفہوم تھے۔ ایک وہ جو عام سا تھا' جسے ان تینوں نے سمجھا تھا۔ اور ایک وہ جو صرف ذری ہی سمجھ سکی تھی۔

''کم از کم چائے تو پی لو یار۔''

''موڈ نہیں ہے' پھر کبھی قیصرہ کے ہاتھ کی اچھی سی چائے پینے آؤں گا۔ اوکے۔ پھر ملاقات ہوگی۔''

ذری نے سختی سے اپنے لب بھینچے تھے۔ گلے میں آنسوؤں کا گولا سا اٹک گیا تھا۔ وہ اس کی بات کو اچھی طرح سمجھ رہی تھی۔ اس نے چائے کیوں نہیں پی یہ بھی وہ جانتی تھی۔ اصولاً تو اسے مطمئن ہونا چاہیے تھا مگر وہ افسردہ ہو گئی تھی۔ دل دکھ سے بھر گیا تھا۔ آنکھوں میں پانی جمع ہونے لگا تھا۔ جسے اس نے پلکیں جھپک جھپک کر پیچھے روکا تھا۔ اور چائے کا سپ لیتے ہوئے گلے میں اٹکے گولے کو دھکیلنے کی

سعی کی تھی۔ تورع نے گہری نظر اس کے جھکے سر پر ڈالی اور سب کو ہاتھ ہلاتے ہوئے وہاں سے نکل آیا۔

⁂ ...... ⁂ ...... ⁂
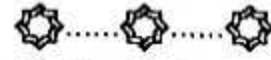
طعینہ کو اس وقت بہت غصہ آرہا تھا اور کوفت بھی ہورہی تھی۔ غصہ اسے خود پر آرہا تھا اور کوفت اسے فٹ پاتھ کی دوسری جانب کھڑے لڑکے کو دیکھ کر ہورہی تھی۔ وہ آوارہ لڑکا مسلسل اسے عجیب سی نظروں سے گھور رہا تھا۔ اس کا دل چاہ رہا تھا کہ چند قدم چل کر اس کا منہ توڑ دے۔ مگر فی الحال وہ ایسا رسک نہیں لے سکتی تھی۔ اسی لیے ضبط کیے اسے نظر انداز کررہی تھی۔ اسٹاپ سے کچھ دور اس کی گاڑی بند ہوگئی تھی اس کے ٹائرز پر لات رسید کرتے ہوئے وہ پیدل اسٹاپ تک آئی تھی۔ گھر فون کرکے ڈرائیور کو بلانے کا سوچا تو معلوم ہوا کہ سیل کی چارجنگ ختم ہوچکی ہے۔ اس پر چار حرف بھیج کر اس نے کیب کی تلاش میں نظریں دوڑائی تھیں مگر ندارد۔

اس کا خیال تھا کہ یہاں سے کیب ہائر کرکے گھر چلی جائے گی اور ڈرائیور کو بھجوا کر گاڑی ری پیئر کروالے گی۔ مگر اتنی دیر سے اسٹاپ پر کھڑے رہنے کے باوجود اسے کوئی کیب نظر نہیں آئی تھی۔ یا پھر وہی ایسی سچویشن کو سمجھ نہیں پارہی تھی' شاید کیب گزری تھی مگر اسے ہی روکنا نہیں آرہا تھا۔

ایک تو اسے کیب نہ روک پانے پر غصہ تھا اور دوسری جانب اس لوفر کا مسلسل ٹکٹکی باندھ کر گھورنا اسے ازحد کوفت میں مبتلا کررہا تھا۔

ہزار چاہنے کے باوجود وہ کچھ نہیں کرپارہی تھی۔ اگر وہ روڈ کراس کرکے جاتی تو کیب کے گزر جانے کا خطرہ تھا۔ یہی وجہ تھی کہ وہ سٹاپ پر ایک ہی جگہ کھڑی اس لوفر کو کھاجانے والی نظروں سے گھور رہی تھی۔ مگر وہ ڈھٹائی کی اعلیٰ مثال قائم کرتے ہوئے اپنے شغل میں مصروف تھا۔

شاید وہ اس غلط فہمی میں مبتلا تھا کہ وہ گھورنے کے علاوہ کچھ نہیں کرسکتی اور یہی بات طعینہ کو غصہ دلارہی تھی۔ چاہتی تو دومنٹ میں اسے نانی دادی یاد دلادیتی مگر مجبور تھی۔

"واٹ دا ہیل از دس؟"

"کسی گاڑی کے ٹائر بالکل اس کے قریب آن کر چرچرائے تھے۔ وہ اچھل کر چند قدم دور ہٹی تھی۔ چلاتے ہوئے غصے سے ڈرائیونگ سیٹ پر براجمان شخص کو دیکھنے کی کوشش کی تھی۔

تب ہی اس شخص نے سر باہر نکال کر شرارتی مسکراہٹ کے ساتھ کڑے تیوروں سے خود کو گھورتی ہوئی دوشیزہ کو دیکھا تھا۔

"ہائے۔" ڈرائیونگ سیٹ پر موجود ارقام کو دیکھ کر اس کی تیوری پر بل پڑگئے تھے۔

"آپ؟" اس نے چلا کر کہا تھا۔

"جی میں' اینی پرابلم؟" سر کو ہلکا سا خم دیتے ہوئے مسکراہٹ دبا کر سنجیدگی سے استفسار کیا تھا۔

"جی نہیں' کوئی پرابلم نہیں ہے۔" خود پر کنٹرول کرتے ہوئے چبا چبا کر کہا تھا۔

"یہ کیسے ہوسکتا ہے؟ مجھے تو ابھی علم ہوا تھا کہ آپ کو کوئی پرابلم ہے' تبھی تو جانا مجھے کہیں اور تھا اور پہنچ یہاں گیا۔ یہ کیسے ہوسکتا ہے؟" اس پر گہری نظر ڈالتے ہوئے فلمی سے انداز میں ڈائیلاگ بولا تھا۔ آنکھوں میں پوشیدہ شرارتی چمک طعینہ کی نگاہوں سے چھپی نہیں تھی۔

"ایسا ضروری نہیں ہے کہ جو آپ سوچ رہے ہوں وہی ہو۔ اور بائی دا وے اگر مجھے کوئی پرابلم ہے بھی تو آپ سے مطلب؟ آپ خوامخواہ خدائی فوجدار بننے کی کوشش مت کریں۔ میں ہینڈل کرلوں گی۔ تھینک یو ویری مچ۔" بے نیازی سے کہہ کر اس نے رخ موڑ لیا تھا۔

ارقام نے چند پل بغور اس کی بے نیازی کو ملاحظہ کیا تھا اور پھر دھیرے سے مسکراتے ہوئے گاڑی سے باہر نکل آیا۔ خاموشی سے دبے قدموں اس کے پہلو میں آن کھڑا ہوا۔

طعینہ کو چند پل بعد احساس ہوا تھا کہ وہ اس وقت اکیلی یہاں کھڑی نہیں ہے' کوئی اور بھی کھڑا ہے۔ اس نے چونک کر دیکھا تھا۔

''آپ کو کوئی پرابلم ہے کیا؟'' کسی قدر سختی سے استفسار کیا تھا۔
''کوئی پرابلم نہیں ہے۔'' بنا اس کی جانب دیکھے سکون سے جواب دیا۔
''تو پھر یہاں کیوں کھڑے ہیں؟''
''آپ کو کوئی پرابلم ہے؟'' اس کی بات نظر انداز کرتے ہوئے اطمینان سے پوچھا تھا۔
''نہیں۔'' تنک کر جواب دیا۔
''تو آپ یہاں کیوں کھڑی ہیں؟'' اسی کے انداز میں اسی کا پوچھا ہوا جملہ دہرایا تھا۔
''میری مرضی۔'' کندھے اچکائے تھے۔
''تو پھر میری بھی مرضی ہے' میرا جہاں دل چاہے گا کھڑا ہوں گا۔'' وہ ابھی بھی اس کی جانب متوجہ نہیں تھا۔ بلکہ ارد گرد دیکھتے ہوئے ایسے بات کرنے لگا جیسے اس سے نہیں بلکہ خود سے بات کر رہا ہو۔
طعینہ نے ایک پل کوفٹ پاتھ کی جانب دیکھا' وہ لڑکا اب وہاں موجود نہیں تھا شاید ارقام کو دیکھ کر وہاں سے ہٹ گیا تھا۔ دوسرے ہی پل ارقام کی جانب دیکھا۔
''پوچھ سکتی ہوں کس خوشی میں کھڑے ہیں آپ یہاں؟'' کمر پر ہاتھ رکھتے ہوئے استہزائیہ استفسار کیا تھا۔
''جس خوشی میں آپ کھڑی ہیں۔'' بڑے اطمینان سے جواب دیا گیا تھا۔
''آپ کچھ زیادہ ہی اسمارٹ بننے کی کوشش کر رہے ہیں۔''
''وہ تو میں آل ریڈی ہوں۔ بننے کی کیا ضرورت ہے۔''
''اور ئیلی؟'' تمسخرانہ نظروں سے دیکھا۔
''بالکل۔''
''بہت بڑی خوش فہمی ہے آپ کو۔''
''اگر خوش فہمی ہے بھی تو کیا برا ہے؟ ایٹ لیسٹ مثبت سوچ تو اپنائی ہوئی ہے ناں۔''
''ہا! مثبت سوچ۔ دھیان رکھیے گا' آپ کی یہ مثبت سوچ کہیں آپ کو دھوکا نہ دے جائے۔''
''اوں ہوں' ڈونٹ وری' میں دھوکا نہیں کھاتا۔ اینڈ بائی دا وے خوش فہمی نہیں ہے' میں واقعی میں اسمارٹ اور گڈ لکنگ ہوں۔ بس آپ نے کبھی غور سے دیکھا نہیں۔'' اس نے مسکراتے ہوئے بظاہر سنجیدگی سے کہا تھا' اور گہری نظروں سے اس کی جانب دیکھا تھا۔
طعینہ نے تمسخرانہ نگاہوں سے اس کی جانب دیکھنا چاہا تھا مگر یہ کیا؟ اس کی نظریں ارقام کی گہری کچھ کہتی ہوئی نظروں میں الجھ کر رہ گئیں۔ کتنے ہی پل وہ بنا پلکیں جھپکے اس کی جانب دیکھتی رہ گئی۔
طعینہ کو اپنی جانب گہری نظروں سے دیکھتے ہوئے ارقام نے بمشکل مسکراہٹ ضبط کی تھی۔ وہ طعینہ کی خود پر جمی نظروں سے خاصا محظوظ ہوا تھا۔
''ہوں ناں اسمارٹ؟'' اس کی نظروں کے سامنے چٹکی بجاتے ہوئے شرارتی نظروں سے دیکھا تھا۔ طعینہ نے چونک کر دیکھا تھا اور دوسرے ہی لمحے سٹپٹاتے ہوئے نظریں چرائی تھیں۔
ارقام از حد محظوظ ہوا تھا۔ پہلی بار لگا تھا کوشش لاحاصل نہیں' منزل ملنے کے چانسز ہیں۔
''ہنہ! نری خوش فہمی ہے۔'' اس سے نظریں چرائے آہستگی سے گویا ہوئی تھی۔
''چلیے خوش فہمی ہی سہی۔ کچھ تو ہے ناں؟''
اب کہ طعینہ خاموش رہی تھی اور اپنی ہی خاموشی پر اسے از حد حیرت ہوئی تھی۔ وہ یوں خاموش ہو جانے والوں میں سے نہیں تھی۔ تو پھر آج ارقام کے سامنے خاموش کیوں ہو گئی؟ خود سے کیے گئے سوال نے اسے کوفت میں مبتلا کیا تھا' اپنی ہی سوچ کو جھٹکتے ہوئے وہ قدرے اونچی آواز میں چلائی تھی۔
''او گاڈ! یہ کیب کہاں رہ گئی؟'' ارقام اس کے انداز پر دھیرے سے مسکرایا تھا۔
''کیب نے کہا تھا آنے کو؟'' استہزائیہ انداز میں شرارت سے پوچھا تھا۔
طعینہ نے گھور کر اس کی جانب دیکھا۔

''نہیں؟''
''او آئی سی' آئی تھنک آپ نے کیب والے کو کال کی ہوگی ہے ناں؟''
''نہیں۔'' وہ جز بز ہوئی۔
''تو پھر آپ نے یہ کیوں کہا کہ کیب کہاں رہ گئی؟'' انداز معصومانہ تھا۔ ظعینہ کا دل چاہ رہا تھا اپنا سر پیٹ لے یا پھر کچھ اٹھا کر اس کے سر پر دے مارے۔
''کیونکہ میں پاگل ہوگئی ہوں اس لیے۔'' دانت کچکچاتے ہوئے گویا ہوئی۔
''تب ہی تو میں بھی کہوں اتنی ساری کیبز یہاں سے گزر گئی ہیں' آپ کو دکھائی کیوں نہیں دیں؟'' بالکل صحیح کہا آپ نے پاگل لوگوں کو اکثر سامنے نظر آنے والی چیزیں بھی دکھائی نہیں دیتیں۔''
''کیا مطلب؟'' حیرانگی سے دیکھا' جھٹکا لگا تھا۔
''مطلب یہ محترمہ میری موجودگی میں یہاں سے کتنی ہی دفعہ کیب گزر گئی ہے اور حیرت ہے کہ آپ کو دکھائی نہیں دی؟''
''واٹ؟'' وہ ایکدم اچھلی تھی۔
''جی!''
''لیکن میں نے تو نہیں دیکھی؟'' وہ معصومیت سے گویا ہوئی۔ اس کے انداز پر ارقام نے نظر بھر کر اس کی جانب دیکھا۔
''کیا آپ نے کبھی کوئی کیب نہیں دیکھی؟''
''دیکھی' کئی بار دیکھی' وہ تو سب سے نمایاں ہوتی' اکثر پر تو باقاعدہ نام لکھا ہوتا ہے' اور کچھ مخصوص کلرز کی ہوتی ہیں' جیسے یلو اینڈ بلیک اور ان کے اوپر اسٹینڈز بھی لگے ہوتے ہیں۔ لیکن مجھے تو چند ایک کے علاوہ کوئی ٹیکسی نظر نہیں آئی۔''
''وہ اس لیے میم' کیونکہ آپ وہی مخصوص کلرز والی کیب کو ہی تلاش کررہی ہیں۔ اب ٹرینڈ چینج ہوگیا ہے' اب اکثر لوگ اپنی کارز کو ٹیکسی کی طرح یوز کررہے ہیں۔ حالانکہ نام لکھا ہوتا ہے مگر آپ جیسے لوگوں کو دکھائی نہیں دیتا۔ اسی لیے اسٹاپ پر دیر تک کھڑے ہونا پڑتا ہے۔ لیکن جس مخصوص کلرز والی کیب کو آپ تلاش کررہی ہیں وہ بھی میں نے ابھی کچھ دیر پہلے یہاں سے گزرتے ہوئے دیکھی ہے' مگر آپ کو دکھائی نہیں دی۔ آپ نے واقعی نہیں دیکھی یا جان بوجھ کر دیکھ کر ان دیکھا کردی؟''
''کیا مطلب ہے آپ کا؟'' گھور کر دیکھا تھا۔
''نہیں' لیکن ایسا ہوسکتا ہے ناں کہ شاید آپ کو میرے قریب کھڑے رہنا بہت اچھا لگ رہا ہے' اسی لیے تو......'' شریر نگاہوں سے دیکھا تھا۔
''واٹ......! آپ ہوش میں تو ہیں؟'' وہ ایک دم چلائی تھی۔
''میں' میں آپ کے قریب کھڑے رہنا چاہتی ہوں؟' امیزنگ' لگتا ہے خوش فہمی کو گھول کر پی رکھا ہے۔'' تمسخرانہ نظروں سے دیکھتے ہوئے طنز کیا۔ ارقام خاصا محظوظ ہوا تھا۔
''میں نے کہا ناں' مثبت سوچ رکھتا ہوں۔'' فخریہ کالر اکڑاتے ہوئے بے نیازی سے کہا۔
''وہ چڑ سی گئی۔
''ایک سجیشن دوں آپ کو۔'' اس کی جانب بغور دیکھتے ہوئے سنجیدگی سے پوچھا تھا۔
''کیوں نہیں' ضرور؟'' وہ تو جیسے تیار بیٹھا تھا۔
''اپنی اس مثبت سوچ' کو زیادہ مت تھکائیے' کہیں اس کا استعمال کسی اچھے وقت کے لیے اٹھا رکھیے کام آئے گا۔ آپ کافی سمجھدار ہیں' مجھے امید ہے سمجھ گئے ہوں گے؟''
''جی ہاں' میری سمجھداری کو آپ سے زیادہ کون سمجھ سکتا ہے۔'' وہ بھی اپنے نام کا ایک تھا' جھٹ سے بولا۔
ظعینہ کوس کر رہ گئی خود کو' تبھی ایک کیب وہاں سے گزری تھی' ظعینہ اسے روکنے کو تیزی سے آگے بڑھی تھی' اور ہاتھ ہلایا تھا۔
''ہے' ایکسکیوزمی پلیز رکو۔'' قدرے اونچی آواز میں پکارا مگر بے سود ڈرائیور بنا رکے آگے بڑھ گیا۔ شاید کچھ لوگ بیٹھے تھے اندر۔ وہ غصے سے اور بے بسی سے مٹھیاں بھینچ کر رہ گئی۔

''ڈیم اٹ'' آہستگی سے بڑبڑائی تھی۔
ارقام ریلیکس سا اپنے ہاتھ پینٹ کی پاکٹس میں ڈالے بے نیازی سے سیٹی بجانے میں مصروف تھا۔ مگر اس سے لاتعلق نہیں تھا' وہ پوری طرح اس کی جانب متوجہ تھا اور اس کی ہر موومنٹ کو نوٹ کر رہا تھا۔
طعینہ نے خفگی سے اس کی جانب دیکھا۔
''آپ کیا یہاں کھڑے ہو کر چیپ لڑکوں کی طرح وسل کررہے ہیں۔ میری مدد نہیں کر سکتے تھے کیا؟'' اس کی بات پر وہ بظاہر بری طرح چونکا تھا۔ ہونٹ سکڑ کر پھیلے تھے' ہاتھ پینٹ کی جیب سے باہر نکالے تھے آنکھیں سکیڑ کر اس کی جانب دیکھا تھا۔
''ایکسکیوزمی میم' پہلی بات تو یہ کہ میں چیپ ہرگز نہیں ہوں' اور دوسری بات میں تو یہاں آپ کی مدد کے لیے ہی کھڑا ہوں' ان فیکٹ میں نے تو آفر بھی کی تھی' مگر آپ ہی میری ہیلپ لینا نہیں چاہتی تو اس میں میرا کیا قصور ہے؟'' کسی قدر شاکی انداز میں دیکھتے ہوئے گویا ہوا تھا۔
''میں اس ہیلپ کی بات نہیں کر رہی' میں کیب روکنے کو کہہ رہی ہوں۔ غالباً مجھے کیب رکنا نہیں آتا۔'' اس نے یکلخت موڈ چینج کیا تھا اور کسی قدر شرمندگی سے اپنی خاصیت کا اعتراف کیا تھا۔ ارقام مسکرائے بنا نہ رہ سکا۔ مگر اس کے سامنے مسکرانے کی غلطی نہیں کی۔
''بڑے افسوس کی بات ہے طعینہ صاحبہ' آپ ایک بالکل اجنبی اور انجان کیب ڈرائیور کے ساتھ جانا چاہ رہی ہیں' اور میں جو تھوڑی بہت جان پہچان والا ہوں۔'' اس کے گھورنے پر اس نے تھوڑی بہت پر زور دیا تھا۔
''اس کے ساتھ جانا آپ کو گوارا نہیں۔ ہاؤ سیڈ۔'' افسوس میں سر ہلاتے ہوئے دکھی تاثرات لانا چاہے تھے۔
''ایکسکیوزمی' آپ میرے لیے اتنے ہی اجنبی ہیں جتنا کہ ایک کیب ڈرائیور ہوسکتا ہے۔'' اس نے ایک ایک لفظ پر زور دیا تھا۔
''تو ٹھیک ہے' اس اجنبی کے ساتھ بھی آپ کو جانا ہے' تو میرے ساتھ چلیں میں آپ کو ڈراپ کردوں گا' فری میں نہیں بلکہ ایک کیب ڈرائیور کی طرح باقاعدہ رینٹ پر۔'' بنا اس کی بات کا برا منائے اس نے سنجیدگی سے کہا تھا۔
''سچ کہہ رہے ہیں؟'' مشکوک سے انداز میں دیکھا تھا۔
''بالکل سچ۔''
''اوکے' میں آپ کے ساتھ چلتی ہوں۔'' چند پل سوچنے کے بعد اس نے فوراً ہاں کہی تھی۔
''لیکن یاد رہے میں آپ کو روپے دوں گی۔''
''ڈن۔'' اس نے بنا اس کی جانب دیکھے سنجیدگی سے اثبات میں سر ہلایا تھا اور آگے بڑھ آیا۔
''بھولیے مت آپ اس وقت ایک کیب ڈرائیور ہیں۔'' اس کے فرنٹ ڈور کھولنے پر دل ہی دل میں مسکراتے ہوئے یاد دلایا تھا۔ ارقام نے ایک پل کو لب بھینچے تھے۔ پھر مسکراتے ہوئے اس کی جانب متوجہ ہوا تھا۔
''اوکے۔ اب تو بیٹھیں گی ناں۔'' آگے بڑھتے ہوئے پیچھے والا دروازہ کھولا تھا۔ طعینہ خاصی محظوظ ہوئی تھی۔
''آف کورس کیوں نہیں۔'' شرارتی سی مسکراہٹ اس کی جانب اچھالتے ہوئے گویا ہوئی تھی۔ ارقام دل ہی دل میں اپنی چالاکی پر مسکرایا تھا۔ گھر کے گیٹ کے سامنے اس نے جھٹکے سے گاڑی روکی تھی۔ وہ باہر نکل کر اس کی جانب چلی آئی۔
ارقام باہر نہیں آیا تھا۔
''تھینکس' یہ لیجیے اپنا رینٹ' آپ نے طے تو نہیں کیا تھا' بٹ اپنی ویز یہ لیجیے۔'' اس نے روپے آگے بڑھائے تھے۔
ارقام نے ایک پل کو اس کے بڑھے ہوئے ہاتھ کو دیکھا تھا' پھر محظوظ کن انداز میں مسکراتے ہوئے اس کے خوب صورت چہرے پر نظریں جمادیں۔
''تھینکس' کے لیے اٹس اوکے۔ اور رینٹ کے لیے' پھر کبھی سہی۔ بائے۔'' شرارت سے کہہ کر وہ تیزی سے گاڑی بڑھا لے گیا تھا۔ طعینہ حیرت سے منہ کھولے چند پل اس کی گاڑی کو دیکھتی رہ گئی۔ پوری بات اس کی سمجھ

میں آ گئی تھی۔

مگر حیرت انگیز طور پر اسے برا نہیں لگا تھا۔ مسکراتے ہوئے روپے بیگ میں رکھے اور اپنے سر پر چپت رسید کرتے ہوئے اندر بڑھ گئی۔

٭......٭......٭

ایکسکیوز می!''

''جی کہیے۔''

''کیا آپ بتا سکتے ہیں' ارقام اس وقت کہاں ہیں؟'' بک کی ورق گردانی کرتا ہوا زادیار چونکا تھا۔ آواز مانوس سی تھی۔

اس نے پلٹ کر سرسری سا آواز کی سمت دیکھا تھا۔

''آغا مینا کو دیکھ کر چہرے پر ناگواریت در آئی تھی۔ سرعت سے چہرہ واپس موڑا تھا۔

بہت جلد ارقام کے نام کے ساتھ جڑا ہوا صاحب کا دم چھلا ہٹایا گیا تھا۔

زادیار نے تمسخرانہ مسکراتے ہوئے سوچا تھا۔

''ایم سوری مس' میں نہیں جانتا وہ اس وقت کہاں ہے؟'' اس نے لاعلمی کا اظہار کیا تھا۔

''اوہ گاڈ! اب کیا کروں میں؟''

وہ پریشان تھی' یہ اس کے چہرے اور آواز دونوں سے اندازہ لگایا جا سکتا تھا۔

لیکن زادیار تو زادیار تھا' اسے کسی کی پریشانی خصوصاً لڑکیوں کی پریشانیوں سے کوئی مطلب دسروکار نہیں تھا۔ اسی لیے نظر انداز کیے بیٹھا رہا۔

''کیا آپ بتا سکتے ہیں ارقام اس وقت کہاں ہیں؟'' اب وہ کسی اور سے پوچھ رہی تھی۔

''ارے! آغا مینا صاحبہ ہیں' اس آواز پر زادیار بری طرح چونکا اور سرعت سے پلٹ کر دیکھا تھا۔

وہ فیصل تھا۔

ذرا بدمعاش ٹائپ کا لڑکا تھا' خوامخواہ ہر معاملے میں ٹانگ اڑانا اس کی عادت تھی' جو لوگ اس کی عادت سے واقف تھے وہ حتی الامکان اس سے گریز کرتے تھے اور لڑکیوں کے معاملے میں انوالو ہونا وہ اپنا فرض سمجھتا تھا۔

زادیار کی سماعتیں بالکل غیر ارادی طور پر ان کی جانب متوجہ ہو گئی تھیں۔ آغا مینا نے چونک کر خود سے مخاطب لڑکے کو دیکھا تھا۔

''جی کہیے؟'' کچھ حیرت اور ناگواری سے اس کے حلیے کو دیکھا تھا۔

''آپ کو ارقام سے ملنا ہے؟'' الفاظ عام سے تھے مگر اس کی نظروں کا چیپ سا انداز اسے ازحد برا لگا تھا۔

''جی' مجھے ارقام سے ملنا ہے' کیا آپ جانتے ہیں وہ کہاں ہیں؟'' وہ نہ چاہتے ہوئے بھی اس سے بات کرنے پر مجبور تھی۔ کیونکہ اس وقت ارقام سے ملنا اس کے لیے بہت اہم تھا۔

''جی بالکل۔ مجھ سے کچھ بھی چھپا ہوا نہیں رہتا۔'' اس نے عجیب سے لہجے میں کہا تھا۔

آغا مینا بری طرح چونکی تھی' حیرت سے دیکھا تھا۔

''جی کیا مطلب ہے آپ کا؟'' ناگواری سے پوچھا تھا۔

''میرا مطلب یہ ہے کہ میں انسانیت کا خادم ہوں' ہر بات کی خبر رکھتا ہوں اور خواتین کی مدد تو لازم وملزوم ہے۔''

زادیار دل ہی دل میں طنزیہ مسکرایا تھا' اس سے بہتر اور کون جان سکتا تھا کہ وہ خواتین کی کس قسم کی مدد کرتا تھا۔

فیصل کا لہجہ اور انداز دونوں ہی عجیب اور معنی خیز تھے۔ اسے ناگوار گزرا مگر نظر انداز کر گئی۔

''پلیز اگر آپ مجھے ارقام کے بارے میں بتا دیں تو بہت مہربانی ہوگی۔'' اس کی بات کو نظر انداز کرتے ہوئے وہ آرام سے بولی۔

''جی' جی' کیوں نہیں۔ آپ چلیے میں ابھی آپ کو ارقام سے ملواتا ہوں۔''

زادیار کو ازحد ناگوار گزر رہا تھا یوں اسے فیصل سے بات کرتے ہوئے دیکھ کر گو اسے کوئی سروکار نہیں تھا مگر اسے یہ بھی احساس ہو رہا تھا کہ شاید وہ فیصل کو جانتی نہیں' اسے اس کی ریپوٹیشن کا آئیڈیا نہیں تھا۔ یا پھر جانتی تھی' اس کے باوجود وہ اس سے بات کر رہی تھی۔

اسے لگتا تھا کہ آغامینا کو عادت تھی ہر لڑکے سے فرینک ہوجانے کی‘ یہی وجہ تھی کہ وہ اسے بالکل پسند نہیں کرتا تھا۔

پہلی ایک دو ملاقاتوں میں ہی وہ ارقام سے فرینک ہوگئی تھی‘ پہلے اس کے نام کے ساتھ ’صاحب‘ لگاتی تھی اور اب صرف ارقام اور اب وہ کتنی فرینڈلی فیصل سے بات کررہی تھی۔ اس کے لہجے اور انداز سے کچھ اخذ نہیں کرپا رہی تھی۔ زادیار کو ایسی لڑکیاں بالکل پسند نہیں تھیں۔ اور آغامینا کو ناپسند کرنے کی بھی یہی سب سے بڑی وجہ تھی۔

وہ جان بوجھ کر لڑکوں سے ٹکراتی تھی اور پہلی بار میں ہی فری ہوجاتی تھی۔ یہ زادیار کا خیال تھا۔ اس سے ہوئے اتفاقی تصادم سے اس نے یہی اخذ کیا تھا جو اصولاً بالکل غلط تھا۔

بنا کسی کو جانے پرکھے یوں اس کے کردار کے حوالے سے اپنی رائے دے دینا‘ بالکل غلط تھا اور یہ وہ اچھی طرح جانتا تھا مگر آغامینا کے حوالے سے اسے لگتا تھا وہ غلط نہیں سوچتا۔

’’نہیں آپ مجھے بتادیں میں خود ان سے مل لوں گی۔‘‘

زادیار بری طرح چونکا تھا۔ آغامینا فیصل سے کہہ رہی تھی۔

’’ارے ایسے کیسے؟ میں خود بہ نفس نفیس آپ کو لے چلتا ہوں آیئے ناں پلیز میں آپ کو ارقام صاحب سے ملواتا ہوں۔‘‘

اس کے لہجے میں جانے کیا تھا کہ آغامینا بری طرح چونکی تھی‘ اور دانستہ دو قدم پیچھے ہٹی تھی۔

زادیار بالکل غیر ارادی طور پر اٹھا اور دبے قدموں ان کی جانب بڑھا تھا۔ فیصل کے پیچھے رکتے ہوئے اس کے کندھے پر ہاتھ رکھتے ہوئے دباؤ ڈالا تھا۔

وہ جھٹکے سے مڑا تھا۔ زادیار کو دیکھ کر ایک پل کو گڑبڑا سا گیا۔

’’او زادیار تم ہو؟‘‘

’’ہاں میں‘ اپنی پرابلم۔‘‘ آغامینا کو نظر انداز کیے اس نے فیصل کو جانچتی نظروں سے دیکھا تھا۔

’’آں ہاں۔ نہیں وہ ایکچوئیلی یہ محترمہ ارقام کا پوچھ رہی تھیں‘ میں انہیں انہی سے ملوانے لے جارہا تھا۔‘‘

’’اٹس اوکے یار‘ میں ہوں ناں‘ میں ملوادوں گا انہیں ارقام سے۔‘ ایک ایک لفظ پر زور دیتے ہوئے وہ کسی قدر مسکرایا تھا۔

’’شیور۔‘‘

’’آف کورس کیوں نہیں‘ اور ویسے بھی یہ محترمہ مجھے جانتی ہیں کہ میں ارقام کا دوست ہوں‘ کیوں مس آغامینا۔‘‘ تمسخرانہ اس کی جانب دیکھتے ہوئے اس سے استفسار کیا تھا۔

وہ حیران ہوتے ہوئے بے ساختہ سر اثبات میں ہلاگئی۔

’’اوکے۔ اچھا آغامینا جی‘ آپ سے پھر ملاقات ہوگی۔ سی یو۔‘‘ گہری نظروں سے اس کی جانب دیکھتے ہوئے کہا اور مونچھوں کو تاؤ دیتے ہوئے وہاں سے چلا گیا۔

زادیار نے چند لمحے اسے جاتے ہوئے دیکھا اور ایک نظر طنزیہ آغامینا پر ڈالی تھی بنا کچھ کہے آگے بڑھ گیا۔

آغامینا نے حیرت سے دیکھا تھا اور بے یقینی سے لب بھینچے تھے۔

’’ایکسکیوزمی مسٹر زادیار۔ آئی تھنک آپ مجھے ارقام سے ملوانے والے تھے۔‘‘ کسی قدر جتاتے ہوئے طنزیہ کہا تھا۔

زادیار اس کی بات پر ٹھٹک کر رکا تھا‘ اور پلٹ کر اسے دیکھا تھا۔

’’یہ میں نے کب کہا کہ میں آپ کو ارقام سے ملوانے والا ہوں؟‘‘ انداز سرد اور الفاظ حیران کن تھے۔

’’واٹ؟ ابھی کچھ دیر قبل کیا آپ نے نہیں کہا کہ آپ مجھے ارقام سے ملوادیں گے۔‘‘

’’ہاں یہ میں نے کہا تھا‘ میں آپ کو ارقام سے ملوادوں گا‘ یہ نہیں کہا کہ ابھی ملواؤں گا۔‘‘ ایک ایک لفظ پر زور دیا گیا تھا‘ آغامینا ہکابکا سی رہ گئی۔

’’ایکسکیوزمی مسٹر! مجھے ارقام سے بہت ارجنٹ ملنا ہے آپ اپنی دشمنی بعد میں نکال لیجیے گا‘ فی الحال پلیز بتادیں کہ

ارقام کہاں ہیں؟"
"پہلی بات تو یہ کہ میں ہر کسی سے یوں رشتے نہیں ڈھونڈتا پھرتا۔ چاہے وہ دشمنی کا ہی کیوں نہ ہو اور دوسری بات میں نہیں جانتا کہ ابھی ارقام کہاں ہے دیٹس اٹ۔"
"واٹ آپ نہیں جانتے" آپ ہوش میں تو ہیں اگر آپ نہیں جانتے تھے کہ ارقام کہاں ہیں تو آپ نے مجھے اس لڑکے سے کیوں نہیں پوچھنے دیا؟ ایٹ لیسٹ وہ مجھے ارقام سے ملوا تو دیتا۔"
"وہ لڑکا صحیح نہیں ہے......اور......"
"تو کیا آپ صحیح ہیں؟ واؤ کیا خوش فہمی ہے۔" وہ استہزائیہ مسکرائی تھی۔
زادیار نے بمشکل کچھ بھی سخت کہنے سے خود کو روکا تھا۔
"میں صحیح ہوں یا غلط مجھے یہ آپ کو باور کرانے کا کوئی شوق نہیں ہے۔ ارقام کہاں ہے میں نہیں جانتا۔ اور جہاں تک بات ہے آپ کو اس لڑکے کے ساتھ جانے سے روکنے کی تو مجھے لگا کہ آپ کو روکنا چاہیے غالباً آپ جانتی نہیں ہیں کہ وہ کس قماش کا لڑکا ہے؟ آپ کی جگہ اگر کوئی اور لڑکی بھی ہوتی تو تب بھی میں ایسا ہی کرتا مجھے لگا کہ آپ اس کی اصلیت سے واقف نہیں ہیں۔ اسی لیے میں نے آپ کو آگاہ کرنا ضروری سمجھا آگے آپ کی مرضی اگر آپ اس کے پیچھے جانا چاہتی ہیں تو جاسکتی ہیں۔ وہ ابھی یہیں ہوگا۔ مجھے کوئی اعتراض نہیں ہے میرا کام تھا آپ کو آگاہ کرنا سو میں نے کردیا دیٹس یور چوائس۔"
"ایک بات اور......وہ لڑکا بالکل نہیں جانتا کہ ارقام کہاں ہے وہ محض آپ کو......" اس سے آگے اس نے دانستہ جملہ ادھورا چھوڑا تھا۔
"آپ چاہیں تو کچھ دیر یہاں بیٹھ کر ارقام کا ویٹ کرسکتی ہیں۔"
آغا مینا نے ایک پل کو اس کے سنجیدہ اور سرد سے تاثرات کو ملاحظہ کیا اور بنا اس کی بات کا کوئی جواب دیے اور بنا مزید بحث کیے نخوت سے سر جھٹکا اور اسے نظر انداز کرتے ہوئے چیئر گھسیٹ کر بیٹھ گئی۔ پشت دانستہ اس کی جانب کی

کائنات ایاز عباسی

السلام علیکم! آنچل کے چاہنے والوں کو آداب! ارے ہم تو پہلی بار آنچل میں شرکت کررہے ہیں ذرا کھڑے تو ہوجائیں سارے (ہاہاہا)۔ چلیں میں اپنا تعارف ہی کرادیتی ہوں بندۂ ناچیز کا نام کائنات ایاز عباسی ہے ملکۂ کوہسار یعنی کہ مری کی رہنے والی ہوں۔ یکم مئی 1996ء کو میں نے اس دنیا کو رونق بخشی اور ابھی ماشاء اللہ سے ایف اے اچھے نمبروں سے پاس کیا ہے۔ کھانے میں بریانی بہت پسند ہے اور مزاج گرامی ذرا غصے والا ہے زیادہ بولنا پسند نہیں کرتی اور زیادہ بولنے والے لوگ بھی پسند نہیں۔ شمائلہ آپی کی گفتگو اچھی لگتی ہے۔ دنیا میں اپنے سے متعلقہ رشتوں کے علاوہ بہت کم لوگ اچھے لگتے ہیں چلو جی میں تو شروع ہی ہوگئی اب اس دعا کے ساتھ اجازت چاہوں گی ہمارے اور آپ سب کے تمام چاہنے والے ہمیشہ خوش رہیں آمین اللہ حافظ۔

تھی جبکہ زادیار اب اس سے بے نیاز ہوکر بیٹھ گیا تھا۔ اسے کچھ ہی دیر ہوئی تھی ارقام کا انتظار کرتے ہوئے کہ وہ آگیا۔ وہ اسے دیکھ کر تیزی سے اس کی جانب بڑھی تھی۔
"کہاں تھے آپ؟ جانتے ہیں کتنی دیر سے میں آپ کا انتظار کررہی تھی۔" اس کے یوں بے تکلفی بھرے انداز پر زادیار بری طرح چونکا تھا۔
"کیا ہوا آغا! اینی پرابلم کچھ پریشان لگ رہی ہو؟"
"ہاں ایکچوئیلی وہ......" کچھ کہتے کہتے وہ یکلخت خاموش ہوئی تھی۔ اور ایک نظر لاتعلق بیٹھے زادیار کو دیکھا تھا اور اسے ہاتھ سے پکڑ کر باہر لے آئی تھی۔
زادیار نے سرسری سا اس کی حرکت کو دیکھا تھا ماتھے پر بل پڑگئے تھے۔ ناگواریت رگ وپے میں سرائیت کرگئی تھی۔ نخوت سے سر جھٹکا اور اپنے کام میں مصروف ہوگیا تھا۔

''ہاؤ آر یو پاپا!'' اس نے دروازے سے سر نکال کر چہکتی ہوئی آواز میں استفسار کیا تھا۔ کتاب کی ورق گردانی کرتے ہوئے حسن احمد بخاری نے چونک کر دروازے کی سمت دیکھا تھا۔ اور دھیرے سے مسکرا دیے تھے۔

''یاد آ گئی پاپا کی۔'' مصنوعی خفگی سے دیکھتے ہوئے شکوہ کیا تھا۔

''آپ بھولے کب ہیں جو یاد آتے پاپا جانی۔'' اندر آتے ہوئے ان کے گلے میں بانہیں ڈالیں اور لاڈ سے گویا ہوئی تھی۔

''ہاں' ہاں' سب منہ دیکھے کی باتیں ہیں۔'' زیر لب مسکراتے ہوئے شرارت سے دیکھا تھا۔

''دیٹس ناٹ فیئر پاپا۔'' سیدھے ہوتے ہوئے اس نے کمر پر دونوں ہاتھ رکھتے ہوئے مصنوعی خفگی سے کہا تھا۔ حسن احمد بخاری بے ساختہ مسکرا دیے تھے۔

''شہر سے باہر کہیں جا رہی ہو بیٹا' زینب بتا رہی تھی کہ تم پیکنگ کر رہی ہو؟'' وہ ان کے سامنے ہی چیئر گھسیٹ کر بیٹھ گئی' گویا فرصت میں تھی۔ ان کی بات پر اس کا منہ لٹک گیا تھا۔

''یہی تو بتانے آئی تھی میں آپ کو اخ کے ساتھ آؤٹ آف سٹی جا رہی ہوں کچھ روز کے لیے' لیکن میرا بالکل دل نہیں چاہ رہا' اسی لیے میں آپ کے پاس آئی تھی' پاپا پلیز اخ سے کہیں ناں' مجھے ساتھ لے کر نہ جائیں۔ مجھے کوئی انٹرسٹ نہیں ہے کسی پروجیکٹ میں۔ مجھے نہیں جانا کسی بزنس میٹنگ میں۔ خود تو پکے بزنس مین بن گئے ہیں' مجھے بھی بنانے پر تلے ہوئے ہیں' سریسلی پاپا لگتا ہی نہیں کہ وہ کبھی اتنے سویٹ سے اخ ہوا کرتے تھے۔ پورے ہٹلر ہو گئے ہیں جناب تو رع حسن بخاری صاحب۔'' اس کے انداز پر وہ بے ساختہ قہقہہ لگا کر ہنس دیے تھے۔ اس نے چند پل بڑے پیار سے اپنے سویٹ سے پاپا کو ہنستے ہوئے دیکھا تھا۔

''آپ جانتے ہیں پاپا' اس روز مجھے ریسٹورنٹ میں اپیا مل گئیں' شومئی قسمت یہ اپنے ہٹلر صاحب بھی میرے ساتھ تھے۔''

''میرے بتانے پر کہ میں اب آفس بھی جاتی ہوں' انہوں نے بس اتنا کہا۔

''ابھی تم پڑھ رہی ہو تو آفس جانے کی کیا ضرورت ہے' بس جی ہٹلر صاحب نے سن لیا' اور ہو گئے شروع' کہنے لگے۔

''یہ آفس اس لیے جاتی ہے کیونکہ میں چاہتا ہوں۔'' وہ انہی کے انداز میں بھاری آواز کرتے ہوئے بولی تھی۔

''میں چاہتا ہوں کہ یہ اپنے پیروں پر کھڑی ہو۔''

''لو جی' پہلے کیا گھٹنوں پر کھڑی ہوں۔'' حسن احمد بخاری اس کے انداز پر مسلسل ہنس رہے تھے۔

پھر کہنے لگے۔ ''دوسروں کے سامنے اعتماد سے سر اٹھا سکے' صحیح اور غلط فیصلے پہ آواز اٹھا سکے۔

یو نو پاپا' میں آل ریڈی کونفیڈینٹ ہوں' اور غلط بات پر تو میں سر پھاڑنے سے بھی دریغ نہیں کرتی۔'' بات کرتے ہوئے اس نے ایک دم ان کی جانب دیکھا تھا' انہوں نے فوراً مسکراہٹ ضبط کی تھی۔ اور سنجیدگی سے اثبات میں سر ہلایا تھا۔

''اور بھی جانے کیا کیا سنا دیا انہیں فضول میں' اتنا گلٹی فیل ہوا مجھے اب آپ ہی بتائیے پاپا' اس میں ان کی کیا غلطی ہے' جو ہوا سب جانتے تو ہیں وہ۔ تو پھر توپ کا دہانہ اپیا کی جانب ہی کیوں موڑے رہتے ہیں؟ ہو سکتا ہے اخ اپنی جگہ صحیح ہوں' مگر اپیا بھی غلط نہیں ہیں۔ انہوں نے جو بھی فیصلہ کیا وہ کچھ سوچ کر ہی کیا ہوگا ناں؟ ہے ناں پاپا' شاید اسی میں سب کی بہتری رہی ہوگی۔'' لہجے میں افسردگی کا عنصر نمایاں تھا۔ سنجیدگی سے حسن احمد بخاری کی جانب دیکھا تھا۔

انہوں نے بے ساختہ اس سے نظریں چرائی تھیں۔

ان کے انداز پر ظعینہ بری طرح چونکی تھی۔ چونک کر دیکھا تھا' اس نے بہت دفعہ نوٹس کیا تھا کہ ان کے متعلق ہر بات پر وہ یونہی لب بھینچ لیتے تھے۔ جیسے کچھ بھی کہنا نہ چاہتے ہوں اور نظریں چرا لیتے' اسے حیرت ہوئی تھی۔

''میں نے کچھ غلط کہا پاپا؟'' استفہامیہ نظروں سے

دیکھا تھا۔

''نہیں بیٹا' کچھ غلط نہیں کہا تم نے' سب صحیح ہے کچھ بھی تو غلط نہیں ہے۔ غلط تو وہ ہے جو پس پردہ ہے' غلط تو وہ ہے جو نگاہوں سے اوجھل ہے۔ ابھی آ گہی کا در وا نہیں ہوا شاید اسی لیے سب اپنے اپنے مفروضوں اور اندازوں میں ایک دوسرے کو مورد الزام ٹھہرا رہے ہیں۔ جب آ گہی کا در وا ہوگا تو جانے کیا......'' انہوں نے یکلخت خود کو کچھ بھی کہنے سے روکا تھا' اور کرب سے آنکھیں موندھی تھیں۔

طعینہ نے ناسمجھی سے ان کی مبہم سی باتوں کو سنا تھا' انہوں نے کیا کہا؟ ان باتوں میں کیا معنی پوشیدہ ہیں؟ اسے کچھ سمجھ نہیں آیا تھا۔

''کیا کہہ رہے ہیں پاپا؟ مجھے کچھ سمجھ نہیں آیا۔'' اس نے حیرت سے استفسار کیا تھا۔

وہ یکلخت چونکے تھے۔

لگتا تھا جیسے وہ اس کی موجودگی فراموش کیے ہوئے تھے۔

جیسے کسی گہری سوچ میں مستغرق تھے۔ اور اس کے پکارنے پر جھٹکا سا لگا ہو۔ انہوں نے حیرانگی سے دیکھا تھا۔

''کچھ نہیں بیٹا! کچھ بھی تو نہیں۔'' وہ پھیکے سے انداز میں مسکرا دیے۔

''خیر چھوڑو ان باتوں کو' تم کچھ کہنے آئی تھیں۔'' انہوں نے ایکدم سے موضوع بدلا تھا۔ اسے محسوس تو ہوا مگر مزید جرح کرنا مناسب نہ سمجھا تھا اور نظر انداز کرتے ہوئے اصل موضوع کی جانب چلی آئی۔ ''پاپا پلیز آپ اخ سے کہیں ناں' وہ مجھے ساتھ لے کر نہ جائیں' میرا بالکل دل نہیں چاہ رہا۔ بور ہوگئی ہوں میں اس بزنس کو سمجھتے سمجھتے۔ دو اور دو بائیس کرتے ہوئے۔ اس سب میں بالکل دل نہیں لگتا میرا آپ جانتے ہیں مجھے میتھ شروع سے ہی ناپسند رہا ہے' جانے کن دقتوں سے میں کورس میں میتھ کو سمجھنے کی کوشش کرتی تھی اب مسلسل اسے......''

''تو رع کچھ غلط بھی تو نہیں کر رہا بیٹا! اگر وہ تمہیں کچھ کہتا ہے تو اس میں وہ تمہاری بہتری ہی تو چاہتا ہے ناں' ہاں یہ اور

بات ہے کہ تم پر بر ڈن ضرورت سے زیادہ ڈال رہا ہے......"

"دس از ناٹ فیئر پاپا! آپ بھی انہی کی سائیڈ لے رہے ہیں۔ میں آپ کے پاس آئی تھی کہ آپ اخ کو مجھے ساتھ لے جانے سے روکیں گے مگر آپ بھی ان کا ساتھ دے رہے ہیں تو......"

"میرے کہنے سے کیا وہ تمہیں ساتھ لے جانے سے منع کردے گا ظعینہ؟" انہوں نے سنجیدگی سے اس کی جانب دیکھتے ہوئے اس کی بات کاٹی تھی۔ وہ نادم سی سر جھکا گئی تھی۔

"تم جانتی ہو بیٹا! اب میں اور تب میں بہت فرق آ گیا ہے۔ کچھ عرصہ قبل والے تورع اور اب والے تورع میں بہت فرق آ گیا ہے۔ وہ وقت اور تھا جب وہ میرے ہر فیصلے پر ہاں کی مہر لگا دیتا تھا' مگر اب بہت کچھ بدل گیا ہے' بیٹا' یونو دیٹ۔" تورع کا رویہ انہیں ہرٹ کرتا ہے وہ ظاہر نہیں کرتے تھے مگر وہ جانتی تھی۔

اس نے شرمندگی سے سر جھکا لیا تھا اور دھیرے سے گویا ہوئی۔

"آئی ایم سوری پاپا! میرا مقصد آپ کو ہرٹ کرنا ہرگز نہیں تھا۔"

"اٹس اوکے' میں ہرٹ نہیں ہوا۔ اور پھر مجھے کیا حق ہے کہ میں ہرٹ ہوں۔ یہ سب تو میں ڈیزرو کرتا ہوں۔ تمہیں شرمندہ ہونے کی ضرورت نہیں۔"

"آپ نے یہ کیوں کہا کہ آپ ڈیزرو کرتے ہیں' اس کا کیا مطلب ہے؟ پلیز پاپا میں جاننا چاہتی ہوں' وہ سب جو آپ کے اور اخ کے سرد تعلقات کی وجہ ہے؟ وہ جو آپ کے اتنے قریبی تعلق میں دراڑ لے آیا ہے' مجھے بتایئے پاپا' میں جاننا چاہتی ہوں۔" وہ بضد تھی۔

"ارے ایسا کچھ نہیں ہے بیٹا! میں نے تو بس یونہی کہہ دیا تھا۔ اکیلے رہ کر جانے کیا کیا سوچنے اور بولنے لگا ہوں' اینی وے یو ڈونٹ وری' میں تورع سے بات کروں گا۔ اوکے۔"

"ہم نے آپ کو کتنا تنہا کر دیا ناں پاپا! ایم سوری۔" حسن احمد بخاری کی باتوں نے اسے شرمسار سا کر دیا تھا۔ ندامت سے گویا ہوئی۔

"نہیں تم نے کب مجھے تنہا کیا ہے' میں نے تو خود خود کو تنہا کر لیا ہے۔ اس میں تمہارا کیا قصور' تم شرمندہ مت ہوا کرو' مجھے اچھا نہیں لگتا۔" انہوں نے لہجے میں بشاشت بھرتے ہوئے اس کے شرمندگی سے جھکے سر پر ہاتھ رکھا تھا۔ وہ نم آنکھوں کے ساتھ مسکرا دی تھی۔

اور حسن بخاری گہری سانس خارج کرتے ہوئے دل ہی دل میں گویا ہوئے تھے۔

"یہ تو میرا مقدر ہے بیٹا' اور یہی میری سزا ہے۔ یہی تو میں ڈیزرو کرتا ہوں' مجھے کسی سے کوئی شکوہ نہیں ہے' مجھے یہ سب منظور ہے۔"

......☆☆☆......

"ام آپ یہاں بیٹھیے میں آتی ہوں۔ اپنا خیال رکھیے گا اوکے۔"

"ڈونٹ وری بچے' میں بالکل نہیں ڈروں گی۔ تم بے فکر ہو کر جاؤ۔" اس کے فکرمندانہ انداز پر انہوں نے شرارتی مسکراہٹ کے ساتھ کچھ اس انداز میں کہا کہ وہ جھینپ سی گئی۔

"میرا یہ مطلب نہیں تھا ام' میں تو بس یوں ہی......" جھینپتے ہوئے بات بیچ میں ہی چھوڑ دی تھی۔

"اوئس اوکے بیٹا' اور اب جاؤ تم' اور ہاں میری فکر مت کرنا۔ مجھے ڈر نہیں لگتا۔" وہ ایک بار پھر سے شریر ہوئی تھیں۔

اس نے مصنوعی خفگی سے ان کی جانب دیکھا تھا اور مسکراتے ہوئے قدم آگے بڑھا دیے۔

ان کے ریلیٹوز کے ہاں شادی کی تقریب تھی وہ ام کے ساتھ مجبوراً شادی میں چلی آئی تھی۔ حالانکہ اس کا بالکل دل نہیں چاہ رہا تھا۔ اس کے نہ آنے کی وجہ کہیں نہ کہیں تورع حسن بخاری تھا۔ چونکہ یہ ریلیٹوز ان کے مشترکہ تھے اور تورع کا یہاں آنے کا امکان تھا' یہی وجہ تھی کہ وہ آنا نہیں چاہ رہی تھی مگر کسی نہ کسی کا آنا بھی ضروری تھا' بابا آؤٹ آف کنٹری تھے بھائیوں کی اپنی مصروفیات تھیں' اسی لیے وہ ام

کے ساتھ خود ہی آ گئی تھی۔ انہیں اکیلے نہیں بھیج سکتی تھی۔

یہاں آ کر اس نے ہال کے چاروں جانب طائرانہ نگاہ ڈالی تھی۔ تورع کی موجودگی کا خدشہ تھا' مگر تھینک گاڈ کہ وہ اسے کہیں دکھائی نہیں دیا تھا۔ اس کی عدم موجودگی پر وہ پرسکون ہوگئی تھی۔

سارا وقت وہ ام کے ساتھ ہی رہی تھی' جب آئیڈیا ہوگیا کہ اب تورع ممکن ہے نہ آئے' اسی لیے وہ انہیں کہہ کر عنیزہ اور انیسہ کی جانب چلی آئی تھی۔ وہ رشتے میں اس کی کزنز تھیں' اور ان کے ساتھ اس کے اچھے خاصے تعلقات تھے۔

''فرصت مل گئی تمہیں ہمارے پاس آنے کی۔'' انیسہ نے مصنوعی خفگی سے استفسار کیا تھا۔

''ہاں مل گئی' اس کی خفگی کو خاطر میں لائے بغیر خاصی شگفتگی سے جواب دیا تھا۔

اس نے شکایتی انداز میں دیکھا تھا۔

اس نے فوراً معذرت کی تھی۔

''سوری یار! ایکچو یلی ام کی طبیعت کچھ ٹھیک نہیں تھی' اسی لیے میں ان کے پاس بیٹھی رہی' اب جبکہ کچھ خواتین ان کے پاس بیٹھی ہیں تو میں مطمئن سی تم لوگوں کی جانب چلی آئی۔ تم لوگوں کی شکایت دور کرنے۔'' اس کے قریب جھکتے ہوئے سرگوشیانہ انداز میں گویا ہوئی تھی۔

وہ دھیرے سے مسکرادیں تھیں۔

''اٹس او کے' اینڈ بائی داوے تم رات کو مہندی میں کیوں نہیں آئیں؟ کتنی بار میسجز کیے' پر کوئی جواب نہیں۔'' عنیزہ نے کمر پر ہاتھ رکھتے ہوئے خاصی دھونس بھرے انداز میں استفسار کیا تھا۔

''ہاں وہ ایکچو یلی میرے سیل کی بیٹری ڈاؤن تھی' شاید اسی لیے بند ہوگیا تھا اور مجھے چارجنگ پر لگانا یاد ہی نہیں رہا تھا۔ اسی لیے صبح تک آف رہا۔ صبح ہی چارجنگ پر لگایا تھا۔ تب ہی آن کرنے پر تمہارے میسجز ریسو کیے تھے اور مہندی میں اس لیے نہ آسکی کیونکہ بزی تھی۔'' وہ ایک ایک بات کی وضاحت کر رہی تھی مگر ان کی شکایتیں تھیں کہ ختم ہونے کا نام ہی نہ لے رہی تھیں۔

کافی دیر تک وہ ان کے ساتھ باتوں میں مصروف رہی تھی۔ اور باتیں کرتے کرتے اسے احساس ہی نہ ہوا کہ وہ کافی دیر سے ام کو بھول بیٹھی ہے۔ یاد آنے پر وہ ایکدم اٹھ کھڑی ہوئی تھی اور ان سے ایکسکیوز کرتے ہوئے ام کی جانب چل پڑی تھی۔

اس نے دور سے دیکھا تھا' وہ خواتین ابھی بھی ام کے ساتھ باتوں میں مصروف تھیں وہ مطمئن سی ہوگئی۔

''ذری بیٹا!'' چلتے چلتے وہ ایک دم ٹھٹک کر رکی تھی۔ اور پلٹ کر دیکھا تھا۔ وہ انیسہ کی امی تھیں اور انیسہ کی بڑی بہن شگفتہ کی ہی شادی تھی۔ ''جی آنٹی۔''

''بچے یہ بیگ شگفتہ کے روم میں رکھ آنا' مجھے تمہارے انکل نے بلایا ہے' میں ذرا ان کی بات سن آؤں۔ رکھ آؤ گی نا بیٹا! کوئی دقت تو نہیں ہے ناں۔'' اپنی بات کہہ کر انہوں نے پیار سے استفسار کیا تھا۔ وہ ایسی ہی تھیں کسی کو بھی کام سونپنے سے پہلے انہیں یہی فکر ہوتی تھی کہ اگلے بندے کو تکلیف نہ ہو۔ ان کے انداز پر وہ دھیرے سے مسکرادی تھی۔

''نہیں آنٹی' کوئی دقت نہیں ہے' میں رکھ آؤں گی۔''

ان سے بیگ لے کر وہ شگفتہ کے روم میں چلی آئی تھی۔ پارلر سے واپسی پر دلہن کو کچھ دیر کے لیے یہیں ٹھہرایا گیا تھا۔ وہ بیگ لے کر اس کے کمرے میں چلی آئی کمرہ خالی تھا' اس نے کھڑے کھڑے بیگ سینٹرل ٹیبل پر رکھا اور باہر نکل آئی۔

اور جب وہ دروازے سے باہر نکلی تھی' ٹھیک اسی وقت ساتھ والے روم سے بھی کوئی تیزی سے باہر آیا تھا۔

ایک پل کو دونوں نے ہی سرسری سا ایک دوسرے کی جانب دیکھا تھا۔

دوسرے ہی پل دونوں ہی چونک کر رکے تھے۔ دونوں کی آنکھوں میں بے پناہ حیرت تھی۔

(جاری ہے)

بنتِ حوا

افشاں علی

لان میں کھلنے والی واحد کھڑکی اس نے کھولی تو سبک خرام نرم ہوا کے جھونکے اسے چھو کر گزر گئے نیچے لان میں چنبیلی اور گلاب کی باڑھ پر شبنم چمک رہی تھی۔ گلاب کے پودوں پر کہیں کہیں سرخ و گلابی کلیاں نظر آ رہی تھیں۔ موتیا' موگرے اور بن افشاں کی مہک اس کی سانسوں میں سما کر اسے تازگی بخش رہی تھی۔ نماز فجر ادا کر کے وہ روم سے باہر چلی آئی' اس کا رخ نیچے کی جانب تھا حالانکہ سیڑھیاں اترتے چڑھتے ہوئے اسے اب بڑی دقت ہوتی تھی مگر اس صبح بنارس کی مانند خوب صورت صبح نے اس کا موڈ فریش اور خوشگوار کر دیا تھا۔

شبنم آلود گھاس پر پاؤں رکھتے ہی اس کی روح سرشار ہو اٹھی تھی' اس کا من صبح کی ایسی تازگی پر جھوم سا اٹھا۔ وہ آہستہ آہستہ پھولوں کی کیاری کے پاس چلتی نوخیز پھولوں کو اور پتوں کو چھو کر محسوس کرنے لگی۔ اس نے درختوں کی اوٹ سے جھانکتی سورج کی کرنوں کو دیکھا' دھوپ میں حدت نہیں تھی کیونکہ سورج نکلے ابھی زیادہ دیر نہیں ہوئی تھی۔

''بیٹا! تم سے کتنی بار کہا ہے' کچھ بھی چاہیے ہو' کچھ بھی کام ہو ان نوکروں سے کہہ دیا کرو۔ کئی بار کہہ چکی ہوں کہ ان دنوں تمہیں بہت احتیاط و آرام کی ضرورت ہے پھر بھی تم اس وقت یہاں نیچے ہو۔'' بیگم شاہدہ اسے لان میں دیکھ کر ناراضگی سے گویا ہوئیں۔ فاتیقہ جو چہل قدمی سے لطف اندوز ہو رہی تھی' اپنی ساس کی اچانک آمد اور پھر اس ناراضگی بھرے لہجے کو سن کر رک سی گئی۔

''مما! موسم اتنا خوشگوار ہو رہا تھا کہ میرا کافی پینے کا موڈ بن گیا پھر سوچا تھوڑی واک بھی کرلوں گی بس اسی لیے میں نیچے چلی آئی۔'' فاتیقہ نے صفائی دی۔ فاتیقہ آج کل امید سے تھی اور جونہی یہ خبر اس کے سسرال والوں کو پتا چلی تبھی سے اس کے سسرال والوں نے اسے ہاتھوں ہاتھ لیا' آخر کو وہ اکلوتی بہو جو تھی۔

''تو بیٹا! تم کسی نوکر سے کہہ کر اوپر اپنے روم میں ہی کافی منگوا لیتیں' تمہیں کتنی بار سمجھاؤں تمہیں خاص کر آرام کی ضرورت ہے۔ اپنے لیے نہیں تو ہمارے آنے والے پوتے کے لیے ہی سہی' تم اپنی کیئر کیوں نہیں کرسکتیں۔'' تو یہ بات تو ثابت ہو چکی یہ احتیاطی تدابیر' یہ خدمتیں' یہ پیار یہ سب آنے والے ان کے پوتے کے لیے تھا اور اگر پوتا ہی نہ ہوتا تو......؟

''اچھا مما! بس میں یہیں لان میں بیٹھ جاتی ہوں' ویسے مما! آپ کو کیسے پتا کہ آپ کا پوتا ہی آنا ہے اگر......''

''بس بیٹا! آگے کچھ نہ کہنا' میں جانتی ہوں ہمارے گھر ہمارے خاندان کا چراغ ہی آئے گا۔ آخر کو اتنی دعائیں مانگی ہیں' کیا ہوا جو ڈاکٹر نے الٹرا ساؤنڈ تشخیص نہیں کیا پر مجھے معلوم ہے کیونکہ ہمارے خاندان میں سب کے ہاں پہلے لڑکا ہی ہوا ہے خود میرے ہاں بھی تو پہلے اویس ہوا پھر ایمن تو بس یہ طے ہے کہ ہمارے ہاں بھی پوتا ہی ہوگا۔'' خوش فہمی سے تر اور غرور سے پُر لہجہ فاتیقہ کو چپ گیا۔ خوش فہمی کی چٹان کو حقیقت سے بھرا پتھر کہاں ریزہ ریزہ کرسکتا تھا۔

فاتیقہ جب امید سے ہوئی تو اس کے سسرال والوں نے تو اسے آسمان پر لا بٹھایا۔ خوراک سے لے کر آرام تک اس کا ہر طرح سے بھرپور خیال رکھا جا رہا تھا۔ پانچویں ماہ الٹرا ساؤنڈ کی آنے والی رپورٹ نے ظاہر کر دیا کہ اس کی کوکھ میں بیٹی ہے' اس نے وہ رپورٹ چھپا دی آخر کرتی بھی تو کیا؟ اس کے سسرال والے یہاں تک کے اویس بھی بیٹے کو لے کر بہت پوزیسو تھے۔ انہیں بھی بیٹا چاہیے تھا اس نے بارہا چاہا کہ وہ ان سب کی

غلط فہمیوں کو دور کردے پر اس کے سسرال والوں نے بیٹے کی چاہ میں اپنی خواہش کے محل کی دیواروں کو اتنا اونچا اور پختہ کردیا تھا کہ فائقہ چاہ کر بھی اسے ڈھ نہیں پائی۔

کھلونے سے لے کر کپڑے تک یہاں تک کہ نام بھی لڑکے کے ہی سوچے جاچکے تھے' ایسے میں اس نے سب کچھ وقت اور حالات کی دھاروں پر چھوڑ دیا کیونکہ اب آنے والا وقت ہی وہ واحد سہارا تھا جو اس راز کے فاش ہونے کے بعد اس کی ہمت بڑھاتا۔

❁......❁......❁
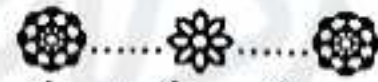
وہ جب گھر میں داخل ہوئی تو اس کی ناہموار سانسیں' پیشانی پر شکن آلود لکیریں اور چہرے سے جھلکتی پریشانی کو دیکھ کر اس کی چھوٹی بہن نے سوچا۔

''لگتا ہے آج پھر وہی ہوا ہے۔'' زمان بٹ کی دو بیٹیاں اور ایک بیٹا کامران بٹ تھا۔ یہ لوگ گجرانوالہ کے قریبی قصبے میں رہائش پذیر تھے۔ روشن اور بڑی بڑی آنکھوں والی اس کی بڑی بیٹی رضوانہ تینوں بچوں میں سب سے زیادہ ذہین تھی۔ تین چار سال کی عمر میں ہی وہ ایسی ایسی بڑوں والی باتیں کر جاتی کہ ہر کوئی کہہ اٹھتا ''زمان تواری اے کڑی تے وڈی ہوشیار اے'' انہی باتوں کے پیش نظر زمان نے اسے قصبے کے اکلوتے پرائمری اسکول میں داخل کروادیا۔ وہ ہر جماعت میں اچھے نمبر لے کر پرائمری پاس کرگئی۔

شہر سے پڑھانے آنے والے استاد بھی اس کی ذہانت سے متاثر ہوئے بنا نہ رہ پائے اور ساتھ ہی مشورہ بھی دے ڈالا کہ رضوانہ کو آگے بھی پڑھاؤ کیونکہ یہ بچی بہت ذہین ہے۔ بات تو تھی نامعقول مگر زمان بٹ کے دل کو لگی' اس نے سب کی مخالفت حتیٰ کہ اپنی بیوی کے انکار اور اس کی باتوں کو نظر انداز کر کے رضوانہ کو گجرانوالہ شہر کے اسکول میں داخل کروادیا یہاں بھی رضوانہ کی ذہانت کے چرچے ہونے لگے۔ رضوانہ اب نویں جماعت میں پہنچ چکی تھی وہ اپنے قصبے کی پکی سڑک تک پیدل جاتی اور پھر وہاں سے تانگے کے ذریعے شہر۔

قصبے کی لڑکیاں جہاں اس پر فخر کرتیں' وہیں قصبے کے کچھ بڑے بوڑھے منہ بنا کر تو کچھ ناک پر انگلی رکھے تھوڑی پر ہاتھ ٹکائے حیرت سے اسے تکتے' آخر کو وہ پہلی لڑکی تھی جو قصبے سے شہر پڑھنے جاتی تھی۔ دوسری جانب قصبے کے کچھ آوارہ لڑکوں کو اب رضوانہ کسی ہیروئن کی مانند لگتی تھی۔ پچھلے کچھ دنوں سے وہ لڑکے رضوانہ کی شہر سے واپسی کے وقت پکی سڑک سے قصبے کی اندرونی کچی سڑک کے اطراف موجود کھیتوں میں کسی پروانوں کی مانند انتظار میں بیٹھ جاتے۔ رضوانہ نے اب تک ان پر دھیان نہیں دیا تھا نا ہی غور کیا تھا مگر اب وہ لڑکے نا صرف اس پر آوازیں کستے بلکہ اکثر ایک دور استے میں اس کے ہمراہ ہو لیتے اور گنگناتے جاتے یہ بات رضوانہ کے لیے پریشان کن ہوتی جارہی تھی کیونکہ اگر قصبے والوں یا اس کے گھر والوں کے کانوں تک یہ بات پہنچ جاتی تو اس کی پڑھائی

خطرے میں پڑ جاتی۔ آخر کو ہر کوئی اس کی پڑھائی کا مخالف تھا سوائے اس کے ابا زمان بٹ کے...... اور اگر جو یہ بات زمان بٹ تک کبھی پہنچی تو کوئی گارنٹی نہ تھی کہ وہ اپنی تعلیم جاری بھی رکھ پاتی یا نہیں آج کل رضوانہ کو کچھ سمجھ نا آتی کہ آخر وہ کیا کرے اور کسے بتائے؟

ہوش سنبھالتے ہی اس نے اپنے نام کو پارس خان کے نام کے ساتھ سنا تھا' بہت چھوٹی عمر میں ہی جب وہ گڈے گڑیا کا بیاہ رچاتی تھی تب ایک دن اس سے تین سال بڑی اس کی سہیلی نے بڑے رازدارانہ انداز میں بتایا تھا۔

''پری جب تم بڑا ہو جائے گا' تو تمہارا بھی شادی ہوگا وہ بھی پارس خان سے۔'' اس کی دادی بھی اس سے اکثر کہتیں۔

''پری بیٹا! جب تم بڑا ہوگا اور شادی کی عمر کو پہنچے گا تو پارس خان ہی تمہارا شوہر بنے گی۔'' اٹھتے بیٹھتے یہ ہی سنتے وہ سنہرا بے فکر' بھولپن اور معصومیت سے بھرا بچپن گزر چلا تھا۔ اب وہ لڑکپن سے جوانی کے دور میں داخل ہو چلی تھی۔ وہ یعنی پری شمائل اپنے ماں باپ کی اکلوتی اولاد تھی تو پھر لاڈلی بھی کیوں نہ ہوتی؟ جب بہت سی منتیں مرادیں کی گئیں' تب جا کر کشمیری سیب جیسے گالوں اور دودھ جیسی سفید رنگت لیے ایک ننھی پری نے ان کے ہاں آنکھ کھولی اور یوں وہ ان کی آنکھوں کا تارا بن گئی۔

دن بہ دن اس کی خوب صورتی کو دیکھ کر کسی پرستان کی پری کا گمان ہوتا' تیکھے اور مغرور نقوش والا مردانہ وجاہت سے بھرپور پارس خان بھی کسی سے کم نہ تھا۔ پارس خان اس کے چچا کا بیٹا تھا گڈے گڑیا کا کھیل رچاتے رچاتے وہ بھی اپنا دل پارس خان کے نام کر چکی تھی اُسے خبر تھی کہ پارس خان بھی محبتوں کے اس سفر میں اس کے ہمراہ ہے۔ سولہ برس کا سال لگتے ہی اس کی دادی نے اس کے جہیز سے بھرے ٹرنک کو پھر سے کھول لیا۔ رنگ برنگے نگینوں و ستاروں سے بھرے کپڑے' چمکتے جھلملاتے موتیوں سے مزین دوپٹے جسے تہہ کرتے جب وہ اپنی لاڈلی خوب صورت پری بیٹی کو تکتیں تو انہیں بے ساختہ اس پر پیار امڈ آتا اور وہ اسے اپنے ساتھ لپٹائے چوم لیتیں۔ زندگی بہت مکمل اور خوب صورت سی تھی پر کبھی زندگی اور وقت بھی وفا کرتا ہے کسی کے ساتھ؟

وہ صبح بہت خوشگوار اور پُر بہار تھی جب نرس نے گلابی کمبل میں لپٹی گلابی سی گڑیا فاتیقہ کی گود میں ڈالی۔ ممتا سے چُور اس نے اس گلابی گڑیا کو بانہوں میں بھر لیا مگر اگلا احساس بہت شدید تر تھا جب غصے سے بپھری اس کی ساس اور نڈھال و حیرت زدہ سا اس کا شوہر ہسپتال کے اس پرائیوٹ وارڈ میں داخل ہوئے' بے ساختہ ہی بانہوں میں موجود اس ننھی گڑیا پر فاتیقہ کی گرفت کچھ اور مضبوط ہوگئی۔

''مما...... اویس...... مبارک ہو ہمارے گھر ننھی پری......''

''بس خاموش رہو تم' تم اچھے سے جانتی ہو مما کو پوتے کی خواہش تھی۔'' وہ جو اُن کو کمرے میں داخل ہوتے دیکھ کر مبارک باد دینے لگی تھی اویس نے اسے سپاٹ لہجے میں ٹوک دیا۔

''ہاں میں جانتی ہوں مگر......''

''اگر جانتی تھیں تو کیا ہے یہ...... پوتے کی جگہ یہ لڑکی...... مٹھائیوں کا آرڈر دے دیا' سب کو کہہ دیا میرے ہاں پوتا ہوگا اور اب یہ لڑکی...... سب خاندان والوں کو کیا منہ دکھاؤں گی؟'' فاتیقہ جو کچھ کہنے لگی تھی شاہدہ بیگم نے اس کی بات کاٹ کر نخوت بھرے لہجے میں کہا۔

''مما...... کیسی باتیں کر رہی ہیں آپ؟ یہ پوتا نہیں پوتی ہے تو کیا ہوا...... ہے تو آپ ہی کے خاندان کی وارث' آپ ہی کے بیٹے کی اولاد...... اور اویس آپ مجھے ایسے کیوں دیکھ رہے ہیں؟ یہ آپ ہی کی بیٹی ہے۔'' فاتیقہ نے بے چارگی سے کہا۔

''آخر تم نے ہم سے چھپایا کیوں؟ اگر پہلے پتا ہوتا تو

اس کی نوبت ہی نہ آنے دیتا۔“ اویس نے بچی کی طرف اشارہ کیا وہ اویس سے ایسے رویے کی امید نہ رکھتی تھی۔

”اب لوگوں سے میں کیا کہوں گا کہ میرے گھر بیٹا نہیں بیٹی ہوئی ہے۔ ایک کمزور وجود ایک بے بس لڑکی ذات...... فاتیقہ تم نے تو خاندان کی عزت کا بھی نہ سوچا۔“ فاتیقہ گویا سکتے میں آ گئی تھی' ہک دک شوہر اور ساس کی باتیں سنے جا رہی تھی اسے اندازہ نہ تھا کہ ایسے حالات کا بھی سامنا کرنا پڑے گا۔ اس کی گرفت جیسے ہی ننھی گڑیا پر ڈھیلی پڑی تبھی یکدم شاہدہ بیگم نے آگے بڑھ کر فاتیقہ کی گود سے کمبل میں لپٹی گڑیا کو اٹھا لیا۔

”اسے تو میں کسی نرس کے حوالے کرتی ہوں' سب کو کہہ دوں گی بیٹا ہی ہوا تھا مگر مردہ...... کم از کم خاندان میں ہونے والی تذلیل سے تو بچیں گے۔ میں اس لڑکی کو اپنا نہیں سکتی جو ہمارے خاندان میں ناک کٹانے کا باعث بنے' یہ بچی ہماری کچھ لگ ہی نہیں سکتی۔“ فاتیقہ اس افتاد کے لیے ہرگز تیار نہ تھی جبھی کمزوری ونقاہت کے باوجود اس نے بیڈ سے اٹھنے کی کوشش کی۔

”پپ...... پ...... پلیز مما...... میری بات سنیں......“ وہ بے ساختہ پکاری مگر سامنے موجود اس کی ساس کی آنکھوں میں درشتی' ناگواری اور شدید ترین غصے کے سوا کچھ نہ تھا۔ ان کے تیور جارحانہ ہو چکے تھے۔

”اویس...... اویس...... پلیز آپ...... مم...... مما کو روکیں نا...... میری بچی ہے وہ...... ہم...... ہماری بچی ہے...... آپ کا خون ہے اویس......“ اس کا لہجہ مدہم' کپکپاتا' آنسوؤں سے بھیگا اور لجاجت آمیز تھا۔

”اویس اسے پکڑو اور چلو یہاں سے فی الحال......“ شاہدہ بیگم نے بچی کو اویس کو تھمایا اور چلنے کو کہا وہ ہراساں اور سراسیمہ ہوئی جا رہی تھی آنے والے خوف سے اس کی زبان لڑکھڑانے لگی تھی۔ شاہدہ بیگم کا رعونت بھرا انداز اور لہجے کا طنز وحقارت فاتیقہ کے اندر چھناک سے کچھ ٹوٹا اور ٹوٹتا چلا گیا۔

”ایک منٹ رکیں......“ یکدم وہ پوری شدت سے

چلائی تھی۔ اویس اور شاہدہ بیگم کے دروازے کی سمت بڑھتے قدم وقتی طور پر ٹھٹکے۔ ''صحیح کہا آپ نے مما! یہ آپ کی کیسے کچھ لگ سکتی ہے حالانکہ اس بچی کی دادی بھی ایک عورت ہے وہی عورت جو کبھی کمزور اور بے بس لڑکی بھی رہی ہوگی اور جس نے مجھ جیسی ایک لاچار ماں ہی سے جنم لیا تھا اور اویس آپ...... آپ کی بھی یہ کیسے کچھ لگ سکتی ہے؟ یہ ایک کمزور وجود ایک بے بس لڑکی ذات ہے کیونکہ یہ لڑکا نہیں لڑکی ہے لیکن آپ کو یاد دلا دوں یہاں کمرے میں موجود نفوس میں دو عورتیں بھی شامل ہیں جو کہنے کو آپ کی ماں اور بیوی ہیں مگر ہیں تو وہ بھی عورت ذات...... ایک لڑکی کے باپ کہلانے میں آپ کو شرم آرہی ہے تو ایک عورت کے بطن سے جنم لینے اور ایک عورت کو اپنی زندگی کا شریک سفر چنتے وقت یہ شرم کیوں نہ آئی؟'' فاتیہ جب بولنے پر آئی تو اپنی کمزور اکھڑتی سانسوں کی پروا کیے بغیر بولتی چلی گئی۔

''مما! دادی بننے کی آپ کو بہت چاہ تھی اور اس سے بڑھ کر پوتے کی' پر ایک ماں ہو کر آپ یہ کیوں بھول گئیں کہ بیٹے یا بیٹی کا اختیار اللہ کی ذات کے سوا کسی کو نہیں۔ بیٹے کے ہاں ہوئی بیٹی آپ کو قابل قبول نہیں کیونکہ وہ آپ کی پوتی کہلائے گی مگر کل کو جب ایمن کے ہاں بیٹی ہو تو کیا تب بھی اسے آپ قبول نہیں کریں گی؟ بتائیں مما......؟'' فاتیقہ نے اپنی ساس کی طرف دیکھتے ہوئے کہا۔ شاہدہ بیگم نے ایک پل کو اس کی جانب نگاہ اٹھائی مگر شرمندگی و ملامت کے باعث وہ اپنی بہو سے نظر نہ ملا پائیں۔

آخر کو سچ ہی تو کہا تھا فاتیقہ نے اگر کل کلاں ان کی اپنی بیٹی کے ہاں بیٹی ہوئی تو وہ نہ صرف اسے قبول کرتیں بلکہ اسے سینے سے لگاتیں اور نانی بن کر پیار و محبت کا خزانہ اس پر لٹاتیں تو پھر اپنے بیٹے کی اولاد پر کیوں نہیں؟

''مجھے فخر ہے کہ میں خوش نصیب ہوں جو میری پہلی اولاد لڑکی ہوئی ہے۔ یہ کمزور اور بے بس وجود نہیں بلکہ یہ اللہ کی رحمت ہے' جہنم سے بچنے کی ڈھال اور ہماری بخشش کا ذریعہ ہے اور ویسے بھی اولاد باپ کے نصیب سے ہوتی ہے جبکہ رزق عورت کے نصیب سے۔ ہم اپنے آپ کو مسلمان کہتے ہیں' دین اسلام کو مانتے ہیں پھر بھی ہم اسے پہچانتے اور جانتے کیوں نہیں؟ جب کسی کے ہاں لڑکی پیدا ہوتی ہے تو اللہ تعالیٰ فرماتا ہے کہ ''اے لڑکی! تو زمین میں اتر' میں تیرے باپ کی مدد کروں گا'' اویس آپ کو تو فخر ہونا چاہیے یہ بیٹی' عورت ذات کمتر نہیں بلکہ یہ تو اللہ کی طرف سے انعام' نصرت' برکت' رحمت اور بخشش ہے۔ آپ ایسے کیسے کہہ...... سکت...... تے...... ہیں؟'' فاتیقہ بولتے بولتے اب ہانپنے لگی تھی اس سے پہلے کہ وہ گرتی اویس نے جلدی سے بچی کو کاٹ میں لٹایا اور آگے بڑھ کر فاتیقہ کو تھام کر بیڈ پر لٹا دیا جو بھی تھا آخر کو وہ اس کی ہمسفر تھی۔

''واہ باجی جی...... آج تو آپ نے میری بھی آنکھیں کھول دیں' میری بھی یکے بعد دیگرے چار بیٹیاں ہوئیں اور میں اب تک بات بات پر انہیں کوستی آئی کہ اس مہنگائی کے دور میں یہ چار بیٹیوں کا بوجھ کیسے سر کے گا؟ کب اور کیسے کر پاؤں گی ان کی شادیاں؟ مگر آج آپ کی باتیں سن کر پتا چلا کہ میں تو بہت خوش نصیب ہوں جو اللہ نے اپنا انعام چار بیٹیوں کی صورت میں مجھے دیا۔ واقعی جب کسی گھر میں بیٹی جیسی رحمت آتی ہے تو ساتھ رزق جیسی خوشحالی بھی لاتی ہے۔ میری پہلی بیٹی کی پیدائش پر میں بطور نرس یہاں آئی تھی اور اب میں ایک سینئر نرس ہونے کے ساتھ ساتھ ہیڈ بھی ہوں۔ بلاشبہ یہ میری بیٹیوں کے نصیب کا اثر ہے آج گھر جا کر میں اپنی بیٹیوں کو خوب پیار کروں گی۔'' فاتیقہ جب حقیقت سے روشناس کروا رہی تھی' اسی دوران نرس جو اسے میڈیسن دینے آئی تھی فاتیقہ کی باتیں سن کر اس کے اندر بھی احساس جاگا۔ ممتا سے چور لہجے میں اس نے بھی اپنی غلطی کا ازالہ کرنے کا ارادہ ظاہر کیا۔ نرس کے چلے جانے کے بعد اویس فاتیقہ کے بیڈ کے قریب رکھی چیئر پر بیٹھ گیا اور اس کے ہاتھ تھام لیے۔

''فاتحہ! بس مجھے معاف کردو، میں کتنا بدنصیب بننے چلا تھا۔ میں انجانے میں اللہ کی اتنی بڑی رحمت کو ٹھکرانے لگا تھا' یہ میری بیٹی ہے میرا فخر' میرا مان' میرا غرور' میری جان ہے۔' اویس نے کاٹ میں لیٹی اپنی بچی کو اٹھایا اور اپنی بانہوں کے حصار میں بھر لیا تب اسے احساس ہوا باپ بننے کا سکھ کیسا ہوتا ہے؟ یہ بچی تو بالکل اس کا پرتو تھی۔ وہی چھوٹی چھوٹی آنکھیں اور گھنی پلکیں' وہی چھوٹا سا ناک' ہاں پیشانی اور ہونٹ فاتحہ کی طرح تھے۔ اسے ٹوٹ کر اپنے آنگن کی گلابی کلی پر پیار آیا۔ اویس نے اسے اپنے سینے سے بھینچ لیا اور دیوانہ وار اس کی پیشانی' اس کے ننھے ننھے ہاتھوں' چھوٹی سی بند آنکھوں اور پھولے پھولے گالوں کو چومنے لگا۔

''مما...... مما...... یہ دیکھیں یہ میری بیٹی ہے۔ میری اپنی بیٹی...... میری جان' اللہ کا انعام۔'' اویس اسے سینے سے لگائے ساکت و جامد کھڑی اپنی مما شاہدہ بیگم کی جانب بڑھا تو ان کے وجود میں بھی جنبش ہوئی وہ شرمندہ شرمندہ سی فاتحہ کے بیڈ کی طرف آئیں۔

''بیٹا! مجھے بھی معاف کردو' غلطی تو مجھ سے ہوئی پوتے کی چاہ میں نجانے میں کیوں اتنی خودغرض ہوگئی کہ یہ بھی بھول گئی کہ میں بھی تو کبھی کسی کی بیٹی رہی ہوں۔ قصور تو میرا بڑا ہے پر معاف کردینے والا اس سے بھی بڑا ہوتا ہے۔ مجھے خوشی ہے کہ میرے گھر خدا کی رحمت بن کر پوتی آئی اور اسے لانے والی ماں اتنی عظیم ہے کہ مجھے فخر ہے میری آنے والی نسلوں کی امین اتنی اچھی بیٹی ہے۔'' شاہدہ بیگم نے معافی مانگتے ہوئے شرمندگی سے چور لہجے میں کہا جن کی آنکھوں میں ندامت و غلطی کا احساس نمایاں تھا۔

''ارے مما...... آپ پلیز معافی نہ مانگیں' آپ کو غلطی کا احساس ہوگیا یہ ہی کافی ہے۔ میرا مقصد آپ کو شرمندہ کرنا نہیں بس حقیقت سے روشناس کرانا تھا جس میں میں کامیاب بھی ہوئی۔ اچھا چلیں مما! اب اپنی پوتی کو منہ دکھائی تو دے دیں۔'' فاتحہ ہلکے پھلکے انداز میں مسکراتے ہوئی بولی۔

''ہاں ضرور' کیوں نہیں۔ منہ دکھائی میری پوتی کو بھی ملے گی اور میری اس بیٹی کو بھی۔'' وہ فاتحہ کی پیشانی چومتے ہوئے بولیں تبھی اویس نے اپنے لہجے میں سنجیدگی طاری کرتے ہوئے پوچھا۔

''مما! وہ جو آپ نے پوتے کی خوشی میں مٹھائیوں کا آرڈر دیا تھا وہ تو اب کینسل کروادوں نا؟''

''ہاں ان مٹھائیوں کو اب کینسل ہی کروادو۔'' فاتحہ اور اویس حیران نظروں سے ان کی سمت دیکھنے لگے جو بیڈ کی پائنتی کی طرف سے گھوم کر اویس کی طرف چلی آئی تھیں۔

''اتنا حیران کیوں ہورہے ہو؟ ان مٹھائیوں کو واقعی کینسل کروادو کیونکہ اب ہمارے گھر اللہ کی رحمت انعام بن کر آئی ہے اب تو پہلے سے زیادہ مٹھائیاں تقسیم ہوں گی اودھوم دھام سے عقیقہ بھی کرواؤں گی اور اس پیاری گڑیا کا نام زیبا یعنی اللہ کا تحفہ رکھیں گے کیونکہ واقعی یہ ہم سب کے لیے آنے والی خوش حال زندگی کا ایک تحفہ ہی ہے۔'' شاہدہ بیگم نے اویس کی گود میں موجود اپنی پوتی کی پیار سے بلائیں لیتے ہوئے کہا تو فاتحہ نے ایک پرسکون سانس خارج کرکے آنکھیں موندلیں کیونکہ وہ جان گئی تھی کہ آنکھوں سے اب پردہ ہٹ چکا ہے۔ اندھیرے میں گھرا وجود اور معاشرہ روشنیوں کی طرف مائل ہورہا ہے آخر کو ہر بیٹی کو آنگنے میں کھیلنے کا حق ہے۔

❁......❁......❁

سرشام ہی آسمان لال غبار آلود بادلوں سے ڈھک گیا تھا یوں معلوم ہوتا جیسے آسمان خون میں نہا گیا ہو۔

''لال سرخ آسمان۔'' دادی دیکھ کر ہولنے لگیں۔

''کہیں تو کچھ غلط ہوا ہے۔'' اور پھر چند ہی لمحوں بعد پہاڑوں کے دوسری جانب سے خبر چلی آئی۔

''شمروز خان کے بیٹے کو پارس خان نے اپنے کچھ دوستوں کے ساتھ مل کر مار ڈالا۔'' حالانکہ حقیقت کچھ یوں تھی کہ پارس خان کے کچھ دوستوں اور شمروز خان کے

بیٹے کے درمیان کسی بات کو لے کر لڑائی ہوئی جو بڑھتے بڑھتے شمروز خان کے بیٹے کی جان لے گئی۔ پارس خان جب وہاں پہنچا تب تک اس کے دوست شمروز خان کے بیٹے کو خنجر مار کر فرار ہو چکے تھے۔ پارس خان خنجر نکالنے کے بعد اسے اٹھا کر حکیم کے پس لانا ہی چاہتا تھا کہ گاؤں کے لوگوں نے افواہ اڑا دی کہ پارس خان نے قتل کر دیا کیونکہ اس کے علاوہ آس پاس اور کوئی موجودہ نہ تھا۔

گاؤں کی فضا یکدم خون آلود ہو چکی تھی اور یہ صحیح و غلط کی تمیز مٹانے کا وقت نہ تھا تبھی پارس خان کو فی الفور گاؤں سے رفو چکر ہونا پڑا اس کا خیال تھا گاؤں کی فضا سازگار ہوتے ہی وہ آ کر سب کو سچائی بتا دے گا مگر اس کی نوبت ہی نہ آ پائی غصے سے بپھرا شمروز خان جرگہ بلا چکا تھا۔ اوپر سے پارس خان کے فرار کی اطلاع نے اس بات پر تصدیق کی مہر لگا دی تھی کہ وہی گناہ گار ہے۔ پارس خان کے بوڑھے باپ کے پاس جڑے ہوئے ہاتھوں کے ساتھ نہ تو کوئی دولت تھی اور نہ ہی ملکیت اور جرگے کے مطابق جب زر اور زمین نہ ہو تو پھر زن کی باری آتی ہے اور یوں پارس خان کی منگیتر کو جرگے نے شمروز خان کے حوالے کرنے کا فیصلہ سنایا گو کہ یہ اتنی انوکھی بات نہ تھی گاؤں میں صدیوں سے یہ ہی رواج عائد تھا۔ جرگے میں مخالف پارٹی جو مطالبہ رکھتی قصوروار مجرم یا اس کے اہل خانہ کو ماننا ہی پڑتا پھر چاہے اس کے لیے ''زر'' ''زمین'' یا پھر ''زن'' ہی دینی پڑے کسی کی منتیں، کسی کے آنسو کسی کے آہ، کسی کی فریاد تو کسی کے بندھے ہاتھ کچھ کام نہ آتا۔

جرگے کا فیصلہ ہر صورت ماننا پڑتا اور یہاں تو بات پڑوسی گاؤں کی تھی جس سے ان کے گاؤں کے تعلقات ویسے ہی خراب تھے ایسے میں جرگے کے فیصلے کو ماننے کے سوا اور کوئی حل نہ تھا۔ ایک تھکے ہارے ہوئے جواری کی طرح رحمت خان کو اپنے ہی ہاتھوں اپنی لاڈلی کو سونپنے کا حکم مل چکا تھا۔ وہ جو پارس خان کے ہمراہ خوش آئند سپنے سجائے بیٹھی تھی اسے نوچ دیا گیا، انہیں آنکھوں میں اب خوف و ڈر اور الجھن نے ڈیرے ڈال لیے تھے اس کے ہونٹ سختی سے ایک دوسرے میں پیوست و جامد ہو چکے تھے جبکہ آنکھوں میں بھی ٹھنڈی اور مردہ سی وحشت آ ٹھہری تھی۔

جرگے کے فیصلے کے آگے اس کے باپ و چچا کی التجائیں، آنسو کچھ بھی کام نہ آئے۔ پارس خان کے ناکردہ جرم کی پاداش میں اسے شمروز خان کے حوالے کر دیا گیا۔

''ہمارا بیٹی! کہنے سننے کو تو کچھ نہیں، ہم بس اتنا جانتا ہے کہ ہم عورت ہے اور عورت کو ہمیشہ قربانی کی سولی چڑھنا ہوتی ہے۔ چاہے خوشی سے یا مجبوری سے...... ہم کو معلوم ہوتا کہ یہ خانہ خراب رواج ہمارے گھر بھی آگ لگا دے گا تو ہم بانجھ ہی بھلا تھا، ہمارا بیٹی، ہم مجبور ہے، ہم کو معاف کرنا۔'' پری شمائل کو شمروز خان کے حوالے کرتے ہوئے اس کی ماں اسے سینے سے لگائے روتے ہوئے بولی تھی۔ اس کی مور (ماں) پلار (باپ) اور وہ تینوں نفوس یہ جانتے تھے کہ اب نجانے کب پری شمائل کو وہ دیکھ پائیں گے کیونکہ جرگے کے فیصلے میں سونپی گئی زر، زمین اور زن پر سے مالک کا حق ختم ہو جاتا ہے جب تک مخالف پارٹی اپنی مرضی سے وہ چیز انہیں نہ سونپے تب تک وہ اس چیز کو دیکھ بھی نہیں سکتے یہ تو پھر ان کی لاڈلی بیٹی تھی جس پر سے اب ان کا اختیار ختم ہو چکا تھا۔

''بس کرو خانم! ہم یوں سمجھے گا ہم نے ہمارا بچی پارس خان کے ہی حوالے کر دیا۔'' پری کے جانے کے بعد اس کی مور (ماں) جو بلک بلک کر رو رہی تھی اسے رحمت خان چپ کرواتے ہوئے بولا کیونکہ اب یہ آنسو بے کار تھے، جانے والی انہیں چھوڑ کر جا چکی تھی۔

❀......❀......❀

''بے بے...... بے بے...... ماما، رضوانہ نوں بالوں سے گھسیٹتا ہوا لاریا (لارہا) ہے۔'' رضوانہ کی بہن ہانپتی ہوئی گھر میں داخل ہوئی۔

''کیا بول رہی ہے کڑیے! رب سوہنا خیر کرے۔'' وہ چولہے پر موجود ہانڈی چھوڑ چھاڑ کر دروازے کی جانب بڑھی جہاں سے اس کا بھائی رضوانہ کو بالوں سے پکڑے

چلا آرہا تھا۔

"نانجار شرم نہ آئی تینوں اے گل کھلاندے۔" اس نے صحن کے بیچ و بیچ لاکر رضوانہ کو پٹخا۔ پنڈ کے کافی لوگوں کا ہجوم صحن و گھر کے دروازے کے گرد جمع ہو چکا تھا اس کی بے بے حیران و پریشان ہو کر آگے بڑھی تا کہ صحن میں گری روتی رضوانہ کو اٹھا سکے۔

"خبردار...... اس نوں ہاتھ نہ لائے۔" تبھی ہجوم میں سے زمان بٹ غصیلے تیور لیے برآمد ہوا۔

"کیا ہو گیا' کوئی تے مینوں وی دسو آخر بات کی ہے؟" وہ کبھی اپنے شوہر اور بھائی کے غصے کو دیکھتی تو کبھی اپنی بکھری الجھی روتی ہوئی بیٹی کو۔

"میں نے کتنی واری منع کیتا سی اینوں پڑھن شہر نہ بھیجو اے کڑی ذات ہے گھر کی چار دیواری اچ چولہا چکی کرتی چنگی لگدی۔ شہر جاتی تھی پڑھن واسطے یا منڈے نال گپے لان' پتا نہیں کدوں سے چکر چل ریا سین اے تے شکر آج میرا ادھر فا گزرنا ہوا تو مینوں حقیقت دا پتا لگیا ورنہ اس نے تو ساڈی انکھیاں تے عزت اوتھے مٹی پا دینی تھی۔" اس کا ماما قہر آلود لہجے میں پھنکارتے ہوئے بولا۔

"اے کی کیتا کڑیے؟" بے بے سر پر ہاتھ مارتے وہیں صحن میں رکھی پیڑھی پر ڈھ گئی۔

"بے بے! میں نے کچھ وی نہیں کیتا۔" وہ اپنی بے بے کے گھٹنے پکڑ کر بولی۔

"ہٹ پرے ہٹ......" بے بے نے اسے پرے دھکیلا تبھی اس کی نظر اپنے ابا پر پڑی تو وہ جلدی سے اٹھ کر زمان بٹ کی جانب بڑھی۔

"ابا میرا یقین کر' وہ منڈے مینوں آپے ہی چھیڑ رہے تھے اور......"

"چٹاخ۔" اس سے پہلے کہ رضوانہ اپنی بات مکمل کرتی اس کے باپ کا ہاتھ اٹھ چکا تھا' وہ گال تھامے لڑکھڑا سی گئی۔

"میں نے تو اڈے اوتھے اتنا بھروسہ کیتا اور تُو نے اک واری بھی نا سوچیا پنڈ اچ ساڈی عزت روے گی۔

اپنی مرحومہ نانو جان کے نام

تیرا چمن' تیرا آشیانہ
بن گیا اب اک ویرانہ
کیسے کر کے اکٹھا تنکا تنکا
بنایا تھا تُو نے اک گھرانہ
کس سے کریں اب ہم گلہ
خود تُو نے ہی بنا لیا کہیں اور ٹھکانہ
تیرے گلستاں کی وہ اکلوتی بلبل
گزر رہا ہے اس پر اداسیوں کا زمانہ
ڈھونڈتی ہے وہ بے کل ہو کر تجھے
پر نہیں ملتا تیرا کوئی نشانہ
دل ہے کہ مضطرب رہتا ہے ہر پل
اسے بہلانے کو نہیں کوئی بہانہ
اور تُو اب کچھ نہ رہا بس میں اپنے
پیش کرتے ہیں تجھے دعاؤں کا نذرانہ
اللہ تجھ کو جنت میں لے جائے ماں
بلند کرے فردوس میں ٹھکانہ

انیقہ اظہر...... ہری پور

مت کہو مینوں ابا مر گیا آج سے تیرا ابا۔" زمان بٹ کا غصہ آسمان چھونے لگا' جلد ہی یہ خبر بھوسے میں لگی آگ کی مانند سارے گاؤں میں پھیل گئی جتنے منہ اتنی باتیں۔ ہر کوئی رضوانہ کو قصوروار مان رہا تھا ساتھ ساتھ زمان بٹ کو بھی موردِ الزام ٹھہرایا جا رہا تھا جس کی شہ پر وہ پڑھنے شہر جاتی رہی تھی۔

اس کی چھوٹی بہن جو اصل حقیقت سے آشنا تھی پر چاہ کر بھی حالات بہتر نا بنا سکتی تھی کیونکہ حفاظتی اقدامات کے طور پر سیلاب کے پانی میں کھڑے رہ کر بند بنانا نری بے وقوفی اور خطرناک ہی ہوتا ہے اس لیے وہ بے چاری چپ چاپ' سہمی اپنی معصوم بہن کو روتے دیکھنے کے سوا اور کچھ کر بھی کیا سکتی تھی۔ رضوانہ نے کوئی قصور کیا ہی نہ تھا مگر پھر بھی گاؤں والوں اور گھر والوں کی نظروں میں وہ

مجرم تھی اور مجرم کو سزا دی جاتی ہے اور اس بے قصور مجرم کے لیے بھی سزا منتخب کردی گئی تھی۔

گلو رضوانہ کے ماما کا دوسرے نمبر کا بیٹا تھا جو کہ ایک نمبر کا نشئی' آوارہ اور ان پڑھ اجڈ تھا۔ گاؤں کے سب لوگ گلو کی اصلیت سے واقف تھے اس لیے کوئی بھی اسے اپنی بیٹی دینے کو تیار نہ تھا۔ اسی گلو کا رشتہ اس کے ماما نے رضوانہ کے ماں باپ کے سامنے بطور احسان پیش کیا تھا جسے رضوانہ کے ماں باپ نے جھٹ سے قبول کرلیا تھا کیونکہ اب اتنی بدنامی کے بعد کوئی رشتہ نہ آتا ایسے میں ان کے لیے گلو کا رشتہ غنیمت تھا اور یوں رضوانہ کو گلو کے ساتھ منسوب کردیا۔

وہی گلو جو کہیں سے بھی پڑھی لکھی اتنی ذہین رضوانہ کے قابل نہ تھا مگر اب یہ بات اس کے ماں باپ کی سمجھ میں نہ آتی تھی کیونکہ ان کی نظر میں تو رضوانہ کی یہ پڑھائی اور ذہانت ہی گویا ایک کالک تھی۔ وہ بیٹی جو کل تک ان کا فخر تھی' وہی بیٹی آج انہیں بوجھ محسوس ہورہی تھی یہ کیسی دنیا ہے؟ یہ کیسا معاشرہ ہے؟ ایک وہ وقت تھا جب بی بی حوا اور حضرت آدم نے اپنی زمین پر جنت بسائی تھی اور ایک یہ دور ہے جب ابن آدم بنت حوا پر حاوی ہے۔

یہاں آدم کا بیٹا خوش ہوتا ہے
حوا کی بیٹی کو بے نقاب دیکھ کر

ہر بار غلطی ہونے یا نہ ہونے پر ذمہ دار عورت لڑکی ہی کیوں؟ قصوروار کھلی آزادی کہ وہ جب چاہے جسے چاہے آوازیں کسے یا ان کی راہ روکیں مگر جب ایک لڑکی نے آواز اٹھائی تو اسے سزا سنادی اگر یونہی بے قصور کو سزا ملتی رہے اور گناہ گار و قصوروار ہر پابندی سے عاری ہمارے معاشرے میں گھومتے رہے تو کیا کوئی لڑکی تعلیم کے حصول کے لیے گھر سے نکل پائے گی؟ کیا اسے تحفظ مل پائے گا؟ کیا بنت حوا کے اس سوال کا جواب ابن آدم دے پائیں گے؟

❁ .... ❁ .... ❁
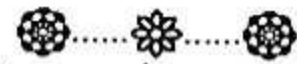
جرگے میں ایک اور بیٹی کا سودا ہوگیا' 55 سالہ شمروز خان جو کہ اس کے باپ کی عمر کا تھا اس کے حوالے 16 سالہ اس معصوم نوخیز کلی کو کردیا جس نے ابھی پوری دنیا نہ دیکھی تھی جو ابھی پوری طرح کھلی نہ تھی اسے کھلنے سے پہلے ہی مرجھانا پڑ گیا' اس بات کو بھی اب 2 مہینے کا عرصہ ہوچکا تھا۔ گاؤں کے لوگ بھی اب اس واقعے کو بھول چکے تھے نہ بھولے تھے تو رحمت خان اس کی خانم اور پری شمائل......!

اس دن اچانک شمروز خان کا آدمی چلا آیا۔

''رحمت خان! جرگے میں تمہیں بلایا ہے۔'' رحمت خان اور اس کی خانم ناسمجھی سے ایک دوسرے کی جانب دیکھنے لگے۔

''خانم! ایک بار تو اس جرگے نے ہمارا پری بیٹی کو لے لیا' اب پھر سے کیوں بلایا؟'' دونوں میاں بیوی پریشان سے جرگے کی طرف روانہ ہوئے جہاں گاؤں کے سبھی بڑے موجود تھے

''رحمت خان کی بیٹی جرگے کے فیصلے کے مطابق شمروز خان کو سونپی گئی تھی گزشتہ روز شمروز خان کی وفات ہوجانے کے بعد شمروز کے گھر والے جرگے میں آئی بندی کو رکھنے سے انکاری ہے اس لیے اسے پھر سے اس کے مور پلار (والدین) کو سونپا جائے۔'' یہ فیصلہ سن کر رحمت خان اور خانم کے وجود میں خوشی کی نئی لہر دوڑ گئی وہ دونوں خوشی سے چُور ممتا سے بھرپور وجود لیے ڈری سہمی خاموشی سے کھڑی پری کی جانب بڑھے پر وہاں خوب صورت چہرے والی ان کی پری شمائل نہ تھی ہاں اس کی جگہ ایک زندہ لاش ضرور تھی۔

مرجھایا چہرہ' آنکھوں کے پاس نیل' سوکھے پپڑی زدہ نیلے ہونٹ لیے یہ تو کوئی اور تھی۔ وہ اپنی لاڈلی کو واپس لے تو آئے مگر اب وہ پہلے والی ہنستی مسکراتی چہکتی خوب صورت سی ان کی پری نہ تھی بلکہ گم سم' خاموش خلاؤں میں تکتی' الجھی بکھری' مرجھائی کلی تھی۔ گناہ گار تو نجانے کون تھا پر سزا اس معصوم کو ملی تھی۔ اس کی قید کے دن تو اب ختم ہوچکے تھے مگر زندگی سے اب وہ لاتعلق سی ہوچلی تھی۔

بہت منتوں ومرادوں کے بعد ننھی پری ان کے آنگن میں اتری تھی پر انہوں نے جرگے کے قانون و فیصلے کو ممتا پر ترجیح دی اور اپنے ہی ہاتھوں اپنی پری کو ظالم دیو کو سونپ دیا اور اب انجام ان کے سامنے تھا۔

''یہ ہمارا پری نہیں' یہ کیا ہوگیا ہمارا بچی کے ساتھ؟'' وہ اپنی مرجھائی ہوئی پری کو دیکھتے تو کلیجہ منہ کو آتا اور آنسوان کی آنکھوں سے بہنے لگتے۔

''خانم صبر رکھو اللہ نے ہمارا سنا' ہمارا بچہ پھر سے ہمارے پاس آگیا۔ تم حوصلہ رکھو وہ پھر سے پہلے جیسے ہوجائے گا۔'' انہیں آنے والے کل کی بہت سی امیدیں تھیں گزرا ہوا کل جو بھی تھا مگر انہیں بھروسہ تھا کہ آنے والا کل ان کا بہتر اور اچھا ہوگا۔

آج جب کہ ہم اور ہمارا معاشرہ اتنا ترقی پذیر ہوگیا ہے مگر پھر بھی اسی معاشرے کے کئی علاقوں میں کئی گھروں میں' کئی برادریوں میں' کئی قبیلوں میں جہالت کا اندھیرا ہے۔ آج بھی وہاں بیٹے کو بیٹی پر ترجیح دی جاتی ہے آج بھی حوا کی بیٹی پر ترجیح دی جاتی ہے۔ آج بھی حوا کی بیٹی اپنے لیے انصاف کی منتظر ہے' پہاڑوں کی چوٹی کو سر کرنے والے' چاند پر جانے والے اور گنیز ورلڈ ریکارڈ بک میں اپنا نام روشن کرنے والے کبھی تو بنت حوا کی پکار سنے۔

''اے ابن آدم میں بنت حوا
تمہارے عدل کی منتظر ہوں
مجھے بتاؤ زمین کے خداؤں
یہ کیسی تمہاری منافقت ہے
کسی کو بخشا ہے رتبہ
کسی کو رسوائیوں کا پیشہ
کسی کو ماں کے رتبے پر بٹھا کر

دن رات پوجتے ہو
کسی کی مجبوریوں کو تم
کھنکتے سکوں میں تولتے ہو
کسی کو بیٹی بنا کر گھر میں
سبق حیا کا پڑھا رہے ہو
کسی کے گھنگھرو کی تال پر تم
بزم شہوات سجا رہے ہو
کسی کو بہن بنا کر
اس کے بدن کو چادر سے ڈھانپتے ہو
کسی کے دامن پر تم
ہوس کی غلیظ کیچڑ اچھالتے ہو
کسی کو منصب اعلیٰ کردو
کسی کو گندی گالی کردو
کسی کو کوچہ مشہور کردو
کسی کو ڈولی نصیب کردو
کسی کو بولی نصیب کردو
یہ بے کسی ہے کہ بے بسی ہے
تمہاری یہ کیسی منصفی ہے
اے ابن آدم جواب دو
کہ......
بنت حوا یہ پوچھتی ہے
یہ بات میری اگر نہ سمجھو
تو یہ شوق اپنی ہتک سمجھنا
سمجھ سکو تو اس کو
اپنی غیرت پر اک دستک سمجھنا''

مجھے کچھ سمجھ نہیں آرہا تھا کہ میں اپنے اب تک کے نقصان پر روؤں یا مزید نقصان سے بچنے پر اپنے ربّ کا شکر ادا کروں سوچتی ہوں تو تکلیف کا احساس بڑھتا جاتا ہے آخر پانچ سال کا خسارہ کم تو نہیں ہوتا۔ اب سوچتی ہوں تو شرمندگی محسوس کرتی ہوں کہ میں اتنا عرصہ سراب کے پیچھے بھاگتی رہی اتنا کچھ کر کے بھی خالی ہاتھ رہی لیکن اب میں اپنا مزید نقصان نہیں کروں گی بلکہ جو نقصان کر چکی ہوں اس پر اپنے ربّ سے معافی مانگوں گی وہ غفور الرحیم ہے وہ ان شاءاللہ ضرور معاف کرے گا کیونکہ وہ اپنے بندں پر بڑا مہربان ہے۔

❁.........❁.........❁

میں جب بیاہ کر اس گھر میں آئی تو سب سے پہلی آواز جو میرے کانوں سے ٹکرائی وہ تھی "عفت بھابی" یہ آواز اس وقت تو مجھے اتنی ناگوار محسوس نہیں ہوئی تھی مگر کچھ دنوں میں جب میں نے دیکھا عطروبہ آرہی ہے تو عفت بھابی ہاشم آرہا ہے تو عفت بھابی امی ہیں (میری ساس) تو عفت بیٹی یوں تھا جیسے اس گھر کو عفت فوبیا ہے۔ ہر طرف عفت کی پکار میرے اس گھر میں آنے کے بعد بھی کوئی زیادہ تبدیلی نہیں آئی تھی۔ عطروبہ ضرور میرے نئے کپڑوں اور جیولری کے شوق میں آ کر میرے پاس بیٹھتی اور تعریف کرتی۔ ہاشم بھی ضرور کمپنی دیتا تھا' عاصم رات کو دکان سے آنے کے بعد کچھ دیر سب کے درمیان بیٹھتے تھے اور پھر کمرے میں آتے تھے میری ساس کے چار بیٹے اور دو بیٹیاں تھیں سب سے بڑے آذر بھائی جن کی بیوی عفت بھابی تھیں پھر عاشر بھائی جن کی بیوی ماہم بھابی تھیں وہ اوپر والے پورشن میں الگ رہتی تھیں پھر میری نند ماریہ آپی ان کی شادی عاشر بھائی کی شادی کے ساتھ ہی اپنے ماموں کے بیٹے ریحان سے اسلام آباد میں ہوئی تھی۔ اس کے بعد میرے شوہر عاصم ان سے چھوٹا ہاشم جو کہ یونیورسٹی میں پڑھ رہا تھا پھر عطروبہ جو کالج میں تھی عفت بھابی کے دو بچے تھے عبد اللہ اور حمنیٰ جبکہ ماہم بھابی کا ایک بیٹا تھا جنید۔ اب اس گھر کا اہم فرد میں بھی تھی رانیہ اصغر۔

مجھے اب سمجھ آرہی تھی کہ عفت بھابی اس گھر کا اہم فرد کس طرح تھیں' گھر کے سارے کام ان کے ذمہ تھے' بلکہ گھر کے جس فرد کو جو بھی کام ہوتا زیادہ تر وہی سرانجام دیتی تھیں صرف صفائی کے لیے کام والی آتی باقی ہر کام عفت بھابی ہی کرتیں۔ کوکنگ سے لے کر کپڑے دھو کر استری کرنے تک ہر کام وہ خود کرتی تھیں۔ شام کے کھانے کا کام عطروبہ ساتھ کروا دیتی تھی۔

میری شادی کے ایک ماہ تک انہوں نے مجھے کوئی کام نہیں کرنے دیا تھا میں جب بھی کوئی کام کرنے کی کوشش کرتی وہ مجھے فوراً منع کر دیتی تھیں۔

"ارے کچھ دن تو ہوئے ہیں تمہاری شادی کو ابھی گھومو پھرو پھر اپنے گھر کے کام ہی کرنے ہیں۔" پورا دن وہ گھن چکر بنی رہتی تھیں میں جب بھی بور ہوتی اوپر ماہم بھابی کے پاس چلی جاتی۔ کام کاج وہ بھی کرتیں کام والی بھی لگوائی ہوئی تھی پر عفت بھابی والا سلیقہ ان میں نہیں تھا۔ میرے ساتھ وہ بہت اچھے طریقے سے بولتی تھیں مگر گھر کے باقی افراد کے ساتھ میں نے انہیں زیادہ بات چیت کرتے نہیں دیکھا تھا۔ وہ نیچے بھی بہت کم آتیں میٹھا بنانے سے پہلے میں تین چار مرتبہ ان کے ہاں گئی تھی' شروع میں میں نے عاصم کو بتایا کہ میں اوپر گئی تھی تب انہوں نے مجھے کہا تھا۔

"تم اوپر زیادہ نہ جایا کرو۔"

"کیوں عاصم؟" میں نے پوچھا کیونکہ مجھے ماہم بھابی کی کمپنی اچھی لگی تھی۔

"بس یار نیچے ہی ٹھیک ہے۔ تم بھابی کے ساتھ کچھ کام کروا دیا کرو۔" عاصم نے مشورہ دیا۔

"لو...... جب بھی کام کرنے لگتی ہوں بھابی مجھے منع

کردیتی ہیں۔ وہ کہتی ہیں ابھی تم آرام کرو بعد میں کام ہی کرنے ہیں اور ویسے بھی ابھی میرے آرام کے دن ہیں۔''

''اچھا جی بیگم صاحبہ پھر آپ کریں آرام اور ہم جارہے ہیں کام پر' اللہ حافظ۔'' میں نے مسکراتے ہوئے انہیں رخصت کیا۔

......☆☆☆......

''رانیہ...... آؤ اندر آجاؤ۔'' میں میٹھا لے کر ابھی ماہم بھابی کے کمرے کے باہر کھڑی تھی جب انہوں نے مجھے دیکھ کر اندر بلالیا۔

''بھابی آج میں نے کھیر بنائی ہے یہ آپ کے لیے لائی تھی۔'' میں نے کھیر کا ڈونگا ان کی طرف بڑھاتے ہوئے بتایا۔

''اچھا تو تم نے بھی کام میں ہاتھ ڈال دیا۔'' میرے ہاتھ سے ڈونگہ لیتے ہوئے انہوں نے تبصرہ کیا۔

''دیکھو تمہیں اب کتنی دیر برداشت کیا جاتا ہے' ساس صاحبہ کو تو عفت بھابی کے علاوہ کسی کا کام پسند ہی نہیں آتا۔'' انہوں نے میرے لیے بیڈ پر جگہ بناتے ہوئے طنزیہ کہا۔

''لیکن میری کھیر تو انہیں کافی پسند آئی ہے۔'' میں نے ان کی بات پر حیران ہوتے ہوئے بتایا۔

''ابھی تو شروعات ہے آگے آگے دیکھو ہوتا ہے کیا۔'' انہوں نے مسکراتے ہوئے کہا۔

''آپ نے آج کپڑے دھوئے تھے؟'' میں نے بے ترتیب کمرہ اور بیڈ پر پڑے ہوئے کپڑوں کے ڈھیر کو دیکھتے ہوئے کہا۔

''ارے نہیں یہ تو کل دھوئے تھے آج میری طبیعت کچھ ٹھیک نہیں تھی اسی وجہ سے لیٹی ہوئی تھی اور اوپر سے کام والی کام چور نے بھی آج چھٹی کرلی۔'' انہوں نے تفصیل سنائی۔

''آپ نے میٹھے میں کیا بنایا تھا؟'' اچانک یاد کرآنے پر میں نے ان سے پوچھا۔

''میں نے میٹھے میں زردہ بنایا تھا۔ عفت بھابی نے جب میری کوکنگ اور سلیقہ دیکھا تو جیلس ہونا شروع ہوگئیں۔ اپنے نمبر گھر والوں کی نظر میں بڑھانے کے چکر میں بھاگ بھاگ کر کام کرتیں اور مجھے ان کی نظر میں نیچے گرانے کی کوشش کرتیں اس پر جب میں نے احتجاج کیا تو آج میں اوپر ہوں اور وہ نیچے عیش کررہی ہیں۔ پر یہ شکر ہے کہ میں اوپر پرسکون ہوں اب تو مجھے صرف تمہاری فکر ہے پتا نہیں تمہارے ساتھ وہ کیسا سلوک کریں۔'' انہوں نے غمزدہ لہجے میں تفصیل سنائی اور میرے لیے فکرمندی کا مظاہرہ کیا۔

''میرے ساتھ تو وہ بہت اچھی ہیں۔'' میں نے ان کے اچھے رویے کے باعث ان کا دفاع کیا۔

''تمہیں ابھی دن ہی کتنے ہوئے ہیں آئے ہوئے' مجھ پر بھی ان کی چالیں آہستہ آہستہ کھلی تھیں۔ میں اس لیے تمہیں پہلے بتارہی ہوں کہ تم مجھ سے سبق حاصل کرو۔ اپنا مقام خود پہچانو اور بناؤ۔ ان جیسی عورتیں اپنی حکومت میں اور کسی کو برداشت نہیں کرتیں۔'' انہوں نے مجھے رازداری سے بتایا۔

''جی...... کوشش کروں گی۔'' میں بھلا اور کیا جواب دیتی۔

اور کچھ دیر ان کے پاس بیٹھ کر میں نیچے آ گئی لیکن ان کی باتیں مجھے کسی اور پہلو پر سوچنے پر مجبور کر رہی تھیں۔

میں شکی مزاج نہیں تھی مگر عفت بھابی کے کچھ کام ایسے تھے کہ میں ماہم بھابی کی باتوں کو سوچنے پر مجبور ہو گئی کچھ عرصہ پہلے مجھے پتا چلا تھا کہ ماریہ آپی کی شادی پر گھر کے حالات کچھ خراب تھے جب عفت بھابی نے اپنا زیور ماریہ آپی کو دے دیا تھا اب میری کوشش یہ تھی کہ کوئی موقع ایسا آئے جب میں بھی عفت بھابی سے پیچھے نہ رہوں۔ کچھ عرصے بعد یہ موقع مل ہی گیا۔ ہوا یوں کہ ہاشم کی بائیک چوری ہو گئی اس بے چارے کے لیے تو بہت بڑا مسئلہ تھا' اسے یونیورسٹی جانا ہوتا اور گھر میں جسے بھی کوئی کام ہوتا وہی لے کر آتا جاتا تھا۔ کچھ روپے آزر بھائی نے اور کچھ عاصم نے اسے دیئے نئی بائیک خریدنے کے لیے مگر کچھ رقم کی ابھی بھی ضرورت تھی۔ اس سے اچھا موقع آگے بڑھنے کے لیے مل رہا تھا مجھے اور کیا چاہیے تھا۔

''ہاشم اور کتنے روپے چاہئیں نئی بائیک کے لیے؟'' میں نے رات کھانے کے دوران پوچھا جب سب کھانا کھا رہے تھے۔

''بھابی یہی کوئی بیس ہزار۔'' ہاشم نے جواب دیا۔

ایک مرتبہ تو میرا اپنا دل ڈگمگا گیا کہ مجھے اپنی اتنی قیمتی چیز قربان کرنے کا کیا فائدہ لیکن موقع بھی تو یہی تھا اپنی اہمیت بڑھوانے کا۔ یہ سوچ کر میں نے اپنی انگلی سے گولڈ کی رنگ اتاری یہ وہ رنگ تھی جو مجھے میرے بھائی نے اپنی شادی پر بنوا کر دی تھی۔

''یہ لو ہاشم۔'' میں نے گولڈ کی رنگ اس کی طرف بڑھاتے ہوئے کہا۔

''یہ کیا ہے بھابی؟'' ہاشم نے حیران ہوتے ہوئے پوچھا۔

''یہ رنگ بیچ کر تم نئی بائیک لے لو۔'' میں نے رنگ اس کے سامنے رکھتے ہوئے کہا۔

ایک مرتبہ تو سب حیران رہ گئے اس سکتے کو امی کی آواز نے توڑا۔

''رانیہ بیٹی یہ تمہاری چیز ہے اسے سنبھال کر رکھو۔ میں تمہارے خلوص کی قدر کرتی ہوں ایسی چیزیں بہت مشکلوں سے بنتی ہیں۔ ان شاء اللہ رقم کا کوئی نہ کوئی اور سبب بن جائے گا۔'' امی نے انگوٹھی مجھے پکڑاتے ہوئے کہا۔

''مگر امی جی اب اسے ضرورت......''

''نہیں بھابی آپ کا احسان سر آنکھوں پر' میں نے اپنے دوست سے بات کی ہے' ان شاء اللہ کل تک رقم مل جائے گی' بائیک کا انتظام جلد ہو جائے گا۔'' ہاشم نے میرا شکریہ ادا کرتے ہوئے بتایا۔

''مجھے نہیں پتا تھا کہ تم اتنی حساس اور محبت کرنے والی ہو' اپنے گھر والوں کے لیے فکر مند دیکھ کر مجھے بہت اچھا لگا۔ میں اپنے آپ کو خوش قسمت سمجھتا ہوں کہ مجھے تم جیسی بیوی ملی۔'' رات کو عاصم نے میرے اس کارنامے پر اپنے خیالات کا اظہار کیا' ایک مرتبہ تو مجھے خود اپنے آپ پر شرمندگی محسوس ہوئی مگر اپنی اہمیت بڑھانے کے لیے تھوڑا بہت سیلفش ہونا پڑتا ہے یہ سوچ کر میں مطمئن ہو گئی۔

رنگ والے واقعے کے بعد گھر میں میری اہمیت کافی بڑھ گئی تھی' عفت بھابی جتنی تو نہیں مگر امیج اچھا بن گیا تھا۔ امی ہاشم سے کہہ رہی تھیں۔

''ہمیشہ اپنی بھابیوں کی قدر اور عزت کرنا' دیکھ لو وہ تمہاری بائیک کی خاطر اپنی اتنی قیمتی چیز قربان کر رہی تھی۔''

''یہ تو میرا فرض تھا امی جی۔'' میں نے کہا۔

''یہ تو تمہاری محبت ہے ورنہ کوئی کسی دوسرے کے بارے میں اتنا نہیں سوچتا۔''

......☆☆☆......

''بھابی دیکھیں میں کیسی لگ رہی ہوں؟'' ہماری بات کے دوران ہی عطروبہ ٹی وی لاؤنج میں داخل ہوئی۔

''زبردست' ماشاء اللہ بہت خوب صورت لگ رہی ہو۔'' کھلتے ہوئے فیروزی کلر کے سوٹ اور لائٹ میک اپ میں وہ بہت خوب صورت لگ رہی تھی۔

''ویسے اگر تم یہ بھابی کی پہنی ہوئی جیولری اور آٹھ من کا میک اپ اتار دو تو بالکل شبو لگو گی۔'' (شبو ہمارے گھر کوڑا اٹھانے آتی تھی)۔ عطروبہ ابھی صحیح طریقے سے خوش بھی نہیں ہوئی تھی جب ہاشم نے کہا۔

''دیکھیں بھابی...... امی دیکھیں یہ میرے بارے میں کیا کہہ رہا ہے۔'' عطروبہ نے روہانسی ہوتے ہوئے کہا۔

''ٹھیک ہی تو کہہ رہا ہوں۔'' ہاشم نے اسے چڑایا۔

''ہاں تم خود جو سڑے ہوئے چھوہارے ہو میری طرف دیکھ کر جیلس ہی ہو سکتے ہو اور اس کے علاوہ کام ہی کیا ہے تمہیں۔'' عطروبہ نے حساب برابر کرتے ہوئے کہا۔

''بُری بات عطروبہ! بہت اچھی لگ رہی ہو اس (ہاشم) کی بات کا بُرا نہ مانا کرو۔'' میں نے اس کی تعریف کرتے ہوئے سمجھایا۔

''چلو ہاشم بہن کو زوبی کی طرف چھوڑ کر آؤ' آج اس کی منگنی ہے۔'' امی نے حکم دیا۔

''چلو عطروبہ صاحبہ! دل تو نہیں کررہا صرف امی کے حکم کی وجہ سے تمہیں لے کر جارہا ہوں ورنہ تم میرے بارے میں جس قسم کی گستاخی کرچکی ہو اس کا انجام اچھا نہیں تھا۔'' ہاشم نے احسان عظیم کرتے ہوئے عطروبہ کو لے جانے کی رضا مندی ظاہر کی اور میں ان کی نوک جھونک سے متاثر ہوتی انہیں جاتا دیکھ کر مسکرادی تھی۔

اب میں نے اپنی روٹین میں ایک کام کا اور اضافہ کرلیا تھا اور وہ تھا رات کو امی کے پاؤں دبانا۔ عفت بھابی پورے دن کی تھکی ہاری اس وقت آرام فرما رہی ہوتیں اور میں امی کے پاؤں دبا کر اپنی ویلیو بڑھا رہی ہوتی اور مفت کی دعائیں وصول کرتی۔ میں ماہم بھابی کی طرح الگ ہو کر گھر میں اپنا امیج خراب نہیں کرنا چاہتی تھی بلکہ عفت بھابی کی طرح کام کرکے اور بلاوجہ اپنے آپ کو مصروف رکھ کر اپنا مقام بنانا چاہتی تھی کیونکہ میرے خیال میں عفت بھابی کو بلاوجہ اپنے آپ کو مصروف رکھنے کا شوق تھا۔

''عاصم آپ سے ایک بات پوچھوں؟'' رات کو امی کے پاؤں دبانے کے بعد کمرے میں آکر میں نے عاصم سے پوچھا۔

''ہاں پوچھو۔'' عاصم جو سونے کی کوشش کررہے تھے اجازت دی۔

''ماہم بھابی اوپر الگ کیوں رہتی ہیں؟'' وہ سوال جو کافی عرصے سے میرے دماغ میں تھا' میں نے پوچھا۔

''انہیں شوق تھا اس لیے وہ الگ ہوگئیں۔'' انہوں نے مختصر جواب دیا۔

''کیا مطلب انہیں آتے ہی اوپر چڑھنے کا شوق تھا۔'' میں نے حیرت سے پوچھا۔ میری نظروں میں ان کا غمزدہ چہرہ گھوم گیا جب بھابی نے اپنی اسٹوری سنائی تھی۔

''آتے ہی نہیں وہ یہ شوق پیچھے سے اپنے ساتھ لے کر آئی تھیں' انہیں گھر پر حکمرانی کا شوق تھا' اپنی اہمیت بڑھوانے کا مگر وہ یہ نہیں جان سکیں کہ دوسروں کے ساتھ اچھا رویہ رکھنے اور دوسروں کے کام آنے سے دل میں خود بخود مقام بن جاتا ہے۔ ان کے طور اطوار شروع سے الگ رہے۔ عفت بھابی اکیلی سارا کام کرتیں پھر انہوں نے عفت بھابی سے مقابلہ شروع کردیا۔ ہم صبح کے گئے شام کو گھر آتے تو آگے کوئی نہ کوئی نیا جھگڑا منتظر ہوتا' جب انہیں سمجھایا تب بھی کوئی اثر نہیں ہوا' دو سال گھر میں خوب تماشے ہوئے اس وجہ سے انہیں اوپر شفٹ کردیا گیا جس دن سے وہ اوپر ہیں اس دن سے نیچے سکون ہے۔''

شکر ہے میں نے اپنا مقام بنانے کے لیے ماہم بھابی کے مشوروں پر عمل نہیں کیا ورنہ جیسے ان کا ذکر ناپسندیدگی سے ہورہا ہے ویسے ہی میرا ہوتا' میں نے دل ہی دل میں شکر ادا کیا۔

''اچھا تمہیں ایک دلچسپ بات بتاؤں۔'' عاصم نے مجھے اپنی طرف متوجہ کیا' جب میں اسکول میں تھا شاید تھری یا فور کلاس تھی ایک دن ٹیچر نے ہمیں بتایا کہ ماں کے قدموں تلے جنت ہے' میں گھر آیا اور غور سے امی کے پیروں کی طرف دیکھنا شروع کردیا مگر وہاں صرف جوتے نظر آئے۔ تھوڑی تھوڑی دیر بعد میں نوٹ کرتا رہا شاید اب جنت نظر آجائے یا اب دکھائی دے جائے مگر نہیں۔ امی نے

جب مجھے پریشان دیکھا تو وجہ پوچھی۔
''کیا بات ہے عاصم' کیوں پریشان ہو؟''
تب میں نے انہیں بتایا انہوں نے میری بات سنی اور مسکرادیں۔
''جنت تو واقعی ہے مگر آپ کو پتا ہے کہ یہ کب ملتی ہے' انہوں نے میرا سر اپنی گود میں رکھ لیا۔ جب کوئی بچہ اپنی امی کا کہنا مانتا ہے' انہیں تنگ نہیں کرتا اور رات اپنی امی کے پاؤں دباتا ہے۔''
''اس کے بعد سے میری روٹین بن گئی میں ہر روز رات کو سونے سے پہلے امی کے پاؤں دباتا' عاشر بھائی کی اور میری اکثر لڑائی ہوتی' ان کی کوشش ہوتی کہ میں دباؤں جبکہ میری کوشش ہوتی کہ میں یہ کام کروں۔ جب ہمارا جھگڑا بڑھ جاتا تو امی ہم دونوں سے باری باری دبواتیں' شادی سے پہلے تک ہماری یہی روٹین تھی شادی کے بعد وہ اپنی بیگم کے قدموں کو پیارے ہوگئے جبکہ میری روٹین یہی رہی' اب تم آگئی ہو تم خود یہ کام بہت محبت سے کرتی ہو' مجھے بہت خوشی ہے اور اب یہ جنت تم کما رہی ہو۔''
میں جو ان کی بات غور سے سن رہی تھی آخری بات پر چونک اٹھی۔
کیا میں واقعی جنت کما رہی تھی؟ یہ سوال میں اپنے آپ سے کررہی تھی۔

❁......❁......❁
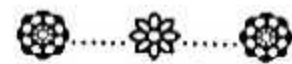
''کیا ہوا بھابی! آپ کچھ پریشان لگ رہی ہیں۔'' ہم صحن میں بیٹھے تھے جب عفت بھابی میرے پاس آکر بیٹھ گئیں۔
''ہاں رانیہ بات تو پریشانی کی ہے' گاؤں سے فون آیا تھا میری امی کی طبیعت کافی خراب ہے وہاں سب مجھے بلارہے ہیں۔'' عفت بھابی نے اپنی پریشانی مجھ سے بیان کی۔
''تو آپ وہاں کا چکر لگا آئیں۔'' میں نے انہیں مشورہ دیا۔
''چکر تو لگا آؤں مگر اصل مسئلہ تو بچوں کا ہے' اگلے مہینے ان کے پیپر شروع ہورہے ہیں' انہیں میں ساتھ نہیں لے جاسکتی۔'' انہوں نے اپنی اصل پریشانی واضح کی۔
''کوئی بات نہیں' انہیں آپ ہمارے پاس چھوڑ جائیں' انہیں ہم سنبھال لیں گے۔'' میں نے آفر کی۔
''ہاں عفت تمہاری ماں بیمار ہے' جاؤ جاکر مل آؤ۔ میں بھی ٹھیک ہوتی تو تمہارے ساتھ ضرور جاتی۔ میرا تو اپنا بلڈ پریشر اور شوگر کنٹرول میں نہیں آتے۔'' امی نے اجازت دیتے ہوئے اپنے دکھڑے روئے۔
اندھا کیا چاہے دو آنکھیں..... عفت بھابی نے تیاری کی اور آذر بھائی ان کو گاؤں چھوڑنے چلے گئے۔
میں بہت خوش تھی کہ اب کچھ عرصہ میری حکمرانی ہوگی' عفت بھابی کے جانے کے دوسرے دن ماریہ آپی کی آمد ہوگئی۔ پہلے تو طبیعت کو ناگوار گزرا پھر سوچا عفت بھابی کی غیر موجودگی میں یہی تو ٹائم ہے اپنے ہنر دکھانے کا۔ میں جو یہ سمجھ رہی تھی کہ عفت بھابی کیا کرتی ہیں' بس کام بڑھا کے پورا دن لگا کر ہر طرف سے داد وتحسین کے ٹوکرے وصول کرتی ہیں لیکن میری یہ غلط فہمی ان پندرہ دنوں میں اچھی طرح سے دور ہوگئی۔ ماہم بھابی مجھے الٹے سیدھے مشورے دے کر خود اوپر چین کی بانسری بجارہی تھیں۔ نیچے جو مجھ پر گزر رہی تھی وہ میں ہی جانتی تھی۔ پہلے اسکول' کالج' یونیورسٹی والوں کا ناشتا بنایا جاتا پھر دکان پر جانے والوں کا اور پھر ہم عورتیں کرتیں' ابھی ناشتے کے بعد چائے پی رہے ہوتے کہ کام والی کی تشریف آوری ہوجاتی۔ اس سے کام کروا کر فارغ ہوتی تو کچن اپنی طرف بلارہا ہوتا۔ دوپہر کو دکان پر کھانا بھیجا جاتا' امی کا الگ پرہیزی کھانا تیار ہوتا۔ اتنے میں گھر کے باقی افراد بھی آجاتے' دوپہر کے کھانے سے فارغ ہوکر رات کے کھانے کی باری آجاتی۔ تھوڑا بہت کام ماریہ آپی بھی کرواتیں' اس کے علاوہ عطرو بہ بھی ہاتھ بٹادیتی مگر بستر پر پہنچنے تک کمر تختہ ہوجاتی' ان پندرہ دنوں میں میری ٹھیک ٹھاک پریڈ ہوچکی تھی۔ عفت بھابی کے آنے پر میں نے شکر کا کلمہ پڑھا جبکہ امی بہت خوش تھیں کہ میں نے اتنے

دن بہت اچھے طریقے سے گھر سنبھالا لیکن یہ تو میں جانتی تھی جو ہر روز عفت بھابی کے آنے کی دعا کیا کرتی' اب مجھے ماہم بھابی کی پرسکون زندگی کا راز سمجھ آرہا تھا۔

''رانیہ......!'' میں نماز پڑھنے کے لیے وضو کررہی تھی جب بھابی نے مجھے بلایا کیونکہ میرے نزدیک ہم عورتوں کے لیے نیکی کمانے کا واحد ذریعہ نماز تھی یا قرآن مجید کی تلاوت۔ اس کے علاوہ ہم کون سا باہر جاکر مردوں کی طرح نیکی کما سکتی تھیں۔

''رانیہ سامنے والے گھر سے قرآن خوانی کا پیغام آیا ہے کچھ دیر تک تم اور عطروبہ چلی جاؤ۔'' بھابی نے مجھے پیغام دیا۔

''جی ٹھیک ہے۔'' میں نے جواب دیا۔

نماز پڑھ کر عطروبہ کو تیار ہونے کا کہہ کر میں بھی تیار ہونے لگی' شکر ہے وہاں زیادہ رش نہیں تھا اس لیے ہمیں صحیح جگہ مل گئی۔ قرآن مجید پڑھ کر فارغ ہوئے تو ایک خوش شکل اور خوش لباس خاتون نے سب کو سلام کیا پھر کلام پاک کی تلاوت کی اور اپنے بیان کا آغاز کیا۔

''میں آپ لوگوں کا زیادہ وقت نہیں لوں گی' کوشش کروں گی کہ مختصر وقت میں اپنی بات مکمل کرلوں۔ ہماری زندگی آج کل بہت مصروف ہوگئی ہے' وقت کی رفتار بہت تیز ہے' ہم سب لوگ روزمرہ کے کاموں میں بُری طرح مصروف ہیں۔'' ان کا لہجہ دلنشین تھا' وہ ٹھہر ٹھہر کر بول رہی تھیں۔ ''ہم سب اپنی زندگی میں مختلف کام کرتے ہیں' کچھ کام دنیاوی اور کچھ دین کے لیے' یہ تمام کام ہمارے اعمال ہیں۔ وہ اعمال جو ہمارا قیمتی سرمایہ ہیں' ہماری نظروں سے اکثر یہ حدیث گزرتی ہے حدیث پاک ہے اِنَّمَا الاَعمالُ بِالنِّیّتِ' ترجمہ حدیث ''بے شک اعمال کا دارومدار نیتوں پر ہے۔'' جو اپنے اندر وسیع مفہوم لیے ہوئے ہے لیکن ہم اسے پڑھ کر اتنی اہمیت نہیں دیتے آج میں نیت پر اس لیے بات کرنا چاہوں گی کیونکہ ہم میں سے کوئی بھی یہ نہیں چاہے گا کہ اس کا کوئی عمل ضائع ہو یہاں انہوں نے کچھ توقف کیا اور پھر اپنی بات کا آغاز کیا۔ ''نیت'' کیا ہے؟

نیت وہ خاموش معاہدہ ہے جو صرف ربّ اور اس بندے کے درمیان ہے' یہ وہ راز ہے جو انسان صرف اپنے تک محدود رکھتا ہے لیکن ربّ اپنی حکمت سے جان لیتا ہے' یہ سیپ میں بند موتی کی طرح خالص ہے' جس قدر انسان کی نیت خالص ہے اسی طرح اس کا اجر بھی خالص ہے اگر کسی اچھے کام کو کرنے کی آپ نے نیت کی اور آپ وہ نہ کرسکے تو پھر بھی آپ کو اپنی نیت کا اجر ضرور ملے گا' ہم عورتوں کے لیے نیکی کمانے کے بہت سے مواقع آتے ہیں' گھر میں رہتے ہوئے ہم بہت سے کام سرانجام دیتی ہیں اگر ہم روزمرہ کاموں کی نیت صرف خدا کو راضی رکھنے کی کریں تو ہمارے لیے ہر کام نیکی ہے۔ اس سے ہمیں یہ فائدہ ہوگا کہ ہماری توقعات دوسروں سے ستائش حاصل کرنے کی بجائے صرف اپنے ربّ کو راضی کرنا ہوجائے گی' اسی سے ہمارے گھر کے نظام بگڑنے سے بچ جائیں گے' یہی نیکیاں ہمارے لیے آخرت میں قیمتی سرمایہ ہوں گی کیونکہ اللہ تعالیٰ کسی کے اجر کو ضائع نہیں کرتا' وہ اپنے بندوں پر رائی کے دانے کے برابر بھی ظلم نہیں کرتا۔'' وہ اپنی بات ختم کرچکی تھیں اور میری نظروں میں اپنا کیا ہر کام آرہا تھا' کیا کسی ایک کام کے لیے بھی میری نیت اپنے ربّ کو راضی کرنا تھی؟ یہ سوال میں اپنے آپ سے کررہی تھی اور جواب میں صرف خسارہ تھا بعض اوقات آنکھیں کھلنے کے لیے ایک لمحہ ہی کافی ہوتا ہے اور میں اس لمحے کی گرفت میں آچکی تھی۔ گھر آنے کے بعد میں سوچ رہی تھی کہ عفت بھابی کے بارے میں میری سوچ بالکل غلط تھی۔ انہوں نے تو آج تک صرف اپنی ذمہ داری نبھائی تھی اور میں' میں نے صرف اپنا نقصان کیا تھا۔ اپنے نقصان کا سوچ رہی تھی تو آنسو دامن بھگو رہے تھے۔ میں ان آنسوؤں کو بہنے دے رہی تھی یہ شرمندگی اور ندامت کے تھے آج سے نئی نیت کررہی ہوں ربّ کی رضا کی نیت کیونکہ اب میں اپنی نیت کا اجر بھی ضائع نہیں کرنا چاہتی آخر ایک ایک نیکی قیمتی ہے۔

❀

حمیرا شعیب

اس کی زندگی گلزار تھی۔ ماما بابا کی محبت کی مہکار نے زندگی میں چار سو تازگی بکھیر رکھی تھی‘ وہ ان کی قائم کردہ جنت میں کس قدر کیف آگیں و پُرمسرت زندگی گزار رہی تھی اس کا اندازہ اس کے چہرے پر پھیلے سکون اور اطمینان کی لہر سے بخوبی لگایا جاسکتا تھا۔

ماما بابا کی اس میں جان اٹکتی تھی تو وہ بھی ان کی دیوانی تھی‘ زندگی پیار و قرار سے مزین خوشیوں کے ہنڈولے میں محو رقص تھی کہ......زندگی کے پل پل صراط بن گئے۔

❀......❀......❀
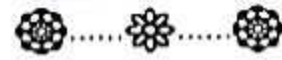
اس دن بھی مشرق کا شہ سوار حسب عادت روئے زمین پر جلوہ افروز ہوا تھا مگر اس کی سنہری کرنوں کے وسط میں اس کی زندگی کا سب سے ہولناک حادثہ مضمر تھا۔ قدرت کی رقم کردہ داستان سے وہ سب یکسر انجان تھے۔

ماما کی دوست ہسپتال میں ایڈمٹ تھیں‘ انہیں ان کی عیادت کے لیے جانا مقصد تھا۔

وہ پچھلے تین دن سے اپنے شوہر عمیر افضل کو ساتھ چلنے کی تاکید کررہی تھیں مگر ان کی بے شمار مصروفیات ان کے جانے کے پختہ عزم کو متزلزل کردیتیں بالآخر انہوں نے بڑی مشکل سے ٹائم نکال لیا تھا اور جمعہ کی شام چھ بجے وہ دونوں گھر سے نکل چکے تھے۔

گل افروز انہیں جلدی گھر لوٹنے کی تاکید کرکے لاؤنج میں آبیٹھی۔ پُرسکون لمحات لمحہ بہ لمحہ سرکنے لگے‘ اس کی چمکتی ذہین آنکھوں کے دیئے مدھم پڑنے والے تھے۔ کچھ دیر بعد جو طوفان اس کی زیست میں داخل ہوکر تباہی مچانے والا تھا‘ روح فرساں تھا۔

آنے والے قیامت خیز لمحات سے بے خبر وہ دھیمے سروں پر پاؤں اٹھلا رہی تھی‘ سرمستی میں چٹکیاں بجارہی تھی۔

اس طرح کہ بے خبری بھی اپنے وجود پر کف افسوس مل کررہ گئی جبکہ بدقسمتی کا اژدھام کھڑا اس بے خبر حسینہ کی معصومیت پر مسکرارہا تھا۔ اسی وقت اس کا سیل فون رنگ ہوا‘ اسکرین پر رانیہ کا نام جگمگاتا دیکھ کر اس کی آنکھوں کی چمک بڑھ گئی۔

کافی دیر تک دونوں اپنے پسندیدہ موضوعات پر گفت و شنید کرتی رہیں اور پھر فون بند کردیا پھر وہ چینل سرچنگ میں مگن ہوگئی تھی معاً اس کی نگاہ کسی نیوز چینل پر چلتی بریکنگ نیوز پر ٹھہر گئی۔

”ٹیکسی اور ٹرالر کے تصادم سے دو افراد جاں بحق اور تین زخمی ہوگئے‘ جن کی حالت تشویشناک بتائی جارہی ہے۔ حادثے کے مناظر آپ اپنی ٹی وی اسکرین پر دیکھ سکتے ہیں یہ حادثہ......“ اس سے آگے اس کی سماعتیں ختم ہوگئی تھیں۔

اس کی آنکھیں ابل پڑیں‘ ہاتھ پاؤں یکدم بے جان ہوگئے۔ خون میں لت پت چہروں میں دو چہرے وہ آسانی پہچان گئی تھی۔ وہ......وہ چہرے تھے جن پر تاسف کی ہلکی سی لکیر بھی اس کی جان نکال دیتی تھی۔

ایمبولینس کو فوری طلب کرلیا گیا تھا اور اب متاثرہ افراد کو ہسپتال منتقل کرنے کا عمل جاری تھا۔ ماما بابا کے چہرے لمحوں میں اسکرین سے اوجھل ہوگئے تھے مگر اس کی آنکھوں میں ان کا عکس جیسے ٹھہر سا گیا تھا۔

اس کا موبائل رنگ ہورہا تھا‘ ماما کا سیل فون بھی رنگ ہورہا تھا جسے جلدی میں وہ گھر بھول گئی تھیں۔ وہ صدمے سے گنگ صوفے پر جم کر رہ گئی‘ ذہنی طور پر مفلوج سوجھ بوجھ کی سکت گنوا بیٹھی تھی۔ اسی اثناء تحریم اسے آوازیں دیتی اندر داخل ہوئی تھی۔ اسے سکتے کے عالم میں بیٹھے دیکھ کر اسے یہ جانتے لمحہ نہ لگا کہ اسے صورت حال کا ادراک ہوچکا تھا۔

تین دن بعد اسے ہوش آیا تھا۔ اس کی دنیا لٹ چکی تھی' اسے بار بار غشی کے دورے پڑتے' وہ دیوانہ وار ماما بابا کو پکارتی پھر نڈھال ہوجاتی۔ اسے ہوش آیا تو تحریمہ اس کے کنیولہ زدہ ہاتھ کو تھامے بیٹھی تھی وہ جیسے اس کے ہوش میں آنے کی منتظر تھی۔

''تم آخر کب تک اپنی حالت خراب رکھو گی؟ جو تبدیلی تمہاری زندگی میں آچکی ہے اسے ذہنی طور پر قبول کرلو گو کہ تمہارا دکھ اتنا بڑا ہے کہ اس کا ازالہ ممکن نہیں ہے مگر اقتضائے ہمت کے تحت تم حقیقت کو تسلیم کرکے خود کو سنبھالو کہ زندگی کی حقیقتوں کا سامنا کرنے والے ہی بہادر کہلاتے ہیں۔'' وہ اس کا گال تھپتھپا کر بولی۔

وہ دل ہی دل میں اس کے لفظوں کے معنی کھوجنے کی سعی کرنے لگی پھر گویا یکدم سب یاد آ گیا۔

گھر میں وہ دونوں اکیلی تھیں' تحریمہ نے ہی اسے بتایا کہ وہ ہوش وخرد سے بیگانہ رہ کر ماما بابا کی آخری رسومات سے بھی غافل رہی ہے۔ تعزیت کے لیے آنے والے رشتہ دار بھی کوچ کرگئے۔ اب اسے اپنی زندگی کی باگ دوڑ خود سنبھالنی تھی' زندگی کی ساعتیں بتانے کا سامان خود اپنے ہاتھوں کرنا تھا۔

اس کی نیک دل ہمسائی تحریمہ اس کا خیال رکھ رہی تھی' بابا کے کئی دوست تعزیت کے لیے آتے رہے۔ دنیا داری سب نے نبھائی لوگ اس کے سر پر دستِ شفقت پھیر کر تسلی و دلاسوں کے ساتھ رسماً ضرورت پڑنے پر یاد کرنے کی تاکید بھی کرگئے۔

ماموں اسے لینے کی غرض سے آئے تھے مگر وہ سہولت سے انکار کرگئی۔ ممانی کا رویہ ماما کی زندگی میں ہی ڈھکا چھپا نہ تھا۔ انہیں اس سے ذرا انسیت ہوتی تو ماموں کے ساتھ ضرور آتیں اور سچ یہ تھا کہ وہ اپنے ماما بابا کا آشیانہ چھوڑ کر کسی

دوسری جگہ پرواز نہیں کرنا چاہتی تھی۔

❁......❁......❁

غموں کو سینے سے لگایا جاسکتا ہے مگر ان میں پناہ گزین نہیں ہوا جاسکتا۔ زندگی کو آگے نہیں بڑھایا جاتا' وقت اسے خود ہی آگے کی طرف دھکیل لیتا ہے۔ زندگی کی باگ دوڑ سنبھالنے اور ضروریات زیست کے حصول کے لیے اپنے خول سے باہر نکل کر دنیا سے تعلق استوار کرنا ہی پڑتا ہے۔

اسے پہلا جھٹکا اس وقت لگا جب دو ماہ کے کرائے کا نوٹس اسے منہ چڑاتا ملا اور پھر اگلے ہی روز گیس' پانی اور بجلی کے بل پھن پھیلائے سانپ کی مانند اس کے سامنے موجود تھے۔ اب تک وہ ان معاملات سے بے خبر رہ چکی تھی' یہ تو اس نے سوچا ہی نہیں تھا کہ اس کا سامنا جلد یا بدیر ان مشکلات سے ہونا تھا۔

اس نے تو یہ بھی نہیں سوچا تھا کہ سر کے اوپر سے چھت ہٹتی ہے تو انسان آسمان تلے رہ جاتا ہے' جہاں سایہ کرنے والا نہیں ہوتا۔ بہرکیف اتنی جانکاری اسے تھی کہ بابا کی آمدنی کم تھی اور ماما اپنی کفایت شعارانہ طبیعت کی بدولت باآسانی گزارا کرلیتی تھی۔ پھر تین افراد پر مشتمل فیملی ہونے کی وجہ سے اخراجات کا زور کم تھا۔ ماما کے لاکر سے اسے جو رقم ملی تھی روز بروز خرچ کی بدولت قلیل رہ گئی تھی۔

اس کی پیشانی پر ہمہ وقت شکنوں کا جال اس کی پریشانیوں کا غماز تھا' وہ چاہتی تو مدد کے لیے دست سوال دراز کرسکتی تھی مگر یہ امر ضمیر کے منافی تھا۔ اسے یاد آیا بابا نے اپنی رحم دلانہ فطرت کے ناطے کئی لوگوں پر قرض چھوڑ رکھا تھا' اندھیرے میں روشنی کی لکیر دکھائی دی تھی۔

بابا بامروت تھے' کسی پر بھی مصیبت پڑنے پر آگے بڑھ کر ساتھ نبھاتے حتیٰ کہ جمع جتھا خرچ کرنے میں بھی تامل نہ کرتے۔ سب سے پہلے اس نے ماموں کو فون کیا تھا' وہ ماما کے اکلوتے بھائی تھے۔ پچھلے برس جب ان کے چھوٹے بیٹے کو یرقان ہوا تھا تب انہوں نے بابا سے بیس ہزار روپے بطور قرض لیے تھے اور انہیں واپس ادا بھی کرنا تھا شاید یہ بات دانستہ ان کی یادداشت میں محفوظ نہ رہی تھی۔

ممانی نے فون اٹھایا تھا' دعا سلام کے بعد اس کا مدعا سن کر وہ ہتھے سے اکھڑ گئیں۔

"سنو لڑکی! تم بچی تو ہو نہیں جو تمہیں سمجھایا جائے مگر کچھ بھلائی برائی سمجھانا ہم پر بھی بنتا ہے۔ ماں باپ کا کفن میلا ہوا نہیں اور تم چلیں ان کے حساب کتاب پورے کرنے...... میری مانو تو کسی سے ایسا کوئی سوال مت کرنا' بڑی شرمندگی و ذلالت والی بات ہے۔ دنیا تم ہی پر تھو تھو کرے گی' لڑکی ذات ہو لہٰذا ذرا جھک کر اور سنبھل کر چلنا سیکھو۔ خدا گواہ ہے' ہم نے تو اگلے ماہ ہی قرض چکتا کردیا تھا' اپنے ماموں سے بھی تقاضہ مت کرنا خوامخواہ خفا ہوں گے۔ بہن کیا مری بھانجی نے رشتوں کا پاس بھلا دیا۔" انہوں نے کھٹ سے فون بند کردیا۔ وہ تاسف و اشتعال کی ملی جلی کیفیت سے دوچار فون تکتی رہ گئی' احساس تذلیل سے رنگت سرخ پڑ گئی۔ اس نے بارہا ماموں کو کہتے سنا تھا۔

"بہن جی! حالات سازگار ہوئے تو بھائی صاحب کی رقم لوٹا دوں گا۔" یہ مخصوص جملہ تقریباً ہر ملاقات پر ماموں کی زبان سے ادا ہوتا ہے۔

"ارے...... مانگے تھوڑی ہیں جب چاہو لوٹا دینا۔" ماما مروت سے پُر لہجے میں کہتیں۔

تھرڈ فلور پر رہنے والے فردوس انکل بھی بابا کے مقروض تھے' اس کے تقاضا کرنے پر وہ بھی صاف دامن بچا گئے۔ وہ مزید ناامیدی و تذلیل کا سامنا نہیں کرنا چاہتی تھی۔ تحریمہ کو علم ہوا تو اس نے آگے بڑھ کر اس کی پریشانی سے نمٹنے کی لیے اس کا ہاتھ تھام لیا' وہ اس کی مشکور ہوگئی۔

❁......❁......❁

تحریمہ کی بدولت وہ پریشانی سے نجات حاصل کرپائی تھی مگر فقط پچیس روز بعد نئے مہینے کا آغاز ہوچکا تھا' اس بار وہ روزگار کی تلاش میں ہلکان تہہ دست تھی۔ رانیہ نے اسے اپنے گھر رہنے کی پیشکش کرڈالی تھی۔ اسے مجبوراً قبول کرنی پڑی' وہ اپنا مختصر سامان لیے رانیہ کے ہاں شفٹ ہوگئی۔

یہ ایک جان لیوا فیصلہ تھا اور وہ گھر اس کے لیے مستقل ٹھکانہ ثابت نہیں ہوسکتا تھا۔ اس بات کا ادراک

بھی بخوبی اسے تھا۔ زندگی انسان کو نجانے کہاں کہاں لے دوڑتی ہے، گمان تک نہیں ہو پاتا کہ یہ سفر ہمیں کس رستے پر لے جائے گا؟

اسے بھی زندگی کسی اور در پر کھینچ لائی تھی ہزار الجھنوں، پریشانیوں سمیت......رانیہ اپنی اسٹیپ مام اور تین بھائیوں کے ساتھ رہتی تھی۔ بھائی تو اس سے تقریباً لاتعلق ہی رہتے تھے مگر اس کی مام کو اس کا یہاں رہنا ایک آنکھ نہ بھایا تھا۔ زبان سے تو انہوں نے حرف شکوہ ادا نہ کیا مگر بعض اوقات نگاہیں ہی بہت کچھ باور کرانے کے لیے کافی ہوتی ہیں۔

بے گھری کا دکھ اس کی زندگی کا حصہ بن چکا تھا، بے کیف دن اور رنجور راتیں سرک رہی تھیں کہ ایک خوش آئند تبدیلی نے زندگی کی چوکھٹ پر دستک دی۔

رانیہ نے اسے ایک جاب کے متعلق آگاہ کیا تھا جس کے لیے وہ بخوشی نہ سہی مگر حالات کی پیش نظر راضی ہوگئی۔ میڈم رانیہ کی کسی دوست کی جاننے والی خاتون تھیں، انہی کے توسط سے وہ وہاں آئی تھی۔ رانیہ بھی ساتھ تھی کچھ دیر تک وہ گہری نظروں سے اسے جانچتی رہیں پھر مختصر سے انٹرویو کے بعد اوکے کردیا۔

میڈم ایک معذور خاتون تھیں، چہرے پر سخت درشتگی پائی جاتی تھی۔ انہیں اپنی خدمت کے لیے کل وقتی ملازمہ کی ضرورت تھی چونکہ رہائش کی سہولت موجود تھی لہٰذا وہ رانیہ کو خیر باد کہہ آئی۔

❁❁❁

میڈم کے علاوہ ان کا بیٹا امیر زادہ اور بہو مہرین بھی گھر میں رہتے تھے ان کا چھوٹا بیٹا ملائیشیا میں تھا۔ اس کی علیک سلیک رشیدا بی بی سے ہوئی تھی، وہ درمیانی عمر کی قدرے حلیم مزاج خاتون کھانا بنانے پر معمور تھیں۔

انہوں نے ہی اسے آگاہ کیا تھا کہ میڈم کے اپنے بہو سے تعلقات سخت کشیدہ رہتے ہیں۔ اکثر دونوں ایک دوسرے کی شکل تک دیکھنے کی روادار نہیں رہتیں، بدمزاجی میں دونوں ثانی نہیں رکھتیں۔

قابل تفکر بات یہ تھی کہ میڈم کے رویے اور چڑچڑی طبیعت کی بدولت کوئی لڑکی مہینہ بھر بھی ان کے پاس نہیں ٹک پاتی تھی یہ جان کر اسے حقیقتاً گھبراہٹ ہوئی تھی۔

❁❁❁

آنے والے دنوں میں رشیدا بی بی کا کہا صد فیصد درست ثابت ہوگیا تھا۔ میڈم ایک نمبر کی بدمزاج خاتون تھیں۔ وہ اس کے ہر کام میں نکتہ اعتراض اٹھاتیں، اسے ڈپٹنے کے بہانے تلاشتیں۔ گل صبر کے کڑوے گھونٹ حلق سے اتار کر رہ جاتی۔

سامنا ہونے پر ان کی بہو مہرین بھی بلاوجہ بے عزت کرکے رکھ دیتی، میڈم سے نفرت کے سبب اسے ان سے وابستہ ہر فرد و ہر شے سے نفرت تھی۔ وہ ملازموں کو ان کا کوئی کام کرتے دیکھتی تو تلملاتی۔ اس کا بس چلتا تو وہ میڈم کے وجود کو صفحہ دہر سے مٹا کر اس گھر پر اپنی حکومت کا جھنڈا گاڑتی۔

ہر امر میڈم کی منشا کے تحت انجام پاتا تھا، وہ کسی معاملے میں بہو بیٹے کو گھاس ڈالنے کی قائل نہ تھیں جبکہ امیر زادہ کو بھی ماں سے خاص لگاؤ نہ تھا۔ وہ بیوی کا دم بھرنے والا آدمی تھا اگرچہ مہرین بھی کوئی معمولی شے نہ تھی، اس کی اپنی ہزار مصروفیات و مشاغل تھے۔

وہ ملک کی نامور ماڈل تھی، شہرت کی بلندیوں کو چھوتی، لوگوں کے دلوں پر راج کرتی نازک اندام، خودسر، سرپھری، گھمنڈی اور ہٹ دھرم عورت تھی۔

❁❁❁

دن تیزی سے سرک رہے تھے، چھ ماہ کا کٹھن سفر عبور ہوا۔ میڈم سارا دن اپنے کاموں میں لگائے رکھتیں، انہیں نیند کم ہی آتی تھی اس دن غیر متوقع طور پر وہ دوپہر کے وقت سوگئی تھیں۔

سکون کے چند پل اسے میسر آگئے تھے، وہ گزرے کئی مہینوں کے بارے میں سوچنے لگی۔ ماما بابا کی اموات سے دربدری تک کا سفر نہایت کٹھن اور دشوار ثابت ہوا تھا۔ قدم قدم پر وقت نے نئی ٹھوکر سے نوازا تھا۔ میڈم کا گھر بظاہر بہت آرام دہ اور ہر سہولت سے آراستہ تھا مگر ان کے ناقص

رویے کے سبب اس کے لیے جہنم کدہ تھا۔

میڈم دن رات اسے اپنے اشاروں پر نچاتی تھی پھر بھی پیشانی کے بل قائم رہتے۔ کبھی کبھار وہ اشتعال کے مارے آگ بگولہ ہوجاتیں۔ کئی مرتبہ وہ گرم سوپ کا باؤل اور گرما گرم چائے کا کپ اس پر توڑ چکی تھیں۔ اس نے کبھی لب وا نہیں کیے تھے' کبھی کبھار خدا سے شکوہ کناں ضرور ہوجاتی۔

وہاں رہنا اس کی زندگی کی سب سے بڑی مجبوری بن گئی تھی' سر پر جو چھت میسر آئی تھی اس کا کفارہ اس نے انا کی قربانی کی صورت ادا کردیا تھا پھر وہ ماما بابا کے بارے میں سوچنے لگی۔

ماں باپ جیسے قیمتی متاع رشتوں کا احساس بخوبی اس وقت ہوتا ہے جب وہ کچھ سننے کے لیے دسترس میں نہیں رہتے۔ ان کا سایہ سر سے ہٹتا ہے تب احساس ہوتا ہے کہ زمانے کے سرد اور گرم موسم کس قدر جان لیوا ہے اور ستم آگیں ہیں۔

وہ سوچ کے تانے بانے بنتی رہی' احساس ہی نہ کرپائی کہ کب اس کا چہرہ آنسوؤں سے تر ہوا اور وہ زارو قطار رو ہونے لگی' ضبط کے پہرے ٹوٹ پڑے اسے لگا وہ زندگی کی ہر خوشی ہار چکی ہے۔

زندگی کے باقی ماندہ پل میڈم کی خدمت کی نذر ہوجاتے اور وہ یونہی بے قدر رہتی۔

''لڑکی......'' اس نے سر اٹھایا' سامنے میڈم اپنی وہیل چیئر پر موجود تھیں۔ اس کے آنسوؤں سے کہیں شگاف پڑ گیا تھا' ان کے چہرے کے تاثرات سے واضح تھا۔

''تم رو کیوں رہی ہو؟'' ان کے لہجے میں حیرت تھی' گزرے ایام میں پہلی مرتبہ انہوں نے گل افروز کے لیے نرم لہجہ اپنایا تھا۔ اس نے پل بھر میں خود کو سنبھالا اور خاموشی سے آنکھیں رگڑتی اٹھ کر چائے بنانے چل دی' یہ میڈم کی چائے کا ٹائم تھا۔

❁......❁......❁

میڈم کا دل پسیج گیا تھا' نجانے کیسے ان کے اندر سے رحم دل عورت سر ابھار بیٹھی تھی۔ انہوں نے جب سے اسے روتے بلکتے دیکھا تھا' دل میں عجیب بے کلی سی پیدا ہوگئی تھی۔

ہر انسان کا رشتہ کہیں نہ کہیں دکھ کی کتاب سے جڑا ہوتا ہے' زیست کے رنگوں میں ایک رنگ درد کا ضرور شامل ہوتا ہے مگر ہمیں اپنے دکھوں سے بڑھ کر کچھ سجھائی ہی نہیں دیتا۔ قسمت کا کوئی بھی وار ہماری نظروں میں ہمیں دنیا کا غمزدہ و مظلوم ترین انسان ثابت کردیتا ہے۔ وہ سوچ رہی تھیں جو پہلے نہ سوچ پائی تھیں۔

وہ اٹھارہ انیس سالہ لڑکی جو پچھلے مہینوں سے نظروں کے سامنے تھی نجانے کیا روگ دل کو لگائے بیٹھی تھی شاید وہی روگ اس کی زندگی کا حصہ تھا' جس کا احساس ان کی زندگی میں بھی تاحد نگاہ پھیلا ہوا تھا جس کے کرب نے ان کے مزاج کی شگفتگی کو فنا کردیا تھا۔ تنہائی کا کرب...... اکیلے پن کی ذات......!

وہ اس کی آنکھوں میں دیکھتیں تو درد کا ایک سمندر ہلکورے مارتا انہیں بے کل کردیتا۔ کیا تھا اس کی آنکھوں میں؟ زندگی کی دلچسپیوں سے روٹھا گہرا ساکت جمود' کسی کو بھی اندر تک اداس کردینے والا سناٹا...... ان آنکھوں میں زندگی تو تھی مگر زندگی کا احساس نہیں تھا۔ وہ روشن ضرور تھیں مگر ان کی ویرانی کسی کی زندگی میں بھی ہل چل مچا سکتی تھی وہ اس کی لانبی پلکوں تلے گہری شربتی آنکھوں میں کچھ کھوجنے کی سعی کرتیں۔

وہ پہلی لڑکی تھی جو طویل عرصے سے ان کے پاس موجود تھی ورنہ ان کے مزاج کی پیش نظر لاتعداد لڑکیاں ان کی نوکری پر چار حرف بھیج کر چلتی بنی تھیں۔ اکثر جاتے وقت ان کی قیمتی اشیا پر ہاتھ بھی صاف کرجاتیں۔

وہ اس کی ایمانداری سے مطمئن تھیں وہ اس کی خدمات گزاری سے بھی سرشار تھیں۔ انہیں لگا ان کی اگر بیٹی ہوتی تو وہ گل افروز جیسی ہوتی یا پھر وہی ہوتی۔ فرماں بردار' اطاعت گزار' شکر گزار' بے ریا' بے غرض' باحیا' عبادت گزار' سلیقہ شعار' کم گو اور بہت پیاری...... اب تک وہ اس کے ساتھ بہت بری طرح پیش آئی تھیں' وہ سوچ کر ان کا دل ندامت

سے بھر گیا۔

پورے آٹھ ماہ بعد گویا انہیں ادراک ہوا تھا کہ اگر دنیا میں کوئی ان کے لیے مخلص و بے ریا ہے تو وہ بلاشبہ صرف گل افروز کی ذات ہے۔ وہ لڑکی واقعی بہار کا کوئی ٹوٹا گلاب تھی جو خوش قسمتی سے ان کی زیست میں کھل اٹھا تھا۔

❁......❁......❁

وہ اس سے گفتگو کرنے کا عزم کر چکی تھیں وہ سپاٹ چہرہ لیے ان کا ہر حکم بجالاتی تھی۔ کوئی لفظ اس کی زبان سے ادا نہ ہوتا تھا' اس سے بات کرتے وقت چند پل وہ متذبذب رہی تھیں مگر جب انہوں نے اس سے اس کے متعلق استفسار کیا تو اس نے اپنے اوپر بیتتے سانحے سے بے اماں ہونے تک تمام کتھا ان کے گوش گزار کردی' میڈم کا دل دکھ سے بھر گیا۔

کئی برسوں سے جو سمندر دل میں سمیٹے زندگی کے گھونٹ پی رہی تھیں۔ آج اس میں طغیانی پیدا ہو رہی تھی پھر وہ قطرہ قطرہ اس کے سامنے پگھلنے لگیں' ان کی آنکھوں میں ماضی کے سارے عکس جھلملا رہے تھے۔

میرے ہوش سنبھالنے سے قبل میری ماں موت کی اوڑھنی اوڑھ کر منوں مٹی تلے جا سوئی تھی۔ میری پرورش اور تربیت کا بار ابو کے شانوں پر آ پڑا تھا چونکہ ہم جاگیردار لوگ تھے لہٰذا بجز میری ذمہ داری کے میرے والد پر زمینوں کی کئی ذمہ داریاں میرے دادا نے عائد کر رکھی تھیں۔

میرے تین چچا بھی تھے مگر اس کے باوصف دادا زمینی معاملات میں بڑے بیٹے کو ترجیح دیتے تھے اور ان کے مشورے کو فوقیت دیتے تھے۔ ہمارا خاندان فرسودہ رسوم و رواج کا پاسدار تھا تبھی لڑکیوں کو تعلیم کے لفظ سے بھی پناہ دی جاتی تھی۔ کاغذ قلم کو ان کے لیے حرام تصور کیا جاتا تھا۔

مگر میرے والد گوہر یکتا تھے ان کی سوچ ان حالات میں رہ کر بھی یکسر مختلف تھی۔ انہوں نے میری تربیت بڑے ناز و نعم سے کی تھی اور میری شخصیت میں کوئی کسر نہیں دیکھنا چاہتے تھے تبھی دادا دادی کے انکار اور چچاؤں کی مخالفت کرنے کے باوجود انہوں نے مجھے اسکول میں داخل کرادیا۔ ہر قدم پر میرے لیے ڈھال بنے رہے' ان کا وجود میرے لیے مضبوط تناور درخت کی مانند تھا تبھی میں زمانے کے سفاک رویے سے بچتی بڑی کامیابی سے تعلیمی منازل طے کرتی رہی۔ اسکول کے بعد کالج بھی گئی اس دوران دادی کا انتقال ہو چکا تھا۔

میں نے فرسٹ ڈویژن سے بی ایس سی کا امتحان پاس کیا ابو کا ارادہ مجھے یونیورسٹی بھیجنے کا نہیں تھا مگر میں بضد تھی لہٰذا انہوں نے پس و پیش سے میری ضد کے آگے ہتھیار ڈال دیئے۔

ایک بار پھر حویلی میں طوفان اٹھا تھا۔ نحیف و نزار سے دادا خاصے غیض ناک ہوئے تھے انہوں نے میرے والد کو عاق تک کر دینے کی دھمکی دے ڈالی مگر وہ ان کا فیصلہ متزلزل نہ کرپائے۔ وہ دادا کا بازو تھے اور وہ کسی طور انہیں عاق نہیں کر سکتے تھے اس بات کا ادراک ابو کو بخوبی تھا۔

میرا قیام ہاسٹل میں ہوا تو اوائل ایام میرا دل نہ لگا' اپنے والد سے دوری کا بڑا قلق تھا بہر حال میں نے خود کو پڑھائی میں مصروف کر لیا تو میری دنیا کتابوں میں سمٹ گئی۔

میں جو حویلی سے کچھ حاصل کرنے کا عہد لے کر شہر آئی تھی اپنے عہد پر پوری تندہی سے سرگرم ہو گئی۔ دن تیزی سے سرکنے لگے' ابو اکثر مجھ سے ملنے آجاتے تھے۔ میں بھی حویلی جاتی رہتی تھی۔ کئی دنوں سے نوٹ کر رہی تھی کہ ابو جب بھی مجھ سے ملنے آتے کھوئے کھوئے نظر آتے۔ ایک بے کلی ان کا گھیراؤ کیے رکھتی تھی گویا کوئی خوف ان کے دل میں پنہاں تھا۔

پہلے پہل میں نے تنہائی کا عذر تراش کر اپنے دل کو تسلی دی مگر دل کسی طور مطمئن نہ تھا۔ بالآخر میں چند دنوں کے لیے حویلی گئی تو ساری حقیقت کھل کر سامنے آ گئی۔

میں کسی کام سے دادا کے کمرے کی جانب بڑھ رہی تھی کہ اندر سے آتی آوازیں سن کر میرے قدم رک گئے کیونکہ موضوع گفتگو میں تھی' دادا ابو سے مخاطب تھے۔

''آمنہ سے نکاح کے لیے کوئی راضی نہیں ہے نہ فردین اپنے حسنین کے لیے نہ فرحان اپنے اذمیر' روحان اور شمائل

میں سے کسی کے لیے...... تم نے جو شہر کی ہوا اپنی بیٹی کو لگائی ہے۔ اس امر نے سب کے دلوں میں نفرت کی آگ بھر دی ہے۔ بہتر ہوگا کہ تم چپ چاپ آمنہ کا نکاح احمر کے حمزہ سے طے کر کے اس کے قدموں میں بیڑیاں ڈالو۔ پورے خاندان کی عزت پر تم دونوں باپ بیٹی نے کالک مل رکھی ہے اور ہاں......" وہ ذرا توقف کے بعد پھر بولے۔

"یہ ہمارا آخری فیصلہ ہے' تم نے اس لڑکی کے ہر معاملے میں خاندان کے اصولوں کو پس پشت ڈال کر اپنی من مانی کی ہے مگر اب ایسا نہیں ہوگا۔ اس بار ہم تمہاری ایک نہ سنیں گے' جلد ہی اس کا نکاح حمزہ سے کر دیا جائے گا یہ ہمارا اٹل فیصلہ ہے۔" وہاں کھڑے رہنا میرے لیے دنیا کا دشوار ترین امر بن گیا تھا' اچانک میرے وجود پر منوں بوجھ آ پڑا تھا۔

میرے سب چچاؤں کے بیٹے مجھ سے چھوٹے تھے مگر حمزہ کا نام سن کر حقیقی معنوں میں میرے ہوش اڑ گئے تھے۔ وہ سب سے چھوٹی چچی کا کمسن دو سالہ بیٹا تھا جس نے ابھی چلنا ہی سیکھا تھا۔

ہمارے ہاں خاندان سے باہر شادی کرنے کو گناہ کبیرہ تصور کیا جاتا تھا۔ اس امر کو عزت کی پامالی گردانا جاتا تھا لہٰذا بے جوڑ شادیاں عام تھیں۔

دادا کا فیصلہ سن کر ابو خاموش ہو گئے تھے گویا ان کی خاموشی نے ان کے فیصلے پر اقرار کی مہر ثبت کر دی ہو۔ امید کی آخری ڈور ہاتھ سے چھوٹی تو میں بمشکل خود کو گھسیٹتی واپس پلٹ آئی۔

❀......❀......❀
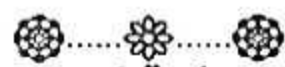
میں ہاسٹل واپس آ چکی تھی مگر یہاں آ کر بھی دل پر بدستور اداسی و بے کلی کے بادل چھائے رہے۔ ذہن اسی ادھیڑ بن میں الجھا ہوا تھا' میں یونیورسٹی میں بھی کترائی کترائی ہر دم بے زار نظر آتی۔ انہی دنوں مجھے ایک خط موصول ہوا جس نے حقیقی معنوں میں میرے اوسان خطا کر دیئے تھے۔

"مس آمنہ! ویسے تو میں آپ کے کسی بھی معاملے میں استفسار کا قطعاً کوئی حق نہیں رکھتا ہوں مگر کیا کیا جائے کہ یہ نادان دل ہے کہ اسے آپ کے چہرے پر پھیلی الجھن و بے کلی کے عکس بالکل پسند نہیں۔ ہر لمحہ بے تاب کرتا ہے کہ آپ سے آپ کی پریشانی کا سبب دریافت کیا جائے۔

اگر آپ اس ناچیز و خاکسار کو کسی قابل سمجھیں تو پلیز اپنی الجھن شیئر کر کے اس کو الجھن سے نجات دلا دیں۔ ہو سکتا ہے کہ ہم دونوں ہی ایک دوسرے کی الجھن دور کر دیں۔" پیغام کے آخر میں فرہاد اشعر کا نام دیکھ کر حیرت کا شدید جھٹکا مجھے لگا تھا۔

وہ میرا کلاس فیلو تھا' پڑھائی سے متعلق بات چیت ہو جاتی تھی مگر ذاتیات کبھی گفتگو کا حصہ نہیں بنی تھیں' مجھے اس کی جرات پر اشتعال آیا۔ میں نے فوراً وہ پیغام ضائع کیا اور اگلے چند ہی روز بعد سامنا ہونے پر اس کا دماغ بھی درست کر دیا' جی بھر کے باتیں سنائیں۔

دل مطمئن ہوا تو میرا دھیان بھی اس کی طرف سے ہٹ گیا' مگر اس روز مجھ پر حیرتوں کے پہاڑ ٹوٹ پڑے۔ بابا مجھے لینے کے لیے یونیورسٹی آئے تھے۔ تین دن کے لیے مجھے حویلی جانا تھا' میں گیٹ عبور کر کے آگے بڑھ رہی تھی معاً میری نگاہ بابا کے ساتھ کھڑے فرہاد اشعر پر پڑی' وہ دونوں خوش گپیوں میں مصروف تھے۔

میرے قریب آنے پر وہ گرمجوشی سے ابو سے مصافحہ کر کے چلا گیا' میں ششدر رہ گئی۔ ابو میری حیرانگی بھانپ گئے تھے' مسکراتے لہجے میں بولتے مجھے مزید تحیر زدہ کر گئے۔

"نوجوان پہلے بھی کئی بار مل چکا ہے۔" یہ ان کی میری معلومات میں اضافے کے لیے خود کلامی تھی۔ مجھے اس سے کوئی سروکار نہ تھا لہٰذا چہرے پر بے زار تاثرات سجائے بیٹھی رہی۔

❀......❀......❀
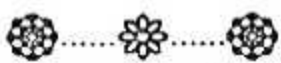
اس رات ابو نے مجھے اپنے کمرے میں بلایا تھا۔

"آمنہ بیٹی! اپنے خاندان کی فرسودہ رسوم و رواج سے تم بخوبی واقف ہو یہاں عورت کو بھیڑ بکری سے بڑھ کر اہمیت

نہیں دی جاتی ان کی زندگی پر اپنی مردانگی وحکمرانی کی چادر تان کر انہیں بے زبان گردانا جاتا ہے۔

بابا کو تم سے محبت ہے مگر رسم رواج کی جو پٹی ان کی آنکھوں پر بندھی ہے وہ انہیں کچھ اور دیکھنے نہیں دیتی۔ ان کا انتخاب فردین یا فرحان میں سے کسی کا فرزند ہوتا تب بھی میرا فیصلہ ان کے حق میں نہ جاتا مگر تمہارے لیے انہوں نے بالکل بے معنی راستہ چنا ہے جس کے لیے میں کسی طور پر اپنے دل کو آمادہ نہیں کر سکتا۔

میں چاہتا ہوں تم یہاں سے دور جا کر بسو جہاں تم پر بات بے بات انگلی اٹھانے والا کوئی نہ ہو جہاں تمہیں تنگ دلی و تنگ نظری کا سامنا نہ ہو۔

اپنی آمنہ کی بھلائی کے لیے مجھے اس بار بہت بڑا فیصلہ کرنا ہے میں فیصلہ کر بھی چکا ہوں آمنہ! تمہارے لیے میں فرہاد اشعر کو منتخب کر چکا ہوں۔ وہ تمہیں چاہتا ہے تمہارا طلب گار ہے میں نے اس کی آنکھوں میں تمہاری محبت کے دیپ جلتے دیکھے ہیں۔ میرے خیال میں وہ تمہارے حق میں بہتر ہے والدین اولاد کے لیے بہتر فیصلے تو کر سکتے ہیں مگر اچھی قسمت کے ضامن نہیں ہوتے۔ یہ بہت بعد کے فیصلے ہوتے ہیں جو قدرت بہت پہلے رقم کر چکی ہوتی ہے۔

بابا جلد تمہیں حمزہ کے ساتھ نتھی کرنا چاہتے ہیں تاکہ رسم نکاح ادا کر کے تمہیں حویلی میں مقید کیا جا سکے۔ تمہارے جذبات کو حویلی کی بلند و بالا در و دیوار میں چن کر تمہاری زندگی کو بے کیف و بے نور بنایا جا سکے۔ میں ایسے حالات پیدا ہونے سے پہلے ہی تمہیں نئی زندگی کی ڈور تھما کر خدا کی امان میں دے دوں گا۔ فرہاد اچھا لگا ہے اس نے تمہارا راستہ روکنے کے بجائے براہ راست مجھ سے بات کی یہ امر قابل تحسین ہے۔ اگر حالات مختلف نوعیت کے ہوتے تو ہو سکتا ہے کہ میں تمہارے بارے میں کچھ اور سوچتا مگر اس صورت حال کے پیش نظر مجھے یہی مناسب لگا ہے۔ مجھے یقین ہے کہ میرے فیصلے پر میری بیٹی نکتہ اعتراض نہیں اٹھائے گی اگر پھر بھی تم کچھ کہنا چاہتی ہو تو میں ہمہ تن گوش ہوں۔

میرے پاس کہنے کے لیے بچا ہی کیا تھا میں ان کے گلے لگ کر سسک پڑی۔ بابا مجھے شہر لے گئے یہاں ہم ہوٹل میں ٹھہرے تھے اور وہیں فرہاد بارات لے کر آیا تو بابا نے نم آنکھوں کے ساتھ مجھے رخصت کر دیا۔ نکاح ہوا تو گویا زندگی کا رخ ہی بدل گیا۔ اچانک زندگی بے حد عجیب موڑ پر لے آئی تھی گویا اسے مرکز سے ہٹا دیا گیا ہو۔ میرے والد میرا مرکز ہی تو تھے ان سے بچھڑنا میرے لیے سوہان روح تھا۔

بہرکیف انہوں نے مجھے خاص ہدایتوں اور نصیحتوں کے ساتھ وداع کر دیا۔ ان کی خاص ہدایت تھی کہ میں پلٹ کر گاؤں کی خبر نہ لوں کبھی ان سے ملنے کا تصور بھی نہ کروں۔ دادا یا چچاؤں کو میرے وجود کی بھنک بھی پڑ جاتی تو کاری کرنے میں ہرگز تامل نہ کریں گے۔

میں گھر بار ناگاہوں سے اپنی زندگی کے واحد ساتھی ہمدم محسن اور سب سے قیمتی ہستی کو تکتی رہ گئی۔ نقدی اور زیورات کے علاوہ میرے والد نے یہ بنگلہ خرید کر میرے نام کر دیا۔ فرہاد کو سلامی میں گاڑی اور نقدی مل گئی اس طرح اس کی ناگفتہ حالت کو سہارا پہنچا تو وہ کرائے کے فلیٹ سے مجھے اور اپنے گھر والوں کو لے کر یہاں شفٹ ہو گیا۔

آغاز دورِ طرب تھا یا برگشتہ طالعی..... آنے والے وقت و حالات سے بے خبر میں خود کو نئے موسموں کا عادی بنا رہی تھی۔ اپنے وجود کو موم کا مجسمہ بنا رہی تھی جسے اب وقت کے دھارے پر پگھلنا اور حالات کے مطابق ڈھل جانا تھا۔

فرہاد کی فیملی میں اس کی ماں اور دو بہنیں تھیں ہر معاملے میں اس کی پہلی ترجیح وہی ہوتیں۔ چھوٹی چھوٹی باتوں میں وہ انہیں اہمیت دیتا اور ہر امر میں ان کی رائے کو در خود اعتنا جانتا۔ میں اس کی زندگی کا حصہ ضرور تھی مگر کبھی اس کی ترجیحات کا حصہ نہ بن پائی۔

ثوبیہ اور فرح دونوں بہنیں اپنی الگ محفل سجائے رکھتیں اکثر فرہاد کو بھی شراکت داری کی سند سے نوازتیں تو وہ بہنوں کو خوش دیکھ کر نہال ہو جاتا۔ فرہاد کی امی میرے ہر عمل پر ترش نگاہیں رکھتی تھیں بلاوجہ تنقید و طنز کے تیر برسا کر میرا

سینہ چھلنی کرتی رہتیں۔ کج خلقی میں وہ ثانی نہیں رکھتی تھیں' خرافات کہتے نہ تھکتیں' وہ اپنی انتشاری طبیعت سے مجبور عورت تھیں اوران کے اسی انتشار نے میری زندگی کا دائرہ تنگ کردیا تھا۔

اپنے ہی گھر میں میری حیثیت ملازمہ کی سی تھی میں قفس میں مقید طائر کی مانند نہ تو پھڑپھڑاتی' نہ کسی زیادتی پر آہ و بکا کرتی بنا کسی تقصیر کے تلخی ایام سہہ رہی تھی۔

فرہاد سے کچھ کہنا عبث تھا وہ ان کے خلاف ایک لفظ بھی سننے کا روادار نہ تھا۔ جب سے اس نے بزنس کا آغاز کیا تھا اس کی مصروفیات طوالت اختیار کرگئی تھیں۔ دولت مندی کا جو نیا نیا چاند چڑھا تھا اس نے نا صرف اطوار و مزاج میں واضح تبدیلی پیدا کی تھی بلکہ از حد مصروفیت بھی بخشی تھی۔ ماں بہنوں سمیت اس کا اپنا دماغ بھی ساتویں آسمان پر جا پہنچا تھا۔ میں کولہو کی بیل بنی گھر کے کاموں میں جتی فرہاد کی امی کی تنقیدی نگاہوں کے حصار میں ہر وار پر صبر کے گھونٹ حلق سے اتارتی' مجھے اکثر ابو پر غصہ آجاتا۔

انہوں نے کیونکر مجھے ان دیکھے دریا میں دھکیل دیا تھا؟ کھائی سے بچانے کے لیے دہکتے الاؤ کی نذر کردیا تھا جہاں ہر وقت ہر قدم تنہائی و کرب کی آگ میں جل جل کر سلگنا تھا۔ انگاروں پر لوٹ کر بھی ہزار وار سہنے تھے۔

میرے دہکتے وجود پر ٹھنڈی پھوار تب پڑی جب میں امید سے ہوئی' بہ ایں ہمہ روزمرہ کے امور اوران کی انجام دہی میں کوئی کمی واقع نہ ہوئی تھی۔ نہ ہی زندگی کا کوئی رنگ بدلا تھا مگر ایک سرشاری کی لہر تھی جو میری رگوں میں سرایت کرگئی تھی۔

میں نہال تھی' فرہاد نے حسب توقع اس خبر کو سرسری انداز میں لیا تھا۔ اس کی ماں کے رویے میں بھی کوئی لچک پیدا نہ ہوئی تھی انہی حالات میں میری گود میں امیر زادہ آ گیا۔ زندگی چاہے جتنی بھی بے کیف و بے نور ہو مگر جب اس میں ممتا کا نور شامل ہوتا ہے ہر سو گلاب کھل اٹھتے ہیں۔

وقت کا پرندہ پرواز چڑھا تو فرہاد نے دونوں بہنوں کو بڑی شان سے وداع کردیا۔ امیر زادہ کے بعد عالیان پیدا ہوا۔ وہی پرانے حالات تھے مگر میری ترجیحات بدل گئی تھیں' میں کڑھنے کے بجائے اپنے بچوں میں مگن رہنے لگی تھی۔

حالات ایسے ہی رہے پھر فرہاد کی امی انتقال کرگئیں۔ فرہاد پر گویا قیامت ٹوٹ پڑی تھی' بیمار بیمار رہنے لگا تھا۔ آفس میں بھی کچھ خاص دل نہ لگتا' گھر میں زیادہ تر وقت بتانے لگا تھا۔ میں اس کی خدمات میں کوتاہی نہیں کرتی تھی' ہر کام وقت پر اپنے ہاتھوں سے کرتی۔ ایک دن وہ مجھے اپنے پاس بٹھا کر باتیں کرنے لگا تھا۔

''آمنہ! میں چاہتا ہوں کہ ہماری ذہنی ہم آہنگی ہو جو ازدواجی زندگی کو خوشی سے ہمکنار کرتی ہے۔ ہم بھی زندگی کے لمحات بہترین ساتھی کی حیثیت سے ساتھ بتائیں ایک دوسرے کے دکھ درد بانٹیں۔'' وہ میرا ہاتھ تھامے دھیمے لہجے میں کہہ رہا تھا' مجھے اچنبھا ہوا وہ مزید بولا۔ ''تمہارے ساتھ جو ناانصافیاں ہوچکی ہیں' اس کا ادراک مجھے بخوبی تھا مگر میری کم فہمی سمجھو یا نادانی میں نے تم سے محبت تو کی مگر رشتوں میں توازن نہ رکھ پایا۔ میری غلطی تھی کہ تمہیں پاکر نادانستگی و لاشعوری طور پر سرگرداں بیٹھا کہ میں نے حق محبت ادا اور وصول کرلیا ہے۔ میں تم سے بیگانہ ہرگز نہ تھا بس امی اور بہنوں کے ساتھ زیادتی ہونے کے خوف سے تمہارے ساتھ زیادتی کرگیا۔ یہ گھر تمہاری ملکیت تھا' میں نے بزنس تمہارے بابا کی دی ہوئی رقم سے شروع کیا۔ میرے لاشعور میں یہ گمان زور پکڑ گیا تھا کہ اگر تمہیں تمہارا جائز مقام حاصل ہو تو کہیں تم اپنے حقوق کا مطالبہ کرکے مجھے تہہ دست نہ کردو۔''

''تمہارے اس فضول گمان نے میری زندگی تباہ کردی' مجھ سے میری خوشیاں چھین لیں' تم اپنائیت کی ایک ڈور مجھے نہ تھما سکے۔ مان بھرے لفظوں سے میری جھولی نہ بھر سکے۔ سدا مجھے تہی داماں رکھا' کبھی اپنے وجود کا احساس نہ دلا پائے صرف اور صرف اپنی جھوٹی انا اور بڑائی کے احساس کو پاکر تم نے ایسا کیا مجھے تو ابو جان کے فیصلے پر حیرت ہوئی تھی جنہوں نے مجھے کھوکھلے رشتے میں باندھ دیا تھا جو میرے لیے ڈھال کیا ثابت ہوتا...... میری زندگی کی

ڈھال ہی جس نے کمزور کردی۔ میرے اندر سے جینے کی امنگ ہی مٹا ڈالی۔'' میں ہذیانی انداز میں چلائی۔

عمر کا ایک حصہ گزار کر وہ میری طرف پلٹا تھا' مرد اگر ہرجائی ہو تو کبھی نہ کبھی تنہائی کا احساس پا کر راغب ہو ہی جاتا ہے' جیسے وہ ہو گیا تھا۔ مگر میں اس سے سخت بدظن تھی اور زندگی کی کڑواہٹ میرے مزاج میں بھی کسیلا پن پیدا کر چکی تھی' وہ بات کرتا تو میں اختصار سے کام لیتی۔

وہ میرے دل پر قابض نہیں تھا' دل میں محبت نہ ہو تو زندگی یونہی فرض تلے دب کر رہ جاتی ہے۔ میں نے بھی اپنا ہر فرض بخوبی ادا کیا تھا۔ دل اس بے درد کی جانب مائل ہو بھی جاتا اگر ایک طوفان سب ملیامیٹ کر کے میری زندگی کو متزلزل اور فرہاد کو موت کی وادیوں میں نہ دھکیلتا۔

اس رات ہم ڈنر پر گئے تھے خلاف معمول میرا موڈ خوشگوار تھا' مجھے کھلتا دیکھ کر فرہاد کافی مسرور تھا۔ ہم نے دل کھول کر باتیں کیں' کافی دیر تک آنے والے وقت کو حسین تر بنانے کی تدبیریں کیں۔ امیر زادہ اور عالیان کی شادی کے حوالے سے کچھ خواب بنے تھے' تصور کی آنکھ سے اس گھر میں رونق اور چہکاروں کو دیکھا تھا۔

بہت سے حسین پل بتا کر ہم واپس آ رہے تھے کہ اچانک فرہاد کی طبیعت بگڑی اس کا بی پی شوٹ کر گیا تھا۔ یکدم شور برپا ہو گیا' کار بے قابو ہو کر کسی چیز سے ٹکرائی تھی۔ چند لمحوں میں ہوش و خرد سے بیگانہ ہو چکی تھی۔

مجھے آئی سی یو میں ہوش آیا تھا' دو بدترین خبریں میری سماعتوں تک پہنچنے کی منتظر تھیں' جنہوں نے حقیقی معنوں میں میری زندگی کا رخ ہی بدل لیا۔ موت فرہاد کو اپنی پناہوں میں لے کر کہیں روپوش ہو گئی تھی اور عمر بھر کی معذوری میرا مقدر بن چکی تھی۔

زندگی نئی اذیتوں سے تعبیر ہو گئی' اس بار قسمت کی ٹھوکر لگی تو امیر زادہ اور عالیان کے مہربان ہاتھوں نے مجھے تھام لیا۔ مجھے گرنے سے بچا لیا مگر میرے مزاج کی تلخی بڑھتی چلی گئی۔ مجھے ہر شے سے نفرت محسوس ہونے لگی' معذوری نے مجھے اشتعال زدہ اور برہم بنا دیا تھا۔ دن اسی طرح پر لگا کر اڑنے لگے۔

''ممی...... ممی...... آپ کو کچھ خبر ہے بھائی کی ایکٹیویٹیز کی؟'' ایک روز عالیان غصے میں بھرا میرے پاس آیا۔ میں نے ناقابل فہم انداز میں اسے دیکھا اور اس نے اخبار میرے سامنے پھیلا دیا۔ میں امیر زادہ کو مختصر لباس میں ملبوس بے باک سی لڑکی کو بازو کے گھیرے میں لیے دیکھ کر ششدر ہی تو رہ گئی تھی۔ میں نے حیرت و تاسف سے عالیان کی طرف دیکھا' اس کی آنکھوں میں حزن کے سائے نمایاں تھے۔

''یہ بھائی کو جھانسے میں لے کر نیک نامی حاصل کرنا چاہتی ہے۔ خاندانی وقار حاصل کرنے کے لیے بھائی کو پھانس لیا ہے' پچھلے دنوں ایک مارننگ شو میں اس کی اپنی گوہر افشانی تھی کہ وہ کسی معزز گھرانے میں شادی کر کے اپنی شناخت بدلنا چاہتی ہے آپ سوچ سکتی ہیں اس کا تعلق کہاں سے ہو گا؟'' وہ خاموش ہو گیا اور میرا وجود سناٹوں کی زد میں آ گیا۔

امیر زادہ دلدل میں دھنس چکا تھا اور مجھے خبر تک نہ ہوئی تھی' مجھے رونا آیا۔ میں معذوری کے رحم و کرم پر اپنی اولاد سے بے خبر رہ گئی تھی۔ مجھے اس پل فرہاد اشعر شدت سے یاد آیا' بے شک وہ ذمہ دار شوہر ثابت نہ ہوا تھا مگر فرض شناس باپ ضرور تھا۔ وہ دونوں بیٹوں کی تربیت کے لیے بہت محتاط آدمی تھا۔

میں نے امیر زادہ کو سمجھانا چاہا تو اس نے سہولت سے مجھے اس کی زندگی کے نہایت ذاتی معاملے میں دخل اندازی سے روک دیا اور یہ کہ وہ اب بچہ نہیں ہے' اپنا برا بھلا خوب سمجھتا ہے۔ ہر انسان کو اپنی مرضی سے زندگی جینے کا حق ہے لہٰذا وہ بھی اس حق سے محروم نہیں رہنا چاہتا۔

میں نے اسی وقت اپنے لب سی لیے' عالیان کو معلوم ہوا تو وہ غم و اشتعال سے پھٹ پڑا۔

''لوگ بھائی کو اس بے حیا ماڈل کے ساتھ دیکھ کر مجھ سے استفسار کرتے ہیں تو میں شرمندگی سے زمین میں گڑ جاتا ہوں۔ دوستوں سے نظر ملانے کے لائق نہیں چھوڑا مجھے'

منہ چھپائے پھرتا ہوں۔ لوگ تضحیک وطنز کا نشانہ بنا کر محظوظ ہوتے ہیں بھائی کی وجہ سے میرے گلے میں بھی بدنامی کا طوق آ پڑا ہے۔" وہ بہت بے بس سا دکھائی دینے لگا تھا۔

آنے والے دنوں میں امیر زادہ نے مہرین سے شادی کرلی اور عالیان ملائیشیا روانہ ہوگیا۔ تین سال بیت گئے نہیں لوٹا' اسکائپ پر بات بھی بات ہوجاتی ہے واپس نہیں آتا۔ وہ اپنے خاندان کی عزت کو اسکرین' پوسٹرز' اخباری اشتہاروں اور ٹی وی پر بکتا نہیں دیکھ سکتا' بہت غیرت مند ہے وہ۔

وہ خاموش ہوگئیں اس نے پانی کا گلاس انہیں تھمایا' وہ نڈھال دکھائی دینے لگی تھیں۔ آنکھوں میں سالوں کا اضطراب آ ٹھہرا تھا' وہ ان کی وہیل چیئر دھکیلتی آرام کی غرض سے کمرے میں لے آئی۔

❀......❀......❀

اس کا رخ مخالف سمت تھا وہ اس کا چہرہ نہیں دیکھ سکتا تھا۔ کل جب نکاح کے وقت وہ اس کے سامنے تھی تب بھی لمبے گھونگھٹ کی وجہ سے وہ اس کا چہرہ نہیں دیکھ پایا تھا۔

وہ اسے مخاطب کرتے ہوئے تذبذب کا شکار تھا اور وہ بھی اس قدر محویت سے دعا مانگنے میں مصروف تھی کہ اپنے پیچھے اس کی موجودگی کا احساس نہیں کرپائی تھی۔

وہ گومگو تھا کہ اسی اثناء وہ دونوں ہاتھ چہرے پر پھیر کر اٹھ کھڑی ہوئی۔ اس نے رخ پھیرا تو وہ اس کے مقابل تھا یکدم گھبراہٹ نے اس کے چہرے کا احاطہ کرلیا تھا اور وہ لمحہ بھر کے لیے مبہوت رہ گیا تھا۔ اس کے چہرے پر پھیلا نور' جاذب نظر و دلکش نقوش' سفید پیشانی کو چھوتا سر پر لپٹا سیاہ اسکارف اسے کسی اپسرا کا روپ دے رہا تھا۔

اس کے چہرے پر طمانیت پھیلی تھی' وہی طمانیت جو دعا مانگنے کے بعد چہرے کا احاطہ کرلیتی ہے۔ اپنے رب کے حوالے تمام پریشانیاں کردینے کے بعد حاصل ہونے والا اطمینان اس کے چہرے پر جھلک کر اسے مزید پرنور بنا رہا تھا۔

وہ اس کے چہرے کا بے پایاں اطمینان تہہ و بالا نہیں کرنا چاہتا تھا۔ اس کے چہرے پر پھیلی معصومیت و ملائمت دیکھ کر لاشعوری طور پر اس کا دل چاہا کہ وہ پلٹ جائے مگر جو اندوہناک خبر وہ اسے سنانے آیا تھا اس کا تعلق اس کی زندگی سے بڑا گہرا تھا۔

"حورعین...... انکل ہیز ڈائیڈ۔" یہ ایک جملہ اس نے بڑی مشکل سے ادا کیا تھا۔

بے یقینی' دکھ' کرب' تاسف' اذیت' درد' رنج والم کے سائے یکدم اس کے چہرے پر لہرا گئے اور لمحہ بھر میں وہ خود بھی ہوا میں لہرا گئی مگر عالیان کے مضبوط ہاتھوں نے اسے تھام لیا۔

❀......❀......❀

دیار غیر میں جہاں کے رنگ و بو مناظر غرض انسان تک پرائے ہوتے ہیں۔ وہاں کسی وطن آشنا سے شناسائی نعمت سے کم نہیں لگتی۔ اپنائیت کا احساس تنہائی کے احساس کو کم کردیتا ہے۔ تعظیم صاحب اس کے پڑوسی تھے' اسے ان سے ملنا اچھا لگا تھا ان کی نرم مزاجی اور دوستانہ طبیعت نے اسے ان کا گرویدہ بنالیا تھا اکثر وہ ان سے ملنے لگا تھا۔

حورعین ان کی بیٹی تھی ان کی کل کائنات اس لڑکی کی ذات میں مضمر تھی ان کی گفتگو کا بیشتر حصہ حورعین پر مشتمل ہوتا۔

درحقیقت وہ کیسی تھی؟ اس بات سے وہ یکسر ناواقف تھا کیونکہ وہ کبھی اس کے سامنے آئی تھی اور نہ ہی اسے کچھ خاص جستجو تھی مگر یہ ناواقفیت زیادہ عرصہ قائم نہ رہی تھی۔ تعظیم صاحب کے انتقال کے بعد وہ قیمتی آبگینہ اس کی زیست میں آ سجا تھا وہ اسے دیکھتا تو اپنی قسمت پر رشک کرتا۔ موت سے پہلے تعظیم صاحب نے اپنی زندگی کی سب سے بڑی ذمہ داری اسے سونپ دی تھی۔

اس نے بھی ہمدردی و رحم دلی کے ناطے حق دوستی ادا کرتے ہوئے نکاح کی درخواست قبول کرلی تھی۔ وہ اس کی ذمہ داری احسن طریقے سے پوری کرنے کا قصد بھی کرچکا تھا مگر اب وہ اس کی ذمہ داری نہ رہی تھی بلکہ اس کی زندگی کا لازمی جز بن چکی تھی اور اس کی زندگی کی اولین ترجیح تھی۔

عالیان احسن کی زندگی کا ہر باب اب حورعین تعظیم کی ذات کے بغیر پھیکا اور ادھورا تھا۔
اپنے والد کے انتقال کے بعد وہ دکھ میں مبتلا ہوکر رہ گئی تھی مگر وہ اپنی محبت و چاہت سے اسے درد کی کھائی سے باہر لے آئے گا وہ تہیہ کرچکا تھا اور اپنی کوشش میں وہ کافی حد تک کامیاب بھی رہا تھا۔

❁.......❁.......❁

''عالیان! تم نے مجھ سے شادی کیوں کی تھی؟'' نرم لہجہ اپنائے چہرے پر زمانے بھر کی معصومیت سجائے پوچھا گیا۔
''تمہارے بابا کی آخری خواہش رد نہیں کرسکتا تھا اس لیے۔'' کمال بے نیازی سے صاف گوئی کی انتہا کی گئی اس کی آنکھوں کی چمک مدھم پڑی مگر امید قائم تھی۔
''اور اب میرے ساتھ کیوں رہتے ہو؟'' مطلوبہ جواب اخذ کرنے کے لیے بہت بے تکا و بے معنی سوال داغا۔
''مجبوری ہے۔'' اس نے کندھے اچکائے۔
''کیا......؟'' بے قراری سے پوچھا چہرے کے تاثرات قابل دید تھے۔
''مجبوری یہ ہے کہ تم میری روح کا سکون، زندگی کا نور اور آنکھوں کی ٹھنڈک بن چکی تھی۔'' صبیح رخسار ہتھیلیوں میں بھر کر تسلی بخش جواب سے نوازا تو اس کی تشفی ہوئی لمحہ بھر میں طمانیت کے احساس نے اس کے چہرے کو گلنار کرکے قوس وقزح کے رنگ بکھیر دیئے اس نے آنکھیں موندلیں تو وہ جاں نثار نظروں سے اسے تکنے لگا۔ وہ ایسی ہی تھی اس کی محبت کا احساس پاکر خوش ہونے والی......!

❁.......❁.......❁

میڈم کی طبیعت ناساز رہنے لگی تھی اس کی مصروفیات میں بھی اضافہ ہوگیا۔
''تم میری سانسوں کی ڈور ٹوٹنے سے پہلے آکر مجھ سے مل لو۔ تم نے اپنی جدائی کا جو روگ مجھے لگایا ہے اس نے مجھے موت سے مزید قریب کردیا ہے۔ تین سال سے تمہاری دوری برداشت کررہی ہوں اب تو سانسیں تنگ پڑتی محسوس ہوتی ہیں۔'' وہ فون پر اس سے اپنی بے بسی بیان کررہی تھیں انہیں غمزدہ دیکھ کر گل افروز کا دل بھی دکھ سے بھر گیا۔
کچھ دیر تک وہ نم پلکیں لیے دوسری جانب آواز سنتی رہیں پھر دعائیہ کلمات کہہ کر فون بند کردیا۔
''عالیان نے جلد آنے کا وعدہ کیا ہے۔'' وہ خوشی سے لبریز آواز میں اسے بتارہی تھیں وہ انہیں خوش دیکھ کر مسکرادی۔
''ایک بار وہ یہاں آیا تو میں اسے ہرگز جانے نہ دوں گی ایسی آہنی زنجیروں میں مقید کروں گی کہ وہ واپس پلٹنے کا تصور بھی نہ کرپائے گا۔'' وہ اپنی ہی سوچ میں مگن دھیرے سے مسکرادیں۔

❁.......❁.......❁

''عالیان! ہم پاکستان کب جائیں گے؟'' وہ اس کا خوشگوار موڈ دیکھ کر اکثر یہ سوال پوچھ ڈالتی تھی اب بھی پٹ سے آنکھیں کھولی۔
مگر یہ وہ سوال تھا جو اس کے مسکراتے لبوں کو سکیڑ کر پیشانی پر سلوٹوں کا جال بچھادیتا تھا۔ اب بھی اس کے چہرے پر درشت تاثرات ابھرے تھے ماحول یکدم بدلا تھا۔
اسے پاکستان جانے کا جنون کی حد تک شوق تھا' کوئی اس سے اس کی زندگی کی سب سے بڑی خواہش پوچھ لیتا' لمحہ ضائع کیے بغیر اس کا جواب ہوتا۔
''میں پاکستان جاؤں۔''
وہ کشمیر میں پیدا ہوئی تھی اس کی پیدائش پر اس کی ماں کا انتقال ہوگیا تھا۔ اس کی ماں کا تعلق پاکستان سے تھا جبکہ باپ کشمیری تھا' بیوی کی موت کے بعد وہ اس قدر دلبرداشتہ ہوئے کہ اسے لے کر ملائیشیا آگئے۔ انہیں حورعین کی ماں نورالعین سے عشق تھا۔ وہ اس کا غم سبک کرنے اتنی دور آکر بسے کہ پھر پلٹ کر پاکستان گئے نہ کشمیر...... حورعین تڑپتی رہی۔ وہ اس وطن کی مٹی میں اپنی ماں کی خوشبو کو محسوس کرنا چاہتی تھی جس مٹی پر اس کی ماں کے بچپن، لڑکپن اور جوانی کے نشان ثبت تھے۔ اس پر چل کر ان کے لمس کو اپنے اندر سمونا چاہتی تھی۔

اس کا باپ بستر مرگ پر تھا جب اس کا نکاح عالیان سے کیا تھا' وہ پاکستانی تھے۔ یہ بات اس کے لیے فرحت بخش تھی' ایک پاکستانی کی بیوی ہونا اس کے لیے کسی اعزاز سے کم نہیں تھا' یہ وہ خواب تھا جسے دیکھنے کی اس نے جسارت بھی نہ کی تھی۔

اکثر وہ پاکستان جانے کے خواب دیکھنے لگتی' ایسے بے تعبیر خواب جنہیں کبھی تعبیر نہ ملی تھی کیونکہ یہ اس کی خوش فہمی ہی نہیں غلط فہمی بھی تھی کہ وہ اسے اپنے دیس لے جائے گا۔

شادی کو ڈھائی سال کا عرصہ بیت چکا تھا مگر عالیان پاکستان جانے کی حامی نہ بھرتا تھا اور اس کے ساتھ تو ہرگز نہیں۔

آمنہ اب تک اس کی شادی انجان تھیں' ایک یہی وجہ تھی جس کی وجہ سے اس کا خواب پایہ تکمیل تک نہیں پہنچ سکتا تھا۔ ڈھائی سال میں کوئی لمحہ ایسا نہ آیا تھا کہ وہ انہیں بتانے کا حوصلہ کرپاتا کئی بار اس نے انہیں اپنی زندگی کے متعلق آگاہ کرنے کے لیے فون کیا مگر ہر بار ناکامی ہی رہا۔ جوزخم امیر زادہ ان کے سینے پر لگا چکا تھا' پردیس بیٹھ کر اسی دکھ سے وہ انہیں ہم کنار نہیں کرنا چاہتا تھا حالانکہ حورعین مہرین سے یکسر مختلف محبت کے خمیر سے گندھی لڑکی تھی۔

❁......✿......❁

آمنہ کے فون اسے بے چینی میں مبتلا کرنے لگے تھے۔ ان کی گفتگو میں زندگی سے مایوسی جھلکنے لگی تھی' اکثر اس کا دل چاہتا سب کچھ چھوڑ کر پاکستان جا کر ماں کے قدموں کو بوسہ دے ڈالے۔ اس نے جانے کا قصد کیا تھا وہ حورعین کو مطلع کرنے کے لیے متذبذب تھا اس کی توقع کے عین مطابق اس نے بتایا تو وہ بھی ساتھ چلنے کے لیے بضد ہوگئی۔

''میں تمہیں اس حال میں لے کر نہیں جاسکتا حور! سفر تمہارے یا بے بی کے لیے نقصان دہ ثابت ہوسکتا ہے۔'' وہ اسے سمجھانے لگا۔

''لے چلونا عالیان! زندگی میں یہ موقع پھر معلوم نہیں آئے گا بھی یا نہیں۔'' اس کی آنکھوں میں گہری اداسی چھائی تھی اس کے لہجے کی مایوسی اسے بے کل کرگئی۔

''کیسی باتیں کررہی ہو؟ اگلی بار ہم دونوں کے ساتھ ہماری محبت کا تحفہ بھی ہوگا۔ ہم تینوں ساتھ جائیں گے' سیرو تفریح کریں گے جب تک تمہارا دل نہیں بھر جائے گا وہیں رہیں گے۔ ابھی تو میں صرف ایک ہفتے کے لیے جارہا ہوں' ماما سے مل کر لوٹ آؤں گا۔'' اداسی نے اس کے چہرے کو تاریک کررکھا تھا' کافی دیر تک وہ اس کا دل بہلانے کی سعی کرتا رہا جبکہ وہ کھوئی کھوئی سی رہی۔

❁......✿......❁

عالیان کی آمد کی نوید پاکر وہ گویا ہواؤں میں اڑنے لگی تھیں۔ گل افروز کو وہ یکدم جواں نظر آنے لگی تھیں' بچوں کا سا ولولہ ان کے اندر سرایت کرگیا تھا' وہ ادھر سے اُدھر اپنی وہیل چیئر لیے دوڑتیں گھر کی تزئین وآرائش کے لیے حکم نامہ جاری کرتی نہ تھکتیں۔

سجاوٹ میں عالیان کی پسند کو مدنظر رکھتے ہوئے اس کے پسندیدہ رنگوں' پھولوں کو منتخب کیا گیا تھا اس کے کمرے کو نئے انداز سے سیٹ کردیا گیا تھا۔

❁......✿......❁

اگلی صبح اس کی فلائٹ تھی' وہ رات بھر جاگ کر باتیں کرتے رہے۔ وہ بار بار اس کی پلکیں نم دیکھتا تو اسے ہنسانے کی کوشش کرنے لگتا۔ رفاقت کے اس عرصے میں وہ پہلی بار اس سے دوری اختیار کررہا تھا' اداسیوں نے پوری طرح حورعین کا گھیراؤ کررکھا تھا۔

''عالیان......!'' اس نے پرکیف لہجے میں اسے پکارا۔

''بولو۔'' اس نے نرمی سے اس کے بالوں میں انگلیاں پھیریں۔

''تم لوٹ آؤ گے نا......؟'' اس کے لہجے میں بے پایاں خوف تھا' آنکھوں میں خدشے سمٹے ہوئے تھے۔

''یہ کیسا سوال ہے؟'' وہ اسے تکنے لگا۔

''بابا کہتے تھے وطن کی مٹی بڑی طاقتور ہوتی ہے یہ انسان کے قدموں میں اپنی محبت کی زنجیریں ڈال دے تو انسان کبھی آزاد نہیں ہوپاتا۔ اس کی خوشبو سانسوں میں

بس جائے تو اس کے بغیر سانس لینا محال ہوجاتا ہے جہاں سب اپنے ہوتے ہیں وہاں اپنائیت کا رنگ خون میں شامل ہوکر انسان کو اس جگہ کا رسیا بنادیتا ہے پھر وہ وہیں کا باسی بن جاتا ہے۔'' وہ اپنے خدشات بیان کررہی تھی۔

''ایسا بھی تو ہوتا ہے کہ ہماری سانسوں کی ڈور کسی کی چاہت سے بندھ جاتی ہے۔ چاہت شدت اختیار کرکے انسان کو محبت کی معراج پر پہنچادیتی ہے جہاں پہنچ کر چاہت و محبت کے سوا کچھ دکھائی نہیں دیتا پھر محبت چاہے دیس میں ہو یا پردیس میں، چاہت کی مہکار انسان کو اسی سمت لے دوڑتی ہے پھر چاہے انسان دنیا کے کسی بھی کونے میں ہو چاہت کی مہکار پاکر وہیں کھنچا چلا جاتا ہے جہاں اس کی محبت اس کی منتظر ہوتی ہے۔ محبوب اور محب کا رشتہ مضبوط تر ہوتا ہے حور!'' وہ بڑے رسان سے اسے سمجھا رہا تھا۔

اسے مطمئن کرنے میں وہ کسی حد تک کامیاب رہا تھا۔

❁......❁......❁

وہ اس کی دوست ہما اور اپنی پڑوسن میکڈ ایسن کو اس کی خبر گیری کرنے کی تاکید کرکے پاکستان لوٹ آیا۔

وہ ماں سے لپٹا تو پردیس کی ساری تھکن راحت میں بدل گئی، ان کے بھی صبر وشکیب کے پیمانے لبریز ہوگئے۔ آنکھوں سے سیل رواں جاری ہوا تو عالیان کی آنکھیں بھی شدت جذبات سے سرخ ہوگئیں۔ گل افروز دور کھڑی دونوں ماں بیٹے کا ملن دیکھ رہی تھی ان کا جذباتی انداز دیکھ کر اس کی آنکھیں بھی کسی احساس کے تحت پرنم تھیں۔

امیر زادہ نے بھی پرجوش انداز میں چھوٹے بھائی کا خیر مقدم کیا مہرین ان دنوں شوٹنگ کے سلسلے میں ملک سے باہر تھی لہٰذا اس سے سامنا نہ ہوا۔ آمنہ اسے پاس بٹھا کر باتیں کرتی نہ تھکتیں۔ اسے پاس بٹھائے اپنی تشنہ آنکھوں کی اس کی دید سے پیاس بجھا کر ممتا کو سیراب کرتی رہیں، وہ بھی عرصہ بعد ماں کی قربت پاکر نہال تھا۔

اس کے آنے کے دو روز بعد امیر زادہ کو عدالت کی طرف سے خلع کا نوٹس ملا تھا۔ وہ ششدر رہ گیا مہرین پاکستان میں ہی موجود تھی۔ اس بات سے وہ بے خبر تھا اس کی رہائش سے بھی انجان تھا اس کی آنکھیں اس وقت کھلیں جب حالیہ انٹرویو میں مہرین نے اپنے اور معروف پروڈیوسر عایان رضوی کے اسکینڈل پر اپنے بیان سے سچ کی مہر ثبت کی ورنہ قبل ازیں وہ مسلسل تردید کرتی آرہی تھی اور امیر زادہ اس کی ہر بات پر آنکھیں بند کرکے یقین کررہا تھا۔

ایک ہفتہ پلک جھپکتے گزر گیا وہ صرف دوبار حورعین کو فون کرپایا تھا وہ خیریت سے تھی۔ جمعہ کی صبح چھ بجے اس کی فلائٹ تھی جمعرات کی شام اچانک آمنہ کی طبیعت بگڑ گئی۔ وہ امیر زادہ اور گل افروز سب حواس باختہ ہوگئے انہیں ہسپتال لے جایا گیا۔ صبح تک جو خبر انہیں ملی سن کر ان کے ہوش اڑ گئے آمنہ سرطان میں مبتلا تھی۔

صبح ہوئی اور گزر گئی اسے فلائٹ کا ہوش رہا نہ حورعین کا۔ خون کی چار بوتلیں آمنہ کے جسم میں منتقل کروانے کے بعد کمزوری ونقاہت کے باعث چکر آنے لگے اسے آرام کی سخت ضرورت تھی۔

ان سب کا رواں رواں آمنہ کی سلامتی کے لیے دعا گو تھا ان کی دعاؤں نے شرف قبولیت کا درجہ پایا آمنہ کو دو ہفتے بعد گھر لایا گیا۔ وہ حورعین کو مطلع کرنے کا قصد کرتا اور پھر کسی کام میں مشغول ہوجاتا تو یہ بات اس کے ذہن سے محو ہوجاتی۔ وہ عجیب بے ربط سوچوں کا مالک بن گیا تھا مگر اس کے باوجود پوری تندہی سے آمنہ کا خیال رکھ رہا تھا۔ گل افروز کو آمنہ کے کمرے میں ہی سونے کی ہدایت جاری کردی دوائیں اپنے ہاتھ سے وقت پر انہیں دیتا۔

اس وقت وہ آمنہ کے ہاتھ تھامے بیٹھا تھا وہ پُرسوچ انداز میں اسے تک رہی تھیں، کچھ بولنے کے لیے لب وا کیے۔

''عالیان بیٹے! میں تم سے بات کرنا چاہتی ہوں۔'' ان کی تمہید پر وہ ہمہ تن گوش ہوا۔ ''میں تمہیں آباد دیکھنا چاہتی ہوں۔'' وہ ٹھٹکا وہ مزید بولیں۔

''میں نے تمہارے لیے جو ہیرا منتخب کیا ہے اس کی چمک تمہاری زندگی کو تابناک کردے گی اگر تم اپنا کوئی

انتخاب رکھتے ہو تو میں امیر زادہ کی طرح تمہیں اپنی زندگی خراب نہیں کرنے دوں گی۔'' وہ بڑے رسان سے کہتیں اس کی دنیا زیروبم کرگئیں۔ وہ مزید بولیں۔

''گل افروز کو میں نے تمہارے لیے چنا ہے ہوسکتا ہے تمہیں میرے فیصلے پر کسی قسم کا اعتراض ہو مگر مجھے پختہ یقین ہے کہ اس کا ساتھ پاکر تمہیں میرے فیصلے کی درستگی کا اندازہ ہوجائے گا' میری آرزو ہے کہ گل افروز تمہارا نصیب بنے۔'' وہ خاموش ہوئیں۔

''مگر مام! مجھے واپس جانا ہے۔'' وہ بمشکل بول پایا۔ یکدم آمنہ کے چہرے پر ناگوار تاثرات ابھر آئے۔

''تم اب واپس نہیں جاؤ گے' وہاں کی جاب سے ریزائن کرکے امیر زادہ کے ساتھ بزنس سنبھالو۔'' لہجے میں درشتگی تھی' وہ کچھ بولنے کی ہمت نہ کرپایا۔

آمنہ نے حقیقی معنوں میں اس کے چودہ طبق روشن کردیئے تھے' وہ ان کی بات کبھی نہ ٹالنا چاہتا اگر حالات معمول پر ہوتے تو وہ بلاچوں چراں ان کا حکم بجالاتا۔ وہ بیماری کی حالت میں انہیں خفا کرکے بھی نہیں جانا چاہتا تھا' حقیقت سے آگاہ کرنے کا حوصلہ بھی مفقود تھا۔

وہ حورعین کو فون کرنے کی ہمت بھی نہیں کرپایا وہ اس سے سخت نالاں ہوتی۔ اسے آئے مہینہ ہوچکا تھا اسے واپس جانے کی فکر لاحق تھی' وہ کسی طرح آمنہ کو راضی کرکے لوٹ جانا چاہتا تھا وہ انہیں قائل کرنے کی کوشش کرنے لگا۔

بالآخر وہ اسے واپس بھیجنے کے لیے راضی ہوگئیں مگر اس صورت اگر وہ گل افروز سے نکاح کرلیتا' وہ کہتیں۔

''نکاح میں بڑی طاقت ہوتی ہے عالیان! تمہاری منکوحہ یہاں موجود ہوگی تو تمہارا دل تمہیں گھر آنے پر راغب کرے گا۔ تم پلٹ آؤ گے' اپنا کنٹریکٹ ختم کرکے جلد لوٹ آنا۔'' اور وہ سوچتا ''واقعی نکاح میں بڑی طاقت ہوتی ہے۔''

دل بے چینیوں کی آماجگاہ بنا ہوا تھا' آمنہ کا بس چلتا تو کسی طرح اسے یہیں باندھ لیتیں۔

❁.......❁.......❁

جس دن اس کا نکاح گل افروز سے ہوا دل پر بوجھ آپڑا۔ غداری کا بوجھ اسے بے چینی کا شکار بنا گیا۔ احساس ندامت نے اس کی ذات کا گھیراؤ کررکھا تھا' وہ حورعین کا مجرم بن چکا تھا' وہ اس کے خیال سے نظر نہیں ملا پارہا تھا خود سے بھی نظر ملانے کا متحمل نہ تھا۔ اکثر وہ ازراہ مذاق اسے چھیڑتا۔

''حور! اگر میں دوسری شادی کرلوں تو تمہارا ردعمل کیا ہوگا؟''

''تم ایسا کرہی نہیں سکتے۔'' اس کے لہجے میں بڑا گہرا وثوق ہوتا' اعتماد و اعتبار ہوتا۔

''اگر بالفرض کرلی تو......'' وہ اسے چڑنے پر اکساتا مگر اس کے چہرے پر اطمینان و سنجیدگی براجمان ہوتی۔

''تو وہ دن میری زندگی کا آخری دن ہوگا۔'' وہ دنگ رہ جاتا۔ اسے اس کی باتیں یاد آنے لگیں' اس نے پیشانی پر نمودار پسینے کے قطرے صاف کیے اسے گھبراہٹ ہونے لگی تھی۔ اس رات وہ سو نہیں پایا تھا۔

❁.......❁.......❁

وہ نکاح کے دو روز بعد ہی ملائیشیا کے لیے روانہ ہوا' اس نے حورعین کو بارہا کال کی تھی مگر اس کا نمبر مسلسل آف تھا۔ لینڈ لائن پر کال کی تو کسی نے اٹینڈ نہ کی یہ بات اس کے لیے تفکر کا باعث تھی۔

اس کا بس چلتا تو اڑ کر وہاں پہنچ جاتا مگر یہ ایک ناممکن فعل تھا۔ بے کلی سے پُرسفر تمام ہوا تو اس نے سکون کا سانس لیا مگر دل اس کی طرف سے اب بھی پریشان تھا۔

''تم کہاں چلے گئے تھے عالیان!'' میگی اسے لفٹ میں ہی مل گئی تھی۔

''میری مام کی طبیعت خراب ہوگئی تھی تبھی جلد نہ آسکا۔ تم بتاؤ حور کیسی ہے؟''

''حور...... تت...... تم اسے چھوڑ کر کیوں چلے گئے تھے؟'' اسے اس کے سوال پر اچنبھا ہوا وہ گھبرائی ہوئی لگ رہی تھی اس کے ذہن نے کچھ غلط ہونے کا سگنل دیا۔

''اوپر چلو بیٹھ کر بات کرتے ہیں۔'' وہ نظریں چرا گئی۔

وہ اپنے فلیٹ کے سامنے آ کر ٹھٹکا' وہ باہر سے لاک تھا تو حورعین گھر چھوڑ کر جا چکی تھی۔ خدشہ نے سر ابھارا مگر دل نے فوراً نفی کردی۔ اس نے میکی کی جانب استفہامیہ نظروں سے دیکھا۔

''ثامی نے فلیٹ لاک کردیا ہے۔'' وہ فلیٹ کا مالک تھا اس کا اچھا دوست بھی تھا مگر وہ ایسا کیوں کرتا؟ میکی اسے حیرت میں ڈوبا اپنے فلیٹ لے آئی' وہ بیٹھا تو اس نے ٹھنڈے پانی کا گلاس اسے تھمادیا وہ غٹاغٹ چڑھا گیا پھر سوالیہ نظریں اس پر مرکوز کیں۔

''حور! اس دنیا میں نہیں رہی عالیان......'' اسے لگا پوری عمارت اس پر ڈھے گئی ہے اور اس کا وجود ملبے تلے دب کر سسکنے لگا ہے۔ وہ حرکت کرنے سے قاصر تھا' ایک درد تھا جو پورے جسم میں پھیل گیا تھا وہ اسے تفصیل سے آگاہ کررہی تھی اپنے تئیں تسلیوں' دلاسوں سے بھی نواز رہی تھی مگر اس کی روح نوحہ کناں تھی اسے سینے میں جلن کے ساتھ درد کی شدید لہر محسوس ہوئی۔

❁......❁......❁

وہ لوٹ آیا' خالی ہاتھ' خالی دل اور شکستہ قدموں سمیت ویران آنکھیں لیے لوٹ آیا۔ وہ دل پر بوجھ لیے پاکستان آیا تھا' دن گزرنے لگے۔ وہ اسے سوچتا تو اس کا وجود بہار کی تازہ ہوا کا جھونکا محسوس ہوتا جو اس کی زیست میں تیزی سے آیا اور پلک جھپکتے گزر گیا تھا۔

اس نے اس کی یادوں کو دل میں سجالیا تھا اس طرح کہ نہ اس کے دکھ پر کسی کی نگاہ پڑی نہ اس کی یاد کی کوئی آہٹ کسی پر عیاں کی۔

پانچ برس بیت گئے' کئی موسموں نے رنگ بدلا کبھی خوشی' کبھی غم کا پیراہن پہن کر زندگی رواں دواں ہی رہی مگر دل کی تشنگی ہنوز قائم تھی۔ اس کی زندگی میں گل افروز کے بعد ایک اور گل کھل اٹھا' وہ گل گوتھنی سی بیٹی کا باپ بن گیا اس نے اس کو حورعین کا نام دے دیا۔

وہ اسے دیکھتا تو حورعین کا چہرہ آنکھوں میں سماجاتا' اس کی پکار سنتا تو حورعین کی شیرینی بھری آواز کانوں میں رس گھولنے لگتی۔ اس پر نگاہ پڑتی تو حورعین کا سانچے میں ڈھلا نازک وجود آنکھوں میں لہراجاتا۔ وہ اکثر اسے اپنے اردگرد محسوس ہوتی کبھی مسکراہٹ اس کے لبوں کو چھو جاتی' کبھی آنکھوں میں سرخی دوڑتی تو وہ بے چینی سے ٹہلنے لگتا۔

کبھی احساس زیاں دامن گیر ہوجاتا تو گل افروز کے چہرے کی طمانیت و راحت اور حورعین کے چہرے کی معصومیت بھری مسکان اور شرارتیں اسے اپنی جانب مائل کرلیتے تو وہ بھی کھل اٹھتا۔

''تم نے مجھ سے شادی کیوں کی تھی؟'' گل افروز اس سے اکثر پوچھتی۔

''کیونکہ میں ماما کی خواہش رد نہیں کرسکتا تھا۔''

''اب میرے ساتھ کیوں رہتے ہو؟'' من چاہا جواب پانے کے لیے وہ اسے کھوجتی۔

اس مقام پر وہ بے بس سا ہوجاتا' وہ اس کی تشفی کرنے سے قاصر تھا۔

''اس لیے کہ تم میری پیاری بیٹی کی ممی اور میری پیاری بیوی ہو۔''

❁......❁......❁

جس دن اس کا اور گل افروز کا نکاح ہوا تھا' اسی دن حورعین کا سیڑھیوں سے گرنے کی وجہ سے یوٹیرس پھٹ گیا تھا' زہر پھیلنے کی وجہ سے اس کی موت واقع ہوگئی۔ وہ اپنے مقولے کی پاسدار نکلی تھی یا شاید قسمت کی کتاب میں یہی درج تھا۔

دو سال بعد آمنہ نے بھی موت کی اوڑھنی اوڑھ لی۔ اس کی دنیا گل افروز اور حورعین کے گرد گھوم گئی اور وہ اپنی دنیا میں مطمئن اور سرشار تھا۔

کہانی

سائرہ

مجھے لگتا تھا میری زندگی کا کوئی مقصد نہیں ہے۔ زندگی بس لمبے اور خوب صورت لوگوں کی ہے کیونکہ ایسے لوگوں کی زیادہ بات سنی جاتی ہے۔ میرے جیسے لوگ اس دنیا صرف مذاق اڑوانے کے لیے آتے ہیں' صرف شکل کی بنیاد پر ہی لوگ فیصلہ کیوں کر لیتے ہیں۔

میری قابلیت کسی کو بھی نظر نہیں آتی' سب کو لگتا ہے کہ میں اضافی چیز ہوں۔

پھر ایک دن میں نے سوچا کیوں نا خودکشی کرلوں' ہاں یہ ٹھیک رہے گا۔ اب کوئی ایسا طریقہ دیکھنے لگی جس سے تکلیف کم ہو' موت بھی جلدی آجائے۔ کچن میں کام کررہی تھی تو چھری نظر آئی' چھری کو ہاتھ میں پکڑتے ہی عجیب سنسنی سی پیدا ہوئی' نبض کاٹنے لگی تو ایک دم سے ایسا لگا جیسے کسی نے ہاتھ پکڑ کر روک لیا ہو۔ میں نے ادھر اُدھر دیکھا کوئی نا تھا لیکن اپنے ہاتھوں میں چھری دیکھ کر میں خود ڈر گئی اور جلدی سے چھری چولہے کے پاس رکھ دی۔

پھر تھوڑے ہی دن گزرے تھے کہ رشتے کی باتیں ہونے لگیں۔ ''قد چھوٹا ہے آپ کی بیٹی کا، رشتہ کہاں کروگی اور آج کل کے لڑکوں کو لمبی لڑکیاں پسند ہیں۔'' اپنی امی کی اڑتی رنگت کو دیکھ کر میں ہمیشہ پریشان ہوتی اور سوچتی رہتی جس دن لوگ مجھے دیکھنے آئیں گے میں خود کا خاتمہ کرلوں گی۔ پتہ نہیں کیوں خود کو مارنے کا احساس دن بدن بڑھنے لگا تھا جس کا اثر میری باتوں میں ہونے لگا۔ کلاس میں دوستوں کے ساتھ جھگڑا ہوا تو مجھے یہ لگنے لگا کہ میں بدصورت ہوں' چھوٹی دکھتی ہوں اسی وجہ سے مجھے کوئی پسند نہیں کرتا اور مجھے مرجانا ہی چاہیے۔ میں نے ایک دو لڑکیوں کو چھوڑ کر باقی سب سے رابطہ ختم کردیا اور کالج جانا بند' گھر میں رہنے لگی تو بہنوں کے ساتھ جھگڑا ہونے لگا۔ کام نہیں کرتی اور کالج نہیں جاتی لیکن کسی نے غور نہیں کیا کہ میں پریشان ہوں' رورہی ہوں' آنکھیں کیوں بات بات پر نم ہوتی ہیں' غصہ کیوں کرتی ہوں۔ مجھے لگنے لگا کہ میری بہنیں میرے بغیر ہی خوش ہیں تو مجھے ان سب سے دور ہی رہنا چاہیے۔ پھر آہستہ آہستہ میں سب سے الگ تھلگ رہنے لگی۔ جب کسی سے دل کی بات ہی شیئر نہیں کرنی تو نفسیاتی مسائل کو خود سے حل نہیں کیا جاسکتا۔ ایک دن ایسا آیا جس نے مجھے ہلا کر رکھ دیا۔ میرا امی سے جھگڑا ہوا اور جس کا مجھے افسوس ہوا۔ میں نے سوچا میں کبھی بھی اچھی بیٹی نہیں بن سکتی لہٰذا مجھے زندہ رہنے کا کوئی حق نہیں' ادھر میں نے دراز سے نام پڑھے بغیر ہی ساری گولیاں نکالیں اور پانی کے ساتھ کھالیں اور چھت پہ جا پہنچی اور ملک الموت کا انتظار کرنے لگی صبح ہوگئی کچھ بھی نہیں ہوا البتہ دماغ کافی پرسکون تھا۔ جب میں نے ریپر دیکھا تو آئرن کی گولیاں تھیں۔ غصے اور جلد بازی میں غلط گولیاں کھالیں' نیند والی گولیوں یہاں تھیں ہی نہیں۔

......☆☆☆......

مرنے کا ارادہ کینسل ہوگیا۔ تین چار دن بعد یوں ہوا کہ سر درد کررہا تھا تو پین کلر لی اس کی تاریخ ختم ہوچکی تھی' الرجی ہوگئی۔ امی ڈاکٹر کے پاس لے بھاگیں۔ نرس نے جب الرجی کے توڑ کا ٹیکہ لگایا تو وہ

تیز تھا جسے میں برداشت نہ کرسکی اور بے ہوش ہوگئی۔ جب مجھے ہوش آیا تو امی کو اپنے پاس پریشان حالت میں دیکھا مجھے ان کو اس حال میں دیکھ کر بہت دکھ ہوا لیکن اس بات کی خوشی بھی ہوئی کہ بھلے چاہے مجھے کوئی پسند کرے یا نا کرے میری ماں تو ہے نا جو مجھے بے حد چاہتی ہے' میرے لیے پریشان ہوتی ہے۔ دو دن امی نے مجھے سنبھالا مجھے اپنی سوچوں پہ شرم آنے لگی۔ اگر مجھے کچھ ہوجاتا تو میری ماں کا کیا بنتا پھر آہستہ آہستہ میرا دھیان اس طرف سے ہٹا اور میں نے مرنے کا ارادہ ترک کردیا پھر مجھے ایک دن سورہ بقرہ کی یہ آیات نظر آئیں۔

ترجمہ ''جب میرے بندے میرے بارے میں آپ سے سوال کریں تو آپ کہہ دیں کہ میں بہت ہی قریب ہوں ہر پکارنے والے کی پکار کو جب بھی وہ مجھے پکارے، قبول کرتا ہوں اس لیے لوگوں کو بھی چاہیے کہ وہ میری بات مان لیا کریں اور مجھ پر ایمان رکھیں، یہی ان کی بھلائی کا باعث ہے۔'' (آیات نمبر 186)

ہاں اللہ تو واقعی قریب ہے میرے بہت قریب' میں نے یہ دیکھ لیا لوگ مجھ پر باتیں کستے ہیں' میرے پیچھے میرا مذاق اڑاتے ہیں لیکن اللہ کی رحمتیں کیوں نہیں دیکھیں۔ مجھے مسلمان پیدا کیا' ایک مسلم گھرانے میں پیدا کیا۔ میں ایسی جگہ پلی بڑھی جہاں دھماکوں کا خوف نہیں ہے' جہاں ڈرون حملے نہیں ہوتے' جہاں فائرنگ کی آوازیں نہیں آتیں' جہاں پر سیلاب نہیں آتا اگر بجلی چلی جاتی ہے تو یو پی ایس کام پہ لگ جاتا ہے۔ بہت سے ایسے لوگ بھی موجود ہیں اس دنیا میں جن کے پاس کھانے کو نہیں ہے' ان کے پاس عبادت کرنے کے لیے جگہ نہیں ہے۔ میں رو رہی تھی' اللہ سے معافی مانگ رہی تھی۔ دنیا کے معمولی دکھوں سے گھبرا کر غلط کر رہی تھی اور وہ مجھے برے کاموں سے بچاتا جا رہا تھا۔ میں اتنی نادان کیسی ہوسکتی ہوں اور جب میں نے یہ سوچا تو آنسو تھے کے رک ہی نہیں رہے تھے

ترجمہ ''اور ہم کسی نہ کسی طرح تمہاری آزمائش ضرور کریں گے، دشمن کے ڈر سے، بھوک پیاس سے، مال و جان اور پھلوں کی کمی سے اور ان صبر کرنے والوں کو خوشخبری دے دیجیے۔'' (آیات نمبر 155)

وہ ذات جو مجھے ہر برائی سے روک رہی تھی جو میری مدد کر رہی تھی وہ میری ماں کی دعائیں تھی جو قبول ہوئی تھیں اور اللہ تعالی مجھے ہر مصیبت سے بچا رہے ہیں اور بچا رہے تھے۔ میں اپنے رب کی شکر گزار ہوں جس نے مجھے عزت دی۔ میری اچھے گھرانے میں شادی ہوگئی۔ اب میں خوش ہوں' ہاں چھوٹی چھوٹی باتیں ہو جاتی ہیں لیکن پہلے کی طرح مرنے کا خیال نہیں آتا۔ یہ لکھ کر ڈائری بند کردی انسان تھوڑا صبر کرلے اور اللہ پر بھروسہ کرے تو مصیبت کو ٹالنے والی اللہ کی ذات ہوتی ہے اور اس سے بڑھ کر دنیا میں کوئی مددگار نہیں ہے۔ اب میں سکون کا سانس لیتی ہوں اور خوش رہتی ہوں۔ کاش کوئی غلط قدم اٹھانے سے پہلے اتنا ضرور یاد رکھے کہ اللہ دیکھ رہا ہے۔ تب شاید انسان خود پر اور دوسروں پر ظلم کرنے سے رک جائے' اے کاش......

خدائے بزرگ و برتر نے ہمیں بے شمار نعمتوں سے نوازا ہے جن میں میوے، پھل، اناج ہر طرح کی چیزیں شامل ہیں اوران چیزوں کے گرد ہماری صحت کا دائرہ گھومتا ہے آج کل انار، انگور، کھجور، خشک میوے اور بے شمار صحت سے بھرپور پھلوں کا موسم ہے جو نہ صرف ذائقے میں اپنی مثال آپ ہیں بلکہ ان کے استعمال سے ہم بے شمار بیماریوں سے بھی نجات پاسکتے ہیں۔ آج ہم ان ہی پھلوں کی افادیت کے بارے میں بات کریں گے۔

خون صاف کرنے کا علاج

صاحب شرعتہ الاسلام نے ایک حدیث نقل کی ہے کہ ہر انار میں ایک قطرہ جنت کے پانی کا ضرور ہوتا ہے۔ انار کے بے شمار فائدے ہیں مثلاً خون صاف کرتا ہے اور بگڑے ہوئے خون کو صالح کرتا ہے۔ قوت باہ زیادہ کرتا ہے، معدے کی جلا کرتا ہے اور سدے کھولتا ہے، طبیعت نرم کرتا ہے۔ دست بند کرتا ہے، کھانے کے بعد اس کے استعمال سے کھانا جلد ہضم ہوتا ہے۔ جگر میں قوت پیدا کرتا ہے، خفقان اور استسقاء لحمی کے لیے مفید ہے۔ آواز صاف اور بدن کو موٹا کرتا ہے، رنگت نکھارتا ہے لیکن اس کے زیادہ استعمال سے معدہ ضعیف ہوتا ہے، انار ترش معدے کی حرارت کم کرتا ہے اور خون کے جوش کو بڑھاتا ہے اور دماغ کی طرف بخارات کو چڑھنے سے روکتا ہے۔ گرمی سے استفراغ ہو تو اس کا کھانا بہت مفید ہے۔

وزن بڑھانے کے لیے

معاویہ بن زیدؓ سے ابو نعیم نے روایت کی ہے کہ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم پھلوں میں انگور کو بہت پسند فرماتے تھے۔ علماء نے لکھا ہے کہ اس میں حکمت یہ ہے کہ انگور بدن کو موٹا کرتا ہے، گردوں پر چربی بڑھاتا ہے، خون صاف کرتا ہے، سوادی مادے خارج کرتا ہے اور جلے ہوئے کے لیے مفید ہے۔

سبزیوں سے امراض کا علاج

جامع کبیر میں ابوامامہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے کہ ''اپنے دستر خوان کو سبز چیزوں سے زینت دیا کرو اس لیے کہ سبز چیز اللہ کے نام کی برکت سے شیطان کو دور رکھتی ہے۔''

علماء نے لکھا ہے کہ سبز چیز سے لہسن پیاز اور مولی بدبو دار چیزیں مراد نہیں ہیں کیونکہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم ان چیزوں کو ناپسند فرماتے تھے بلکہ سبز چیز سے مراد پودینہ اور ترہ تیزک (ساگ) وغیرہ ہیں کیونکہ پودینہ کھانے سے کھانا ہضم ہوتا ہے۔ مفرح ہے ڈکار لاتا ہے، ریاح کا معدہ سے اخراج کرتا ہے۔ معدہ قوی کرتا ہے اور غلیظ خون کو رقیق کرتا ہے، پیٹ کے کیڑوں کو مارتا ہے۔ قوت باہ کو زیادہ کرتا ہے اور ترہ تیزک (ساگ) سے پیشاب کھل کر آتا ہے اگر عورت کھائے تو خوب دودھ پیدا کرتا ہے۔ سنگ مثانہ کے لیے مفید ہے اور منی پیدا کرتا ہے، اس کا بیج انڈے کی زردی کے ساتھ کھانا قوت باہ کو بڑھاتا ہے اور اس کا لیپ چھیپ کے لیے مفید ہے۔

انجیر اور بواسیر

نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے انجیر کے فوائد کے سلسلے میں دو اہم ارشادات فرمائے ہیں ایک یہ بواسیر کو ختم کردیتی ہے دوسرا جوڑوں کے درد کے لیے مفید ہے۔

جن لوگوں کو بواسیر کی تکلیف ہو ان کو صبح نہار منہ شہد کے شربت کے ساتھ پانچ سے چھ دانے خشک انجیر استعمال کرنی چاہیے اور جنہیں تکلیف کم اور بدہضمی زیادہ ہو ان کو ہر کھانے سے آدھا گھنٹہ پہلے انجیر کھانے سے فائدہ حاصل ہوگا۔

انجیر کی بہترین قسم سفید ہے یہ گردہ اور مثانہ سے پتھری کو حل کرکے نکال دیتی ہے ہر قسم کے زہروں کے اثرات سے بچاتی ہے۔ حلق کی سوزش، پسینے کے بوجھ، پھیپھڑوں کی سوجن میں مفید ہے جگر اور تلی کو صاف کرتی ہے۔ بلغم کو جمع ہونے نہیں دیتی، انجیر کو بادام، اخروٹ اور

ناریل کے ساتھ ملا کر کھایا جائے تو خطرناک زہروں سے محفوظ رکھتی ہے انجیر کو نہار منہ کھانا بے حد فائدہ مند ہے یہ آنتوں کے بند کھولتی ہے پیٹ کی اکثر بیماریوں میں فائدہ دیتی ہے۔

پرانی بلغم' کھانسی' پرانے قبض' دمہ اور رنگ نکھار نے کے لیے مفید ہے۔ پرانے قبض کو دور کرنے کے لیے پانچ دانے کھانے چاہئیں جبکہ موٹاپا کم کرنے کے لیے تین دانے ہی کافی ہیں۔ چیچک کے علاج میں بھی یہ فائدہ دیتی ہے اور گردوں کے فعل کو درست رکھتی ہے' بھوک لگاتی ہے اور جسم کو ٹھنڈک پہنچاتی ہے۔

جو

احادیث میں جو کے فوائد کی روشنی میں معدہ اور آنتوں کے السر کے مریضوں کو صبح ناشتے میں سرکار دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم کے نسخہ کے مطابق تلبینہ دیا گیا' السر کا ہر مریض دو سے تین ماہ میں تندرست ہو گیا۔ پیشاب میں خون اور پیپ کے مریضوں میں وجہ بیماری کوئی بھی ہو مناسب علاج کے ساتھ جو کا پانی اگر شہد ڈال کر پلایا جائے تو یہ تکلیف پندرہ روز میں ختم ہو جاتی ہے۔ بعض اوقات یہی طریقہ پتھری نکلنے کا باعث بھی ہوا' پرانی قبض کے لیے جو کے دلیے سے بہتر اور محفوظ کوئی دوائی دیکھی نہ گئی۔

فوائد اس کی دھونی کیڑے مکوڑوں کو ہلاک کر دیتی ہے' اسے شہد میں ملا کر اگر پیٹ پر لیپ کیا جائے تو تلی کے ورم کو دور کرتی ہے اس کا جوشاندہ سر میں ڈالنے سے گرتے بال رک جاتے ہیں۔ اسے جو کے آٹے میں ملا کر سرکہ میں حل کر کے کسی چوٹ یا ورم پر لیپ کیا جائے تو پٹھوں کی اکڑن اور عرق النساء کو دور کرتی ہے۔ اسے پانی میں گھول کر پھنسیوں پر لگایا جائے تو وہ بیٹھ جاتی ہیں اسی طرح یہ کمر کے درد میں بھی مفید ہے اگر اسے جلا کر برص پر لگایا جائے بلکہ ساتھ پلایا بھی جائے تو اسے دور کرتا ہے۔ پھلبہری کے علاوہ اس کا لگانا چھیپ میں بھی مفید ہے۔ یہ طبیعت کی ٹھنڈک کو دور کرتی ہے اور پیٹ سے چھوٹے بڑے تمام کیڑے نکال دیتی ہے۔

اس کا لیپ چہرے سے داغ دھبے اتار دیتا ہے' اس کا بیج پیس کر کھانے یا ان کا جوشاندہ پینے سے سینے میں رکی ہوئی بلغم نکل جاتی ہے۔ سردی کی وجہ سے جو بھی مرض لاحق ہو دور ہو جاتا ہے۔ معدے کا درد ختم ہو جاتا ہے' معدہ میں قوت آ جاتی ہے اس کی ٹہنیوں کا جوشاندہ پینے سے سوکھی کھانسی اور دمہ کو فائدہ ہوتا ہے اس کے شربت سے بواسیر میں بہنے والا خون رک جاتا ہے۔

مہندی

رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے مہندی کو پسند فرمایا ہے' آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس جب بھی کوئی سر درد کی شکایت لے کر آیا تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اسے مہندی لگانے کا مشورہ دیا۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ تمہارے پاس مہندی موجود ہے' یہ تمہارے سروں کو پُر نور بناتی ہے۔ تمہارے دلوں کو پاک کرتی ہے اور قبر میں تمہاری گواہ ہو گی۔

فوائد

اس کے لگانے سے ناخنوں کا پھٹنا رک جاتا ہے' مہندی کے پتے رات پانی میں بھگو کر صبح نچوڑ کر ان کا رس شکر ملا کر اگر چالیس دن لگاتار پیا جائے تو یہ نہ صرف جذام کا علاج ہے بلکہ زخموں کو بھی مندمل کر دے گا۔ آگ سے جلے ہوئے کا بھی بہترین علاج ہے' اس کو پانی میں ملا کر اگر غرارے کیے جائیں تو گلے' منہ اور زبان کے تمام زخموں کے لیے مفید ہے اس کا لیپ گرم پھوڑوں اور سوزش کو کم کرتا ہے اگر اس میں گرم کر کے موم اور گلاب کا تیل ملا کر سینے کے اطراف اور کمر والے مقام پر لیپ کریں تو درد جاتا رہتا ہے۔

سوال نمبر 1:۔ ڈاکٹر تنویر صاحب! میرا نام علی شیر ہے' تین بہنوں کا اکلوتا بھائی ہوں' شادی کو چار سال کا عرصہ گزر چکا ہے۔ میری شادی لو میرج ہے' ہم دونوں ساتھ ہی یونیورسٹی میں پڑھتے تھے اور ذہنی ہم آہنگی کے بعد ہی ہم اس رشتہ میں بندھ گئے گو کہ گھر والوں نے تھوڑا اعتراض کیا لیکن پھر سب نارمل ہو گئے دو بہنیں اپنے گھروں کی ہیں ایک بہن طلاق کے بعد ہمارے ساتھ ہے گو کہ اپنا کماتی ہے لیکن ہماری خوشی اس سے برداشت نہیں ہوتی۔ امی بھی اس کے ساتھ مل کر معمولی سی بات کو طول دیتی ہیں۔ شادی کو تین سال کا عرصہ گزر چکا ہے ہماری کوئی اولاد نہیں ہے زیادہ تر بہن اسی بات کو لے کر امی کے کان بھرتی ہے اور امی میری بیوی کو طعنہ دیتی ہیں۔ پچھلے چھ ماہ سے میری بیوی روٹھ کر میکے جا بیٹھی ہے' منانے کے لیے دو بار گیا لیکن اب واپسی کے لیے اس کی شرط ہے الگ گھر لے کر دوں یا پھر بہن کو اس گھر سے چلتا کروں اور بہن دوسری شادی پر آمادہ ہی نہیں اور الگ گھر میں افورڈ نہیں کرسکتا' آپ ہی بتائیں کیا کروں؟

علی شیر...... حیدرآباد

جواب:۔ آپ کی یہ بات کہ آپ کی بہن آپ کی اور آپ کی بیوی کی خوشی برداشت نہیں کرتی اس بات کی نشان دہی کررہی ہے کہ آپ اپنی بہن کو اپنی خوشیوں میں شامل نہیں کرتے۔ اس کا آسان ساحل یہ ہے کہ آپ دونوں میاں بیوی اپنی اس بہن کو جس حد تک ہوسکے اپنی خوشیوں میں حصہ دار بنایئے پھر آپ لوگوں کی خوشی اس کی خوشی بن جائے گی اور اس طرح آپس کے تعلقات خوش گوار ہوجائیں گے۔

دوسری بات یہ ہے کہ آپ کی بہن دو طرح سے محرومیوں کا شکار ہے ایک تو ان کا اپنا گھر یعنی شوہر اور بچے نہیں ہیں اور دوسرا وہ اپنی ضروریات کے لیے خود کمارہی ہیں جبکہ آپ کی بیوی کے پاس یہ دونوں چیزیں یعنی شوہر اور ضروریات زندگی پوری کرنے کے لیے آپ ذریعہ ہیں لہٰذا اس بات کو سمجھتے ہوئے آپ دونوں کو ان کے احساسات کو سمجھنے اور محبت دینے کی ضرورت ہے۔ آپ اور آپ کی بیوی نے محبت کی شادی کی ہے اب اس محبت کو نبھانے کا وقت ہے نہ کہ آپ کی بیوی آپ کو چھوڑ کر اپنے میکے چلی جائیں یہ تو محبت کا ثبوت نہیں ہے اگر انہیں واقعی محبت کرنے کا فن آتا ہے تو اب تک وہ اپنی ساس کو اپنا بنا چکی ہوتیں اگر آپ یہ سمجھتے ہیں کہ الگ گھر لے کر دینے سے آپ میاں بیوی کے تعلقات بہتر ہوجائیں گے تو ضروری نہیں کہ ایسا ہو اگر نبھاہ کرنے کا ارادہ اور طریقہ نہ

آ تا ہوتو الگ گھر بھی آپ کو سکون نہیں دے سکتا۔

سوال نمبر 2:۔ ڈاکٹر تنویر صاحب! میرا مسئلہ بہت ہی الجھا ہوا ہے اور میں بہت امید سے آپ کو اپنا مسئلہ بتا رہی ہوں' امید ہے کہ آپ کوئی بہتر حل بتائیں گی۔ میری شادی میرے چچازاد سے ہوئی ہے' شادی سے پہلے وہ بُری لت کا شکار ہوگیا تھا' شراب و چرس پینا اس کے لیے عام سی بات تھی۔ چچا نے اس کا علاج کروایا اور پھر ڈاکٹر کے مشورے کے بعد اس کی شادی میرے ساتھ کردی گئی شادی کے ایک سال تک تو وہ میرے ساتھ ٹھیک رہا لیکن اس کے بعد وہ پھر آہستہ آہستہ اپنی پچھلی زندگی کی طرف لوٹنے لگا اور میرے منع کرنے پر مجھے مارنے لگا۔ شادی کے کچھ عرصہ بعد ہی چچا کا انتقال ہوگیا' اب چچی بھی مجھے دلاسہ دے کر رہ جاتی ہیں باقی دو دیور اپنی زندگی میں مصروف ہیں۔ میں بڑی بہو ہوں سمجھ میں نہیں آتا کہ حالات کو اپنے قابو میں کیسے لاؤں۔ اپنے میکے میں ابھی تک اس بات کا ذکر نہیں کیا' میکے والوں کو تو خوش ہوں کا پرچم دکھا کر مطمئن کردیتی ہوں لیکن اب میں اس کی مار برداشت نہیں کرپا رہی اب بتائیں کیا کروں۔

جواب:۔ آپ نے اپنے سوال میں ہی آپ نے خود اس بات کی نشاندہی کردی ہے کہ میکے والوں کو تو خوش ہوں کا پرچم دکھا کر مطمئن کردیتی ہوں جب کہ آپ کو خود اپنے آپ کو درست کرنے کی ضرورت ہے آپ کو اپنے اس مسئلے کے حل کے لیے بڑوں کو ساتھ لے کر چلنا ہوگا۔ آپ کے چچا کی وفات کے بعد ضروری ہے کہ اس مسئلے کو آپ اپنے میکے میں سمجھدار لوگوں کے ساتھ مثلاً آپ کا بڑا بھائی یا والد سے اس مسئلہ پر بات کر کے اس کا حقیقی حل تلاش کریں نہ کہ لوگوں کو یہ تاثر دینے کی کوشش کریں کہ میں خوش ہوں یہاں آپ غلطی کر رہی ہیں۔ حالات تبدیل کرنے کے لیے سب سے پہلے ان حالات اور اپنی کیفیات کا احترام کرنا ضروری ہے آپ کے شوہر کو درست علاج کی ضرورت ہے اور ساتھ محبت اور توجہ کی۔ آپ کے چچا نے پہلے ان کا جہاں سے علاج کرایا تھا وہیں یہ دوبارہ ان کو لے جایا جائے۔ اس کے ساتھ ساتھ آپ کا کردار یہ ہے کہ آپ علاج کے دوران اور بعد میں بھی اپنے شوہر کو جس حد تک پُرسکون رکھ سکتیں ہیں رکھنے کی کوشش کریں۔ کیونکہ نشے کے عادی افراد کمزور نفسیات کے حامل ہوتے ہیں۔ لہٰذا زندگی کے اسٹریس سے بخوبی نبرد آزما ہونے کی صلاحیت کم رکھتے ہیں۔

مہ وش عرفان......سیالکوٹ

apkiuljhan@gmail.com

نورین انجم اعوان......کورنگی کراچی
تصویر کائنات کا عکس ہے اللہ
دل کو جو جگادے وہ احساس ہے اللہ
اے بندہ مومن تیرا دل کیوں اداس ہے
دل سے ذرا پکار تیرے پاس ہے اللہ
مشاعلی مسکان......قمر مشانی
دل کا غنچہ چٹکتا ہے صلی علیٰ
اپنے گلشن میں ہے تازگی آپ ﷺ سے
ختم ہے آپ ﷺ پر شان پیغمبر
یہ روایت مکمل ہوئی آپ ﷺ سے
حرا رمضان......اختر آباد اوکاڑہ
کوئی ملال، کوئی آرزو نہیں کرتا
تمہارے بعد یہ دل گفتگو نہیں کرتا
کوئی نہ کوئی مری چیز ٹوٹ جاتی ہے
تمہاری یاد سے جب بھی وضو نہیں کرتا
ارم شہزادی......گجرات
وہ ملا بھی تو خدا کے دربار میں غالب
اب تم ہی بتاؤ عبادت کرتے یا محبت؟
حمیرا قریشی......لاہور
غور کر ہر لفظ میں ہے آنسوؤں کی نمی چھپی
شعر کہوں یا غزل کہوں قلم تو میرا روتا ہے
فریدہ فری......لاہور
زندگی تیرا بھی احسان کیوں رہ جائے
تو بھی لے جا اس خاک سے حصہ اپنا
نورین لطیف......ٹوبہ ٹیک سنگھ
تم سوچ بھی نہیں سکتے
کتنا سوچتے ہیں تمہیں
کوثر ناز......حیدر آباد

ہجر کے مارے عاشق روتے رہتے ہیں دسمبر کی سرد راتوں میں
گزرے سال نے کردیا مشترکہ غم سب کا سانحہ پشاور دے کر
رابعہ عمران چوہدری......رحیم یار خان
اس سے میں مشورہ نہیں لیتی
پھر بھی وہ فیصلوں میں بولتا ہے
ثوبیہ سحر......بستی ملوک
بچپنے میں ساون کی بارشوں میں بھیگنا
بارشوں میں کاغذوں کی کشتیاں اچھی لگیں
اک وہ اچھا لگا اک آئینہ اچھا لگا
زندگی میں ہم کو کم ہی ہستیاں اچھی لگیں
سعدیہ رشید بھٹی......فیصل آباد
وہ خواب تھا بکھر گیا، خیال تھا ملا نہیں
مگر دل کو کیا ہوا، یہ کیوں بجھا پتا نہیں
ہر ایک دن اداس دن، تمام شب اداسیاں
کسی سے کیا بچھڑ گئے جیسے کچھ بچا نہیں
ارم کمال......فیصل آباد
خواہش سے نہیں گرتے پھل جھولی میں
وقت کی شاخ کو میرے دوست ہلانا ہوگا
کچھ نہیں ہوگا اندھیروں کو برا کہنے سے
اپنے حصے کا دیا خود ہی جلانا ہوگا
اقراء ماریہ......نامعلوم
چلو یہ بھی خوب ہوا وہ کسی اور کا ہوگیا دوست
ختم ہوئی فکر اسے اپنا بنانے کی
صبا ایمان......گوجرانوالہ
ہجر کی تلخی زہر بنی ہے میٹھی باتیں بھیجو ناں
خود کو دیکھے عرصہ گزرا اپنی آنکھیں بھیجو ناں
خان بلوچ......سیال شریف
بے خیالی سے سن کر اس نے مجھے اپنا کہا
اس کو خیال آتے آتے زندگی مکمل ہوگئی میری
مہر ماہ ارشد بٹ......گجرانوالہ
آنکھوں کی برسات سے آسمان بھی رو پڑا
دل میں تھی جتنی رنجشیں دھلنے لگیں برسات میں

پروین افضل شاہین......بہاولنگر

اردو سے اتنی دشمنی اچھی نہیں میاں
یہ قوم کی زبان ہے کچھ تو خیال کر
حاصل ہے ریختہ کو جو مقام و مرتبہ
انگلش کی کب وہ شان ہے کچھ تو خیال کر

یاسمین کنول......پسرور

درو دیوار پہ حسرت سی برستی ہے قتیل
جانے کس دیس گئے پیار نبھانے والے

سعدیہ رمضان سعدی......186 پی

کتنی دل کش ہے اس کی خاموشی
ساری باتیں فضول ہو جیسے

غزل عبدالخالق......فیصل آباد

ایک سے ایک ملا خداوند سجدہ طلب
آدمی سخت مراحل سے خدا تک پہنچا

شبانہ امین راجپوت......کوٹ رادھا کشن

اے موت میری موت ابھی اور ٹھہر جا
میں نے ابھی سرکارﷺ کا روضہ نہیں دیکھا

سیدہ لوبا سجاد......کہروڑ پکا

کی محبت تو سیاست کا ہنر چھوڑ دیا
ہم اگر پیار نہ کرتے تو حکومت کرتے

شمع مسکان......جام پور

کس روز تیری یاد کے ماتم نہیں ہوتے
صدمے تیری فرقت کے مگر کم نہیں ہوتے

عنبر مجید......کوٹ قیصرانی

بے وفائی کا دکھ نہیں ہے مجھے محسن
بس کچھ لوگ ایسے تھے

فرحت اشرف گھمن......سید والا

مجھ میں عیب بہت ہوں گے مگر ایک خوبی بھی ہے
میں نے کسی سے بھی تعلق کبھی مطلب کے لیے نہیں رکھا

مدیحہ نورین مہک......برنالی

کاش کوئی ایسا ہوتا ہے جو گلے لگا کہ کہتا
تیرے درد سے مجھے بھی درد ہوتا ہے

اروی مختار......میاں چنوں

کتاب فطرت کے سرورق پہ جو نام احمدﷺ رقم نہ ہوتا
نقش ہستی ابھر نہ سکتی وجود لوح و قلم نہ ہوتا
زمین نہ ہوتی فلک نہ ہوتا' عرب نہ ہوتا عجم نہ ہوتا
یہ محفل کون و مکان نہ سجتی اگر وہ خیر الامامﷺ نہ ہوتا

عائشہ پرویز......کراچی

ہر شام اڑتے پرندوں کو دیکھ کر دل سے یہ دعا نکلتی ہے
کہ گھر کسی کا نہ اجڑے زندگی تلاش کرتے کرتے

شگفتہ خان......بھلوال

وفا ہوتی اگر خون کے رشتوں میں فراز
یوسف نہ بکتا مصر کے بازاروں میں

علمہ اشمشاد حسین......کورنگی' کراچی

نہ ہوا ان پہ جو مرا بس نہیں
کہ یہ عاشقی ہے ہوس نہیں
میں انہی کا تھا میں انہی کا ہوں
وہ میرے نہیں تو نہیں سہی

جازبہ عباسی......دیول' مری

کہیں پہ درد کی جھیلیں
کہیں لہجے کی کڑواہٹ
سنو جازبہ میں خوش تو ہوں
لیکن میرا ہر لفظ روتا ہے

ثناء ریاض چوہدری......بوسال سکھا

وہ جس کے ہونے سے زندگی نغمہ سرائی ہے
اسے کہہ دو کہ بھیگی جنوری پھر سے لوٹ آئی ہے

فرحین عمران......کراچی

وہ چاٹ لیتا ہے دیمک کی طرح مستقبل
تمہیں پتا نہیں ماضی جو حال کرتا ہے

❀

bshijab@gmail.com

کچن کارنر

زہرہ جبیں

کریمی کٹلس

اشیا:۔

آلو (ابلے ہوئے)	آٹھ عدد
ہری مرچ (کاٹ لیں)	دو عدد
گرم مصالحہ (پسا ہوا)	آدھا کلو
آٹا	دو کھانے کے چمچ
ڈبل روٹی کا چورا	آدھا کپ
لائم جوس	دو چائے کے چمچ
پنیر (کش کیا ہوا)	دو کھانے کی چمچ
تازہ کریم	چار کھانے کے چمچ
نمک	حسب ذائقہ
تیل	فرائی کرنے کے لیے

ترکیب:۔

آلوؤں کا چھلکا اتار کرانہیں میش کرلیں اور اس میں نمک کالی مرچ ہری مرچ اور لائم جوس ملا کر اچھی طرح مکس کرلیں۔ کریم اور پنیر کو اچھی طرح مکس کرلیں اور سخت ہونے کے لیے فریزر میں رکھ دیں جب سخت ہوجائے تو اس کی ٹکڑے کاٹ لیں۔ ایک وقت میں آلو کا تھوڑا سا مکسچر ہتھیلی پر لیں اور جمی ہوئی کریم کا ٹکڑا اس کے درمیان رکھ دیں چاروں سائیڈ پر موڑ لیں آٹے اور پانی کو ملا کر آمیزہ بنالیں۔ رول کو آمیزے میں ڈبوئیں اور پھر اس پر ڈبل روٹی کے چورے کی کوٹنگ کردیں تیل میں ڈیپ فرائی کریں حتیٰ کہ وہ گولڈن ہوجائیں کیچپ کے ساتھ گرما گرم سرو کریں۔

ہالہ سلیم ...... کراچی

آلو کی بھجیا

اشیا:۔

آلو (ابال لیں)	ایک کلو
پیاز (چوکور کٹی ہوئی)	دو عدد
ہری مرچ (کاٹ لیں)	چار عدد
نمک	حسب ذائقہ
گرم مصالحہ پاؤڈر	آدھا چائے کا چمچ
سفید تل (بھون کر کوٹ لیں)	دو کھانے کے چمچ
کلونجی	ایک کھانے کا چمچ
تیل	تین کھانے کے چمچ
ہرا دھنیا (کٹا ہوا)	چار کھانے کے چمچ
ٹماٹر (چوکور کٹے ہوئے)	چار عدد (بڑے)
شملہ مرچ (چوکور کٹی ہوئی)	تین عدد
لال مرچ (کٹی ہوئی)	ایک چائے کا چمچ
چاٹ مصالحہ	ایک چائے کا چمچ
کھٹائی پاؤڈر	ایک کھانے کا چمچ
میتھی دانہ	ایک کھانے کا چمچ
لیموں (رس نکال لیں)	دو عدد
ہلدی پاؤڈر	دو چائے کے چمچ

ترکیب:۔

ابلے ہوئے آلوؤں کو چوکور کاٹ لیں (صرف ایک آلو بچالیں) آلو میں پیاز ٹماٹر نمک کٹی ہوئی لال مرچ چاٹ مصالحہ گرم مصالحہ تل کھٹائی پاؤڈر اور لیموں کا رس ڈال کر اچھی طرح ملائیں ایک بچے ہوئے آلو کو اچھی طرح میش کرکے ایک کپ ٹھنڈا پانی ملائیں اور باقی آلو میں ملادیں۔ ایک فرائنگ پین میں تیل گرم کریں اور ہلدی ڈال دیں اس کے بعد میتھی دانہ اور کلونجی ڈال کر فرائی کریں دو منٹ کے بعد شملہ مرچ ڈالیں جب شملہ مرچ کا رنگ کھل جائے تو ہری مرچ بھی ڈال کر فرائی کریں دو منٹ بعد اتار کر بھجیا میں ڈال دیں۔ ہرا دھنیا سے گارنش کریں پوری یا پراٹھوں کے سات سرو کریں۔

طلعت نظامی ...... کراچی

ہرا بھرا کباب

اشیا:۔

آلو	چار عدد

مٹر	ایک کپ
پالک	سو گرام
ہری مرچ (چوپ کی ہوئی)	ایک کھانے کا چمچ
ہرا دھنیا (چوپ کیا ہوا)	دو کھانے کے چمچ
ادرک (چوپ کی ہوئی)	ایک کھانے کا چمچ
چاٹ مصالحہ	ایک کھانے کا چمچ
نمک	حسب ذائقہ
کارن فلور	دو کھانے کے چمچ
تیل	تلنے کے لیے

ترکیب:۔

آلوؤں کا چھلکا اتار کر کش کرلیں، مٹر کو میش کرلیں، پالک کو پہلے نمکین پانی میں ڈالیں اس کے بعد ٹھنڈے پانی میں ڈالیں اور پھر اس کا اضافی پانی نچوڑ کر اچھی طرح چوپ کرلیں۔ کش کیے ہوئے آلو، مٹر اور پالک کو ایک ساتھ مکس کرلیں، اس میں چوپ کی ہوئی ہری مرچ، ہرا دھنیا، ادرک، چاٹ مصالحہ اور نمک شامل کرلیں اس کے بعد کارن فلور مکس کرکے اچھی طرح ملالیں۔ اس مکسچر کو پچیس برابر مقدار کے حصوں میں تقسیم کرلیں اور کباب بنالیں۔ کڑاہی میں تیل گرم کرکے چار منٹ کے لیے ڈیپ فرائی کرلیں، تیار ہوجائیں تو کڑاہی سے نکال کر کیچپ کے ساتھ سرو کریں۔

نزہت جبین ضیاء.....کراچی

گاجر کا حلوہ

اشیا:۔

گاجر	ایک کلو
دودھ	دو لیٹر
کھویا	آدھا پاؤ
گھی	ایک پاؤ
چینی	ڈیڑھ پاؤ
یا اپنی پسند کے مطابق کم یا زیادہ	
گری بادام	ایک چھٹانک
سبز الائچی	پانچ عدد
پستہ	آدھی چھٹانک
کیوڑا	چار بڑے چمچ
چاندی کے ورق	حسب ضرورت

ترکیب:۔

گاجروں کو چھیل کر اس کا درمیانی سخت حصہ نکال دیں اور پھر گاجروں کو کدوکش کرلیں، انہیں دودھ میں ڈال کر چولہے پر رکھ دیں جب دودھ گاجروں میں حل ہوجائے تو چینی ڈال کر خشک کرلیں۔ اب فرائی پین یا کڑاہی میں الائچی کے دانے ڈال کر انہیں گرم ہونے دیں اور پھر کھویا ڈالیں اور اچھی طرح بھونیں اس پر گاجریں ڈالیں اور بھونتے جائیں۔ اس وقت تک کہ گاجر گھی چھوڑ دے اور خوشبو آنے لگے۔ ثابت بادام اور کیوڑہ ڈالیں اور نیچے اتار لیں، بچے ہوئے بادام اور پستہ کاٹ کر حلوے کے اوپر چھڑکیں اور اس پر چاندی کے ورق لگائیں۔

سیدہ ضوباریہ.....پشین

بادام کا حلوہ

اشیا:۔

بادام کی گری	ایک کلو
گھی	ایک پاؤ
بالائی	ایک پاؤ
چینی	ڈیڑھ کلو
کھویا	آدھا پاؤ
سبز الائچی	چند دانے
کشمش	ایک چمچ
لونگ	دو عدد
پستہ	چند دانے
کیوڑا	ایک چمچ
زعفران	چند چٹکی

ترکیب:۔

بادام کی گری کو پانی میں بھگو کر چھلکا اتار لیں اور باریک پیس لیں، بالائی پھینٹ لیں کھویا بھی مسل کر بالائی میں ڈال کر پھینٹیں، ساتھ میں چینی بھی شامل کرلیں۔

کشمش کو پھولنے تک پانی میں بھیگا رہنے دیں' کھلے منہ کی دیگچی میں گھی کو گرم کریں اور سبز الائچیاں اور لونگ ڈال کر خوب بھونیں' تھوڑی دیر بعد پسے ہوئے بادام ڈال دیں اور انہیں بھی بھونتے جائیں اس کے ساتھ بالائی کھوئے اور چینی کا آمیزہ ڈال دیں۔ کشمش اور پستہ بھی ڈال دیں' آنچ دھیمی رکھیں' پانی خشک ہوکر جذب ہونے لگے اور حلوہ گھی چھوڑنے لگے تو کیوڑا ڈال کر اتار لیں کچھ دیر یوں ہی پڑا رہنے دیں۔ اب ایک ڈش میں نکال کر اس پر چاندی کے ورق لگائیں اور پستہ بھی چھڑ دیں۔

نازیہ عباسی...... ٹھٹھہ

کھجور کا حلوہ

اشیا:۔

تازہ کھجور	آدھا کلو
دودھ	دو لیٹر
بالائی	ایک پاؤ
چنے کی دال	ایک پاؤ
گھی	ایک پاؤ
کیوڑا	آدھا کلو
بادام کی گری	ایک چھٹانک
پستہ	چند دانے
سبز الائچی	چند دانے
لونگ	دو عدد

ترکیب:۔

کھجوروں کو دھو کر گٹھلی نکال لیں' چنے کی دال چن کر دو گھنٹے بھگوئے رکھیں پھر اس کو دودھ میں جوش دے دیں۔ دانے گل جائے تو اتار لیں اور دودھ میں سے نکال کر باریک پیس لیں' کھجوروں کو بھی اچھی طرح ہاتھوں سے مسل کر دال میں ملا لیں' پتیلے میں گھی کو گرم کریں اور اس میں الائچی اور لونگ کو بھون لیں' پستہ اور بادام بھی ساتھ ہی ڈال لیں اس کے بعد ملی ہوئی دال اور کھجوریں ڈال کر بھونیں جس دودھ میں دال ابالی تھی اس میں چینی اور بالائی کو پھینٹ کر ڈالیں۔ چمچہ چلاتے رہیں اور ہلکی آنچ پر پکنے دیں' شیرہ گاڑھا ہوکر جذب ہونے لگے اور دودھ خشک ہوجائے' گھی اور حلوہ کو چھوڑنے لگے تو کیوڑا ڈالیں' چند منٹ تک ڈھکا رہنے دیں' ڈش میں نکالیں چاندی کے ورق لگائیں۔ بادام اور پستہ اپنے ذوق کے مطابق سجائیں اور چاہے تو گلاب کی پتیاں اور کھوپرے کی قاشیں باریک کر کے چھڑک دیں۔

رخسانہ اقبال...... خوشاب

شکر قند کا حلوہ

اشیا:۔

شکر قند	آدھا کلو
گھی	ایک پاؤ
چینی	آدھا کلو
کھوپرا	دو چھٹانک
سبز الائچی	چند عدد
بادام کی گری	ایک چھٹانک
کیوڑا	ایک بڑا چمچ
پستہ	دو تولہ

ترکیب:۔

شکر قند کو دھو کر ابالیں نرم ہوجائے تو چھیل کر پیس لیں' گھی کو گرم کریں اور سبز الائچی کے دانے بھون لیں' ساتھ میں کھوپرا بھی ڈال لیں۔ اس کے بعد پسی ہوئی شکر قند بھونیں ساتھ تھوڑا تھوڑا کر کے دودھ ڈالتے جائیں' خشک ہونے پر چینی شامل کریں اور چمچہ چلاتے رہے آنچ ہلکی رہے۔ چینی کا شیرہ گاڑھا ہوکر جذب ہونے لگے تو بادام اور پستہ ڈال دیں' حلوہ گاڑھا ہوکر گھی چھوڑنے لگے تو اتار کر کیوڑا ڈال دیں چند منٹ تک ڈھکنا نہ اٹھائیں' ڈش میں حلوہ ڈال کر اس پر چاندی کے ورق لگائیں۔ بادام اور پستہ بھی چھڑکیں اور سیب یا کینو کی قاشیں بھی سجالیں' لذب کام و دہن میں اضافہ ہوگا۔

حنا اشرف...... کوٹ ادو

آرائش حسن

حدیقہ احمد

سرد موسم میں جلد کی حفاظتی تدابیر

سرد موسم کئی طرح سے دہشت ناک ہوتا ہے کیونکہ اس میں خواتین کے لیے کئی طرح کے چیلنج چھپے ہوتے ہیں۔

تاہم اگر آپ کچھ حفاظتی تدابیر اختیار کریں تو آپ کو یہ سرد موسم اچھا لگنے لگے گا۔ اس موسم میں جیسا کہ سب جانتے ہیں کہ جلد کو ضرورت سے زیادہ دیکھ بھال کی ضرورت ہوتی ہے کیونکہ تیل پیدا کرنے والے غدود جو کہ جلد کے بالکل نیچے ہوتے ہیں ان کی فعالیت میں کمی آجاتی ہے اور یہ کم نمی پیدا کرنے لگتے ہیں۔ یہ اور خشک ہواؤں کے اثرات دونوں مل کر جلد پر باریک باریک لکیریں بنانے لگتے ہیں اور جلد کی کئی بیماریوں مثلاً خارش، سوجن، کھردرا پن اور ایگزیمہ بھی ہوجاتا ہے۔

ان سب سے لڑنے کا پہلا اور اچھا طریقہ یہ ہے کہ صابن کا استعمال ترک کردیا جائے کیونکہ صابن، جلد کی چکنائی کو کم کرنے اور بعض اوقات خشک کرنے کا باعث بنتا ہے۔ اس کی بجائے ملک کریم کا استعمال کریں اور اگر ممکن ہو تو اس میں لیموں کے چند قطرے اور چٹکی بھر ہلدی بھی شامل کرلیں۔ کاسمیٹکس، ہیئر ڈائز اور اسپرے زیادہ گرم پانی سے غسل اور بالوں میں پرفیوم اسپرے...... یہ سب بھی بالوں کو خشک کرتے ہیں۔ ہر رات بستر پر دراز ہونے سے قبل ایک ٹیبل اسپون ملک کریم لے کر اس میں چند قطرے گلیسرین، زیتون کا تیل اور عرق گلاب کا ڈال کر اچھی طرح مکس کرلیں اور اسے پورے چہرے، گردن اور ہاتھوں پر لگائیں۔ ساری رات لگا رہنے دیں، صبح کے بعد ٹشو پیپر کی مدد سے ہولے ہولے صاف کرلیں۔ اس کے بعد گرم پانی سے چہرے کو دھوئیں اور بعد میں ٹھنڈے پانی سے کھنگال لیں، تھپکنے والے انداز میں تولیہ سے پانی خشک کرلیں۔

غسل کرنے سے قبل اپنے جسم کو زیتون یا ناریل تیل میں عرق گلاب کے چند قطرے ڈال کر اچھی طرح مکس کرکے مالش کریں۔ اس سے آپ کی جلد ملائم اور شگفتہ ہوجائے گی اگر جلد چھلکے کی طرح نظر آنے لگے تو اپنی غذا میں وٹامن اے کا استعمال زیادہ سے زیادہ کریں، جلد کے نیچے موجود چکنائی کو یہ وٹامن برقرار رکھتا ہے اور یوں جلد خشک ہوکر پھٹنے سے محفوظ رہتی ہے اگر جلد کی حالت زیادہ خراب ہے تو ایسے میں وٹامن کی گولیاں بھی لی جاسکتی ہیں تاہم بعض اوقات یہ وٹامن فاسد مادہ بھی پیدا کرتا ہے اگر زیادہ لیا جائے تو...... بہتر ہوگا کہ کسی ڈاکٹر سے مشورے کے بعد اس کا استعمال کیا جائے۔

سردیوں میں جلد ایک اور بیماری کا عموماً شکار ہوتی ہے اور وہ ہے ایگزیمہ...... ابتدا میں جلد کی سطح سرخ ہوتی ہے اور پھر خشک ہونے لگتی ہے اس کے بعد یہ کھردری ہوکر پھٹنے لگتی ہے، ذیل میں اس سلسلے میں دو نہایت آزمودہ نسخے بتائے جارہے ہیں، اخروٹ ایک عدد لے کر اسے گرائنڈ کرکے پیسٹ کی طرح بنالیں۔ اس کے بعد اس میں سے تیل کشید کریں اور روزانہ اسے متاثرہ حصے پر دو چار بار لگائیں اگر اس سے فائدہ نہ ہو تو ایک خشک ناریل لے کر چمٹے کی مدد سے پکڑ کر اسے آگ کے اوپر تھامے رکھیں جب اس کے چھلکے جل کر سیاہ ہونے لگیں تب اسے کسی ٹن پلیٹ میں فوراً کسی چیز سے ڈھک دیں جب آپ ڈھکن کو چند سیکنڈ کے بعد اٹھائیں گی تو اس پر آپ کو تیل کی ایک تہہ جمی ہوئی نظر آئے گی۔ ایک ہفتہ تک اسے متاثرہ حصے پر روزانہ دو بار لگائیں آپ کو یقیناً افاقہ ہوگا۔ سردیوں میں خارش کی بھی شکایت عام ہوتی ہے اس کے لیے ایک ٹیبل اسپون صندل کا تیل لیں اور اسے ہم وزن ناریل کے تیل میں مکس کرکے خارش والی جگہ پر لگایا جائے تو ایک بار لگانے سے آرام آجاتا ہے۔

ایک اور خارش ہوتی ہے جو صرف سردیوں میں ہی ہوتی ہے اور اسی لیے ونٹر اچنگ کہا جاتا ہے جب جلد

زیادہ خشک ہوجائے تو ایسا ہوتا ہے اس کے ہونے کی دوسری وجہ ضرورت سے زیادہ گرم کپڑوں، گرم ٹوپی، گرم پانی سے نہانا، دھوپ میں کم نکلنا، پسینہ خارج نہ ہونا، صابن کا زیادہ استعمال، خوشبو کا زیادہ استعمال اور غیر متوازن غذائیں اس سے ہاتھ اور پاؤں زیادہ متاثر ہوتے ہیں۔

اس مسئلہ پر قابو پانے کے لیے غسل کرنے سے قبل دو ٹیبل اسپون دہی اور زیتون کا تیل لے کر مکس کریں اور پھر اس میں چند قطرے عرق گلاب ڈال کر ایک بار پھر اچھی طرح مکس کرلیں اور غسل سے قبل اسے پورے جسم پر لگائیں، پہلے کوئی سوتی کپڑا پہنیں پھر گرم لباس، گرم پانی سے غسل کم سے کم کریں اور یہی بات صابن کے لیے بھی کہی جائے گی۔ گولی کی شکل میں وٹامن اے استعمال کریں اور روزانہ کم سے کم ایک گھنٹہ دھوپ میں گزاریں، یہ عارضہ گرمی کے آتے ہی خود بخود ختم ہوجاتا ہے کیونکہ پسینہ کا اخراج جلد کو نرم اور نم کردیتا ہے۔

اگر پاؤں کے تلوے کی کھال سخت ہو کر پھٹنے لگی ہے تو اسے صابن ملے پانی سے رگڑ کر دھوئیں اور جھاواں پتھر کا ہی استعمال کریں۔ غسل کرنے کے بعد پاؤں کو اچھی طرح خشک کریں، خاص کر انگلیوں کے درمیان نمی کو تاکہ یہ پھٹنے سے محفوظ رہیں۔ کھال اور جلد کو نرم رکھنے کے لیے زیتون یا ناریل کے تیل سے مساج کریں۔ اس عمل سے خون کی گردش میں بھی اضافہ ہوگا باہر سے آنے کے بعد ہر دوسرے دن پاؤں کو غسل دیں یعنی ان کو گرم اور صابن ملے پانی سے دھوئیں، خشک کریں اور پانچ منٹ تک ان کا استعمال کریں اور پھر گرم موزے پہنیں۔ تلوؤں کو پھٹنے سے بچانے کے لیے یہ بہت ضروری ہے۔

اگر آپ کے ہونٹ ادھڑنے یا پھٹنے لگتے ہیں تو گلاب کا پھول لے کر اس کے پتیوں کو گرائنڈ کرکے پیسٹ بنالیں اس میں تھوڑے سی دودھ کی ملائی مکس کریں اور رات کو سونے سے قبل اس مکسچر کو ہونٹوں پر لگالیں اس سے ہونٹ نرم اور خوب صورت رہیں گے۔ سردیوں میں منہ کے اطراف بھی جلد کے خشک ہونے اور پھٹنے کی شکایت عام ہوتی ہے اس مسئلہ کا حل وٹامن بی کی گولیاں ہیں، ہاتھوں کو کٹنے پھٹنے سے بچانے کے لیے باہر نکلتے وقت گرم دستانے جبکہ گھریلو کام کرتے وقت ربڑ کے دستانے استعمال کریں۔ ہر وقت سونے سے قبل لیموں کا رس، گلیسرین، عرق گلاب اور کولون ہم وزن لے کر مکس کرلیں اور ہاتھوں پر لگالیں۔ گھریلو کام سے فارغ ہوکر ہاتھوں پر گلیسرین اور شکر ہاتھوں پر رگڑیں، ایک دو منٹ کے بعد ہاتھ دھولیں اس سے ہاتھوں کی جلد اور ہاتھ دونوں ملائم رہیں گے۔

سردیوں میں بالوں کی اچھی خاصی شامت آجاتی ہے یہ خشک ہوکر کمزور اور ٹوٹ پھوٹ کا شکار ہوجاتے ہیں۔ بالوں کو چمک دار اور صحت مند رکھنے کے لیے تھوڑا ناریل کا تیل لیں، بالوں کو دو حصوں میں تقسیم کریں اور ہر حصے کو انگلی کی مدد سے تیل کے ذریعے تر کردیں۔ یہ عمل تب تک کریں جب تک بال نوک سے لے کر جڑ تک اچھی طرح تیل سے گیلے نہ ہوجائیں اب گرم تولیہ سر پر لپیٹ لیں تاکہ کھوپڑی دیر تک گرم رہے۔ آدھ گھنٹہ کے بعد بالوں میں تیل جذب ہوچکا ہوگا انہیں شکاکائی سے دھولیں۔

سرد ہواؤں سے جلد کو محفوظ رکھنے کے لیے موئسچرائزڈ فاؤنڈیشن کا استعمال کریں، ہونٹوں پر زرد اور ہلکے رنگ آپ کو کمزور اور بیمار ظاہر کریں گے ان پر لپ گلوس یا تھوڑی سی ویسلین لگالیں تاکہ یہ نرم رہیں، متوازن اور صحت بخش غذا استعمال کریں تاکہ سردیوں میں ہونے والی بیماریوں سے آپ کا جسم لڑ سکے۔

غزل

دل ویراں ہے، تیری یاد ہے، تنہائی ہے
زندگی درد کی بانہوں میں سمٹ آئی ہے
مرے محبوب زمانے میں کوئی تجھ سا کہاں
تیرے جانے سے میری جان پہ بن آئی ہے
ایسا اجڑا ہے امیدوں کا چمن تیرے بعد
پھول مرجھائے، بہاروں پہ خزاں چھائی ہے
چھا گئے چاروں طرف اندھیرے سائے
میری تقدیر میرے حال پہ شرمائی ہے
دل ویراں ہے، تیری یاد ہے، تنہائی ہے

شاعر: خواجہ پرویز
انتخاب: ثمرین فرقان...... چیچہ وطنی

نظم

گلاب چہرے پہ مسکراہٹ
چمکتی آنکھوں میں شوخ جذبے
وہ جب بھی کالج کی سیڑھیوں سے
سہیلیوں کو لیے اترتی
تو ایسے لگتا کہ جیسے دل میں اتر رہی ہو
کچھ اس یقین سے بات کرتی
کہ جیسے دنیا اسی کی آنکھوں سے دیکھتی ہے
وہ اپنے رستے پر دل بچھاتی ہوئی
نگاہوں سے ہنس کے کہتی
تمہارے جیسے بہت سے لڑکوں سے میں یہ باتیں
بہت سے برسوں سے سن رہی ہوں
میں ساحلوں کی ہوا ہوں، نیلے سمندروں کے لیے بنی
ہوں
وہ ساحلوں کی ہوا سی لڑکی
جو راہ چلتی تو ایسا لگتا کہ جیسے دل میں اتر رہی ہو
وہ کل ملی تو اسی طرح تھی
گلاب چہرے پہ مسکراہٹ، چمکتی آنکھوں میں شوخ جذبے
کہ جیسے چاندی پگھل رہی ہو
مگر جو بولی تو اس کے لہجے میں وہ تھکن تھی
کہ جیسے صدیوں سے دشت ظلمت میں چل رہی ہو

شاعر: امجد اسلام امجد
انتخاب: پروین افضل شاہین...... بہاولنگر

غزل

جانے کیا بات ہوئی ہے جو خفا بیٹھا ہے
مجھ میں اک شخص بغاوت پر تُلا بیٹھا ہے
وہ پرندہ جسے پرواز سے فرصت ہی نہ تھی
آج تنہا ہے تو دیوار پر آبیٹھا ہے
بولتا ہے تو مجھے اذن خموشی دے کر
کون ہے جو پس اظہار چھپا بیٹھا ہے
تم بھی منجملہ ارباب جفا نکلے ہو
تم تو کہتے تھے ہر دل میں خدا بیٹھا ہے
تھک گیا دشت طلب میں تو سوالی بن کر
میرا سایہ میری دہلیز پر آبیٹھا ہے
تُو کتابوں میں کسے ڈھونڈتا رہا سلیم
یہ تُو کیا روگ میرے یار لگا بیٹھا ہے

شاعر: سلیم کوثر
انتخاب: مدیحہ نورین مہک...... برنالی

غزل

پھر وہ کیمپس کی فضا ہو شام ہو
ہاتھ ہاتھوں میں ترا ہو شام ہو
خوف آتا ہے مجھے اس وقت سے
راستہ نہ مل رہا ہو شام ہو
کس قدر بے کیف گزرے گی وہ شام
تو مجھے بھولا ہوا ہو شام ہو
کیوں نہ مجھے شدت سے یاد آئے گاؤں
شہر کا بنجر پناہ ہو شام ہو
ہو رہی ہو تیری تصویروں سے بات

تیرا خط کھولا ہوا ہو شام ہو
سردیاں، بارش، ہوا، چائے کا کپ
وہ مجھے یاد آرہا ہو شام ہو
درد و غم کی دھند میں لپٹا ہوا
قافلہ ساحل پڑا ہو شام ہو
یا الٰہی ایسے لمحے سے بچا
وہ کبھی مجھ سے خفا ہو شام ہو
اک یہی خواہش نہ پوری ہوسکی
تو کلیجے سے لگا ہو شام ہو

شاعر: وصی شاہ

انتخاب: حرا رمضان......اختر آباد

غزل

ہجر میں خون رلاتے ہو کہاں ہوتے ہو؟
لوٹ کر کیوں نہیں آتے ہو کہاں ہوتے ہو؟
جب بھی ملتا ہے کوئی شخص بہاروں جیسا
مجھ کو تم کیسے بھلاتے ہو؟ کہاں ہوتے ہو؟
مجھ سے بچھڑے ہو تو محبوب نظر ہو کس کے؟
آج کل کس کو مناتے ہو کہاں ہوتے ہو؟
شب کی تنہائی میں اکثر یہ خیال آتا ہے
اپنے دکھ کس کو سناتے ہو کہاں ہوتے ہو؟
تم تو خوشیوں کی رفاقت کے لیے بچھڑے تھے
اب اگر اشک بہاتے ہو تو کہاں ہوتے ہو؟

شاعر: سعید واثق

انتخاب: شگفتہ خان......بھلوال

غزل

پھر کوئی نیا زخم، نیا درد عطا ہو
اس دل کی خبر لے جو تجھے بھول چلا ہو
اب دل میں سرِ شام چراغاں نہیں ہوتا
شعلہ تیرے غم کا کہیں بجھنے نہ لگا ہو
کب عشق کیا، کس سے کیا، جھوٹ ہے یارو
بس بھول بھی جاؤ جو کبھی ہم سے سنا ہو
اب میری غزل کا بھی تقاضہ ہے یہ تجھ سے
انداز و ادا کا کوئی اسلوب نیا ہو

اطہر نفیس

جویریہ ضیاء......کراچی

نظم

دلِ من مسافرِ من

مرے دل، مرے مسافر
ہوا پھر سے حکم صادر
کہ وطن بدر ہوں، ہم تم
دیں گلی گلی صدائیں
کریں رُخ نگر نگر کا
کہ سراغ کوئی پائیں
کسی یارِ نامہ بر کا
ہر اک اجنبی سے پوچھیں
جو پتا تھا اپنے گھر کا
سرِ کوئے ناشنایاں
ہمیں دن سے رات کرنا
کبھی اِس سے بات کرنا
کبھی اس سے بات کرنا
تمھیں کیا کہوں کہ کیا ہے
شبِ غم بری بلا ہے
ہمیں یہ بھی تھا غنیمت
جو کوئی شمار ہوتا
ہمیں کیا برا تھا مرنا
اگر ایک بار ہوتا

فیض احمد فیض

طلعت نظامی......کراچی

جاتے جاتے آپ اتنا کام تو کیجیے میرا
یاد کا سارا سروسامان جلاتے جائیں
رہ گئی امید تو برباد ہو جاؤں گا میں
جایئے تو پھر مجھے سچ مچ بھلاتے جائیں

جون ایلیا

رخسانہ اقبال......خوشاب

غزل

درد اتنا دل نہیں سہہ پائے گا
آنکھ کے رستے سے باہر آئے گا
آپ اپنا سب پہ کر دے گا عیاں
ایک قطرہ گال پر بہہ جائے گا
درد اگ آئے گا دل میں کو بکو
یوں تیرا رخ موڑنا ترسائے گا
لاج رکھ لے گا میرے دکھ درد کی
ایک آنسو ترجماں بن جائے گا
روک نہ مجھ کو بہانے دے مجھے
بہہ نہ زخم پھر ہو جائے گا
روز کا عرشی یہ مرنا اور پھر
مسکرانا زندگی کہلائے گا

عرشی ہاشمی...... آزاد کشمیر

سدرہ شاہین...... پیرووال

ہمیں محسوس ہوتا ہے
زمانے کی طرح تم بھی
محبت کے حسین خاموش جذبوں کو
لفظوں کو زباں دے کر
بہت کچھ سننا چاہتے ہو
مگر اپنی طبیعت کہ
ہمیں اظہار جذبوں کا
کبھی اچھا نہیں لگتا
سنا ہے پیار کا دن ہے
تو ہم اپنی طبیعت کا
پسند و ناپسند اب کے
بالائے طاق رکھتے ہیں
تمہیں ہم پیار کرتے ہیں
تمہاری ہے خوشی اس میں
تو کہنے میں حیا کیسی
چلو ہم کہہ ہی دیتے ہیں

ہمیں تم سے محبت ہے

شاعرہ...... نگینہ شاہ

حنا احمد...... کراچی

برسوں کے بعد دیکھا اک شخص دلربا سا
اب ذہن میں نہیں ہے پر نام تھا بھلا سا
ابرو کھنچے کھنچے سی، آنکھیں جھکی جھکی سی
باتیں رکی رکی سی، لہجہ تھکا تھکا سا
الفاظ تھے کہ جگنو آواز کے سفر میں
بن جائے جنگلوں میں جس طرح راستہ سا
خوابوں میں خواب اس کے یادوں میں یاد اس کی
نیندوں میں گھل گیا ہو جیسے کہ رات جاگا سا
پہلے بھی لوگ آئے کتنے ہی زندگی میں
وہ ہر طرح سے لیکن اوروں سے تھا جدا سا
اگلی محبتوں نے وہ نامرادیاں دیں
تازہ رفاقتوں سے دل تھا ڈرا ڈرا سا
کچھ یہ کہ مدتوں سے ہم بھی نہیں تھے روئے
کچھ زہر میں بجھا تھا احباب کا دلاسہ
پھر یوں ہوا کہ ساون آنکھوں میں آ بسے تھے
پھر یوں ہوا کہ جیسے دل بھی تھا آبلہ سا
اب سچ کہیں تو یارو ہم کو خبر نہیں تھی
بن جائے گا قیامت اک واقعہ ذرا سا
تیور تھے بے رخی کے انداز دوستی کا
وہ اجنبی تھا لیکن لگتا تھا آشنا سا
ہم دشت تھے کہ دریا، ہم زہر تھے کہ امرت
ناحق تھا زعم ہم کو جب وہ نہیں تھا پیاسا
ہم نے بھی اس کو دیکھا کل شام اتفاقاً
اپنا بھی حال ہے اب لوگو ''فراز'' کا سا

احمد فراز

عائشہ سلیم...... کراچی

akphijab@gmail.com

آکسیجن

اگر آکسیجن زمین سے صرف پانچ منٹ کے لیے ختم ہوجائے تو......

کنکریٹ سے بنی تمام بلڈنگ گر جائیں کیونکہ آکسیجن انہیں اکٹھے رہنے میں مددگار ہے۔

تمام سمندروں سے پانی اڑ جائے کیونکہ آکسیجن کے بعد اس میں صرف ہائیڈروجن رہ جائے گی۔

ہم سب کے کانوں کے پردے پھٹ جائیں گے کیونکہ ہم ہوا کا 21% دباؤ کھودیں گے۔

زمین کھردری ہوجائے گی کیونکہ زمین کا 45% حصہ آکسیجن سے بنا ہے۔

تو تم اپنے پروردگار کی کون کون سی نعمت کو جھٹلاؤ گے۔

شگفتہ خان...... بھلوال

اللہ تبارک وتعالیٰ کے نام

ملے جہاں سے کسی کو کانٹے، کسی کے حصے گلاب ٹھہرے
جسے وہ چاہے نوازتا ہے، یہ میرے رب کے حساب ٹھہرے
بڑا رحیم و کریم ہے وہ، جسے بھی دے دے یہ اس کی مرضی
کسی کے حصے ثواب لکھ دے، کسی کے حصے عذاب ٹھہرے
یہ اپنی تقدیر سے ملا ہے، کسی کو دریا، کسی کو صحرا
کوئی ترستا ہے بوند بھر کو، کسی کے حصے سیلاب ٹھہرے
زمانے بھر میں جہاں بھی دیکھو کوئی ہے جگتا، کوئی ہے سوتا
کسی کے حصے میں رت جگے تو، کسی کے حصے میں خواب ٹھہرے

تسلیم شہزادی...... کمالیہ

تین چیزیں

❖ تین چیزیں کبھی زیادہ مت کر
انتظار...... اعتبار...... اظہار
کامیاب رہو گے۔

❖ تین چیزیں سنبھال کے رکھنا
راز...... زبان...... حیا
کبھی نہیں پچھتاؤ گے۔

❖ تین کاموں میں جلدی کرو
فرض...... قرض...... شادی
سکون ملے گا۔

❖ تین دوست بنالو:۔
حسن اخلاق...... قرآن...... نیک عمل
کبھی تنہا نہیں رہو گے۔

مدیحہ نورین مہک...... برنالی

حقیقت

انسان پوری زندگی میں تین چیزوں کے لیے محنت کرتا ہے۔

میرا نام اونچا ہو۔
میرا لباس سب سے اچھا ہو۔
میرا مکان سب سے خوب صورت ہو۔

لیکن مرنے کے بعد اللہ تعالیٰ سب سے پہلے تینوں چیزوں کو بدل دیتا ہے۔

نام...... مرحوم
لباس...... کفن
مکان...... قبر

پھر اے انسان تو کس چیز پر غرور کرتا ہے۔

نورین انجم اعوان...... کراچی

پانچ تاریکیاں اور پانچ چراغ

حضرت ابوبکر صدیقؓ فرماتے ہیں کہ پانچ تاریکیاں ہیں اور ان کے لیے پانچ چراغ ہیں۔

❖ گناہ تاریکی کی مانند ہے اور توبہ اس تاریکی کا چراغ ہے۔

❖ قبر تاریکی کی مانند ہے اور اللہ رب العزت کا ذکر اس کے چراغ کی مانند ہے۔

❖ قیامت تاریکی کی مانند ہے اور نیک اعمال اس کے چراغ کی مانند ہے۔

❖ میزان تاریکی کی مانند ہے اور کلمہ پڑھنا اس کا

چراغ ہے۔
❖ پل صراط تاریکی کی مانند ہے اور تقویٰ اختیار کرنا اس کا چراغ ہے۔
اردیٰ مختار...... میاں چنوں

اہم بات
دنیا میں دو طرح کے لوگ ہوتے ہیں' ایک حوصلہ توڑنے والے...... دوسرے بڑھانے والے
لیکن دیکھنا یہ ہے کہ آپ کس کی بات پر عمل کرتے ہیں۔
زرینہ...... وندہ شاہ بلاول

تین چیزیں
⌘ تین چیزیں ایک جگہ پر پیدا ہوتی ہیں۔
پھول...... کانٹے...... خوشبو۔
⌘ تین چیزیں ہر ایک کو ملتی ہیں۔
خوشی...... غم...... موت۔
⌘ تین چیزیں ہر ایک کی دعا ہوتی ہیں۔
صورت...... سیرت...... قسمت۔
⌘ تین چیزوں کو کبھی چھوٹا مت سمجھو۔
قرض...... فرض...... مرض۔
⌘ تین چیزیں اللہ کو بہت پسند ہیں۔
گرمی کا روزہ...... سردی کا وضو...... جوانی کی عبادت۔
اقراء وکیل رحمانی...... للیانی' سرگودھا

بیگم کیا ہے؟
جو عورت بات کم کرے اور چیخے چلائے زیادہ اس کو بیگم کہتے ہیں۔
شادی ایک ایسا غسل ہے جس میں بیگم کے ڈسٹر سے زندگی کے بلیک بورڈ سے ماں باپ کے پیار کو ختم کر دیتا ہے۔
دنیا کی وہ واحد عورت جس کو آپ ساری زندگی متاثر نہیں کر سکتے وہ آپ کی بیگم ہے۔
بیگم دنیا کی سب سے بڑی اداکارہ ہے' یقین نہ آئے تو شوہر سے پوچھ لیجیے۔
بیگم کی نظر اتنی کمزور ہے کہ اس کو اپنا باپ نظر نہیں آتا مگر اس کو اپنے شوہر کی جیب صاف نظر آجاتی ہے۔
بیگم فقیر کی ہو یا بادشاہ کی ہو' شوہر کو اپنا غلام سمجھنا اپنا فرض سمجھتی ہے۔
بیگم سترہ سال کی ہو یا ستر سال کی ہو اس سے کوئی فرق نہیں پڑتا۔
مسکین اور معصوم شوہر اگر چاہتے ہیں کہ بیگم سے جھگڑا نہ ہو تو اپنی آنکھیں بند اور جیب کھلی رکھیں۔
(تمام بیگمات سے معذرت)
نجم انجم اعوان...... کورنگی' کراچی

افسانچہ
مجھے تم سے محبت ہے نہیں محبت کی حدوں
سے بھی آگے عشق' ہاں مجھے تم سے عشق
ہے اور ہو بھی کیوں نا تم میرے ساتھی
ہمدم ہمراز دوست سب کچھ ہو
اندھیری راتوں میں میرے آنسو
جذب کرتے مجھے تمہاری عادت
سی ہو چلی ہو تمہارے بنا مجھے نیند نہیں آتی
تم سے بہت محبت ہے میں ملی
الا اعلان اعتراف کرتی ہوں
اے میرے تکیے مجھے تم سے بہت
محبت ہے' مجھے اپنے تکیے سے
بہت محبت ہے
کے ایم نور الشال مقامی...... کھڈیاں خاص

عقیدہ
ایک بار تمام گاؤں والوں نے فیصلہ کیا کہ بارش کے لیے دعا کریں' دعا کے دن تمام لوگ اکٹھے ہوئے اور صرف ایک بچہ چھتری کے ساتھ آیا "یہ تھا پختہ عقیدہ" کہ اللہ ضرور بارش دے گا جس سے بڑے محروم ہیں۔

یقین
جب ایک سال کے بچے کو ہوا میں اچھالا جاتا ہے تو

وہ ہنستا ہے کیونکہ وہ جانتا ہے اسے کیچ کرلیا جائے گا اور یہ ہے یقین۔

امید

ہم رات بستر پر جاتے ہیں ہمیں یقین نہیں ہوتا ہے کہ ہم کل صبح زندہ اٹھیں گے لیکن اس کے باوجود ہم آنے والے کل کے لیے پلان بناتے ہیں اسے امید کہتے ہیں۔

فاطمہ اینڈ رومی انصاری......لاہور

انمول موتی

وقت دکھائی نہیں دیتا مگر پھر بھی کیا کیا دکھا دیتا ہے۔

چاہے انسان اعلان کرتا پھرے یا عمر بھر اسے راز رکھے جو بھی چیز اس کی کمزوری بن جائے مات وہ اسی کے ہاتھوں کھاتا ہے۔

بعض لوگوں کا گمان ہے کہ مضبوط ہونے کا مطلب درد محسوس نہ کرنا جبکہ مضبوط وہی بنتا ہے جو سب سے زیادہ درد سہتا ہے سمجھتا ہے قبول کرتا ہے۔

ہر شخص اس قابل نہیں ہوتا کہ اس کے دل پر محبت کا الہام اترے۔

کبھی ایسا بھی ہوتا ہے کہ سکون کے لیے دوا کی نہیں کسی کے لفظوں کی ضرورت ہوتی ہے۔

فرحین عمران......کراچی

سنہری باتیں

خدا پر بھروسہ کرنا اس پرندے سے سیکھو جو شام کو اپنے گھر کو لوٹتا ہے تو اس کی چونچ میں کل کے لیے کچھ نہیں ہوتا۔

جہاں نماز پڑھو اس جگہ تھوڑی دیر بیٹھ جاؤ تاکہ بدن کے تمام حصوں میں سکون پیدا ہو جائے۔

پھر نماز کے لیے کھڑے ہو جاؤ اور اس طرح خیال کرو کہ کعبہ تمہارے سامنے ہے پل صراط پاؤں کے نیچے ہے۔ جنت تمہارے دائیں طرف اور جہنم بائیں طرف ہے اور موت کا فرشتہ تمہارے پیچھے کھڑا ہے اور یہ سمجھو کہ یہ تمہاری زندگی کی آخری نماز ہے فضول خیالات سے نجات ملے گی۔

اچھے وقت کی ایک خامی ہے کہ جلد گزر جاتا ہے اور برے وقت کی خوبی یہ ہے کہ ہمیشہ نہیں رہتا۔

رومی انصاری......لاہور

انمول

گزشتہ برس
سب سے انمول تھا
تمہاری یاد میں
چشم سے چھلک کر
میرے دامن میں
جذب ہوتا
اک آنسو......!!

شمع مسکان......جام پور

مہکتی کلیاں

⌘وہ گناہ سب سے بڑا ہے جو کرنے والے کے نزدیک چھوٹا ہو۔

⌘ضمیر کی عدالت میں ضرور جایئے وہاں کبھی غلط فیصلے نہیں ہوتے۔

⌘اہم بات یہ نہیں کہ ہم ہار گئے ہیں بلکہ اہم بات یہ ہے کہ ہارنے کے بعد ہمت تو نہیں ہار گئے۔

⌘اپنی زبان کو دوسروں کے عیبوں سے آلودہ نہ کرو کیونکہ عیب دار تم بھی ہو اور زبان والے وہ بھی ہیں۔

⌘سب سے مشکل احتساب اپنی اصلاح ہے دوسروں کو تو سب برا کہہ لیتے ہیں۔

سیدہ لوبا سجاد......کھروڑ پکا

انسان کا دشمن انسان

یہ قدرتی آفتیں اتنی بڑی دشمن نہیں ہیں جتنا بڑا انسان انسان کا دشمن ہے۔ آج تک انسان نے انسان کو جتنا نقصان پہنچایا ہے اتنا نقصان پچھلے دس ہزار سال میں قدرتی آفتیں مل کر نہیں پہنچا سکیں 8 اکتوبر کے زلزلے میں جتنے لوگ مارے گئے تھے اس سے پانچ گنا زیادہ لوگ ہماری سڑکوں پر پچھلے ساٹھ برسوں میں حادثوں میں مارے گئے ہیں ہر سال ہمسایوں کے ہاتھوں جتنے ہمسائے قتل

ہوتے ہیں' جتنے بیٹے اپنے باپ قتل کرتے ہیں' آشناؤں کے ہاتھوں جتنے خاوند مارے جاتے ہیں' جتنے خاوند اپنی بیویوں کو قتل کرتے ہیں' ڈاکوؤں کے ہاتھوں جتنے راہ گیر مارے جاتے ہیں اور جتنے دوست ہر سال دوستوں کو قتل کرتے ہیں۔ یہ ساری ہلاکتیں قدرتی آفتوں سے مرنے والوں کی تعداد سے کہیں زیادہ ہیں' بش جیسے لوگ اپنی انا کی تسکین کے لیے جتنے لوگ مار دیتے ہیں۔ دہشت گردوں کے ہاتھوں جتنے لوگ مارے جاتے ہیں۔ کشمیر' فلسطین' عراق اور چیچنیا میں انسان کے ہاتھوں جتنے انسان مارے جاتے ہیں یہ تعداد قدرتی آفتوں لقمہ بننے والے انسانوں سے کہیں زیادہ ہے۔ ناگا ساکی پر بم کس نے پھینکا دوسری جنگ عظیم کس نے شروع کی تھی۔ کوریا کی جنگ کس نے چھیڑی تھی' ویتنام اور ان جنگوں سے کس کو نقصان پہنچا؟ انسان کو اس دنیا میں انسان انسان کو درندوں کی طرح کاٹ رہا ہے لہٰذا انسان کا سیلابوں' طوفانوں اور بیماریوں سے مقابلہ نہیں' انسان کا انسان سے مقابلہ ہے اور جب تک انسان کی شریعت میں تبدیلی نہیں آتی۔ یہ دنیا دارِامن نہیں بن سکتی' اس زمین پر تخریب کا عمل جاری رہے گا' شاید اسی لیے اللہ تعالیٰ نے فرمایا تھا عصر کی قسم انسان خسارے میں ہے (زیرو پوائنٹ 4)

شبانہ امین راجپوت......کوٹ رادھا کشن

اقوالِ زریں

☯ کسی دانا نے کہا ہے کہ اگر قسمت کا لکھا ہی سب کچھ ہوتا ہے تو وہ اللہ اپنے بندوں کو دعا مانگنا کبھی نہ سکھاتا۔

☯ جب سائل کو کچھ دو تو اس سے دعا کے لیے کہو (حضرت علیؓ)۔

☯ محبت میں یہ قباحت ہوتی ہے کہ جس سے محبت کی جائے اسے خود سے جدا کرنے میں تکلیف ہوتی ہے (خلیل جبران)۔

☯ وہ محبت یقیناً عظیم ہوتی ہے جو ایک دوسرے کی عزت پر مبنی ہو (اسٹیفن میکاک)۔

☯ انسان خود انمول نہیں ہوتا بلکہ اس کا کردار اسے انمول بنا دیتا ہے (حضرت علیؓ)۔

طاہرہ ملک......جلالپور' پیروالہ

سچ تو یہ ہے کہ......

جس معاشرے میں سچ کو خطرے کی علامت بنا دیا جائے وہاں آسمان سروں سے کھینچ لیا جاتا ہے اور زمین قدموں کے نیچے سے سرک جاتی ہے۔

جہاں خواب و خیال چھین لیے جائیں وہاں اس سے کوئی فرق نہیں پڑتا کہ ہم انسانوں میں رہ رہے ہیں یا جانوروں کے ساتھ پتھروں سے واسطہ پڑے یا پتھر دلوں سے زندگی کا سفر رکتا نہیں۔

کسی کی تمنا اور آرزو کے نیچے اپنی ہتھیلیاں رکھنا آسان کام نہیں ہے مگر جب یہ ہونے لگے تو اس سے اچھا کام کوئی نہیں کیونکہ دعاؤں اور وفاؤں کا پورا ذخیرہ ہاتھ لگتا ہے۔

منفرد لوگوں کو مار سہنی پڑتی ہے طعنوں کی یا تنہائی کی۔

نقصان کیا ہے؟ وقت پر عمل کرنے سے چوک جانا۔

طاقت سے دشمن کے اوپر فتح پانا آدھی فتح ہے اور محبت سے دشمن کے اوپر فتح پانا پوری فتح ہے۔

ارم کمال......فیصل آباد

بارش

بارش کی بوندوں کو
پھولوں پر گرتے دیکھا تو
خیال آیا
کہ......
تم بھی بارش میں
بھیگتے ہوئے
کتنے پیارے لگتے ہوگے

سیدہ فائزہ رازق......گھڑی سیداں

ykdhijab@gmail.com

السلام علیکم ورحمتہ اللہ وبرکاتہ! پروردگار کے پاک نام سے ابتدا ہے جو خالق و مالک اور رحمٰن و رحیم ہے۔ سال نو کا پہلا شمارہ بطور جنوری پیش خدمت ہے' حجاب کے تمام اسٹاف کی جانب سے قارئین کو سال نو مبارک۔ سال نو کو نئے عزم جذبہ اور عہد کے ساتھ شروع کریں کہ معاشرہ کو سدھارنے کے لیے پہلے خود کو تبدیل کریں اور پھر ملک و قوم کو بدلنے کا عزم کریں۔ آیئے اب چلتے ہیں آپ بہنوں کے دلچسپ اظہار خیال کی جانب جو حسن خیال میں چار چاند لگارہے ہیں اور ہم نازیہ عباسی' حنا مہر اور فہیم انجم کے بے حد شکر گزار ہیں کہ انہوں نے فیس بک پر آنچل گروپ اور پیج پر شاندار تبصرہ مقابلہ کروایا اور اس میں ججز کے فرائض عشنا کوثر سردار اور ریحانہ آفتاب نے سرانجام دیے' ہم ان کے بھی بے حد ممنون ہیں کہ انہوں نے اپنی قیمتی وقت سے تھوڑا سا وقت اس مقابلہ کے لیے نکالا اور انعام پانے والوں کو بھی مبارک باد اور امید ہے کہ آئندہ بھی آپ سب کا تعاون اسی طرح ادارے کے ساتھ رہے گا آپ سب کا جزاک اللہ۔

فریدہ فریٰ...... لاہور۔ السلام علیکم! دسمبر کا حجاب ملا' ٹائٹل پر سجی دلہن اچھی لگی آنچل کی طرح حجاب بھی ہمیں بے حد پسند آیا اس کے افسانے اور ناول بے حد معیاری لگے "داغ دریچہ' دوپہر' حمیرا نوشین کا "پرسہ" "آ گئے چاہتوں کے موسم" تو بے حد پسند آیا۔ "وفا ہے ذات عورت کی" کیا لاجواب تحریر تھی۔ "فرصت کے رات دن" تمام بہترین افسانے لگے' پڑھ کر مزا آ گیا اور نزہت جبیں "رخ سخن" میں بے حد اچھا انٹرویو لگا۔ وہ تو میری فیورٹ رائٹر اور بہترین دوست بھی ہیں۔ آغوش مادر بھی بے حد پسند آیا' نومبر کے میگزین میں سباس گل کا انٹرویو اتنا اچھا اور منفرد تھا اور میں ہنسی بھی بہت تھی۔ کیا بات ہے سباس گل' کمال کردیا اور یہ بھی میری پیاری سی دوست ہیں۔ "آمیرے بخت کی روشنی" پڑھ کر بہت اچھا لگا' اب تو ہمیں آنچل کے ساتھ ساتھ حجاب بھی ملا کرے گا۔ ہومیو کارنر مفید سلسلہ ہے' کچن کارنر میں بیسن کے لڈو' چم چم اور گلاب جامن کھا کر مزا آ گیا یہ ساری مٹھائیاں ہم نے تھوڑی تھوڑی کھائی تھیں' اچھا جی سب کو سلام اور دعا۔

☆ دعاؤں کے لیے جزاک اللہ۔

مدیحہ نورین مہک...... برنالی۔ آداب آپی جی کیسی ہیں آپ کو اور سب کو نئے سال کی بہت بہت مبارک ہو' اللہ نئے سال کی ہر خوشی سب کو عطا کرے' آمین آپی جی حجاب مجھے بہت لیٹ ملا ہے اور کوئی بھی تحریر نہیں پڑھی ابھی تک مگر میں یہ خط لکھ رہی ہوں۔ اللہ تعالیٰ سے دعا ہے کہ آنے والا نیا سال ہمارے وطن عزیز کے لیے بہت سی خوشیاں و کامیابیاں لے کر آئے اور کوئی بھی ناگہانی آفت نہ آئے' آمین' سب کو سلام اللہ حافظ۔

☆ اللہ سبحان تعالیٰ آپ کو بھی خوش رکھے آمین اور امید ہے کہ آئندہ ماہ مکمل تبصرے کے بعد حاضر ہوں گی۔

پروین افضل شاہین...... بھاولنگر۔ حجاب کا دوسرا شمارہ دلکش سرورق سے سجا میرے ہاتھوں میں ہے' حمد و نعت' عورت کی ذمہ داری اور امہات المومنین پڑھ کر روح کو تازہ کرتے ہوئے افسانوں کی طرف بڑھی۔ "میرے خواب زندہ ہیں' پرسہ' دل کے دریچے' میں ایسی قوم سے ہوں' قبولیت' منزل مل ہی گئی" پسند آئے۔ صائمہ اکرم چوہدری سے ملاقات کر کے مزا آ گیا' ویسے ان کے میاں بھی میرے میاں کی طرح ہینڈسم ہیں۔ نگہت غفار اور لائبہ میر! میری نگارشات پسند فرمانے پر آپ کا بہت بہت شکریہ آپ دونوں کی تحریریں بھی زبردست ہوتی ہیں۔ میں آنچل کی تمام رائٹرز بہنوں سے گزارش کروں گی کہ وہ حجاب میں آئیں اور اس کی حوصلہ افزائی فرمائیں۔ حجاب کی تمام چاہنے والیوں کو نیا سال مبارک ہو۔

فرحین عمران...... کراچی۔ السلام علیکم امید کرتی ہوں مزاج بخیر ہوں گے۔ میں آنچل کی بہت پرانی قاری ہوں۔ 2004 تا 2006 تک مختلف سلسلوں میں لکھا بھی مگر پڑھائی اور دیگر مصروفیات کی بنا پر یہ تعلق ٹوٹ گیا (مگر صرف لکھنے لکھانے کی حد تک) آنچل ہماری زندگی میں آج بھی ویسے ہی شامل ہے جیسے گھر کا کوئی فرد اور اب حجاب کی صورت میں ہمارے گھر میں ایک اور نئے فرد کا اضافہ ہوگیا ہے۔ حجاب کی کامیاب اشاعت پر تمام آنچل اسٹاف کو بے حد مبارک ہو۔ حجاب کا پہلا شمارہ کافی لیٹ ملا جس کے سبب میں آپ تک اپنے جذبات نہیں پہنچا پائی۔ حجاب ہماری توقعات سے کہیں زیادہ معیاری ثابت ہوا' ایسا لگتا ہی نہیں ہے کہ ابھی ابھی اس کا اجرا ہوا ہے۔ ہر سلسلہ بے مثال' ہر کہانی لاجواب ہے۔ امید کرتی ہوں کہ میرا قلم سے جو رشتہ اتنے عرصے بعد جڑا ہے اس سلسلے میں حجاب اور آنچل میری حوصلہ افزائی کریں گے۔ آخر میں اللہ تعالیٰ سے دعا ہے کہ حجاب کو دنیائے ادب کے آسمان پر ایک تابناک ستارے کی طرح ہمیشہ جگمگاتا رکھے اور اس کی روشنی سے ہمیشہ ہمارا گھر روشن رہے آمین۔

☆ دعاؤں کے لیے جزاک اللہ۔

کرن ملک...... جتوئی۔ السلام علیکم قارئین اور حجاب اسٹاف کیسے ہیں سب؟ دسمبر کا شمارہ اپنی تمام تر رعنائیوں سمیت میرے سامنے ہے۔ سرخ روشنائی سے لکھا حجاب میری آنکھوں کو خیرہ کر گیا' ماڈل بھی مجھے گھور کر دیکھ رہی تھی میری ہنسی چھوٹ گئی۔ ماڈل کو بائے بائے کہتے ہوئے صفحے پلٹے تو میں حیرت سے گنگ رہ گئی' میرے ذہن و گمان میں بھی نہیں تھا کہ حجاب کی آرائش اس خوب صورت طریقے سے کی جائے گی کیونکہ نومبر کا شمارہ ہماری لائبریری والوں کے پاس نہیں تھا میں نے بچوں کو روز بھیج بھیج کر اتنا تنگ کیا وہ مجبور ہوگئے کہ دسمبر کا شمارہ لانے پر اب مجھے نومبر کا شمارہ نہ پڑھنے کا دکھ رہے گا۔ رخ روشن میں نزہت جبیں ضیاء یار محفل لوٹ لی آپ نے۔ آغوش مادر میں ماں کے حوالے سے آپ کے خیالات جان کر اچھا لگا۔ مکمل ناول بھی ایک دوسرے پر سبقت لے گئے لیکن فرحین اظفر اپنی بختاور کو آخر میں بالکل غائب کردیا اس کا تو کچھ کرتی۔ عالیہ حرا' شازیہ مصطفیٰ مبارک ہو اتنے اچھے ناول لکھنے پر "وفا ذات ہے عورت کی" ایک حقیقت پر مبنی کہانی تھی۔ حریم الیاس آپ نے ہمیں بہت رولایا "ذکر اس پری وش کا" میں راشدہ جمیل' منزہ جبیں' ام سلمیٰ' مرہ زینب' سب کے بارے میں جان کر اچھا لگا۔ عالم میں انتخاب میں سب کے انتخاب داد لائق تھے حجاب بھی آنچل کی طرح اپنا اپنا لگا کیونکہ اسے بھی آنچل والی دوستوں نے سجایا تھا۔ اللہ کرے حجاب بھی سب کے دلوں میں گھر کر جائے آمین۔ سب بہنوں کو نیا سال بہت مبارک ہو' پھر ملیں گے اللہ حافظ۔

شمع مسکان...... جام پور۔ السلام علیکم ادب کی شوقین رسیا اور دلدادہ کے لیے ادب کی دنیا میں ایک اور دلکش اضافے (حجاب) پر بہت بہت مبارک ہو۔ ہزاروں کوششوں کے باوجود ایک خواہش پوری نہیں ہوسکی کہ حجاب کے پہلے شمارے پر تبصرہ کرسکوں' وجہ حجاب کا نہ ملنا' ہاکرز سے اصرار' بک اسٹال کے چکر' نیوز کارنر پر بار بار جا کر انا اُف...... مت پوچھیں کیا کچھ نہیں کیا' بھائی سے اصرار کہ پلیز بھائی ذرا نیوز کارنر پر کال کر کے پتا تو کریں کہ حجاب آیا کہ نہیں حتیٰ کہ کراچی سے دلہا بھائی کی کال آئی تو انہیں بھی کہا کہ آپ اس نمبر پر رسالے کا پتا کردیں' بس جی کیا بتائیں۔ اس ماہ "لاڈلہ دلارا" سجا سنورا جلوہ افروز ہوا تو لگا ہفت اقلیم کی دولت ہاتھ لگ گئی' سرورق ماڈل سے

لے کر ٹوٹکے تک برق رفتاری انداز سے تشنہ چشم کو سیراب کیا۔ آنچل کا عکس آنچل سے حجاب کرنا ہی ہم خواتین کی پہچان وشان ہے اوران شاء اللہ آنچل کی طرح ہی اس کا لفظ لفظ زیست کو سجانے سنوارنے میں مشعل راہ ثابت ہوگا۔ عین فطرت اور حسب عادت حمد ونعت سے ہی ابتدا کی' ڈاکٹر ابوالخیر کشفی صاحب کے پاک پروردگار اور اس کے محبوب آقا محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی شان میں بیان کیے عقیدت کے پھول قلب وروح کو منور کرگئے۔ "امہات المومنین" ندار ضوان کے حضرت عائشہ صدیقہؓ کے بارے میں جو بتایا ہمارے ایمان کو تازہ کردیا مگر واقعہ افلاک کے بارے میں پہلی بار پڑھا۔ "ذکر اس پری وش کا" ہماری چار پریاں ہی اپنے گھر کی رونقوں کو اپنے پیروں میں سمیٹے ہوئے ہیں۔ منزہ جبیں اے' شکریہ یار مجھے یاد رکھا ورنہ اپنے تعارف میں تو ہر لڑکی آنچل فرینڈز کو بھول ہی جاتی ہیں مگر تم اور پروا دو ایسی فرینڈز ہو جو کہ مجھے یاد رکھے ہوئے ہو اچھا لگا منزہ حیدر جان کر تمہارے متعلق۔ روح سخن سباس جی آپ نے نزہت جبیں آنٹی کو سامنے لاکر بہت اچھا کیا اور زبردست انداز میں یونیک سوالات کیے۔ "جھل مل ستارے" عروج ناز جی سوری ریڈیو سے لگاؤ نہیں ہے لیکن تم سے مل کر اچھا لگا۔ آغوش مادر نزہت جبیں آنٹی آپ کے الفاظ احساسات قابل ستائش ہیں۔ اللہ آپ کی امی کو صحت کاملہ عطا فرمائے' آمین۔ کیا ہم سب آغوش مادر کے سلسلہ میں شرکت کرسکتے ہیں؟ صائمہ اکرم چوہدری سے ملاقات اچھی رہی جی اب آتی ہوں تحاریر کی جانب تو جناب ہم نے سلسلہ وار ناولز چھوڑ دیئے' 20 دسمبر تک میری آپی آئیں کی کراچی سے وہ میرے لیے نومبر کا حجاب لارہی ہیں۔ قسط نمبر ایک پڑھوں گی اور پھر آگے سوری نادیہ اینڈ صدف جی آپ کی اسٹوری کی تین اقساط پر ایک ساتھ تبصرہ کروں گی۔ مکمل ناولز واہ کیا دلکش ناولز تھے اور وہ بھی تین' مزہ آگیا سب سے پہلے شازیہ مصطفیٰ کا "آگے چاہتوں کے موسم" پڑھا ریان کا کریکٹر انٹرسٹ تھا مگر ابتسام کی شادی نہ کرنے کی وجہ سمجھ میں نہیں آئی مگر مجموعی طور پر کہانی نے اچھا اثر ڈالا۔ یہ وہی شازیہ مصطفیٰ ہیں نہ جس کا ناول کتابی شکل میں ہے "محبت دل کے صحرا میں" میں نے پڑھا وہ اور سنبھال کر رکھا ہوا ہے۔ "داغ دریچہ دوپہر" فرحین اظفر تو تعارف کی محتاج ہی نہیں' شاندار اسٹوری لے کر حجاب میں انٹری ماری' چھا گئیں۔ زارا پر گزرتے برے وقت نے ہماری چشم کو نم کردیا' بہروز جیسے کریکٹر کیس' مغرور اور بگڑے رئیس ہی معاشرے کا ناسور ہوتے ہیں اسے کوئی سزا ملنی چاہیے تھی اور بختاور کا کچھ تو پتا چلتا' آخر وہ گئی کس کے ساتھ اور کہاں؟ بہزاد اور امان اچھے کردار تھے۔ زارا نے اچھا کیا اگر نادیہ اور امان کے سامنے نہیں آئی اب اس گلی میں سوائے بدنامی اور رسوائی کے کچھ نہیں ملتا۔ "تم ہی یقین ہو" عالیہ جی ادب کی دنیا کا جانا پہچانا نام۔ سبق آموز تحریر لے کر جلوہ گر ہوئیں' گھر کو بنانے اور بگاڑنے میں عورت کا کردار زیادہ ہوتا ہے یہ بات سو فیصد تو نہیں مگر اسی فیصد درست ہے۔ صبا کو عقل آئی مگر ٹھوکر کھانے کے بعد' ناولٹ میں زینب اصغر مغل کا "وفا سے ذات عورت کی" اچھا ناولٹ تھا۔ مرد کبھی عورت کو سمجھ ہی نہیں سکتے' بس جو پردہ کے سامنے ہورہا ہے اسی پر نظر ہے۔ کبھی پردے کے پیچھے کی حقیقت جاننے کی کوشش ہی نہیں کرتے۔ باقی ڈائجسٹ ابھی زیر مطالعہ ہے' مستقل سلسلے میں سب سے پہلے عالم انتخاب پڑھا۔ منال علی' علیشباہ ثاقت اور مہرین آفتاب کے انتخاب پسند آئے۔ شوخی تحریر' غزل عبدالخالق' عابد محمود اور سلیقہ خان کی تحریر بھا گئیں۔ بزم سخن میں تو ساری فرینڈز ہی چھائی ہوئی تھیں' دیکھیں اس ماہ بیسٹ شعر کا اعزاز کسے حاصل ہوتا ہے ویسے اپنا شعر دیکھ کر خوشی ہوئی۔ حسن خیال میں سب بہنوں کے حجاب کے بارے میں خیالات اچھے تھے اور میری بے قراری بڑھا گئے کہ کب نومبر کا شمارہ پڑھ سکوں گی۔ او کے حجاب فرینڈز اجازت دیں سب اور چھوٹی موٹی جوہی احمد جی ان شاء اللہ اگلے ماہ ملاقات ہوگی اگر سانسوں نے وفا کی' اللہ حافظ۔

☆ آغوش مادر میں آپ بہنیں بھی حصہ لے سکتی ہیں۔

لائبہ میر ...... حضرو۔ ڈیئر مدیرہ جی' جوہی آپی اینڈ تمام قارئین السلام علیکم! مختصر سا تبصرہ کروں گی آج' او کے رخ سخن میں نزہت جبین ضیاء سے مل کر خوشی ہوئی۔ جھل مل ستارے یار کچھ مزا نہیں آیا' آغوش مادر اور صائمہ اکرام چوہدری فٹ رہیں دونوں سلسلے میں۔ سکینہ زندہ ہے یہ جان کر نہ خوشی ہوئی نہ دکھ پر کاش مل سکتی اس سے اور فرہ زینب تمہیں کرانے آتے ہیں جان کر اچھا لگا مجھے بھی سکھادو۔ اسٹوریز سب کی سب بیسٹ رہیں۔ زارا' بہزاد والی اور مریم شہزادی سکینہ والی (پتا نہیں کیا نام تھے) دونوں سب سے زبردست لگیں اور فاخرہ آپی کے بعد بہنوں کی عدالت میں ام مریم کی حاضری ممکن ہو تو ضرور لوایئے گا (ام مریم مس یو) اور سمیرا آپی آپ حجاب میں نہیں دکھیں' کب آئیں گی؟ بزم سخن کا انعام یافتہ شعر زین الدین شانی (کہیں ایف ایم والے فرسٹ کزن وغیرہ تو نہیں) او کے اللہ حافظ۔

ارم شہزادی ٹی ایم ...... ڈنگہ' گجرات۔ السلام علیکم آپی جی کیا حال ہے آپ کا؟ سب سے پہلے تو میری طرف سے آپ کو اور باقی ٹیم کو بہت بہت مبارک ہو اتنے شاندار ماہنامہ کے اجرا کے لیے آنچل کو پڑھ کے جو سرور جو خوشی ملتی ہے وہی حجاب پڑھ کے بھی ہوئی۔ حجاب نے مجھے مایوس نہیں کیا' مجھے بالکل ایسے لگا جیسے میرے ہاتھ میں دوسرا آنچل آگیا ہو۔ سلسلے وار ناول میں "دل کے دریچے" صدف آپی کیا کمال کردیا ہے آپ نے تو' دو ہی قسطوں میں مزہ آگیا پڑھ کر' پلیز آپی فائز اور سفینہ کی شادی کروا دیجیے گا۔ "میرے خواب زندہ ہیں" نادیہ فاطمہ رضوی جی کیا کہنے آپ کے آپ تو پہلے ہی میری فیورٹ ہیں۔ اب یہ ناول پڑھ کر اور بھی عزیز ہوگئی ہیں ویسے خاور کو ایسی اوچھی حرکت نہیں کرنی چاہیے تھی۔ ایک طرف تو وہ حورین کو بھائی کہتا ہے اور دوسری طرف اس طرح کی گری ہوئی حرکتیں کررہا ہے آپ پلیز اسے سدھار دیں اور سمیر کی بیگم کو بھی ٹھیک کردیں۔ باقی سلسلے بھی زبردست رہے اور ڈائجسٹ کی جان لگا مجھے "میں ایسی قوم سے ہوں" حریم الیاس کا افسانہ ڈیل ڈن حریم جی! افسانہ پڑھ کر رونا آگیا۔ شعر اور غزلیں بھی زبردست تھیں۔ اجازت چاہتی ہوں' اللہ نگہبان' ان شاء اللہ اگلے ماہ پھر حاضر ہوں گی۔

رائو سنبل ندیم ...... کامونکی۔ السلام علیکم! سب سے پہلے حجاب ڈائجسٹ کو میری طرف سے خوش آمدید۔ میں ڈائجسٹ بہت شوق سے پڑھتی ہوں' دس یا گیارہ سال کی تھی جب میں نے ڈائجسٹ پڑھنے شروع کیے اب تو میری شعاع' خواتین' کرن اور آنچل سے پکی دوستی ہے اور اب ان شاء اللہ حجاب سے بھی ہوجائے گی۔ میں نے کبھی کسی ڈائجسٹ میں خط نہیں لکھا اور نہ ہی کبھی کوئی تحریر بھیجی ہے حالانکہ مجھے لکھنے کا بہت شوق ہے اور میں نے بہت سی تحریریں لکھی بھی ہیں لیکن مجھے انہیں پوسٹ کرنے کی ہمت کبھی نہیں ہوئی کیونکہ میں ڈرتی ہوں کہ اگر میری تحریر آپ کو پسند نہیں آئی تو ردی کی ٹوکری کی نذر ہوجائے گی اور پھر مجھے بہت دکھ ہوگا لیکن مجھے یقین ہے کہ جس طرح میں نے حجاب کو خوش آمدید کہا ہے اسی طرح آپ بھی مجھے خوش آمدید کہیں گی۔ حضرت خدیجہؓ کی زندگی کے بارے میں پڑھ کر بہت اچھا لگا' کومل رضوی کا انٹرویو بھی اچھا تھا۔ سلسلے وار ناولز بہت اچھے تھے' مکمل ناول میں طلعت نظامی نے بہت اچھا لکھا' پڑھ کر بہت اچھا لگا۔ نگہت عبداللہ تو شروع سے ہی میری موسٹ فیورٹ رائٹرز میں شامل ہیں اور ان کی تحریروں کے کیا کہنے۔ فاخرہ گل کی تحریر بھی اچھی تھی میرے خیال میں یہ ایک سبق آموز کہانی ہے آج کل کے والدین کے لیے۔ ناولٹ اور افسانے بھی اچھے تھے' میں بھی اپنی تحریر بھیجنا چاہتی ہوں اگر آپ اجازت دیں تو میں اپنی تحریر بھیج سکتی ہوں او کے بائے۔

☆ اپنی تحریر بلاخوف وجھجک ارسال کرسکتی ہیں۔

سلمیٰ فہیم گل ...... لاہور۔ السلام علیکم! امید واثق ہے قارئین واسٹاف آنچل وحجاب بفضل تعالیٰ خیر خیریت سے ہوں گے؟ حجاب کا دوسرا شمارہ اپنی پوری آب وتاب کے ساتھ ہمارے ہاتھوں میں ہے آنچل کی طرح حجاب نے بھی سب کے دلوں میں گھر کرلیا ہے' ان شاء اللہ العزیز! حجاب بہت جلد ترقی کی منازل طے کرتا ہوا آسمان کی بلندیوں کو چھونے لگے گا۔ آفرآل یہ حجاب ہے' بھئی میں تو خود کو خوش نصیب ترین تصور کررہی ہوں کیونکہ حجاب کے پہلے شمارے میں ہی مابدولت جلوہ افروزہ ہوگئیں یہ تو میرے لیے بڑے اعزاز کی بات ہے ورنہ ہمارا دل تو جل جل کر سیاہ کباب بنتا جارہا تھا۔ ایک دم سے کھل کر گلاب ہوگیا' بہت بہت شکریہ نوازش۔ اس سے مجھے یقین واطمینان ہوگیا کہ میری تحاریر آپ کے پاس محفوظ ہیں اور شائع بھی ہوجائیں گی' ان شاء اللہ' شکریہ۔ حجاب کے تمام سلسلے ماشاء اللہ اپنی مثال آپ ہیں خاص طور پر امہات المومنین کا سلسلہ بہت زبردست ہے۔ شمارہ دسمبر ابھی پورا نہیں پڑھا مگر حریم الیاس کا افسانہ پڑھا جسے پڑھ کر رونگٹے کھڑے ہوگئے۔ سانحہ پشاور گویا پوری طرح سے

آنکھوں کے سامنے آ گیا تھا اللہ اکبر۔ دل پر ہاتھ پڑتا ہے۔ اللہ رب العزت تمام مسلمانوں کو اور ہمارے پھول سے معصوم بچوں کو اپنے حفظ وامان میں رکھے اور ہمارے ملک کو ان شیطانوں کو مزموم ارادوں سے محفوظ رکھے آمین اللہ حافظ۔

☆ دعاؤں کے لیے جزاک اللہ۔

کوثر ناز...... حیدر آباد

نازکی اس لب کی کیا کہیے
پنکھڑی گلاب کی سی ہے

سرورق کو دیکھ کر بے ساختہ یہ شعر لبوں پر آیا "سرورق" پر جلوہ افروز حسینہ کی نگاہیں خاصی بھائی، جیولری سے لے کر لباس کو خاصی توجہ سے دیکھا خاصی پرکشش لگ رہی تھی دلہن کے سے بھاری بھاری روپ میں آگے بڑھے "فہرست" پر نگاہیں گاڑھ دی، نشست خاص پر وہی براجمان دیکھائی دیئے۔ نام کافی ہے جن کا تعارف کی خاطر نام جانے پہچانے جو انجانے تھے وہ بھی حجاب کا بھرپور حصہ لگے۔ مدیرہ سے "بات چیت" پڑھی خاصی خوش دکھائی دی ماشاء اللہ، خوش ہونا بھی چاہیے تھا کہ جو پذیرائی حجاب کو ملی وہ بات واقعی قابل خوشی تھی اظہار بھی ضروری تھا۔ "حمد ونعت" سے مستفید ہوتے ہوئے آگے بڑھے "امہات المومنین" میں حضرت عائشہؓ کی داستان حیات پڑھ کر سینے میں ایمان کی روشنی کو حقیقتاً محسوس کیا۔ "عورت کی ذمہ داریوں" سے آشنائی مفتی تقی عثمانی کے ذریعے جانی معلومات سے بھرپور سبق پنہاں تھا خوب رہا۔ "ذکر اس پری وش کا" راشدہ جمیل، منزہ جبین، ام سلمی وغزہ زینب سے ملاقات اچھی رہی ویسے ایک بات میں نے ہمیشہ نوٹس کیا وہ یہ ہے کہ ہم اپنی برائی میں بھی تعریف کا عنصر نکال لیتے ہیں کہ وہ برائی گردانی نہ جائے، کیوں ٹھیک کہا ناں؟ "رخ سخن" میں ایک نایاب چہرہ دیکھا جی ہاں گریس فل سی نزہت جبین ضیاء کے بارے میں جان کر بہت اچھا لگا ایک شعر ان کی نظر جو خود بھی شاعرہ ہیں۔

نام بھائی نہیں دیتا تمہیں پکاریں کیا
چلو تمہیں چند مہتاب بلا لیتے ہیں

"آغوش مادر" میں بھی وہی چند مہتاب ملی والدہ کی تربیت کی جھلک واقعی دکھائی دیتی ہے ماں جیسی ہستی کے بارے میں لکھنا مشکل ترین کام ہے مگر بڑی عمدگی سے نزہت جبین ضیاء نے سرانجام دیا اور کیا دیا ماشاء اللہ ان کا سایہ تادیر آپ کے سر پر سلامت رکھے اور ہم سب کی والدین کا ہمارے سروں پر بھی آمین۔ "جھلمل ستارے" کی صداکارہ عروج نظامی کو تو ہم نہیں جانتے مگر خاصی سوبر وسادہ لگی اور پھر دلچسپ ترین رہی۔ "صائمہ اکرم چوہدری سے ملاقات" رائٹرز کو دیکھنے کا سلسلہ ہمیشہ سے ہی دلچسپ ہوتا ہے اور یہ دلچسپ ترین کے فیس بک پر موجود گروپ کے ممبران کے سوالات پر مشتمل انٹرویو بہت مزہ آیا اور پکل خاصہ کیوٹ ہے ماشاء اللہ سے میم کا۔ "آ گئے چاہتوں کے موسم" شازیہ مصطفیٰ کو پہلی بار پڑھا ہے میں نے غالباً مگر دل پر قابض ہوگئی ہیں کس قدر خوب صورتی سے لکھا پڑھ کر اچھا لگا گمان گزرا کہ میں 2007 سے 2012 کے درمیانی عرصے کی کہانی پڑھ رہی ہوں دلچسپی کے تمام تر عنصر موجود تھے۔ علیزہ ابتسام دلچسپ کردار اور دلچسپ ترین ریان ہمیں واقعی لگا کہ کمپوزر انہی کی ضد پر ایجاد ہوا ہے۔ "پرسہ" پڑھا ایک نئی چیز کی سمت حمیرا نوشین توجہ مبذول کروائی حقیقتاً ان کے زخم پھر سے ادھیڑ کر کون سے درد بانٹنے جاتے ہیں۔ "میرے خواب زندہ ہیں" نادیہ فاطمہ رضوی کا نام تو حجاب کے ساتھ ملنے والا دوسرا سرپرائز تھا ان کی تحریریں ہمیشہ اپنی طرف میری توجہ کھینچتی ہیں، صورت حال برقرار رہی آگے دیکھتے ہیں کیا ہوتا ہے۔ "داغ دریچہ دوپہر" فرحین اظفر کی عمدہ تحریر مگر میں ناموں میں الجھ گئی کہ بہزاد ہے کہ بہرام ہے کہ بہروز شہرام ہے کہ بہرام۔ بحرحال بہترین لکھا۔ "دل کے دریچے" صدف آصف تو مجھے خوشبو سی لگتی ہیں اور دل کے دریچے اسی خوشبو کا ایک جھونکا۔ "میں ایسی قوم سے ہوں" حریم الیاس کا بہترین افسانہ بہت پراثر تحریر تھی آنکھوں سے آنسو ٹپکے سر کا درد بڑھا ماتھے پر سلوٹیں آئی عمدہ تحریر۔ "تیرے لوٹ آنے تک" باقی ماندہ پڑھ کر رائے دوں گی۔ "وفا ہے ذات عورت کی" اچھی تحریر۔ "تم ہی یقین ہو" زبردست۔ "آ میرے بخت کی روشنی" فرصت کے دن رات منزل مل ہی گئی۔ سبھی افسانے ناولٹ بہترین تھے بالکل منفرد پڑھ کر دل باغ باغ ہو گیا۔ "طب نبوی" بہترین سلسلہ "آپ کی الجھن" میں پڑھتی نہیں۔ "بزم سخن" کمال سلسلہ۔ "کچن کارنر" سے دلچسپی مفقود "آرائش حسن" سے دلچسپی ایک نظر دیکھنے کی حد تک ہے۔ "ٹوٹکے" اس میں بھی ہماری دلچسپی صفر۔ "عالم انتخاب" اچھا سلسلہ ہے ایسے بڑے شعراء کو پڑھنے کا موقع ملے گا۔ "شوخی تحریر" اچھا سلسلہ بہترین نام۔ "حسن خیال" دلچسپ، لاجواب نام۔ "ہومیو کارنر" "شوبز کی دنیا" دونوں سے دلچسپی کسی طور نہیں۔ سبھی کارآمد دلچسپ ومؤثر سلسلے ہاں جن میں ہماری دلچسپی نہیں انہیں ہم بیکار کسی صورت نہیں کہہ سکتے کہ ہم ہی میں وہ صلاحیتیں نہیں کہ ہم ان سے استفادہ حاصل کرسکیں ہو باتوں کی ایک بات کہ شمارہ مکمل معلوماتی ودلچسپی کے ہر عنصر سے پر تھا۔ امید ہے آگے بھی اسی معیار کو برقرار رکھتے ہوئے ہماری دلچسپی خود میں بنائے رکھے گا خدا تعالیٰ دن دوگنی رات چوگنی ترقی دے آمین ثم آمین۔

☆ دعاؤں کے لیے جزاک اللہ اور مقابلہ جیتنے پر مبارک باد۔

عائشہ پرویز صدیقہ...... السلام علیکم! دسمبر کا حجاب پہلی بار ہاتھوں میں لیا تو مجھا اپنے آنچل کا گمان ہوا پھر خیال آیا نہیں یہ تو آنچل کی ہمجولی حجاب ہے ہاہاہا۔ اب آتے ہیں تبصرے کی طرف ٹائٹل بس ٹھیک ہی لگا کیونکہ سادگی میں ہی خوب صورتی ہے سچ کہوں تو حجاب کو حجاب ہی کی طرح ٹائٹل ملنا چاہیے پھر دیکھیں کیسے چار نہیں آٹھ چاند لگیں گے کیونکہ ٹائٹل سے پورے ڈائجسٹ پر فرق پڑتا ہے۔ سب سے پہلے بات چیت پڑھی اور دل ہی دل میں جواب بھی دیا قیصر آرا آپی کو۔ پھر حمد ونعت سے فیض یاب ہوئے حضرت عائشہؓ کے متعلق پڑھ کر دل کو سکون ملا۔ عورت کی ذمہ داری پڑھ کر احساس ہوا واقعی اللہ نے عورتوں کو یوں ہی نہیں عزت کا مقام دیا ہے۔ "ذکر اس پری وش کا" میں تمام پریوں کے بارے میں جان کر اچھا لگا۔ رخ سخن میں نزہت جبین آپی کے بارے میں پڑھ کر بہت خوشی ہوئی اور اس سے زیادہ خوشی مجھے جھلمل ستارے میں انٹرویو پڑھ کر ہوئی۔ صائمہ اکرام چوہدری سے سب نے وہی سوالات پوچھے جو میرے دل میں تھے اور ان کے بارے میں جان کر بہت اچھا لگا۔ مکمل ناول ایک سے بڑھ کر ایک لگا لیکن "آ گئے چاہتوں کے موسم" میں نے کہیں پڑھا ہے مجھے یاد نہیں یا یہ اسٹوری میرے دماغ میں پہلے سے تھی۔ سلسلے وار "خواب زندہ ہیں" بیسٹ لیکن "دل کے دریچے" صدف آصف کو جادو کی چھڑی۔ ناولٹ "وفا ہے ذات عورت کی" بہت عمدہ رہا مصنفہ نے عورت کے رشتوں کی اہمیت کو اجاگر کیا ہے۔ افسانے ابھی زیر مطالعہ ہیں ان شاء اللہ اگلی دفعہ لکھوں گی۔ طب نبویﷺ پڑھا بہت خوب صورت فائدے لکھے۔ "آپ کی الجھن" پڑھ کر میں الجھن کا شکار ہونے لگی تو جلدی سے صفحہ پلٹ دیا۔ "بزم سخن" ہائے سب کی شاعری ایک سے بڑھ کر ایک لگی۔ "کچن کارنر" گلاب جامن، چم چم اور پلاؤ پڑھ کر منہ میں پانی آنے لگا اور فٹ سے امی سے فرمائش کر ڈالی بنانے کی۔ "آرائش حسن" پڑھا اور خیال آیا میں جیسی بھی ہوں بہت اچھی ہوں اس کی ضرورت نہیں۔ "عالم میں انتخاب" تمام غزلیں دل کو چھو گئیں خاص کر نزہت جبین آپی کی جو جویریہ ضیاء نے انتخاب کیا۔ "شوخی تحریر" سب سے اچھی لگی کچھ جانے پہچانے نام بھی نظر آئے جو آنچل سے وابستہ ہیں۔ حسن خیال بھی تبصرے اچھے تھے اس میں کچھ پرانے لوگوں کے جامع اور زبردست قسم کے تبصروں کی کمی محسوس ہوئی خیر اس کے علاوہ حجاب ایک لاجواب رسالہ لگا جو اپنی منزل کی طرف رواں دواں ہے۔ میری دعا ہے کہ پروردگار حجاب کو بلندیوں تک لے جائے۔

مریم چوہدری...... السلام علیکم حجاب ہاتھ میں آتے ہی ایک خوشی کی لہر دوڑ گئی۔ ماڈل اچھی لگی اس کے بعد بہت بے صبری سے آگے بڑھے سب سے پہلے

حمد ونعت پڑھی اس کے بعد امہات المومنین میں حضرت عائشہؓ کے بارے میں بہت پہلو واضح ہوئے۔ اس کے بعد ”میرے خواب زندہ ہیں“ میں چھلانگ لگائی، یہ اسٹوری بہت خوب صورتی کے ساتھ آگے بڑھ رہی ہے۔ مکمل ناول میں ”تم ہی یقین ہو“ بہت پسند آیا اور زیب اصغر کا ”وفا ہے ذات عورت کی“ حریم الیاس کا ناول۔ ”میں ایسی قوم سے ہوں“ پڑھ کے آنکھوں میں آنسو آگئے، ناول بہت اچھا تھا۔ انتخاب میں جویریہ ضیاء، پروین افضل شاہین کا انتخاب پسند آیا۔ اس کے سات اجازت چاہوں گی اللہ حجاب کو دن دگنی رات چوگنی ترقی عطا کرے آمین۔

سید عبادت کاظمی...... اسلام وعلیکم! دسمبر کا حجاب ہمیں 12 کو ملا وہ بھی بڑی مشکل سے، ٹائٹل بہت پیارا تھا لیکن ماڈل سادہ زیادہ اچھی لگتی ہے۔ ”میرے خواب زندہ ہیں“ نادیہ فاطمہ رضوی کے قلم میں کمال کا جادو ہے۔ حورین اور خاور کے کردار بہت اچھے لگتے ہیں۔ خاور اور حورین کی جوڑی سے گی احتشام اور حورین کو نادیہ جی نے ملا کر اچھا نہیں کیا احتشام ہرگز اس قابل نہیں کہ اسے حورین جیسی لڑکی ملے۔ صدف آصف کا ناول بس سو سو تھا سفینہ اور فائز کی محبت کی دشمن ان کی اپنی ماں سائرہ اور نوری کا کردار سخت زہر لگا ایسے لوگ لوگوں کو گمراہ کرتے ہیں کہانی آگے چل کر شائد دلچسپ ہو جائے۔ فرحین اظفر ”داغ دریچہ دوپہر“ کے ساتھ چھا گئی۔ لڑکی کی عزت کانچ کی مانند ہوتی ہے ایک دفعہ ٹوٹ جائے پھر جڑتی نہیں۔ ”تیرے لوٹ آنے تک“ بہت زبردست ہے آخ لفظ کا مطلب کیا ہے؟ ام ایمان قاضی، عالیہ حرا نے بھی اچھا لکھا۔ غزل انتخاب میں نزہت جبیں ضیا کی شاعری اچھی لگی لیکن سب سے زیادہ صائمہ اکرام چوہدری کا انٹرویو لگا۔ سکینہ زندہ ہے یہ جان کر خوشی ہوئی کاش ہم بھی صائمہ جی سے سوال پوچھ سکتے۔ نزہت جبیں کے بارے میں جان کے اچھا لگا سیرا شریف طور اور نازیہ کنول نازی کو بھی حجاب میں لے آئیں۔

ایشل صبا...... فیصل آباد۔ اسلام علیکم! حجاب کو ہاتھ میں لیتے ہی دل خوش ہوا ٹائٹل پہلے سے کافی بہتر تھا۔ مفتی تقی عثمانی نے عورت کی ذمہ داری کو بہت اچھے طریقے سے بیان کیا، ندا رضوان کی تحریر بھی کافی پراثر تھی۔ ”رخ سخن“ میں نزہت جبیں ضیاء کے بارے میں جان کر بہت اچھا لگا۔ اس کے علاوہ صائمہ اکرام چوہدری کے انٹرویو کا انتظار تھا، پڑھ کر تشنگی دور ہوگئی۔ اب سلسلہ وار ناول کی باری آئی صدف آصف کے ”دل کے دریچے“ کی دوسری قسط کا شدت سے انتظار تھا۔ فائز اور سفینہ کی بے ریا محبت دل پر اثر کررہی ہے پڑھ کر مزہ آگیا۔ ”میرے خواب زندہ ہیں“ نادیہ فاطمہ کی قسط بھی پسند آئی۔ اس کے بعد عالیہ حرا کا ناول ”تم ہی یقین ہو“ سب سے اچھا لگا۔ شازیہ مصطفیٰ کا ناول ”آگئے چاہتوں کے موسم“ اور فرحین اظفر کا ”داغ دریچہ دوپہر“ اچھے لگے۔ ناولٹ میں ام ایمان قاضی کا سب سے اچھا لگا۔ افسانوں میں سب سے پہلے نسیم کا ”منزل مل ہی گئی“ پڑھا بہت خوب لکھا۔ ”پرسہ“ بھی اچھا افسانہ تھا باقی سلسلے بھی دلچسپ لگے، میری دعا ہے کہ ہمیشہ حجاب اسی طرح دمکتا چمکتا اور روشن رہے آمین۔

کنول خان...... اسلام علیکم! اس بار آنچل کے ساتھ ساتھ حجاب بھی لیٹ ہاتھوں کی زینت بنا اور پھر پڑھنا بھی دیر سے نصیب ہوا (ارے بھئی پیپر جو سر پہ سوار تھے) پھر کیا تھے جو پیپر دے کے آئے اور حجاب کو ہاتھوں ہاتھ لیا۔ ٹائٹل بہت شاندار تھا اس کے بعد اندر کو دوڑ لگائی کہ کس کس رائٹر کی کہانی آئی ہے کیا ہی کہنے سب نام ایک سے بڑھ کے ایک۔ ڈاکٹر ابوالخیر کشفی صاحب کی ”حمد اور نعت“ دل کو سکون بخش گئی اس کے بعد مکمل ناول کی طرف چل پڑے ناولز کے نام ہی اتنے پیارے تھے کے رہ نہیں سکے ہم پڑھے بنا تو جی سب سے پہلے چاہتوں کی خوشبو سے بھرپور ناول ”آگئے چاہتوں کے موسم“ پڑھا شازیہ جی نے بہت خوب صورت انداز میں لکھا۔ فرحین اظفر کی فرسودہ رسم ورواج پر آواز بلند کرتی ایک سبق آموز تحریر ”داغ دریچہ دوپہر“ دل کو چھو گئی۔ ”تم ہی یقین ہو“ عالیہ حرا کا چاہتوں کا یقین دلاتا خوب صورت سا ناول آخر کار محبت کا یقین دلا ہی گیا ہمیں۔ اس کے بعد آئے ہم خراماں خراماں چلتے ہوئے ناولٹ پڑھنے سب کے نام کافی اچھے تھے سو میں سلمٰی جی کا ناولٹ ”تیرے لوٹ آنے تک“ لے کے بیٹھ گئے۔ عمدہ ناول ”وفا ہے ذات عوات کی“ عوات ذات ہی ایسی ہے جھوٹ ہو یا فریب سب کو محبت ہی سمجھتی ہے زینب آپ نے بہت اچھے سے عورت کا ہر انداز بیان کیا ہے۔ محبت کی روشنی سے مالا مال کرنے والی ام ایمان کی منفرد کہانی ”آ میرے بخت کی روشنی“ بہت اچھی تھی۔ سلسلے وار ناول دونوں ہی بہت اچھے ہیں۔ نادیہ جی آپ نے کیا کردیا حورین کی شادی کیوں کی اس سے (دل ٹوٹ گیا میرا) خاور کے ساتھ کیا ہو گیا بیچارہ خاور۔ صدف آصف کا ناول لاجواب ابھی تو دل کرتا ہے سارا ایک ہی بار پڑھ لوں (سدا کی بے صبری جو ٹھہری ہاہاہا)۔ افسانوں میں ”میں ایسی قوم سے ہوں“ کا مصنفہ حریم الیاس پھر سے سانحہ پشاور کی یاد تازہ کر گئیں۔ اللہ پاک سب کو اپنے حفظ وامان میں رکھے آمین۔ سماجی ومعاشرتی برائیوں کو بتاتا نوشین کا موثر افسانہ بہت خوب رہا اس کے علاوہ سمیہ شازیہ اور نسیم سحر کے افسانے بھی قابل دید تھے۔ ”رخ سخن“ میں سباس گل کے سنگ نزہت آپا کے بارے میں جان کے بہت اچھا لگا۔ فیس بک کے ذریعے ندا نادیہ اور سحرش کے سنگ سنگ صائمہ اکرام سے ملاقات زبردست سب نے بہت اچھے سوالات کیے۔ عالم میں انتخاب میں تمام انتخاب بہت عمدہ تھے بزم سخن بھی کمال تھا۔ اس کے علاوہ حجاب کے تمام سلسلے بہت اچھے تھے چاہے وہ مفتی تقی صاحب کا ”عورت کی ذمہ داری“ ہو یا ندا رضوان کے ساتھ ”امہات المومنین“ میں حضرت عائشہؓ کا ذکر...... ”طب نبوی“ ہو یا بشریٰ افضل کے ”جھل مل ستارے“ ہو ہر چیز سے مالا مال حجاب جہاں ”آپ کی الجھن“ ہو کے خدیجہ احمد کے سنگ مفید ”ٹوٹکے“ ذکر اس پروش کا......؟ بہت پیارا سا سلسلہ اس بار سب کے بارے میں پڑھ کے بہت مزہ آیا۔ ”آغوش مادر“ بہت ہی خوب صورتی سے نزہت آپا نے ماں کو بیان کیا ہے۔ ”کچن کارنر“ آرائش حسن ”شوخی تحریر“ حسن خیال“ اور ساتھ ساتھ ”شوبز کی دنیا“ کرنیں ”ہومیو کارنر“ بھی سب قارئین کے لیے اچھا رہا ہے۔ آخر میں آنچل کی ہم جھولی حجاب کا کامیابی سے آگے بڑھنے پر پوری حجاب ٹیم ڈھیروں ڈھیر مبارک باد اللہ پاک یوں ہی حجاب کو کامیاب سے کامیاب تر کرتا جائے آمین۔

ستارہ آمین کومل...... پیر محل۔ السلام علیکم! دسمبر کا شمارہ سرورق دلہن زرا ماٹھی لگی شک پڑتا ہے تھک تھکا گئی ہوگی خیر حجاب کا ولیمہ تھا تو جناب تقریب بڑے وسیع پیمانے پر منعقد تھی اعلیٰ انتظام وانصرام بڑے بڑے قلم کاروں کی آمد نے تقریب کی رونق بڑھائی۔ کمال عمدگی سے تحائف لائے تو جناب ہم بھی تشریف کا ٹوکرا لے کر جا پہنچے۔ مدیرہ نے ہمارا استقبال کیا چند لمحے بات چیت کی نظر ہوئے تو انہوں نے تقریب کے ستاروں کی آگاہی دی۔ کشفی صاحب حمد ونعت سنا کر داد وصول کررہے تھے۔ ندا رضوان اپنی تقریر میں ام المومنین حضرت عائشہ صدیقہؓ کی حیات مبارکہ پر روشنی ڈال رہی تھیں سبحان اللہ۔ مفتی صاحب کی باتیں سن کر اچھا لگا ”عورت کی ذمہ داری“ سے آگاہ ہوئے جزاک اللہ۔ زینب احمد نے ہم کو گھیر لیا کہ جناب میری پری دشوں سے دعا سلام کرتی چلیں ان سے نمٹ کر آگے چلے تو سباس گل صاحبہ عزیزہ نزہت جبیں ضیا کو ہم سے ملوایا بہت گریس فل خاتون لگیں ماشاء اللہ۔ انہوں نے اپنی والدہ ماجدہ کا ذکر بہت عمدہ انداز میں کیا۔ جھلمل ستارے کی چمکتی دمکتی عروج ناز سے علیک سلیک ہوئی ارے واہ کمال ندا نادیہ اور سحرش اس شخصیت کو لے کر حاضر تھیں سخن کی بے پناہ معروفیت کے باعث یہاں موجودگی کی امید کم تھی۔ ہاں تو بات ہورہی ہے میری سویٹ ہارٹ صائمہ اکرم چوہدری کی ہم تو دوڑ کر ان سے گلے ملے دکھ سکھ کی بہت لمبی باتیں کی آخر کو بہن ہے میری۔ آگے شازیہ مصطفیٰ مل گئیں ان کی کہانی سن کر حمیرا نوشین سے پرسہ لیا۔ نادیہ فاطمہ اور فرحین اظفر سے علیک سلیک کی تو زینب اصغر محفل آن ملیں وہ اپنا تحفہ دکھا رہی تھیں صدف آصف سے ملاقات ہوئی ان سے دو دو ہاتھ کرنے کے بعد آگے بڑھے تو حریم الیاس سانحہ پشاور کے بچوں کا ذکر لے بیٹھیں پھر کیا تھا جناب زخم کے کھرنڈ اتر گئے ہم زاروقطار رو رو کر نڈھال ہوگئے تو ام ایمان تسلی دلاسے دیئے پھر عالیہ حرا نے یقین دلایا۔ اتنے میں سمیہ عثمان اپنی قبولیت کے ساتھ تشریف فرما ہوئیں ساتھ ہی شازیہ خان فرصت کے رات دن ڈھونڈتی نظر آئیں نسیم سحر کو تو خیر منزل مل ہی گئی۔ سنا تھا سلمٰی فہیم گل بھی تھیں بس اتنے رش میں ان سے ملاقات نہ ہوسکی۔ سمیرا ”طب نبوی ﷺ“ کے بارے میں اپنا کالم لے کر پہنچ گئیں تو ڈاکٹر تنویر عشرت بھلا کیوں پیچھے رہتیں انہوں نے الجھنیں دور کیں۔ ایک ٹولہ بزم سخن سجا کر تشریف فرما تھا۔ کچن کارنر سے آلو کے کباب اور گلاب جامن پر ہاتھ صاف کیا باقی مہمانوں نے

بھی تو کھانا تھا سمجھا کریں۔ حدیقہ احمد ہمیں جاذب نظر آنے کی طور طریقے بتاتی رہی تھیں مجال ہے جو ایک بھی مشورے پہ عمل کیا ہو۔ نزہت جبیں ضیاء کے ساتھ ایک گروپ اپنا اپنا انتخاب پیش کر رہا تھا۔ کئی ایک تحاریر شوخ ہو رہی تھیں۔ طلعت نظامی کا ''ہومیو کارنر'' بھی سجا ہوا تھا۔ دعا شوبز کی دنیا کے خبریں سنا رہی تھیں خدیجہ احمد آزمودہ غیر آزمودہ ٹوٹکے بتا کر ایک بڑی سی میز کے گرد حسن خیال کی محفل سجی ہے کچھ جانے پہچانے دوست اور چند اجنبی چہرے تقریب رونمائی کی دلہن کے بارے میں اپنے اپنے حسن خیال سے دوستوں کو میزبانوں کو آگاہ کرتے خوب تعریف کر رہے ہیں۔ اب میں تو گھوم گھام کر تھک چکی ہوں اللہ بھلا کرے ادارے کے گروپ کا جو مقابلہ رکھا تبصرہ نگاری کرتا ورنہ آپ سب سے اس ماہ ناسازی طبع کے ملاقات ممکن نہ تھی۔ اب اجازت رات کے سوا تین ہو چکے ہیں آپ سب کو بہت سا پیار ڈھیروں دعائیں اللہ تعالیٰ آپ کو خوش رکھے خوشیاں دے اور اپنی محبت سے نوازے آمین اللہ حافظ۔

☆ اللہ سبحان تعالیٰ آپ کو صحت کاملہ عطا فرمائے آمین

ثوبیہ شاہین...... ملتان۔ حجاب ڈائجسٹ کے نومبر کا ٹائٹل بہت زیادہ اچھا لگا لال لباس میں ماڈل کا میک اپ بھی کافی سوفٹ تھا۔ سب سے پہلے حسن خیال والا صفحہ کھولا، اپنا خط دیکھ کر دل باغ باغ ہو گیا۔ سب نے حجاب پر اپنی بہترین آراء سے نوازا اگر بیر محل سے بہن ستارہ امین کومل کا خط بہت منفرد اور دلچسپی سے بھرپور لگا۔ ان سے ایک گزارش ہے کہ وہ بھی افسانہ نگاری شروع کردیں' کامیاب ہو جائیں گی۔ بزم سخن نے بھی مزہ برقرار رکھا۔ اب سلسلہ وار ناول کی باری آئی ''دل کے دریچے'' کی دوسری قسط کا شدت سے انتظار تھا' پڑھ کر مزہ آ گیا جہاں فائزہ اور سفینہ کی محبت دل کو بھائی وہیں ملکی بابا اور رانی جیسے کرداروں پر اظہار افسوس کرنے کا دل چاہا۔ ''میرے خواب زندہ ہیں'' نادیہ فاطمہ کا ناول بھی اچھا لگا' دوسری قسط میں حورین کا دکھ دل دکھی کر گیا۔ اس کے بعد شازیہ مصطفیٰ کا ناول ''آ گئے چاہتوں کے موسم'' پڑھا، بہت اچھا لکھا ہے، عالیہ حرا کا نام کسی تعارف کا محتاج نہیں ان کا ناول پسندیدگی میں سرفہرست رہا۔ فرحین اظفر نے بھی کافی اچھا ناول لکھا ارے ناولٹ ٹھیک لگے۔ افسانوں میں سب سے پہلے حمیرا نوشین کا ''پرسہ'' پڑھا' پراثر تحریر تھی۔ اس کے بعد نسیم کا ''منزل مل ہی گئی'' پڑھا بہت خوب لکھا۔ باقی کے افسانے بھی اچھے لگے باقی سلسلے بھی دلچسپ لگے۔

سحرش فاطمہ...... کراچی:۔ السلام علیکم! اب سے پہلے تو میں حجاب کے پہلے شمارے سے شروعات کروں گی چونکہ مجھے پورے ایک ماہ بعد ملا اور کس طرح ملا اف...... نہ پوچھیں۔ میری پیاری سے آپا صدف کا ناولٹ' ماشاء اللہ۔ اس خوشی کا تو ٹھکانہ ہی نہیں رہا اور کیوں ناں ہو خوش ان کا پہلا ناولٹ ہے تو بس جیسے ہی مجھے اپنا ذاتی حجاب ملا تو وہی تحریر پڑھی اور وہی انداز ہلکا پھلکا مزے دار جو صدف آصف کا انداز بیان ہے۔ اللہ آپ کو اور ترقی دے' آمین۔ اس کے ساتھ ساتھ ایسا ہو سکتا ہے کہ فاخرہ آپی کو بھلا دوں؟ ناممکن جی تو جناب بالآخر آپ بھی دکھائی دے ہی گئیں۔ ویسے سچ پہلا شمارہ اتنا دھماکے دار رہا مجھے دوسرے شمارے کا انتظار ہونے لگا کیوں کہ اس میں صائمہ اکرم آپی کا انٹرویو آنا تھا ناں۔ سوال جواب سے تو پہلے ہی واقف تھی لیکن دوبارہ پڑھنے میں مزید لطف آیا۔ دسمبر کے شمارے سے حریم الیاس نے اپنے قلمی سفر کا آغاز کیا ہے تو چندا بہت مبارک ہو لیکن میں تم سے ناراض ہوں۔ مجھے رُلا دیا یار! اب پلیز مجھے چاکلیٹ بھیجو کسی بھی طرح۔ جانتی ہو تمہارے افسانے میں ابدال اور بلال میرے فیورٹ بن گئے ہیں؟ اور جس خوبی سے سونگ کا استعمال کیا اور آخر میں ابدال اور بلال کے لیے سطور لکھیں میرا دل کیا کہ تم سے ملوں اور بس دل ہلکا کرلوں۔ کیا ترجمانی کی ہے تم نے بہت خوب۔ دسمبر کے شمارے کا ٹائٹل بہت خوب صورت لگا۔ مجھے آنچل کی یہ بات پسند ہے کہ نئے لکھاریوں کو ہمیشہ پروموٹ کرتا ہے اور اسی بات پر اب حجاب بھی اس سفر پر گامزن ہوا ہے تو ہماری مدیرہ صاحبہ نے قارئین کو بتایا کہ کیسے ان کے پاس ڈھیر ساری کاوشیں آن پہنچی ہیں۔ نسیم سحر کی ایک عرصے بعد ہلکی پھلکی تحریر پڑھنے کو ملی بہت اچھی تھی۔ شازیہ خان نے زندگی کی حقیقت کو اپنے لفظوں میں ڈھال کر ہمیں پڑھایا۔ سمیہ عثمان کی تحریر جس میں سبق تو تھا لیکن ایک بات عجیب لگی کہ آ سیہ کی نظر کمزور تھی یا وہ اس زمانے کی بے وقوف لڑکی تھی کہ رانگ کال پر ملا بندہ جو کہ پچاس ساٹھ سال کا بڈھا تھا اس سے عشق لڑا بیٹھی؟ عالیہ حرا کو کافی عرصے بعد پڑھا ہے کہانی وہی روایتی تھی کوئی خاص بات نہیں تھی۔ حمیرا نوشین زبردست بھئی تم واقعی بہت اچھا لکھتی ہو اور پڑھنے والے پر ایک گہرا تاثر چھوڑ دیتی ہو۔ صدف آصف کے ناولٹ کی دوسری قسط انف مزے دار۔ ام ایمان قاضی کا ناولٹ بھی اچھا لگا' شازیہ مصطفیٰ بھی حجاب میں آ گئیں خوش آمدید پڑھ کر اچھا لگا۔ فرحین اظفر بھی جلوہ افروز ہوئی ہیں واہ واہ۔ ایک بات مجھے اچھی لگی کہ خطوط کے ساتھ ساتھ میرے خیال سے جن کی ناقابل اشاعت تھیں ان کا بھی بتا دیا تو یہ بھی اچھا رہا اب مجھے بھی انتظار ہے کب میں حجاب میں چمکوں گی او ہو میرا مطلب میرا نام۔ سمیرا غزل صاحبہ کا ''طب نبوی'' کچن کارنر'' نزہت جبین کا اپنی والدہ ماجدہ سے ملوانا، کھانے کی ترکیب ہائے، ہمارا بیوٹی بکس میڈیا کی خبریں، ہر چیز ہمارے حجاب میں موجود تھی ہر لحاظ سے مجھے تو حجاب پسند آیا۔

ثوبیہ اطہر...... اسلام وعلیکم! لیجیے ہم بھی حاضر ہیں۔ حجاب بہت دیر سے ملا۔ ہر بار ان سے پوچھنے پر حجاب ملا اس قدر خونخوار گھوری ملی کہ آدھا کلو خون خشک ہو گیا۔ ٹائٹل اچھا لگا۔ کشفی صاحب کا کلام دل کو چھو گیا۔ ندا صاحبہ نے حضرت عائشہؓ کی زندگی کے واقعات پر روشنی ڈالی' پڑھ کر دل منور ہو گیا۔ کشفی عثمانی صاحب کی باتوں کو پلو سے باندھا اور آگے چلے۔ زینب احمد نے پریوں سے ملاقات کروایا' مزہ آیا۔ نزہت جبیں صاحبہ سے میٹھی سی ملاقات اچھی لگی۔ ''آغوش مادر'' پڑھ کر آنکھیں نم ہو گئیں۔ اللہ پاک ہر ایک کے ماں باپ کو صحت و تندرستی عطا کرے' آمین۔ صائمہ اکرم چوہدری سے ملے دل کا ایک ارمان پورا ہوا۔ اللہ کا شکر بجا لائے۔ ''آ گے چاہتوں کے موسم'' شازیہ مصطفیٰ خوب صورت تحریر' ویلڈن۔ حمیرا نوشین کا ''پرسہ'' اچھی کاوش تھی۔ نادیہ فاطمہ رضوی نے رلا دیا۔ فرحین اظفر نے بہت اچھا موضوع چنا۔ زینب اصغر مغل نے عورت کو بیان کیا عورت ہر ڈھنگ سے لیجے کو محبت سمجھ بیٹھتی ہے۔ صدف آصف کے ''دل کے دریچے'' میں چھا لگا مزہ آ گیا اگلی قسط کا شدت سے انتظار ہے' ویلڈن صدف جی۔ حریم الیاس نے پشاور کی یاد تازہ کر دی دل میں ایک ہوک سی اٹھی۔ ام ایمان قاضی چھا گئیں۔ حملی فہیم گل کے سحر میں کھو گئے' آخر میں جاری ہے دیکھ کر بے چین ہو گئے۔ عالیہ حرا کا محبتوں بھرا خوب صورت تحفہ بہت اچھا لگا سدا خوش رہیے۔ باقی سب ناولٹ بھی بہت اچھے تھے۔ سمیرا غزل صاحبہ ''طب نبوی ﷺ'' سے روشناس کروایا۔ ''بیوٹی' میڈیا کی خبریں' ٹوٹکے' اشعار'' غرض حجاب میں کسی چیز کی کمی نہیں۔ اللہ پاک حجاب کو ترقیاں عطا کرے اور حجاب کی پوری ٹیم کو شاد و آباد رکھے' آمین۔

☆ اب اس دعا کے ساتھ رخصت چاہوں گی کہ رب تعالیٰ اس سال میں ہمیں صراط مستقیم پر چلنے کی توفیق عطا فرمائے اور ہمارے ارض وطن کو حاسدوں کی نظر سے محفوظ رکھے آمین۔

ناقابل اشاعت

میری پہلی ملاقات، ردعمل، محبت درد کی صورت، دل درد سے بوجھل ہے، کہیں منزلوں کی تلاش میں، جو چاہا میں نے وہ پالیا، محبت کھوتے نہ دینا تم۔

husanekhyal@gmail.com

ہومیو کارنر

طلعت نظامی

بریسٹ کینسر (چھاتی کا سرطان)

بریسٹ کینسر (چھاتی کا سرطان) پوری دنیا میں عام مرض ہے' یہ مرض زمانہ قدیم سے ہی خواتین کو اندر ہی اندر کھا رہا تھا' وجہ صرف لاعلمی اور اس مرض سے نمٹنے کے لیے مناسب اقدامات کا نہ ہونا تھا۔

خواتین کے امراض میں 25 فیصد خواتین صرف چھاتی کے کینسر میں مبتلا ہیں' امریکا میں دس فی صد خواتین اس بیماری میں مبتلا ہیں وہاں ہر سال 41 ہزار عورتیں اس مرض سے موت کے منہ میں چلی جاتی ہیں۔ پاکستان میں یہ بیماری نسبتاً کم ہے' زیادہ تر 40 سے 60 سال کی عمر کی خواتین اس مرض کا شکار ہوتی ہیں۔ یہ بیماری خاندانی ہسٹری سے بھی تعلق رکھتی ہے اگر کسی عورت کی دادی' نانی' ماں یا بہن کو یہ بیماری تھی تو اس صورت میں یہ خطرہ نسبتاً زیادہ ہوجاتا ہے تاہم وہ عورتیں جو اوائل عمری میں ماں بن جاتی ہیں اور بچوں کو اپنا دودھ پلانے والی خواتین اس مرض سے محفوظ رہتی ہیں اگر اس مرض کی شروعات میں ہی تشخیص ہوجائے تو دس میں سے 9 عورتیں صحت یاب ہوجائیں۔

چھاتی میں کئی قسم کے گومڑ ہوتے ہیں بعض ہلکی قسم کے ہوتے ہیں اور کچھ شروع سے ہی مہلک ہوتے ہیں' ہلکی قسم کے گانٹھ کئی سالوں تک بے ضرر رہتے ہیں اور کبھی یہ بے ضرر نظر آنے والی گانٹھیں اچانک مہلک صورت اختیار کرکے کینسر کی صورت اختیار کرلیتی ہیں۔

اس مرض کی فاسد کیفیت میں مقامی خرابی نہیں ہوتی بلکہ طبعی ہوتی ہے۔ جس کی وجہ سے کینسر کا مادہ جسم کے اندر ایک جگہ مجتمع ہوکر زخم یا رسولی کی صورت اختیار کرلیتا ہے۔ کینسر کا مادہ ٹی بی کے مادہ کی طرح اندر ہی اندر مریض کے نظام پر قبضہ کرتا رہتا ہے بعد میں اس کی نمود ہوتی ہے۔

چھاتی کے کینسر کی نشوونما جوانی کے بعد ہوتی ہے۔

کئی ایک رسولیاں چھاتیوں میں ایسی بھی ہوتی ہیں جن کی شکل وشباہت اور کیفیت کینسر کے ابتدائی شکل وشباہت کی سی ہوتی ہے۔ یہ رسولی عموماً غدودوں کے بڑھ جانے سے نمودار ہوتی ہے اس لیے ان کا انگریزی میں نام (Adenoid Tumors Or Adendele) ہے۔

ایک اور قسم کے گومڑ بھی عورتوں کی چھاتیوں میں ملتے ہیں جو بیرونی چوٹوں کا محرک ہوتے ہیں۔ جن عورتوں کی چھاتی پر کوئی ضرب یا چوٹ پہنچتی ہے تو نازک ترین ریشوں میں سختی پیدا ہوجاتی ہے اور وہ سختی گردونواحی بناوٹ کو ماؤف کردیتی ہے اس سے گانٹھ یا رسولی پیدا ہوتی ہے۔

ایام رضاعت (Laetaion Period) میں دودھ کی نالیوں میں اجتماع دودھ ہوتا ہے تو وہ نالیاں سخت ہوجاتی ہیں اور ان کی سختی سے گردونواحی ریشے سخت ہوکر ایک خاصا گومڑ کی شکل اختیار کرلیتے ہیں اس گومڑ میں اتنی سختی ہوتی ہے کہ فوراً کینسر کا شک ہوجاتا ہے۔

علامات:۔ چھاتی کے گوشت بڑھ کر دودھ کی رگوں پر دباؤ ڈالنے کی صورت میں مریضہ پر گوشت وچربی کا غلبہ نمایاں ہوتا ہے۔

چھاتیاں بڑی ہوتی ہیں اور ان پر توانائی سرخی ہوتی ہے ان میں سے اکثر حالات میں دودھ کافی طور پر برآمد نہیں ہوتا اس سلسلہ میں بغیر کسی دوسرے سبب کی موجودگی کے پستانوں کی توانائی میں اضافہ ہوکر دودھ کا رک جانا ہے جس کا نتیجہ ورم اور رسولیوں کی صورت میں نکلتا ہے۔

اگر ورم مزمن ہوگیا ہے تو تمام پستان سخت معلوم ہوتے ہیں جو ایک گرہ سے بڑھ کر بادام کے برابر ہوتے ہیں بعد میں بڑھ کر بیضہ کے انڈے کے برابر ہوجاتے ہیں پھر اس میں درد' سوزش اور بے چینی ہوتی ہے۔ چھاتی کے سرطان کے گومڑ جلد کے نیچے حرکت نہیں کرپاتے جس میں تیر لگنے کے سے درد ہوتے ہیں۔

بریسٹ کے غدود کا سخت ہوجاتا۔

نپل (Nipple) سے اخراج پیپ یا خون کا۔

بغلوں (Arm Pit) میں غدود کا درد ہوتا۔

چھاتیوں کے سائز میں تبدیلی۔

چھاتیوں میں ڈنک لگنے والے درد' کبھی درد کا نہ ہونا بھی پایا جاتا ہے۔

ہنسلی کی ہڈی یا (Color Bone) میں درد۔

نپل میں درد' خارش' بے چینی' سوجن اور اخراج۔

یہ مشاہدات خود بھی کیے جاسکتے ہیں۔

یہ کینسر جسم کے مختلف حصوں کو بھی نقصان دیتے ہیں جیسے ہڈیاں' پھیپھڑے' جگر اور دماغ۔
تمام پستان سخت' نیلگوں' ابھری ہوئی کھرنڈ والی جگہیں جب کھرنڈ ہٹائے تو خون بہنے۔
پستان کی جلد پر چھوٹے چھوٹے دانے اور ان میں سے سڑی ہوئی بو آئے۔

تنفس میں دقت

کینسر کی جانب والے بازو کا مفلوج ہونا

اسباب:۔

بریسٹ کینسر سے بچنے کا کوئی راستہ نہیں لیکن اس کے خطرے کو کم کیا جاسکتا ہے۔
ورم پستان کا مزمن (پرانا) ہونا
بچے کے سر کی چوٹ کا لگ جانا۔
حیض (Menes) کا قبل از وقت بند ہوجانا۔
وزن کا حد سے بڑھنا۔
حد سے زیادہ آرام طلبی۔
کسی ڈرگ (تمباکو' کیفین) کا حد سے زیادہ استعمال۔
اپنے بجائے مصنوعی طریقوں سے بچے کا دودھ پلانا۔

ماحولیاتی آلودگی

تابکاری اور شعاعوں کے بداثرات
خواتین کو چاہیے کہ اپنی بریسٹ کا ہر ماہ ایک بار ریگولر چیک اپ لازمی کرائی رہیں۔
یاد رہے یہ چیک اپ (Menes) کے دوران میں کرانا چاہیے کیونکہ اس دوران بریسٹ میں قدرتی طور پر گلٹی موجود ہوتی ہے حد سے زیادہ گرم تاثیر والی اشیاء کا استعمال۔

پرہیز و غذا:۔

ثقیل' بادی' گرم چیزوں سے پرہیز' سبزیاں' مونگ کی دال' بکرے اور مرغی کا گوشت کا استعمال کریں۔

علاج بالمثل

مرض کی شروع میں ہی تشخیص ہوجائے تو ہومیوپیتھی طریقہ علاج بہترین ہے جو مرض کو شروع سے ہی عمل جراحی (Operation) تک جانے سے روکتی ہے۔
ذیل میں سے چند ادویات چھاتی کے کینسر کے لیے بہت مفید ہیں۔

ایپس ملیفیکا

سخت گومڑ' کھلے منہ والے کینسر جن میں ڈنگ دار دردیں ہوں۔

آرنیکا مانٹ

کسی بھی بیرونی چوٹ میں فوراً اس کا استعمال کرائیں۔

آرینسلک البم

آگ کی سی جلن' بدبودار زخم کینسر کی وجہ سے بے حد کمزور' جلد پر پیلا پن' مریضہ دن بہ دن دبلی ہوتی جائے۔

بیلا ڈونا

کینسر کے گومڑ' زخم سے سرخ لکیریں ہر طرف دردیں یکا یک ظاہر' تھوڑی دیر رہنے کے بعد ٹھیک ہوجائیں' حرکت سے بڑھ جائیں۔

برائی اونیا

کاٹنے والے جلن دار اور سکڑن کے درد جن کی زیادتی ماؤف جانب کے اعضاء کی حرکت سے ہو' مریضہ خاموش رہنا پسند کرے۔
اس کے علاوہ کلکیر یا کارب' کیمومیلا' پیپر سلف' کریازوٹ' مرکیوریس' کالونسھ' گریفائٹیں' لائیکوپوڈیم' پلساٹیلا' سیپیا' سلفر' فاسفوریس وغیرہ علامات کے مطابق استعمال کرانے چاہئیں۔

بریسٹ کینسر ڈے (Pink Ribbon)

پنک ربن (Pink Ribbon) بریسٹ کینسر سے آگاہی کی ایک بین الاقوامی علامت ہے۔ پنک ربن اور پنک رنگ شناخت ہے بریسٹ کینسر کے خلاف احتجاج کرنے والوں کا' یہ ربن بریسٹ کینسر کے قومی دن کے موقع پر اکثر سجا نظر آتا ہے تاکہ لوگوں میں اس مرض کی آگاہی اور شعور کو اجاگر کیا جائے کہ کس طرح عورت اس کے خلاف لڑسکتی ہے یہ دن اکتوبر کے مہینے میں پوری دنیا میں منایا جاتا ہے۔

ثانیہ سعید کی عمدہ اداکاری

ٹی وی اور تھیٹر کی فنکارہ ثانیہ سعید کا تھیٹر پلے لوریلائی آرٹس کونسل کے زیڈ اے بخاری آڈیٹوریم میں پیش کیا گیا۔ جو امریکہ کی ایک سچی کہانی پر مبنی ہے اس میں ثانیہ سعید نے بھی ایک ایسا کردار کیا ہے جسے دیکھ کر ہال میں موجود لوگ انگشت بدنداں رہ گئے۔

اداکاری نہیں تو شاعری

بین الاقوامی شہرت یافتہ گلوکار راحت فتح علی خان شاعر بھی نکلے اور یہ مژدہ ایک نجی چینل کے مارننگ شو میں ٹی وی فنکار بہروز سبزواری نے راحت فتح علی خان سے ہونے والی گفتگو میں کھولا۔ اس موقع پر راحت فتح علی خان نے اپنے چند اشعار بھی سنائے اور ساتھ ساتھ ایک گانا بھی گایا۔ ان کے گھرانے میں کلاسیکی موسیقی دو سو سال سے قائم ہے اور یہ روایت انہیں ان کے پردادا، دادا اور والد اور چچا کے ذریعے ملی۔ راحت فتح علی خان نے کہا کہ آٹھ سال کی عمر سے آج تک سیکھنے کے مراحل میں ہوں۔ ان کا بیٹا شاہ زمان اپنے دادا کو فالو کر رہا ہے اور ابھی سے موسیقی کی بنیادی تعلیم حاصل کر رہا ہے۔ آج کی موسیقی کلاسیکی موسیقی کو شدید نقصان پہنچا رہی ہے۔

فلم انڈسٹری کی ترقی

حکومت پاکستان نے فلم انڈسٹری کی آبیاری کا فیصلہ کر لیا ہے اور اس سلسلے میں 20 ارب کے پیکج کا جلد اعلان متوقع ہے۔ معلوم ہوا ہے کہ اس کے لیے ایک جامع پالیسی بھی مرتب کر لی گئی ہے اور اس پالیسی کے تحت فلمسازی کی جلد ابتدا ہوگی۔ علاوہ ازیں حکومت پاکستان نے ان دو سالوں میں بننے والی ان فلموں کا بغور جائزہ لیا جنہوں نے ملک و بیرون ملک کامیابی کے جھنڈے گاڑھ دیے اور بہترین بزنس کیا اسی تناظر میں حکومت نے فلم انڈسٹری کے لیے ایک بھاری پیکج کی تیاری کی اور اب جلد ہی اس کا باقاعدہ اعلان متوقع ہے۔

”ہو من جہاں“

بڑی اسکرین پر دھماکہ کرنے آنے والے ٹی وی فنکار عدیل حسین اور شہریار منور نے کہا ہے کہ فلم انڈسٹری کا تاریخی دور شروع ہو گیا ہے اور گزشتہ دو سالوں سے ریلیز ہونے والی فلمیں کامیابی سے ہمکنار ہو رہی ہیں۔ کراچی میں میڈیا سے گفتگو کرتے ہوئے انہوں نے کہا کہ ان کی آنے والی فلم ”ہو من جہاں“ ایک تفریحی اور میوزیکل فلم ثابت ہوگی۔ اس فلم کو نوجوان طبقہ ضرور پسند کرے گا۔ اس میں ایسے نوجوان کردار دکھائے ہیں جو اپنی زندگی اپنی مرضی کے بجائے معاشرے کے طے کردہ اصولوں کے مطابق گزارنے کا عزم کرتے ہیں۔ اس میں انسانی جذبات پر خصوصی توجہ دی گئی ہے۔ یہ فلم 2016ء کے نئے سورج کے ساتھ ریلیز ہوگی اور یقیناً کامیابی حاصل کرے گی۔

”ہم بھی وہیں موجود تھے“

آرٹس کونسل کراچی میں پاکستان ٹیلی ویژن کے سابق مینجنگ ڈائریکٹر اختر وقار عظیم کی تحریر کردہ کتاب ”ہم بھی وہیں موجود تھے“ کی تقریب رونمائی منعقد ہوئی جس میں پی ٹی وی کے سابقہ مینجنگ ڈائریکٹر، فرہاد زیدی، مشہور ڈرامہ رائٹر حسینہ معین اور انور مقصود نے بطور مہمان خصوصی شرکت کی، جبکہ دیگر مہمانوں میں پی ٹی وی سے وابستہ سابق شخصیات جن میں افتخار عارف، ایس ایچ قاسم جلالی، ایم ظہیر خان، تاجدار عادل، علی رضوی، اقبال لطیف، شاہد اقبال پاشا، شاہدہ شعیب رضوی اور موجودہ جنرل منیجر، عطاء اللہ بلوچ، ایگزیکٹو پروگرامز منیجر،

عفیفہ صوفیہ الحسینی، ایگزیکٹیو پروڈیوسر زرتاج علی، صحافی اور فنکاروں کی کثیر تعداد بھی اس تقریب میں موجود تھی۔ اس تقریب کے مہمان خصوصی فرہاد زیدی، حسینہ معین اور انور مقصود نے اختر وقار عظیم کی کتاب ''ہم بھی وہیں موجود تھے'' کے حوالے سے تعارفی کلمات ادا کرتے ہوئے کہا کہ اختر وقار عظیم نے اس کتاب کے ذریعے ماضی کی ان خوشگوار یادوں کو اس طرح قلمبند کیا ہے جسے پڑھنے سے پی ٹی وی سے منسلک ان شخصیات اور واقعات کی یاد تازہ ہوجاتی ہے جنہوں نے اپنی سچی لگن اور انتھک محنت سے پی ٹی وی کو ترقی کی راہ پر گامزن کیا اور اسے چار چاند لگائے۔

آرمی پبلک اسکول کے شہداء

آرمی پبلک اسکول کے شہداء کی پہلی برسی کے موقع پر گلوکار و اداکار سجاد خان نے بچوں کی وطن کے لیے دی گئی لازوال قربانی کی یاد میں وڈیو گیت ''ماں میں تجھے یاد آؤں گا'' کے عنوان سے تیار کیا ہے۔ جس کی عکس بندی انہوں نے مختلف مقامات پر کی ہے۔ گلوکار سجاد خان اور دیگر فنکاروں نے بھی پرفارم کیا ہے۔ گلوکار سجاد خان کا کہنا ہے کہ وطن پرستی اور حب الوطنی کو فروغ دینا وقت کا تقاضہ ہے۔ معصوم بچوں کی قربانیوں کو خراج عقیدت پیش کرنے کے لیے یہ گیت بنایا ہے۔

''سکندر''

اداکار، فلمساز معمر رانا کی پہلی فلم سکندر کی شوٹنگ کا باقاعدہ آغاز کردیا ہے اور ۷ دسمبر سے شروع ہونے والی شوٹنگ میں فلم کے مختلف اداکاروں کا کام فلمبند کیا گیا۔ فلم کے ایک حصہ کی شوٹنگ کراچی کے معروف ترین علاقے جمشید روڈ میں معمر رانا اور اداکار ندیم کے اوپر بعض مناظر فلمبند کیے گئے فلم کے سات گانوں میں دو گانے بینکاک میں فلمبند کیے جائیں گے جبکہ نذیر سرائی، ابرار الحق، فریحہ پرویز، حارث بیگ اور حمیرا ارشد کریں گے۔

(امید ہے کہ معمر رانا کی یہ فلم پہلی و آخری ثابت نہ ہو)

پہلی فلم ''راستے''

معروف ٹی وی فنکار اعجاز اسلم بھی اداکار بن گئے۔ (ارے مذاق نہیں سچ مچ والے) انہوں نے فلم ''راستے'' کی شوٹنگ میں باقاعدہ حصہ لیا ہے۔ فلم راستے کی ابتدائی عکسبندی میں شمعون عباسی، خالد حسن، سلیم معراج اور خود اعجاز اسلم نے حصہ لیا۔ فلم کے ڈائریکٹر ثاقب صدیقی اس میں ماڈل صائمہ اظہر کو بھی متعارف کرا رہے ہیں جبکہ اس کی بقیہ کاسٹ میں ساحر لودھی، نوید رضا اور اداکارہ ثنا بھی شامل ہیں جبکہ متیرا کو آئٹم سانگ کے لیے منتخب کیا گیا ہے فلم راستے کے فلمساز ڈاکٹر فیصل ہیں (پوسٹ مارٹم عوام کرے گی)۔ فلم میں راحت فتح علی خان، امجد صابری کے خوب صورت گیت بھی شامل کیے جائیں گے۔ (بھئی فلم کو کامیاب بھی تو کرنا ہے آخر)۔

''دو دونی چار''

آزاد تھیٹر کے بینر پر مزاحیہ ڈرامے ''دو دونی چار'' آرٹس کونسل کے اوپن ایئر تھیٹر میں پیش کیا گیا۔ ڈرامے کے مصنف ولیم پرویز، ڈائریکٹر ملک اسلم تھے۔ آزاد تھیٹر کے اس ڈرامے کے فنکاروں میں سرفراز انصاری، زوہیب حیدر، ندیم عباس، ولیم علی، زویا قاضی، عالیہ عباسی، نینی بلوچ، عمران خان، حسین عباس، نعمت علی، عامر علی طارق، حسین، سفینہ ملک اور حمزہ علی

شامل تھے۔

لاہور کے ترقیاتی کام

سینئر اداکار عابد علی نے کہا ہے کہ وہ ایک طویل عرصے بعد لاہور آئے ہیں اور یہاں بلند و بالا عمارتوں چوڑی سڑکوں اور پلوں کی تعمیرات دیکھ کر انہیں خوشی ہوئی انہوں نے کہا کہ پنجاب حکومت سندھ سے زیادہ اچھا کام کر رہی ہے۔

ممبئی پہنچ گئے

اداکار جاوید شیخ اور ان کی بیٹی مومل شیخ ان دنوں ممبئی میں ہدایتکار عزیز خان کی فلم "میری بھاگ جائے گی" کی شوٹنگ میں مصروف ہیں توقع ہے کہ دونوں اس مہینے کے وسط تک وطن واپس آجائیں گے (کون سے وطن......) "میری بھاگ جائے گی" ایک ہلکی پھلکی میوزیکل فلم ہے جس میں مومل شیخ جاوید شیخ کی بیٹی کا ہی کردار کر رہی ہیں۔ واضح رہے کہ جاوید شیخ حال ہی میں لندن میں ہونے والی ایک ایوارڈ تقریب میں بھی شرکت کر چکے ہیں جس میں ہدایتکار سید نور کو بھی ایوارڈ سے نوازا گیا تھا۔

"کامیڈی نائٹ ود کپل"

اداکار عمر شریف نے بھارتی اداکار کپل شرما پر الزام عائد کردیا ہے کہ وہ کامیڈی سمیت ان کے تیکھے جملے اور مکالموں کی ہوبہو نقل کرتا ہے اور وہ جس طرح جملوں کی ادائیگی کرتا ہے وہ انداز برسوں پرانے ہیں۔ عمر شریف نے ایک نجی تقریب میں کہا کہ بھارتی ٹی وی کا پروگرام کامیڈی نائٹ چربہ شو ہے اور میرے یہ تمام مکالمے میرا معروف ڈرامہ "بکرا قسطوں پر" سے لیے گئے ہیں۔ انہوں نے کہا کہ بانگ دہل مکالموں کی چوری

کرتے انہیں شرم آنی چاہیے۔

زندگی بھر شادی نہ کرتا

فلم ٹی وی کے اداکار دانش تیمور نے کہا کہ اگر میری عائزہ

سے شادی نہ ہوتی تو میں شاید شادی ہی نہیں کرتا، وہ اپنی اہلیہ ٹی وی فنکارہ عائزہ خان کے ہمراہ نجی ٹی وی کے مارننگ شو میں گفتگو کر رہے تھے دانش تیمور جو ان دنوں ہدایتکارہ سنگیتا کی رومانی فلم "تم ہی تو ہو" کی شوٹنگ کے سلسلے میں لاہور گئے ہوئے ہیں انہوں نے شو میں صاف گوئی سے کہا کہ میرے نصیب میں عائزہ تھی جو مجھے مل گئی دانش تیمور کی گفتگو کے دوران عائزہ کے تاثرات بھی مثبت تھے کیونکہ وہ بھی دانش کی جانب سے ادا کیے گئے جملوں پر مسکراتی رہیں۔

خوشی کی لہر

پاک بھارت ڈیڈلاک ختم ہوتے ہی فنکاروں میں خوشی کی لہر دوڑ گئی۔ کئی ماہ سے جاری سیاسی کشمکش سے وہ فنکار زیادہ اداس تھے جو بالی ووڈ کی فلموں میں کام کر رہے تھے۔ ان فنکاروں میں کاشف خان، شکیل صدیقی، رؤف لالہ، علی حسن، عرفان ملک، عمائمہ ملک، متیرا، سارہ لورین، فواد افضال خان، جاوید شیخ، مومل

شیخ، علی ظفر، راحت فتح علی خان، گلوکار فرحان سعید سمیت کئی فنکار شامل ہیں۔ ان فنکاروں نے کہا کہ بھارتی وزیر خارجہ کے دورہ پاکستان سے دونوں ممالک کے تعلقات میں اہم پیش رفت ہوگی اور اس دورے سے سیاسی، سماجی، ثقافتی اور خصوصاً کرکٹ پر خوشگوار اثرات مرتب ہوں گے اور ان سیاہ بادلوں کا خاتمہ ہوگا جو طویل عرصے سے دونوں ممالک کے تعلقات کو اپنی لپیٹ میں لیے ہوئے تھے۔

بارہ سال کی عمر میں پہلا ڈرامہ

جڑواں اور خوب صورت ٹی وی فنکارہ بہنیں مناہل اور

ایمن نے کہا ہے کہ ہم نے آٹھ سال کی عمر میں پہلا ٹی وی کمرشل اور بارہ سال کی عمر میں پہلے ٹی وی ڈرامے میں اداکاری کی تھی۔ دونوں فنکارہ بہنیں نجی ٹی وی کے مارننگ شو میں گفتگو کر رہی تھیں۔ ہمارے والدین نے ہمیں یہ باور کرا دیا تھا کہ پہلے پڑھائی اور بعد میں شوق پورا ہوگا ہم نے ان کی یہ بات اپنی گرہ میں باندھ لی تھی اور اللہ کا شکر ہے کہ اب ہم دونوں فیشن ڈیزائنر بننے کی تگ ودو میں ہیں۔ ایمن اس وقت ٹی وی ڈرامہ سیریل بے قصور میں ساجد حسن کی جوان بیوی کے روپ میں نظر آ رہی ہیں۔ دونوں فنکارہ بہنوں کے دونوں چھوٹے بھائی بھی جڑواں ہیں۔

اب فلم کی طرف بھی آؤں گا

متعدد کامیاب ٹی وی ڈراموں کے ڈائریکٹر ندیم بیگ نے اپنے اوپر عائد کیے جانے والے اس تاثر کو غلط قرار دیا ہے جس میں انہیں صرف مزاحیہ ڈرامے بنانے والے ہدایتکار سے تشبیہ دی ہے۔ باتیں کرنے والے لوگ اگر ان مزاحیہ ڈراموں کی باریکیاں سمجھ لیں تو یقیناً وہ ایسی باتوں سے اجتناب برتیں گے ندیم بیگ نے ایک انٹرویو میں کہا کہ اب میں باقاعدہ طور پر بڑی اسکرین کی جانب آ گیا ہوں اور ایک اچھے پروجیکٹ پر کام کر رہا ہوں۔ حمزہ علی عباسی نے میرے ڈرامے پیارے افضل میں عمدہ اداکاری کر کے کردار کے ساتھ انصاف کیا اس ڈرامے نے ملک گیر شہرت حاصل کی، انہوں نے ہمایوں سعید کو بھی منفرد اداکار قرار دیا اور کہا کہ جوانی پھر نہیں آنی ہر لحاظ سے ایک منفرد فلم تھی اور ہر سطح پر میری ڈائریکشن کو سراہا گیا اسی لیے میں نے بڑی اسکرین کی جانب راغب ہونے کا فیصلہ کیا۔ فلم اور ٹی وی تکنیک مختلف ہے لیکن ہمارے اداکار محنت کر کے دونوں میڈیا کی لاج رکھ رہے ہیں ہماری ملکی فلمیں اور ڈرامے بین الاقوامی سطح پر بھی مقبولیت حاصل کر رہے ہیں۔

نئی فلم

اداکارہ زیبا بختیار نے کہا ہے کہ میں ان دنوں اپنی نئی پروڈکشن کے ساتھ ٹی وی ڈرامے کی بھی تیاری کر رہی ہوں، ہمارے ملک میں ٹیلنٹ کی کوئی کمی نہیں یہی وجہ ہے کہ اس وقت نئی نسل کے پڑھے لکھے لوگ معیاری فلمیں بنا رہے ہیں۔ زیبا بختیار نے ایک انٹرویو میں کہا کہ میں نے زیرو ٹو ون بنا کر کئی تجربات حاصل کیے لیکن پھر بھی مایوس نہیں ہوئی، اور فلمیں بنانے کا جنون اور بڑھ گیا ہمارے ہاں اچھی کہانی لکھنے

والے موجود ہیں اس وقت جدید تکنیک کے رجحان کے ساتھ فلمیں بنائی جا رہی ہیں۔

خدیجہ احمد

گھریلو مسائل کے آسان حل

گھر کی چار دیواری کے اندر رہ کر آپ بہت سے ایسے کام کرسکتی ہیں جو نہ صرف آپ کے لیے معاشی پریشانیوں کا حل ہوں گے بلکہ آپ ان سے بہت سے گھریلو فوائد حاصل کرسکیں گی۔ یہاں ہم نے روزمرہ کی گھریلو زندگی میں کام آنے والے ٹوٹکے درج کیے ہیں۔ مہنگائی اور مصروفیت کے اس دور میں یہ گھریلو ٹوٹکے آپ کے لیے گوہر نایاب ثابت ہوں گے۔ ہر ٹوٹکے کو آسان اور موثر انداز میں درج کیا گیا ہے تاکہ آپ ان سے بھرپور استفادہ کرسکیں۔ یاد رکھیں سگھڑ عورت وہی ہے جو کم خرچ میں گھر کو جنت کا نمونہ بناسکتی ہے۔ عورت کی پہچان اس کے گھر کے طریقے اور سلیقے سے ہوتی ہے جو کم آمدنی میں بھی گھر کو صاف اور ستھرا اور خوب صورت بناسکتی ہے۔

دل

دل کی کمزوری دور کرنے کے لیے سنگترہ' انار اور مالٹا بہترین پھل ہیں۔

جگر

جگر خراب ہوجائے تو ٹماٹر' انار' انناس' آڑو اور لیموں استعمال کریں کیونکہ ان پھلوں میں ترشی اور نمکیات ہوتے ہیں جو جگر کے افعال کو درست رکھتے ہیں۔

دانت

دانتوں کی مضبوطی کے لیے سنگترہ' مالٹا' کینو وغیرہ استعمال کریں کیونکہ ان میں کیلشیم پایا جاتا ہے جو ہڈیوں کی مضبوطی کے لیے کارآمد ہوتا ہے۔

خشک کھانسی کے لیے

خشک کھانسی اور دمہ کے لیے روزانہ ایک تولہ اسپغول دودھ یا پانی کے ساتھ چالیس روز تک استعمال کریں۔

سر درد کے لیے

سر درد اور مرگی کے امراض میں الائچی کا شربت بنا کر استعمال کرنا مفید ہے۔

آدھے سر کا درد

اگر آدھا سر درد کررہا ہو تو سر کے جس حصے میں درد ہورہا ہو اس کی ناک کے مخالف نتھنے میں شہد کی بوندیں ڈال دیں' درد بند ہوجائے گا۔

بدھضمی کے لیے

دانہ الائچی خورد دو تولہ' مرچ سیاہ ایک تولہ' نمک سیاہ ایک تولہ نوشادر' دو تولہ' تمام اشیا کو کاٹ کر چورن بنالیں اور ڈبے یا شیشی میں بند کرلیں حسب ضرورت تقریباً آدھا ماشہ ہمراہ پانی صبح دوپہر اور شام ہر کھانے کے بعد استعمال کریں۔

پیٹ کا درد

ایک چٹکی میٹھا سوڈا ایک گلاس پانی کے ساتھ استعمال کرنے سے پیٹ کا درد دور ہوجائے گا۔

زبان کی لکنت کے لیے

زبان کے نیچے تیز پات کا سفوف بنا کر رکھنا یا پھر پتا ہی توڑ کر کھانا' لکنت زبان کو درست کرتا ہے۔

☆ پانی میں دار چینی ڈال کر ابال لیں اور اس سے غرارا کریں۔

☆ پانی میں نمک ڈال کر ابالیں اور غرارے کریں۔

بلغمی کھانسی کے لیے

ہلدی کو آگ میں بھون کر باریک پیس لیا جائے اور ایک ماشہ خوراک نیم گرم پانی کے ساتھ کھائی جائے بلغمی کھانسی چند روز میں اچھی ہوجاتی ہے۔

سرخ مرچ کے بیج ایک ماشہ باریک پیس کر ایک تولہ گڑ میں ملائیں اور ان کی گولیاں پندرہ عدد بنالیں' ہر روز بووقت صبح ایک گولی استعمال کریں' بلغمی کھانسی رفع ہوجائے گی۔

دانت اور مسوڑھے کا درد

شہد کو سرکے میں گھولیں اور اس کی کلیاں صبح شام کریں' دانت اور مسوڑھے مضبوط ہوجائیں گے۔

گرم چائے سے جلے کے لیے

گرم چائے یا کافی پینے سے زبان جل جاتی ہے اس کے لیے اگر آپ چینی کے چند دانے لے کر اپنی جلی ہوئی زبان پر ڈال دیں تو آپ کی زبان کو فوراً ہی اس پریشانی سے نجات مل جاتی ہے۔

بند ناک کھولنا

تھوڑی سی کالی مرچ اور اجوائن لیں اور انہیں گرم تیل میں ملا دیں اور پھر اسے سونگھیں اس عمل سے بند ناک فوراً کھل جائے گی۔ اس کے علاوہ خالص بادام کا تیل ایک قطرہ دونوں ناک کے نتھنوں میں ڈالیں اس سے ناک کھل جائے گی۔

چھینکیں آئیں تو......

اگر آپ کو بہت چھینکیں آئیں اور رکتی نہ ہوں تو آدھا کلو دودھ میں ایک چائے کا چمچ ہلدی ایک چمچ اجوائن اور تھوڑی سی دیسی شکر لے کر اتنی دیر تک پکائیں کہ دودھ ایک کپ رہ جائے۔ اس دودھ کو روزانہ رات کو ایک ہفتہ تک پئیں نزلہ زکام اور چھینکوں میں مفید ہے۔

خارش کا علاج

خارش خشک وتر کی صورت میں لیموں کا رس پانچ گرام عرق گلاب دس گرام اور چنبیلی کا تیل پندرہ گرام تینوں کو ملا کر خارش والی جگہ پر لگانے سے چند روز میں افاقہ ہوجائے گا۔

خونی بواسیر کے لیے

کریلے کے پتوں کا پانی پانچ تولہ گائے کے ایک پاؤ گھی میں ملا کر پکایا جائے جب پانی جل جائے تو باقی ماندہ گھی بواسیر خونی بادی کے مسوں پر لگانے سے چند دنوں میں مسے غائب ہوجاتے ہیں اور جلن تو ایک ہی دفعہ لگانے سے دور ہوجاتی ہے۔

نظر کی کمزوری دور کرنے کے لیے

اگر آپ روزانہ ایک امرود نہار منہ چالیس دن تک بلاناغہ کھائیں تو نظر کی کمزوری دور ہوجائے گی۔

قوت حافظہ کے لیے

نسیان دور کرنے کی خاطر کلونجی کے سات عدد دانے لے کر پیس لیں ایک چمچہ شہد پیا کریں اور دارچینی کے دو تین چھوٹے ٹکڑے دن میں چوس لیا کریں۔

آنکھوں کا درد دور کرنے کے لیے

آنکھیں دکھتی ہوں تو گوبھی کے پتوں کی ٹکیہ بنا کر آنکھوں پر باندھنے سے درد رفع ہوجاتا ہے۔

بچے کے نیپی ریشز کے آرام کے لیے

بچے کو اگر نیپی سے ریشز ہوجائیں تو آدھا حصہ سرسوں کا تیل اور آدھا حصہ پانی ملا کر لگائیں اور پیپمر باندھ دیں دونوں کو اتنا ملانا ہے کہ تیل اور پانی کی رنگت دودھیا ہوجائے۔

سردی سے آواز بیٹھ جائے تو......

اگر سردی سے آواز بیٹھ جائے تو اس صورت میں تھوڑا سا ادرک لے کر اس پر نمک لگا کر کھائیں آواز ٹھیک ہوجائے گی۔

گھبراہٹ اور سستی دور کرنے کا نسخہ

موسم گرما میں گھبراہٹ اور سستی محسوس ہوتی ہے اور کام کاج میں بھی دل نہیں لگتا۔ رات کو سوتے وقت یا صبح نہار منہ پودینے کی چائے بنا کر پئیں سارا دن طبیعت ہشاش بشاش رہے گی۔

آنکھوں کی کمزوری

نظر کمزور ہو تو ایک کپ خشخاش دھو کر سکھا لیں اس میں آدھا کپ بادام آدھا کپ سونف آدھا کپ سوکھا دھنیا اور مصری ملا کر پیس لیں اور صبح شام ایک کپ دودھ کے ساتھ ایک چمچہ کھا لیں ان شاء اللہ کچھ ہفتوں میں نمایاں بہتری ہوگی۔

لمبے کالے اور گھنے بال

ایک پیالی پانی میں لیموں کا رس نکال کر اس میں آملے کا سفوف ڈال کر حل کر لیں یہ آمیزہ بالوں پر لگانے سے بال لمبے کالے اور گھنے ہوجائیں گے۔